زیر ہدایت حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ
مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ
کمپیوٹرایڈیشن
فتاویٰ رحیمیہ
افادات
حضرۃ مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ
خطیب بڑی جامع مسجد راندیر ضلع سورت
دارالاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

فتاوی رحیمیہ

زیر ہدایت حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ

کمپیوٹر ایڈیشن

فتاویٰ رحیمیہ

جلد نہم

کتاب الایمان والنذور، کتاب الوقف، کتاب الصلح
کتاب اللقطہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الھبۃ

افادات

حضرۃ مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ
خطیب بڑی جامع مسجد راندیر ضلع سورت

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : مارچ ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
ضخامت : 326 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿........ ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست عنوانات فتاویٰ رحیمیہ جلد نہم

کتاب الایمان و النذور

کتاب الحدود و القصاص و الدیات

کتاب الامارۃ

کتاب الوقف

صفحہ	مضمون
۶۶	کہ واقف مر چکا ہے (۲) صورت مسئولہ میں واقف حیات ہے تو کیا حکم ہے؟:
	قبرستان کے لئے چندہ کیا گیا مگر مناسب زمین نہ ملی تو کیا وہ رقم
۶۶	مسجد مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟:
	احکام المساجد والمدارس
۶۸	مسجد کا حق متولی معاف کرسکتا ہے یانہیں؟:
۶۸	دخول مسجد کے وقت سلام کرے یانہیں:
۶۸	مسجد ومدرسہ کے لئے سرکار سے قرض لینا کیسا ہے؟:
۶۸	مسجد ومدرسہ کے لئے غیر مسلم کی امداد لینا:
۶۹	مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے؟:
۶۹	مسجد کس کو کہتے ہیں؟:
۷۰	مسجد کے کنوئیں کا استعمال کرنا کیسا ہے؟:
۷۰	مسجد کے روپے کہاں استعمال کرے؟:
۷۰	مسجد کے پیسوں کو بے جا استعمال نہ کیا جائے:
۷۰	ماہ رمضان میں مسجد کو سنوارنا:
۷۱	مسجد کو مسافر خانہ مت بناؤ:
۷۱	مسجد میں دنیوی باتیں کرنا:
۷۲	کیا مسجد کے چراغ کو تلاوت کے لئے لے سکتے ہیں؟:
۷۲	صحن میں تراویح پڑھ سکتے ہیں یانہیں؟:
۷۳	مسجد اور مدرسہ کا متولی ومہتمم پابند شرع دیانتدار ہونا چاہئے نااہل کی تولیت ٹھیک نہیں:
۷۵	نااہل متولی اور مہتمم اپنے ماتحت کام کرنے والے اہل علم کو اپنا نوکر سمجھتے ہیں:
۷۷	محراب میں تصویر آفتاب بنانا:
۷۹	بعض اوقات بطور مسجد جو مکان مستعمل ہو اس کا کیا حکم ہے؟:
۸۱	مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنالینا:
۸۳	دلیس نگر کی مسجد کا معاملہ:
۸۳	مفتی لاجپوری صاحب دامت فیوضہم کا معائنہ اور تبصرہ
۸۴	مسجد دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے یانہیں۔ اس کی قیمت لے جاسکتی ہے یانہیں؟:
۸۷	ایک وقف کی رقم دوسرے وقف میں استعمال کرنا:

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

بیع الصرف

بیع باطل وفاسد ومکروہ

مضمون	صفحہ

متفرقات فی البیوع

فسخ البیع

باب القرض

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

کتاب الایمان والنذور

جھوٹی قسم کا کفارہ کیا ہے؟:

(سوال ۱) ایک شخص نے کورٹ میں جھوٹی قسم کھا کر گواہی دی ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ کیا اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جھوٹی قسم کھانے والا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے۔ اس کے لئے کفارہ بھی نہیں۔ ہمیشہ بارگاہ خداوندی میں توبہ واستغفار کرتا رہے اور اپنے گناہ کی معافی چاہے۔ اس کو امام بنانا جائز نہیں۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔[1]

فقط واللہ اعلم بالصواب .

ستر ہزار ۷۰۰۰۰ رکعت نفل پڑھنے کی منت مانی ہو تو کیا کرے:

(سوال ۲) میرے نوجوان لڑکے قمر حسین نے میری خطرناک بیماری سے گھبرا کر منت مان لی ہے کہ میری صحت کے بعد ستر ہزار ۷۰۰۰۰ رکعت نماز نفل ادا کرے گا وہ چونکہ جسمانی لحاظ سے کمزور ہے اور سارا دن مصروفیت سے کاروبار سنبھالتا ہے اس لئے اب وہ ان نفلوں کو آٹھ آٹھ رکعت کر کے ۲۴ رکعت تک ادا کرتا ہے اس صورت میں ان کے ادا ہونے میں تقریباً آٹھ نو سال کا عرصہ لگ جائے گا کیا ایسی صورت میں کوئی کفارہ وغیرہ ہوسکتا ہے کہ جس کے ادا کرنے کے بعد یہ سب نفلیں ساقط اور معاف ہو جائیں۔ یا یہ نوافل گھر کے دوسرے افراد بھی تقسیم کر کے ادا کر سکتے ہیں ؟ بہر حال اس کی کوئی صورت آپ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا؟۔

(الجواب) نفل نماز کی منت میں رکعتوں کی تعداد کے مطابق روزانہ رات دن میں جتنی رکعتیں کھڑے ادا کر سکے ادا کر سکتا ہے مدت کی تعیین نہیں ہے لیکن جلد سبکدوش ہو جانے کی کوشش جاری رہے۔ اس کے لئے کوئی کفارہ وغیرہ بدل نہیں ہے[2]۔ **فقط واللہ اعلم بالصواب .**

ولی کے نام بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا:

(سوال ۳) ایک شخص نے اس طرح نذر مانی ”اے بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، آپ کے مزار پر الٹا لٹکوں گا، پھر اس کا کام ہو گیا، تو اس نے مزار پر بکرا ذبح کیا اور خود کو کئی گھنٹے الٹا لٹکایا، اس کی بیوی اس کے ساتھ مزار پر نہیں جا رہی تھی لیکن اس کو بھی زبردستی لے گیا، اب سوال یہ ہے کہ ایسا آدمی مسلمان رہا یا نہیں؟ اس کی بیوی سے اس کا نکاح ٹوٹ گیا یا باقی ہے؟ اگر نکاح رہا تو کیا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا؟ اگر نکاح نہیں ٹوٹا تو ایسے آدمی کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح کی نذر اور منت ماننا مزار پر بکرا ذبح کرنا، خود کو الٹا لٹکانا جائز ہے؟

---

(۱) فالغموس هو الحلف على امر ماض يتعمد الكذب فيه فهذه اليمين يأثم صاحبها لقوله عليه السلام من حلف كاذبا ادخله الله النار ولا كفارة فيها الا التوبة والاستغفار. هدايه كتاب الايمان ج ۲ ص ۴۷۸.

(۲) ومن نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط وكان من جنسه واجب ...... وهو عبادة مقصودة خرج الوضوء وتكفين الميت ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر لحديث من نذر وسمى فعليه الوفآء بما سمى كصوم وصلاة وصدقة ووقف واعتكاف درمختار مع الشامي مطلب في احكام النذر ج ۳ ص ۷۳۵ .

بینوا توجروا؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں نذر صحیح نہیں کہ یہ امور معصیت ہیں اور معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوتی، اس نذر کا پورا کرنا جائز نہیں، درمختار میں ہے وان لا یکون معصیة لذاته (درمختار ج۳ ص ۹۲ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

(سوال) نذر کردن بایں طور کہ اگر حاجت من برآرد بدرگاہ فلاں ولی ایں قدر از نقد و جنس طعام پختہ برسانم یا بنام اوشاں سبیل کنانم چہ حکم دارد۔ جائز یا گناہ کدام گناہ؟

(الجواب) نذر کردن باین طور کہ اگر حاجت من خدا برآرد بمزار فلاں ولی ایں قدر از نقد و جنس طعام پختہ برسانم درست نیست زیرا کہ در نذر کردن خدائے تعالیٰ چند شروط است اگر ہمہ متحقق شوند نذر لازم می شود والا لازم نیست ...... الی قولہ ...... چہارم آنکہ منذور فی نفسہ گناہ نباشد اگر گناہ خواہد شد اصلاً در نذر کردن برولازم نخواہد شد چنانچہ در فتاویٰ عالمگیری مرقوم است الاصل ان النذر لا یصح الا بشروط...... الی قوله...... والرابع ان لا یکون المنذور معصية باعتبار نفسه انتهى چوں ازیں عبارت معلوم شد کہ در نذر کردن چند شروط ضرور است، پس در سوال کہ مرقوم است کہ بدرگاہ فلاں ایں قدر طعام پختہ برسانم رسانیدن طعام جائے عبادت نیست پس نذر صحیح نخواہد شد...... الخ (مأتہ مسائل ص ۸۱ تا ص ۸۴ فارسی)

ترجمہ:۔(سوال) اس طرح منت ماننا کہ اگر خدا میری حاجت بر لائیں تو فلاں ولی کے مزار پر اس قدر نقدی اور کھانا پہنچاؤں یا ان کے نام کی سبیل لگاؤں یہ کیسا ہے؟ جائز ہے یا گناہ؟ اگر گناہ ہے تو کس قسم کا گناہ؟

(الجواب) اس طرح منت ماننا کہ اگر خداوند تعالیٰ میری حاجت بر لائیں تو فلاں ولی کے مزار پر اس قدر نقد و جنس اور پکا ہوا کھانا پہنچاؤں جائز نہیں اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی منت ماننے میں چند شرطیں ہیں اگر تمام شرطیں پائی جائیں گی تو نذر لازم ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ الی قولہ۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جو چیز منت میں مانی جائے وہ فی نفسہ گناہ نہ ہو اگر وہ فعل گناہ ہو تو منت کا پورا کرنا اس پر کبھی بھی لازم نہ ہوگا چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ نذر صحیح نہیں ہوتی ہے مگر چند شرطوں کے پائے جانے پر۔ الی قولہ۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ منذور فی نفسہ گناہ نہ ہو۔ انتہی۔ جب اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ نذر ماننے میں چند شرطیں ضروری ہیں تو سوال میں جو صورت مرقوم ہے کہ فلاں ولی کے مزار پر اس قدر کھانا پہنچاؤں گا، مزار پر کھانا پہنچانا عبادت نہیں ہے اس لئے اس صورت میں نذر صحیح نہ ہوگی، اگر اس طرح کہا جائے کہ اگر خداوند تعالیٰ میری حاجت بر لائیں تو فلاں مزار کے فقیروں اور مجاوروں کو کھانا کھلاؤں گا تو نذر صحیح ہو جائے گی اور اس کی وفا لازم ہوگی، لیکن فقراء، مزار، مجاوروں کی تخصیص نذر کے پورا کرنے میں ضروری نہیں جس فقیر کو بھی دے دے گا نذر پوری ہو جائے گی اور اگر اس طرح کہے کہ اگر میری حاجت بر آئے تو فلاں ولی کے لئے یا فلاں ولی کے نام پر اس قدر نقدی وغیرہ دوں گا تو ایسی منت ماننا بالا جماع باطل ہے، اور وہ کھانا حرام ہے چنانچہ معتبر کتابوں کے حوالہ سے لکھا جائے گا، اور اسی قسم سے ہے اگر یہ کہے کہ یہ چیز اس ولی اور سید کے نام کی ہے (تو یہ بھی حرام ہے) عالمگیری میں ہے وہ نذریں جو اکثر عوام مانتے ہیں کہ صلحاء کی قبر پر جاتے ہیں اور غلاف اٹھا کر مثلاً یہ کہتے ہیں کہ میں اس قدر مال اب قبر پر چڑھاؤں اے میرے سید اگر پوری فرمائیں میری حاجت کو تو یہ بالا جماع باطل ہے۔ الی قولہ۔ اور جب تم نے یہ سمجھ لیا

تو یہ بھی سمجھ لو کہ وہ مال اور اس کے مثل اور چیزوں جو اولیاء کے مزار پر ثواب کے لئے لے جایا کرتے ہیں وہ بالا جماع حرام ہیں۔ جب تک کہ زندہ محتاجوں پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے اور اس پر سب متفق ہیں اور اس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں (عالمگیری) بحرالرائق میں ہے وہ نذریں جو اکثر عوام مانتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ کسی غائب آدمی کے لئے یا کسی بیمار کے لئے یا خود اس کو کوئی حاجت درپیش ہو تو وہ صلحاء کے مزار پر جاتا ہے اور مزار کے غلاف کو سر پر رکھ کر کہتا ہے اے میرے فلاں سید اگر آ جائے میرا غائب آدمی یا اچھا ہو جائے میرا مریض ، یا پوری ہو جائے ، میری حاجت ،تو آپ پر اس قدر مال اس قدر کھانا یا اس قدر پانی یا اس قدر تیل یا اس قدر موم بتیاں یا اس قدر چراغ چڑھاؤں گا تو ایسی منت چند وجوہ سے بالا جماع باطل ہے۔ اول تو اس لئے کہ یہ منت مخلوق کے لئے ہے اور مخلوق کے لئے منت ماننا کسی صورت میں جائز نہیں ، اس لئے کہ منت عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے ہوتی ہی نہیں۔ اور اس وجہ سے کہ اگر گمان ہو کہ اللہ کی سوا امور دنیاوی میں میت بھی متصرف ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے۔ الی آخرہ۔ (امداد المسائل ترجمہ مأۃ مسائل ص ۹۰ ،ص ۹۱ ،ص ۹۲)

مالا بدمنہ میں ہے: ۔ سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء و اولیاء وطواف گرد قبور کردن و دعا از آنہا خواستن و نذر برائے آنہا قبول کردن حرام است بلکہ چیز ہا ازاں بہ کفر می رسانند پیغمبر ﷺ برآنہا لعنت گفتہ ، وازاں منع فرمودہ وگفتہ کہ قبر مرابت نہ کنند۔ یعنی۔ انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی طرف سجدہ کرنا اور ان سے دعا مانگنا اور ان کی نذر ماننا حرام ہے بلکہ بعض چیزیں کفر تک پہنچانے والی ہیں ، پیغمبر علیہ السلام نے ایسی چیزوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ میری قبر کو بت نہ بنانا۔ (مالا بدمنہ ص ۸۰)

لہذا اس طرح منت ماننا کہ ''اے بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، آپ کے مزار پر الٹا لٹکوں گا'' سخت گناہ اور حرام ہے ، اور مشرکانہ فعل ہے ، یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوئی ، یہ چیز جہالت سے سرزد ہوئی ہے اس لئے توبہ و استغفار لازم ہے اور ایسی صورت میں احتیاطاً و جزاً تجدید نکاح کا حکم کیا جائے گا ، شامی میں ہے **نعم سیذکرہ الشارح ان مایکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل والنکاح وما فیہ خلاف یؤمر بالا ستغفار والتوبة وتجدید النکاح وظاھرہ انه امر احتیاط الخ (شامی ج۳ ص ۳۹۹ باب المرتد) فقط واللہ اعلم بالصواب .**

جس جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانی کیا اس کو بدلا جا سکتا ہے؟:

(سوال ۴) بعد سلام مسنون! ایک مسئلہ دریافت طلب ہے ، وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اپنے دو بکروں میں سے ایک کو صدقہ کروں گا اور ابھی کام ہوا نہیں ہے لیکن امید ہے کہ آئندہ وہ کام ہو جائے تو کیا ابھی اس بکرے کی قربانی کر سکتا ہے؟ اس کا خیال یہ ہے کہ بکرے کی قیمت لگا کر قیمت محفوظ رکھ لے اور جب کام پورا ہو جائے تو اس قیمت کا بکرا خرید کر صدقہ کر دے اور جو بکرا موجود ہے اس کی قربانی کر ڈالے ، شرعاً اس کی اجازت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں بہتر یہ ہے کہ دو بکروں میں سے جو اچھا ہو اسے رکھ لیا جائے ، دوسرے کو فروخت کر دیا

جائے یا قربانی کردی جائے اور یہ بھی درست ہے کہ دونوں کو فروخت کردیا جائے یا قربانی کردی جائے اور جب کام پورا ہوجائے تو ایک بکرے کی قیمت صدقہ کردی جائے، یا اس کا بکرا خرید کر صدقہ کردیا جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔
اس قسم کی سوال کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ارقام فرمایا ہے۔"یہ بھی اختیار ہے خواہ ذبح کرکے تصدق کردے یا بکری کی قیمت کا تصدق کردے اور بیچ ڈالنے کے بعد بھی دونوں اختیار ہیں کہ خواہ دوسری بکری خرید کر ذبح وصدقہ کردے یا وہ قیمت صدقہ کردے (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۹۶) فقط واللہ اعلم بالصواب،
یکم ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ۔

روزہ کی نذر کی صورت میں فدیہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں:

(سوال ۵) زید نے نذر مانی کہ اگر میرے بھائی کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تو میں تیس روزے رکھوں گا، زید کے بھائی کی طبیعت کچھ ٹھیک ہوگئی ہے اور اب وہ اپنی نذر پوری کرنا چاہتا ہے لیکن زید تاجر ہے اس کو روزہ رکھنا مشکل ہوگا اور پابندی نہ ہوسکے گی تو وہ ان روزوں کا فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا روزہ ہی رکھنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) صورت مسئولہ میں برادر زید کی طبیعت ٹھیک ہوجانے پر زید پر ایک ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہیں، مسلسل رکھنا ضروری نہیں متفرق بھی رکھ سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے **وقد روی عن محمد قال ان علق النذر بشرط یرید کونہ کقولہ ان شفی اللہ مریضی او رد غائبی لا یخرج عنہ بالکفارۃ کذافی المبسوط ویلزمہ عین ما سمی کذا فی فتاویٰ قاضی خان.** امام محمدؒ فرماتے ہیں۔ اگر نذر ایسی شرط کے ساتھ معلق کی جس کے پورا ہونے کی اسے تمنا ہے جیسے یوں کہا "اگر اللہ تعالیٰ میرے بیمار کو شفا عطا کرے یا میرے گم شدہ کو واپس لوٹا دے تو میں یہ کام کروں گا، تو کفارہ کافی نہ ہوگا اور جس چیز کی نذر مانی ہے وہ پور کرنا لازم ہوگا (فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۴۲) (ہدایہ اولین ص ۴۶۳)

دوسری جگہ ہے **ولو قال للہ علی ان اصوم شھر امثل شھر رمضان ان نوی المماثلۃ فی التتابع یلزمہ صوم شھر متتا بعاً وان نوی المماثلۃ فی العدد اولم یکن لہ نیۃیلزمہ ان یصوم ثلثیں یوماً ان شاء صام متفرقاً وان شاء متتا بعاً کذا فی المحیط.** یعنی۔ اگر اس طرح نذر مانی میں ماہ رمضان کی طرح ایک مہینہ کے روزے اللہ کے واسطے رکھوں گا، اگر اس سے یہ مراد ہو کہ رمضان مانند مسلسل ایک ماہ کے روزے رکھوں گا تو اس کو لگا تار ایک ماہ کے روزے لازم ہوں گے۔ اور اگر یہ نیت ہو کہ رمضان کے روزوں کے عدد (گنتی) کے مطابق روزے رکھوں گا یا کچھ نیت نہ ہو تو اس کو تیس روزے لازم ہوں گے چاہے متفرق رکھے یا مسلسل۔ کذا فی المحیط (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۵ کتاب الصوم الباب السادس فی النذر) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قسم کا کفارہ صرف ایک مسکین کو دینا صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۶) قسم کے کفارہ میں گیہوں یا اس کی قیمت دس مسکینوں کے بجائے ایک ہی مسکین کو دینا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) ایک شخص کو ایک ہی دن میں پورا کفارہ دینا صحیح نہیں ہے ہاں ایک مسکین کو دس دن تک صدقۂ فطر کے برابر

گیہوں یا اس کی قیمت دیتا رہے یا ایک ہی مسکین کو صبح وشام دس دن تک کھلاتا رہے تو یہ صحیح ہے کفارہ ادا ہو جائے گا۔
شامی میں ہے (قوله عشرة مساكين) اى تحقيقا او تقديراً حتى لو اعطىٰ مسكيناً واحداً فى عشرة ايام كل يوم نصف صاع يجوز و لو اعطاه فى يوم واحد بد فعات فى عشر ساعات قيل يجزئ وقيل لا هو الصحيح لانه انما جاز اعطائه به فى اليوم الثانى تنزيلاً نه منزلة مسكين آخر لتجدد الحاجة من حاشية السيد ابى السعود (شامى ج۳ ص ۸۲ مطلب كفارة اليمين) فقط والله اعلم بالصواب .

شوہر نے بیوی سے کہا اگر تو فلاں سے بات کرے تو تجھے طلاق کی قسم:

(سوال ۷) زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا ''اگر تو میری بہن کے گھر گئی یا بہن سے بات چیت کی اسی طرح میری بھاوج سے بات چیت کی تو تجھے طلاق کی قسم'' تاہم ہندہ باز نہ آئی اور زید نے جن جن لوگوں سے بات کرنے سے منع کیا تھا ان سب سے بات کر لی اور زید کی بہن کے گھر بھی گئی، تو ہندہ زید کے نکاح میں رہے گی یا نہیں؟ اور اس پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ دلائل سے آراستہ فرما کر ممنون فرمائیں، فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۷۵ ج نمبر ۵۔ (۱) پر ''طلاق کی قسم'' اس لفظ سے طلاق رجعی کے وقوع کا فیصلہ فرمایا ہے صورت مسئولہ کیا حکم ہوگا وضاحت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں اور فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۷۵ ج ۵ کے جس سوال و جواب کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس میں فرق ہے، فتاویٰ رحیمیہ کے سوال کی نوعیت یہ ہے ''بیوی نے کہا آپ جوا چھوڑ دیجئے اور میری طلاق کی قسم کھائیے اس پر شوہر نے کہا مجھے طلاق کی قسم منظور ہے شوہر کے جواب کی وجہ سے یمین کے انعقاد کا اور اس کے خلاف کرنے (یعنی جوا کھیلنے) پر ایک طلاق رجعی کے وقوع کا حکم لگایا گیا ہے...... مگر صورت مسئولہ میں صرف شوہر کا یہ قول مذکور ہے ''اگر تو میری بہن کی گھر گئی یا میری بہن یا میری بھاوج سے بات کی تو تجھے طلاق کی قسم'' اس میں یمین کی نسبت بیوی کی طرف ہے، اور سوال میں بیوی کا جواب مذکور نہیں ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں نہ شوہر کے حق میں یمین کا انعقاد ہوا نہ بیوی کے حق میں (البتہ اگر بیوی نے جواب میں یہ کہا ہوتا'' ہاں مجھے یہ منظور ہے'' تو بیوی کے حق میں یمین منعقد ہو جاتی) درمختار میں ولو قال عليك عهد الله ان فعلت كذا فقال نعم فالحالف المجيب . شامی میں ہے (قوله فالحالف المجيب) ولا يمين على المبتدى وان نوى اليمين خانية وفتح اى لا سناده الحلف الى المخاطب فلا يمكن ان يكون الحالف غيره (درمختار و شامى ج۳ ص ۱۹۱ كتاب الايمان ، قبيل كتاب الحدود) فقط والله اعلم بالصواب .

ہر جمعہ کے روزہ کی نذر مانی تو کیا خاص جمعہ ہی کا روزہ ضروری ہے؟ اور کسی وجہ سے نہ رکھ سکا تو کیا حکم ہے:

(سوال ۸) زید بیمار تھا اس نے نذر مانی کہ اگر میں صحت یاب ہو جاؤں تو ہر جمعہ کو روزہ رکھا کروں گا، اللہ نے صحت دے دی، تو کیا زید کو خاص جمعہ ہی کا روزہ ضروری ہے؟ یا ہفتہ میں کسی دن روزہ رکھنے سے نذر ادا ہو جائے گی، اور کیا

---

(۱) جدید ترتیب کے مطابق کے طلاق معلق کے باب میں شوہر سے جوا چھوڑنے پر طلاق کی قسم لے الخ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے

زندگی بھر کے ہر جمعہ کو روزہ رکھنا پڑے گا جب کہ نیت میں پوری زندگی کا ہر جمعہ شامل ہے، پھر کسی عذر سے جمعہ کا روزہ نہ رکھ پائے تو قضاء رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ صورت مسئولہ میں جب زید نے جمعہ کے دن کی تخصیص کر کے نذر مانی ہے، اور اس کی نیت جمعہ ہی کے دن روزہ رکھنے کی ہے تو شرط پوری ہونے پر صرف ہر جمعہ کا روزہ رکھنا لازم ہوگا، ہفتہ میں کسی اور دن روزہ رکھنا کافی نہ ہوگا، اور اگر کسی مجبوری یا عذر سے جمعہ کا روزہ نہ رکھ سکے تو دوسرے دن اس کی قضا کرے، اور چونکہ زید نے "ہر جمعہ" کہا ہے، اور زندگی بھر روزہ رکھنے کی نیت تھی، تو پوری زندگی ہر جمعہ کا روزہ لازم ہے، آئندہ شیخ فانی ہونے کی وجہ سے یا ذریعۂ معیشت کے سخت اور مشقت طلب ہونے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو روزہ کا فدیہ ادا کرے، اور اگر غربت کی وجہ سے فدیہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو استغفار کرے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: واذا نذر بصوم کل خمیس یاتی علیه فافطر خمیسا واحدا فعلیه قضاءہ، کذافی المحیط ولو اخرا لقضاء حتی صار شیخاً فانیاً و کان النذر بصیام الأبد فعجز لذلک او باشتغا له بالمعیشة لکن صنا عته شاقة له ان یفطر ویطعم لکل یوم مسکیناً علی ما تقدم وان لم یقدر علی ذلک لعسرته یستغفر الله انه هو الغفور الرحیم ولو لم یقدر لشدة الزمان کالحر له ان یفطر وینتظر الشتاء فیقضی، کذا فی فتح القدیر (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۳۵ ج ۱ الباب السادس فی النذر)

وان جعل علی نفسه ان یصوم الیوم الذی یقدم فیه فلان وجعل علی نفسه ان یصوم الیوم الذی یعافی فیه فلان ابدا فعوفی فلان فی الیوم الذی قدم فیه فلان فعلیه صوم ذلک الیوم وحده ابداً ولا شئی علیه غیر ذلک، کذافی المحیط (عالمگیری ص ۱۳۴ ج ۱ باب نمبر ۲ فی النذر) فقط والله اعلم بالصواب . ۲۱ ذی الحجه ۱۴۰۵ھ.

کاروباری آدمی کا اپنے کاروبار میں سے ایک متعینہ رقم اعزاء واحباب کو دینے کی نیت کرنا:

(سوال ۹) ایک صاحب کاروبار میں یہ نیت کرتے ہیں کہ مجھے یومیہ جتنا نفع ہوگا اس کا ایک فیصد منافعہ نکال کر اپنے عزیزوں، دوستوں اور اپنے اکابر کی خدمت میں پیش کروں گا، شرعاً اس رقم کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ صرف ایک ارادہ ہے نذر و منت نہیں ہے لہذا اس کو للہ اور خیرات (امداد) کی رقم کہا جائے گا، ہر ضرورت مند کو چاہے وہ مستحق زکوٰۃ نہ ہو یہ رقم دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الحدود والقصاص والدیات

قومی فساد کے موقعہ پر قتل مسلم کے عوض کسی بھی کافر کو قتل کرنا:

(سوال ۱۰) فسادات میں کسی جگہ مسلمان قتل ہوتا ہے تو اس کے قاتل کو تلاش کرنا اور مارنا کارے دارد، اگر مسلمان اس کے بجائے کسی بھی کافر کو اپنے علاقہ میں گھیر گھار کر یا موقع پا کر قتل کر دیں تو شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر کافر بالمقابل ہو یا مسلمان کو قتل کر چکا ہو یا اس سے خطرہ ہو یا قاتلین کی مدد کرتا ہو تو اسے مارا جا سکتا ہے، اور اگر بے قصور ہو تو مارنا جائز نہیں۔ علی ہذا عورت کو جب کہ وہ مقابلہ میں نہ ہو، اور شیخ فانی اور بچہ کو قتل کرنا درست نہیں، الا یہ کہ ان میں سے کوئی مقابلہ میں آئے یا صاحب رائے ہو اور دشمنوں کا تعاون کر رہا ہو۔ ہدایہ اولین میں ہے: و لا یقتلوا امرأةً ولا صبیاً ولا شیخاً فانیاً ولا مقعداً ولا اعمیٰ لان المبیح للقتل عندنا ھو الحراب ولا یتحقق منھم ولھذا لا یقتل یا بس الشق والمقطوع الیمنیٰ والمقطوع یدہ ورجلہ من خلاف ...... الی قولہ ...... الا ان یکون احد ھؤ لاء ممن لہ رأی فی الحراب او تکون المرأة ملکة لتعدی ضررھا الی العباد وکذا یقتل من قاتل من ھؤ لاء دفعاً لشرہ ولان القتال مبیح حقیقة ولا یقتلوا مجنونا لانہ غیر مخاطب الا ان یقاتل فیقتل دفعاً لشرہ . الخ (ھدایہ اولین ص ۵۴۲ ج ۲، کتاب السیر ، باب کیفیة القتال .)

درمختار میں ہے: ونھینا . (عن قتل امرأة وغیرہ مکلف وشیخ) خر (فان) لا صیاح ولا نسل لہ فلا یقتل ...... (واعمی مقعد) وزمن ومعتوہ وراھب واھل کنائس لم یخا لطوا الناس (الا ان یکون احدھم ملکاً) او مقاتلاً (او ذارأی) او مال (فی الحرب ولو قتل من لا یحل قتلہ) ممن ذکر (فعلیہ التوبة والاستغفار فقط) کسائر المعاصی الخ .

(درمختار مع الشامی ص ۳۱۰، ص ۳۱۱ ج ۳، کتاب الجھاد مطلب فی بیان نسخ المثلثہ)

حصن حصین میں ہے: جب کسی (سردار) کو کسی لشکر یا فوجی دستے کا امیر (سپہ سالار) بنائے تو (اول) اس کو خود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور (پھر) اپنے ماتحت مسلمان (سپاہیوں) کے ساتھ بھلائی (اور حسن سلوک) سے پیش آنے کی وصیت کرے پھر کہے۔

(۲) انطلقوا بسم اللہ وباللہ وعلیٰ ملة رسول اللہ ولا تقلتوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً ولا صغیراً ولا امرأةً ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین.

جاؤ اللہ کا نام لے کر اور اللہ کی مدد کے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کے دین پر (قائم رہو) کسی بوڑھے ناکارہ آدمی کو قتل مت کرو اور شیر خوار بچہ کم سن لڑکے اور عورت کو بھی قتل نہ کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو (بلکہ) مال غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دو (اور تقسیم کے بعد اپنا اپنا حصہ لو) اپنے باہمی معاملات درست رکھو اور (ایک دوسرے کے ساتھ) اچھا

سلوک کرو بے شک اللہ تعالیٰ اچھا سلوک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ف:۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی کو امیر لشکر بناتے اور لشکر روانہ کرتے تو یہی وصیت کرتے اور دعائیں دیتے۔(حصن حصین ص عربی) حصن حصین ص ۱۶۸ ص ۱۷۰ اردو) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایکسیڈنٹ میں رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۱) ایک اسکوٹر سوار کا ٹرک سے ایکسیڈنٹ ہو گیا، ٹرک والے نے اسے ٹکر ماری جس کی وجہ سے اسکوٹر کا بھی نقصان ہوا اور اسکوٹر سوار کا ہاتھ پیر ٹوٹ گیا، عدالت مجرم سے یا بیمہ کمپنی سے کچھ رقم دلواتی ہے تو یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر لے سکتے ہوں تو لے کر خود استعمال کرے یا صدقہ کرے؟ اور اگر اسکوٹر سوار مر جائے اور عدالت رقم دلوائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اسکوٹر سوار بالکل بے قصور تھا، ٹرک ڈرائیور ہی قصوروار تھا تو عدالت اگر مجرم سے کچھ رقم دلوائے تو بقدر نقصان رقم لینا جائز ہے، مر جانے کی صورت میں شرعاً مجرم کے عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے، جو لوگ اس کے ہم پیشہ ہوں وہ اس کے عاقلہ ہیں، اور اگر اسکوٹر سوار کا قصور ہو تو اس کی ذمہ داری ٹرک ڈرائیور پر ڈالنا صحیح نہیں۔

ہدایہ اخیرین میں ہے:ومن قاد قطاراً فهو ضامن لما اوطأ . فان وطى بغير انسانا ضمن به الدية على العاقلة لان القائد عليه حفظ القطار كالسائق وقد امكنه ذلک وقد صار متعديا بالتقصير فيه والتسبيب بوصف التعدى سبب الضمان الا ان ضمان النفس على العاقله فيه (اى فى التسبيب) وضمان المال فى ماله(هدايه اخيرين ص ۵۹۷ باب جناية البهيمة والجناية عليها .

نیز ہدایہ میں ہے۔الراكب ضامن لما اوطأت الدابه ما اصابت بيدها او رجلها اور أسها او كدمت او خبطت وكذا اذا اصطدمت...... والاصل ان المرور فى طريق المسلمين مباح مقيد بشرط السلامة لانه يتصرف فى حقه من وجه وفى حق غيره من وجه لكونه مشتركا بين كل الناس فقلنا بالا باحة بما ذكرنا ليعتدل النظر من الجانبين . الخ (هدايه اخيرين ص ۵۹۴ ايضاً)

درمختار میں ہے:۔(وضمن عاقلة كل فارس) اور اجل (دية الاخر ان اصطدماوماتامنه) فوقعا على القفا (درمختار)

شامی میں ہے:۔(قوله ان اصطدما) اى تضار بابا لجسدلہ درمنتقى وهذا ليس على اطلاقه بل محمول على ماذا تقابلا لما فى الا ختيار سار رجل على الدابة فجاء راكب من خلفه فصدمه فعطب المؤخر لاضمان على المقدم وان عطب المقدم فالضمان على المؤخر وكذا فى سفينتين اه (درمختار و شامى ص ۵۳۳ ج۵، كتاب الجناية، باب جناية البهيمة)

الاختیار میں ہے:فى نوادر ابن رستم رجل سارعلى دابة فجاء راكب من خلفه فصدمه فعطب المؤخر لاضمان على المقدم، وان عطب المقدم فالضمان على المؤخر ، وكذا فى

السفينتين ، ولو كانا دابتين وعليهما راكبان قد استقبلت واصطدمتا فعطبت احد هما فالضمان على الاخر .(الاختيار لتعليل المختار ص ۴۹، ص ۵۰)

دیت شرعاً عاقلہ پر لازم ہوتی ہے مگراس زمانہ میں عاقلہ پر لازم کرنا بہت مشکل ہے اس کے لئے تو شرعی قاضی چاہئے جس کے پاس قوت نافذہ ہو۔

فی زماننا ہمارے علم کے مطابق ایسی رقم عدالت بیمہ کمپنی سے دلواتی ہے اگر بیمہ کمپنی رقم ادا کرتی ہو تو چونکہ بیمہ کمپنی کی آمدنی زیادہ تر سودی کاروبار سے حاصل ہوتی ہے لہذا اگر اس کے ورثاء بے حد محتاج اور ضرورت مند ہوں تو ان کے لئے بیمہ کمپنی سے رقم لے کر بقدر ضرورت استعمال کرنے کی گنجائش ہے اور زائد از ضرورت غرباء کو دے دیں اور اگر وہ محتاج نہ ہوں تو پوری رقم غرباء اور مساکین کو دے دی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زہر کھلا کر مارنا کیسا ہے:

(سوال ۱۲) زید کی بیوی بدکار ہے۔ چند بار سزا دی۔ تب بھی بدکاری سے باز نہیں آتی۔ خود شوہر نے دیکھا۔ چونکہ آج کل سنگساری کی سزا کا اجراء دشوار ہے تو زہر کھلا کر مار ڈالے تو گناہ تو نہیں ؟ کیا مار ڈالنے کی گنجائش ہے ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر کے لئے جائز نہیں کہ زہر کھلا کر مار ڈالے۔ شرعی حد (سزا) رجم ہے اور یہ حد مسلمان حاکم جاری کر سکتا ہے ورکنه' اقامة الامام أو نائبه فى الاقامة ، فتاوىٰ عالمگیری کتاب الحدود ج ۲ ص ۱۴۳ . شوہر کو حق نہیں۔ جب اس نے بدکاری میں مبتلاء ہونے کی حالت میں دیکھا ہے تو چاہئے کہ اس کو طلاق دے دے اور مہر باقی ہو تو ادا کر دے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دارالکفر میں زنا کے ارتکاب پر سزا کی کیا صورت ہوگی:

(سوال ۱۳) مجھ سے ایک بہت سخت جرم ہو گیا ہے۔ جس پر مجھ کو بہت ہی ندامت ہے اور دل سے چاہتا ہوں کہ اس جرم کی شریعت محمد یہ میں جو بھی سزا ہو وہ مجھ کو اس دنیا میں دیدی جائے تا کہ آخرت میں اس کی سزا سے بچ جاؤں اور دوسروں کو بھی اس سے عبرت حاصل ہو اور وہ اس جرم کا ارتکاب کرنے کی ہمت نہ کریں، وہ یہ ہے کہ ایک نوجوان لڑکی سے جو میری رشتے دار بھی ہے زنا ہو گیا ہے اس کی جو سزا ہو وہ تحریر فرمائیں اور مجھ پر اس سزا کا اجراء کس طرح اور کہاں ہوگا وہ بھی تحریر فرمادیں، اس کا تذکرہ میں نے اپنے دوست سے کیا ہے، مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ لوگ ملامت کریں گے، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ دنیا ہی میں پاک ہو جاؤں امید ہے کہ مجھے جواب عنایت فرمائیں گے، بینوا توجروا؟۔

(الجواب) ایسے جرم کے لئے دو چیزیں ہیں اول توبۂ خالص۔ تنہائی میں حق تعالیٰ کے سامنے روئے گڑگڑائے اور اپنے فعل پر اظہار ندامت کے ساتھ دائمی طور پر ترک فعل کا عہد و پیمان کرے کہ آئندہ ہرگز ہرگز اس فعل کا ارتکاب نہ کروں گا، زندگی بھر اس سلسلہ کو جاری رکھے اگر یہ توبہ خلوصیت کے ساتھ ہے تو صادق مصدوق رسول مقبول ﷺ کا فرمان واجب الاذعان ہے کہ توبہ کرنے سے گناہ اس طرح محو (مٹ) ہو جاتا ہے جیسا کہ کیا ہی نہیں تھا التائب من الذنب کمن لا ذنب له . الحدیث۔ دوسری چیز شرعی حد کا نفاذ ہے مگر ہندوستان میں اس کا نفاذ ممکن نہیں، دارالاسلام

میں ہوسکتا ہے، دارالحرب میں بادشاہ اسلام بھی حدود شرعیہ کا نفاذ نہیں کرسکتا۔

حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اس قسم کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

(جواب ۱۹۵) حدود شرعیہ کی تنفیذ دارالاسلام میں ہوسکتی ہے، دارالحرب میں بادشاہ اسلام بھی حدود شرعیہ کا نفاذ نہیں کرسکتا، پس ہندوستان جو دارالحرب ہے اس میں حدود ممکن نہیں، علمائے امت پر لازم ہے کہ زانی وزانیہ کو اپنی طاقت بھر زجر کریں جو قانون وقت سے متصادم نہ ہو مثلاً مقاطعہ کا حکم دیں یعنی جب تک زانی وزانیہ توبہ نہ کریں اس وقت تک کوئی ان سے میل جول نہ رکھے۔ (کفایت المفتی ص ۱۷۹ ص ۱۸۰ جلد دوم)

اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال) کوئی شخص اپنی محرمات یعنی بہن اور ماں اور خالہ وغیرہ سے مرتکب زنا ہو رہا ہے ایسے شخص کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے؟ کافر ہو گیا ہے یا مسلمان رہا؟ اس کے ذمہ کس درجہ کا گناہ ہے؟

(۲) ایک شخص ایک فاحشہ عورت سے مرتکب زنا ہے یعنی رنڈی سے، اس رنڈی کی ایک لڑکی ہے، نہیں معلوم کہ اس شخص کے نطفہ سے ہے یا کسی اور شخص کے نطفے سے غرض کہ شخص مذکور رنڈی مذکورہ سے بھی اور اس کی بیٹی سے بھی مرتکب زنا ہے اس زانی کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۹۳) گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا فاسق ہوتا ہے، ہاں اگر ماں بہن وغیرہ محرمات کے ساتھ زنا کو حلال بھی سمجھے تو کافر ہو جائے گا، لیکن یہ بات مسلمان کی طرف بلا کسی قوی دلیل کے منسوب نہیں کرسکتے، اسی طرح دوسری صورت کا جواب ہے کہ ان دونوں صورتوں میں زانی مذکور فاسق ہے، شریعت محمدیہ میں اس پر حد زنا لازم ہے، لیکن اقامت حدود کا زمانہ نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو لازم ہے کہ زجراً و توبیخاً ایسے شخص سے تعلقات اسلامیہ سلام کلام مخالطت وغیرہ ترک کردیں اور جب تک وہ توبہ نہ کرے اور اس کی توبہ کا خلوص قرائن سے معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس سے مجانبت قائم رکھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (کفایت المفتی ج۲ ص ۱۷۸ کتاب الحدود والجنایات) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرتد نے ہونے کے بعد اسلام قبول کرنا:

(سوال ۱۴) ایک شخص مسلمان گھرانہ میں پیدا ہوا اور پینتالیس (۴۵) سال تک اسلامی زندگی بسر کی مؤذن کے فرائض بھی انجام دیئے اس کے بعد وہ (معاذ اللہ مرتد ہو گیا اور بدھ مذہب کا اعلیٰ پیشوا بن گیا، چھ سال اس دور ظلمت میں گذارنے کے بعد پھر ایک بار تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا، کوئی کافر اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے گذشتہ کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن ایک ہدایت یافتہ شخص مرتد ہو گیا اور اس درمیان اس نے افعال شرکیہ کئے۔ حرام غذا کھائی اور بدھ مذہب کی اشاعت کی اب دوبارہ وہ اپنا مذہب قبول کرتا ہے یعنی تائب ہو کر مشرف باسلام ہوتا ہے تو کیا اس شخص کے اسلام لانے سے زمانہ ارتداد کے گناہ معاف ہوں گے؟ جس طرح کہ مسلمان ہونے سے زمانۂ کفر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور ایسے شخص کو دوبارہ مذہب اسلام قبول کرنا ہو تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو شخص کافر ہو وہ اسلام قبول کرے تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، حالت کفر میں یہ شخص واجب

القتل نہیں ہے مگر ارتداد بہت سنگین گناہ ہے (خصوصاً صورت مسئولہ میں) اگر اس پر اسلام پیش کرنے اور اس کے اشکالات دور کرنے کے باوجود خدانخواستہ وہ شخص توبہ نہ کرے تو اسلامی حکومت میں ایسا شخص واجب القتل ہوتا ہے...... صورت مسئولہ میں اگر وہ شخص سچے دل سے اپنے گناہ پر ندامت اور ادیان باطلہ سے برائت ظاہر کرے، اور کلمۂ شہادت پڑھ کر صدق دل سے ایمان لے آئے اور عمر بھر اپنے اس جرم عظیم پر گریہ وزاری کے ساتھ توبہ کرتا رہے تو امید ہے کہ اللہ اس کی توبہ قبول کرے اور اس کے گناہ معاف کردے۔ درمختار میں ہے (من ارتدعرض) الحاکم (علیہ الا سلام استحباباً) علی المذھب وتکشف شبھته ویحبس ثلاثة ایام ان استمھل فان اسلم فیھا والا قتل) لحدیث من بدل دینه فاقتلوہ (واسلامه ان یتبرأعن الا دیان) سوی الا سلام (او عما انتقل الیه) بعد نطقه بالشھادتین (درمختار مع الشامی ج ص ۳۹۴، ج۳ ص ۳۹۵ باب المرتد) فقط واللہ اعلم بالصواب .

کتاب الامارة

عورت کو سربراہ مملکت بنانا کیسا ہے؟ (تفصیلی فتویٰ):

(سوال ۱۵) ایک مسلم عاقلہ بالغہ عورت جس ملک میں قانون ساز اسمبلی، ایوان بالا یعنی سینٹ اور ملک کا صدر بھی مسلم ہو، نیز مذکورہ ملک کے اہم امور، مذکورہ اداروں یعنی مجلس قانون سازی سینٹ صدر اور اپنے وزارتی کابینہ سے منظوری لیتی ہو، اور یہی کابینہ زیادہ تر امور مملکت چلاتی ہو، وزیراعظم محض ذریعۂ نفاذ ہو تو ایسے ملک میں عورت کا وزیراعظم ہونا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

خادم وطالب دعاء داؤد کوکنی۔۵۸/۱ اے بلاک این، نارتھ ناظم آباد کراچی نمبر ۳۳۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! عورتوں اور مردوں میں جس قدر اختلاط کم ہوگا اور عورتیں اپنے گھروں کی زینت بنی رہیں گی اسی قدر دنیا میں فتنہ وفساد کم ہوگا، بے حیائی اور اس سے پیدا ہونے والے بے شمار غلط اور انسانیت سوز افعال کا ظہور نہ ہوگا، عورتوں کی عصمتیں محفوظ رہیں گی۔ مردوں کی نگاہ اور ان کے خیالات وتصورات کی حفاظت ہوگی اور اس سے ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے گا، اس لئے قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر عورتوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھروں میں رہیں بلاضرورت شرعی وطبعی گھروں سے باہر نہ نکلیں، یہی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں پردہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اگر عورت کو شدید شرعی یا طبعی ضرورت کی وجہ سے گھروں سے نکلنا پڑے تو وہ اس طرح پردہ میں نکلیں کہ غلط قسم کے لوگوں کو تاک جھانک کا موقعہ نہ ملے اور ان کی عصمت وعفت محفوظ رہے، اور اگر عورت بے پردہ اور حیا سوز تنگ وچست فیشن ایبل دیدہ زیب لباس پہن کر اور بن سنور کر نکلتی ہے تو اس سے فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ سے مرد بھی لعنت خداوندی اور وعید شدید کے مستحق بنتے ہیں اور خود یہ عورت بھی اللہ کی لعنت کی مستحق ہوتی ہے، اس سلسلہ کی چند آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں۔

قرآن مجید میں ہے۔ وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولیٰ. یعنی تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق علانیہ نہ پھرتی رہو (سورۂ احزاب پارہ نمبر ۲۲)

یہ حکم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اجمعین کے بارے میں ہے جو پوری امت کی ماں کے درجہ میں ہیں۔ جب ان کو یہ خطاب ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ عام عورتوں کو تو بطریقۂ اولیٰ یہ خطاب ہے۔

(۲) واذا سألتموھن متاعاً فاسئلوھن من ورآء حجاب یعنی: اور جب تم ان سے (یعنی ازواج مطہرات سے) کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو یہ بات (ہمیشہ کے لئے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے (سورۂ احزاب پارہ نمبر ۲۲)

یہ بھی ازواج مطہرات کے بارے میں ہدایت ہے کہ جب ان سے کوئی چیز مانگنے کی نوبت آجائے تو بے پردہ ہوکر مت مانگو بلکہ پردہ میں رہ کر مانگو، یقیناً یہ حکم عام عورتوں کے لئے بھی ہوگا۔

(۳) یآیھا النبی قل لا زواجک وبناتک ونسآء المؤمنین یدنین علیھن من

جلابیبھن . (ترجمہ) اے پیغمبر (ﷺ) اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے کہہ دیجئے کہ (سرسے) نیچی کرلیا کریں تھوڑی سی اپنی چادریں، اس سے جلد پہچان ہوجایا کرے گی (کہ یہ آزاد عورت ہے) تو آزاد نہ دی جایا کریں گی (ترجمہ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ) (سورۂ احزاب پ ۲۲)

غرض منشأ شریعت یہ ہے کہ مرد اور عورتیں آپس میں بے پردہ نہ ملیں اور ان میں اختلاف نہ ہو۔

مرد اور عورتوں میں فطری طور پر ایک دوسرے کی طرف جاذبیت اور جنسی میلان موجود ہے اور شیطان ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے کہ ان کو مبتلائے معصیت کردے، اسی لئے اللہ رب العزت کا حکم عالی ہے کہ مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور عورتیں بھی، اس سے ان کے قلوب پاکیزہ رہیں گے اور گناہ کی طرف میلان اور غلط جذبات وخیالات پیدا نہ ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظو افروجھم ذلک از کی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون. یعنی آپ (ﷺ) مومنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ تمہارے لئے دل کی صفائی اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے، بے شک خدائے پاک اپنے بندوں کے کام سے واقف اور باخبر ہے (سورۂ نور پارہ نمبر ۱۸)

اسی طرح عورتوں کے متعلق ارشاد ہے: **وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن.** ...... یعنی۔ اور مومن عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں (سورۂ نور پ ۱۸)

حدیث میں ہے: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ .** اللہ کی لعنت ہے نامحرم عورت کو دیکھنے والے پر اور اس عورت پر بھی جس کو دیکھا جائے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۰ باب النظر الی المخطوبۃ)

نیز حدیث میں ہے: **العینان زنا ھما النظر والاذنان زنا ھما الاستماع واللسان زناہ الکلام والیدزناھا البطش والرجل زناھا الخطی والقلب یھوی ویتمنی ویصدق ذلک الفرج ویکذبہ .** آنکھ زنا کرتی ہے اور اس کا زنا غیر کو دیکھنا ہے، کان زنا کرتا ہے اور اس کا زنا باتیں سننا ہیں۔ ہاتھ زنا کرتا ہے اور ان کا زنا غیر کو پکڑنا (اور مس کرنا) ہے پاؤں زنا کرتا ہے اور اس کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش وتمنا کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب (مسلم شریف ص ۳۳۶ ج ۲ باب القدر علی ابن آدم حظہ من الزنا وغیرہ)

نیز حدیث میں ہے: **عن جریر بن عبداللہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجأۃ فأمرنی ان اصرف نظری .** یعنی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نامحرم عورت پر ناگہانی (اچانک نظر پڑنے کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں فوراً اپنی نگاہ ہٹالوں (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۸ باب النظر الی المخطوبۃ)

نیز حدیث میں ہے **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی لا تتبع النظرۃ النظرۃ فان لک الاولیٰ ولیست لک الاخرۃ** حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا! اے علی

دیکھو! نگاہ کے بعد نگاہ مت ڈالنا، پہلی نظر (پہلی نگاہ) جواچانک بلاارادہ ہوجاتی ہے) قابل عفو ہے، دوسری نظر (دوسری نگاہ جوقصداً ہو) وہ معاف نہیں (ابوداؤدشریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبہ)

احکام القرآن میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے: **قال ابو بکر انما اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ لک النظرۃ الاولیٰ اذا لم تکن عن قصد فاما اذا کانت عن قصد فھی و الثانیۃ سواء.**

یعنی نگاہ اول سے وہ مراد ہے جواچانک بلاقصد کے ہولیکن جب کہ (بلا اجازت شرعی) بالقصد ہوتو جس طرح دوسری نظر قابل مواخذہ ہے، اسی طرح پہلی نظر بھی قابل مواخذہ ہے **(احکام القرآن ص ۳۸۸ ج ۴ سورۃ النور باب ما یجب من غض البصر عن المحرمات)**

نیز حدیث میں ہے۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النظر سھم مسموم من سھام ابلیس فمن ترکھا خوفامن اللہ اعطاہ اللہ ایماناً یجد حلاوتہ فی قلبہ.** یعنی نامحرم کودیکھنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہرآلود تیر ہے جواس کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان عطا فرماتا ہے جس کی حلاوت وہ اپنے قلب میں پاتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبہ)

حضرت عیسیٰ السلام کا فرمان مبارک ہے۔ **ایاکم و النظرۃ فانھا تزرع فی القلب شھوۃ و کفی بھا فتنۃ .** یعنی (اجنبی عورتوں کو) تاک جھانک کرنے سے اپنے کو بچاؤ اس سے دلوں میں شہوت کا بیج پیدا ہوتا ہے اور فتنہ پیدا ہونے کے لئے یہی کافی ہے (احیاء العلوم ص ۹۸ ج ۳ بیان علی المرید فی ترک التنز وتج وفعلہ)

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: شیر اور سانپ کے پیچھے جانا مگر (اجنبی) عورت کے پیچھے نہ جانا (کہ یہ فتنہ میں ملوث کرنے میں شیر اور سانپ سے بھی زیادہ خطرناک ہے) **قال لابنہ یا بنی امش خلف الا سدو الا سود و لا تمش خلف المرأۃ (احیاء العلوم ص ۹۸ ج ۳ بیان علی المرید فی تر الترویج و فعلہ)**

حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے پوچھا کہ زنا کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا نامحرم کو دیکھنے اور حرص کرنے سے اور حضرت فضیلؒ کا قول ہے، ابلیس کہتا ہے کہ نظر (نامحرم کو دیکھنا) میرا وہ پرانا تیر ہے کہ میں کبھی اس سے خطا نہیں کرتا **و قیل لیحییٰ علیہ السلام ما بدء الزنا قال النظر و التمنی . وقال الفضیل یقول ا بلیس ھو قوسی القدیمۃ وسھمی الذی لا اخطئی بہ یعنی النظر (احیاء العلوم ص ۹۸ ج ۳)**

مجالس الابرار میں ہے: **فالمرأۃ لما کانت مخفیۃ من الرجال کان دینھا اسلم لما روی انہ علیہ السلام قال لا بنتہ فاطمۃ ای شئی خیر للمرأۃ قالت الا تریٰ رجلاً ولا یرھا رجل و استحسن قولھا وضمتھا الیہ وقال ذریۃ بعضھا من بعض و کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسدون الثقب و الکویٰ فی الحیطان لئلا تطلع النساء علی الرجال.**

یعنی: عورت جب تک مردوں سے چھپی ہوئی ہے اس کا دین محفوظ ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی

صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ عورت کے لئے سب سے بڑی خوبی کی چیز کیا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا ''وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور نہ کوئی اجنبی مرد اس کو دیکھے'' حضور اقدس ﷺ کو یہ جواب بہت پسند آیا اور فرمایا اولاد ایک ایک سے ہے (یعنی باپ کا اثر اولاد میں آتا ہے) اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین دیواروں کے سوراخ اور شگاف بند کر دیا کرتے تھے تاکہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں۔ (مجالس الابرار ص ۵۶۳، مجلس نمبر ۹۸)

حدیث میں ہے: عن جابر رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان. یعنی: عورت (جو نامحرم ہو وہ جب) سامنے سے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے اور پیچھے سے جاتی ہے تب بھی شیطان کی صورت میں ہوتی ہے (مشکوٰۃ شریف نمبر ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبۃ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ان لا تخرج المرأة من بیتها الا لحاجة منها لا تجد منها بداًقال صلی اللہ علیه وسلم المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان. یعنی بلا ضرورت شدیدہ عورت کو اپنے گھر سے نہ نکلنا چاہئے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا عورت ستر ہے (یعنی چھپانے کی چیز ہے) پس جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے (یعنی اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں برے خیالات اور غلط جذبات پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی عزت اور آبرو میں خطرہ کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے (حجة اللہ البالغه ترجمه نعم اللہ السابغه ص ۳۶۵ ج ۲ من ابواب تدبیر المنزل لاتخرج المرأة من بیتها الخ)

اس لئے عورت کو بلا شرعی اور طبعی ضرورت کے باہر نکلنا ہی نہ چاہئے اور اگر شرعی ضرورت کی وجہ سے نکلنا پڑے تو حکم یہ ہے کہ سر اور چہرہ چھپا کر یعنی پردہ کے ساتھ نکلے۔

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیت قرآنی یآیها النبی قل لا زواجک و بناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین . کی تفسیر میں فرماتے ہیں تغطی وجهها من فوق رأسها بالجلباب وتبدی عینا واحداً یعنی خدائے پاک نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانک کر نکلیں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں (تفسیر روح المعانی ص ۸۶ ج ۲۲)

حضرت عبیدہ سلمانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو عملی طور پر آپ نے اپنا سر اور چہرہ چادر سے چھپا کر بائیں آنکھ کھلی رکھ کر فرمایا: یہ ہے اس آیت کی تفسیر اور مراد...... عن محمد بن سیرین قال سئالت عبیدة السلمانی عن هذه الایة فرفع ملحفة کانت علیه فتقنع بها وغطی رأسه' کله حتی بلغ الحاجبین وغطی وجهه' واخرج عینه' الیسریٰ من شق وجهه الایسر. (روح المعانی ص ۸۹ ج ۲۲) (تفسیر مظهری ص ۲۵۲ ج ۱۰ اردو) (تفسیر مواهب الرحمن ص ۱۱۳ ج ۵ سورۂ احزاب)

شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں ''روایات میں کہ اس آیت کے

نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپالینا چاہئے (فوائد عثمانی ص ۵۶۸ پ ۲۲ سورۂ احزاب)

احیاء العلوم میں امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں والنساء یخرجن متنقبات عورتیں حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کی زمانہ میں نقاب ڈال کر (یعنی پردہ کے ساتھ) باہر نکلتی تھیں (احیاء العلوم . ص ۲۸ ج ۲ ذکر العورات لا تخرج المرأة من بیتها الا لضرورة)

احکام القرآن میں ہے قال ابو بکر فی هذه الآیة دلالة علی ان المرأة الشابة مامورة بستر وجهها عن الا جنبیین مذکورہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورت کے لئے ضروری ہے کہ غیر محرم اجنبی مرد سے اپنے چہرہ کو چھپائے (احکام القرآن ص ۴۵۸ ج ۳ للجصاص باب ذکر حجاب النسآء)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں مرد ہمارے سامنے آجاتے تو ہم منہ پر چادر لٹکا دیتے اور جب سامنے سے ہٹ جاتے تو منہ پر سے چادر ہٹا دیتے، (اس لئے کہ بحالت احرام منہ چھپانا منع ہے) عن مجاهد عن عائشة قال کان الرکبان یمرون بنا ونحن محرمات مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبا بها من رأسها علی وجهها فاذا جاوزنا کشفناه (ابو داؤد شریف ص ۲۶۱ ج ۱)

مجالس الابرار میں ہے: وان خرجت من بیت زوجها بغیر اذنه یلعنها کل ملک فی السماء وکل شئی الا الانس والجن فخروجها من بیته حرام علیها قال ابن الهمام حیث ابیح لها الخروج فانما یباح بشرط عدم الزینة وتغییر الهیأة الیٰ ما لایکون داعیاً الی نظر الرجال واستما لهم.

یعنی: اور اگر عورت (شرعی ضرورت کے بغیر) اپنے خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر نکلتی ہے تو آسمان و زمین کا ہر ہر فرشتہ اور جس جس چیز پر وہ گذرے سب اس پر لعنت کرتے ہیں سوائے انسان اور جنات کے۔ اور علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ جس جگہ عورت کو جانے کی اجازت ہے تو اس شرط سے اجازت ہے کہ زیب و زینت کے ساتھ نہ ہو اور ہیئت ایسی بدل کر جائے کہ مردوں کو اس کے دیکھنے کی رغبت اور خواہش نہ ہو (مجالس الابرار ص ۵۶۲، ص ۵۶۳ مجلس نمبر ۹۸)

حدیث میں ہے: جو عورت عطر اور خوشبو لگا کر نکلتی ہے وہ زانیہ ہے۔ (احکام القرآن ص ۱۰۳)

مذکورہ پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ مردوں اور عورتوں میں اختلاط جتنا کم ہوگا ہر ایک کا دین اسی قدر محفوظ رہے گا اور جتنا اختلاط زیادہ ہوگا دین میں بگاڑ پیدا ہوگا اور دنیا میں فتنہ و فساد رونما ہوگا اور عورتوں کا فتنہ بڑا سخت ہے چنانچہ حدیث میں ہے "ما ترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء" میرے بعد مردوں کے لئے کوئی فتنہ عورتوں کے فتنہ سے زیادہ مضر اور نقصان دہ نہیں ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷ کتاب النکاح)

دوسری روایت میں ہے: واتقوا النساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء. عورتوں سے ... کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷ کتاب النکاح۔

ایسے مواقع جہاں گھر سے باہر نکلنا لابدی اور ضروری ہوتا ہے اور مردوں کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ ہوتا ہے

شریعت نے اس چیز کا اور اس جگہ حاضر ہونے کا عورت کو مکلّف نہیں بنایا، مثلاً۔

(۱) عورت پر جمعہ وعیدین واجب نہیں۔

(۲) عورت کے ذمہ جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں بلکہ گھر میں تنہا نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ پڑھنے سے افضل ہے۔

(۳) عورت کا محرم نہ ہوتو تنہا حج کی ادائیگی کے لئے جانا جائز نہیں، اگر محرم نہ ملے اور موت کا وقت آجائے تو حج بدل کی وصیت کرے۔

(۴) عورت پر جہاد فرض نہیں۔

(۵) جنازے کے ساتھ جانے کی مکلّف نہیں۔

(۶) قبروں کی زیارت کے لئے جانے کی اجازت نہیں حتیٰ کہ اپنے والدین اور بیٹے وغیرہ کی قبر پر بھی جانا جائز نہیں۔

غور کیجئے! شریعت اسلامیہ نے عورت کی عصمت وعزت کی حفاظت کا کس قدر اہتمام کیا ہے، ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ عورت شرعی ضرورت کے بغیر گھر سے نہ نکلے اور مردوں کے ساتھ اس کا اختلاط نہ ہو۔

اگر عورت سربراہ مملکت بنے گی تو قدم قدم پر مردوں کے ساتھ اختلاط کا موقع آئے گا، اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے پارلیمنٹ، اسمبلی ہال اور اس کے علاوہ متعدد جگہوں پر حاضر ہوگی مٹنگوں اور مشوروں میں شریک ہوگی، بحث ومباحثہ میں حصہ لے گی، مردوں کو مخاطب کرے گی حاضرین اس کی طرف متوجہ ہونگے جگہ جگہ مردوں کے ساتھ اختلاط اور تنہائی کا موقع بھی آئے گا، کیا یہ سب باتیں شرعاً جائز ہوسکتی ہیں؟ مندرجہ بالا ارشادات خداوندی اور احادیث نبوی ہے (علی صاحبها الف الف تحية وسلام) کی روشنی میں ان باتوں کا جواب بخوبی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

نیز حدیث میں ہے: **عن ابی بکرة قال لما بلغ رسول الله صلی الله علیه وسلم ان اهل فارس قد ملکوا علیهم بنت کسری قال لن یفلح قومه ولوا امرهم امرأة . رواه البخاری .**

ترجمہ:۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے اوپر کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح نہ پاوے گی، جس نے اپنے اوپر ایک عورت کو حاکم وآمر بنایا۔(**مشکوٰة شریف ص ۳۲۱، کتاب الامارة والقضاء**)(**ترمذی شریف ج۲ ص ۵۰، ۵۱**)

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ رحمہ اللہ، اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ''شرح السنہ'' کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں۔**قوله ولوا امر هم امرأةً فی شرح السنة لا تصلح المرأة ان تکون اماماً ولا قاضیاً لان الامام والقاضی محتاجان الی الخروج للقیام بامر المسلمین والمرأة عورة لا تصلح لذلک اه الخ.** یعنی شرح السنہ میں ہے۔عورت کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ امام (سربراہ حکومت) اور

قاضی بنے کیونکہ امام اور قاضی کو مسلمانوں کے امور نمٹانے کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آتی ہے (اس کے بغیر وہ اپنی ذمہ داری کامل طریقہ پر انجام نہیں دے سکتے) اور عورت چھپانے کی چیز ہے وہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ (التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ ج ۴)

نیز حدیث میں ہے: عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کانت امرائکم خیارکم واغنیاء کم سمحاء کم وامورکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیرلکم من بطنھا واذا کانت امراء کم شرارکم واغنیائکم بخلائکم وامورکم الیٰ نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تمہارے امراء تم میں بہترین لوگ ہوں اور تمہارے مالدار تم میں سے سخی لوگ ہوں اور تمہارے معاملات آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہوں تو زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہے، اور جب تمہارے امراء تم مین کے بدترین لوگ ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے حوالے ہوں تو زمین کا پیٹ (یعنی دفن ہونا) تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہوگا (ترمذی شریف ص ۵۲ ج ۱، ابواب الفتن، قبیل ابواب الرؤیا)

قرآن مجید میں ہے: الرجال قوامون علی النسآء بما فضل اللہ بعضھم علیٰ بعض وبما انفقوا من اموالھم. ترجمہ: مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (یعنی مردوں کو) بعض پر (یعنی عورتوں پر قدرتی) فضیلت دی ہے (یہ تو وہبی امر ہے) اور (دوسرے) اس سبب سے کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنے مال (مہر میں اور نان نفقہ میں) خرچ کئے ہیں۔ (قرآن مجید، سورۂ نساء آیت نمبر ۳۴ پارہ نمبر ۵)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ارشاد فرمایا: الرجال قوامون علی النساء...... قوام، قیام قیم عربی زبان میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کام یا نظام کا ذمہ دار اور چلانے والا ہو، اسی لئے اس آیت میں قوام کا ترجمہ عموماً حاکم کیا گیا ہے یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں مراد یہ ہے کہ ہر اجتماعی نظام کے لئے عقلاً اور عرفاً یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی سربراہ یا امیر اور حاکم ہوتا کہ اختلاف کے وقت اس کے فیصلہ سے کام چل سکے، جس طرح ملک وسلطنت اور ریاست کے لئے اس کی ضرورت سب کے نزدیک مسلم ہے، اسی طرح قبائلی نظام میں بھی اس کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی گئی اور کسی ایک شخص کو قبیلہ کا سردار اور حاکم مانا گیا ہے اسی طرح اس عائلی نظام میں جس کو خانہ داری کہا جاتا ہے اس میں بھی ایک امیر اور سربراہ کی ضرورت ہے، عورتوں اور بچوں کے مقابلہ میں اس کام کے لئے حق تعالیٰ نے مردوں کو منتخب فرمایا کہ ان کی عملی وعلمی قوتیں بہ نسبت عورتوں، بچوں کے زیادہ ہیں اور یہ ایسا بدیہی معاملہ ہے کہ کوئی سمجھدار عورت یا مرد اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ (معارف القرآن ص ۳۹۵، ص ۳۹۶ ج ۲)

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

''ان آیات میں مطلقاً مردوں کی فضیلت بیان فرماتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر ہر طرح کی فضیلت حاصل ہے، ذاتی اور عرضی دونوں قسم کی فضیلتیں مردوں کو خدا تعالیٰ نے عطا کی ہیں اور مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا

ہے...... چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مرد عورتوں پر دو وجہ سے حاکم اور قائم ہیں...... ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی اور بڑائی دی ہے، یعنی ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بہت سی باتوں میں فضیلت دی ہے اور اس فضیلت کا اقتضاء یہی ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوں اور عورتیں محکوم ہوں حق تعالیٰ نے بہ نسبت عورتوں کو مردوں کو عقل اور علم اور حلم اور فہم اور حسن تدبیر اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ اور قوت جسمانیہ وغیرہ وغیرہ کہیں زائد، عطا کی اور نبوت اور امامت اور خلافت اور بادشاہت اور قضاوشہادت اور وجوب جہاد اور جمعہ اور عیدین اور اذان اور خطبہ اور جماعت اور میراث میں حصہ کی زیادتی اور نکاح کی مالکیت اور تعدد ازواج اور طلاق کا اختیار اور بلا نقصان کے نماز اور روزہ کا پورا کرنا اور حیض ونفاس اور ولادت سے محفوظ رہنا، یہ فضائل حق تعالیٰ نے مردوں ہی کو عطا کی ہیں انہی فضائل اور خصوصیات کی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی کے لئے حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

جسمانی قوت میں عورتیں مردوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں اور ظاہر ہے کہ کمزور اور ناتواں کو قوی اور توانا پر نہ حکومت کا حق ہے اور نہ وہ کرسکتا ہے قضاء وقدر نے عورتوں کی سرشت میں برودت اور نزاکت رکھی ہے اور مردوں میں حرارت اور قوت رکھی ہے اسی وجہ سے فوجی بھرتی اور جنگ وجدال اور قتال اور شجاعت اور بہادری اور میدان جنگ میں حکومت وسلطنت کے لئے جانبازی اور سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی اور حکومت کی بقاء کے لئے جس قدر اعمال شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مردوں ہی سے سرانجام پاتے ہیں، مرد کی ساکت اور بناوٹ ہی اس کی فضیلت اور فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے اور عورت کی فطری نزاکت اور اس کا حمل اور ولادت اس کی کمزوری اور لاچاری کی کھلی دلیل ہے۔ (معارف القرآن ادریسی ص ۷۰ ص ۷۱ جلد دوم)

مذکورہ آیت اور دونوں بزرگوں کی تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ سربراہی اور حکمرانی مرد ہی کے لئے زیبا ہے، مرد ہی اس کے قابل ہے اور مرد ہی اس ذمہ داری اور بوجھ کو اٹھا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر اس کو اس کے قابل بنایا ہے اس کے برعکس عورت کو سربراہ اور حکمراں بنانا قلب موضوع ہے، عورت فطری طور پر کمزور ہے اس پر اتنی بڑی ذمہ داری ڈالنا فطرت کے خلاف ہے...... اللہ تعالیٰ نے ایک گھر اور ایک خاندان کے انتظامی امور میں مرد کو قیم، سربراہ حاکم فرمایا ہے، عورت کو محکوم اور مامور قرار دیا گیا ہے تو پوری حکومت کا سربراہ اور حاکم بنانا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟

امامت کی دو قسمیں ہیں، امامت کبریٰ، امامت صغریٰ، امامت کبریٰ یعنی سربراہ حکومت ہونا، امامت صغریٰ یعنی نماز باجماعت میں مردوں کا امام بننا۔

عورت امامت صغریٰ کے قابل نہیں وہ امام بن کر مردوں کو نماز نہیں پڑھا سکتی، درمختار میں ہے (ولا یصح اقتداء رجل بامرأة) وخنثی (او صبی مطلقا) ولو فی جنازة ونفل علی الاصح (درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۵۴۱ باب الامامة)

جب عورت امامت صغریٰ کے قابل نہیں تو پوری حکومت کی امامت کبریٰ اسے کیسے حوالے کی جاسکتی ہے؟ چنانچہ درمختار میں امامت کبری کے شرائط بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ ویشترط کونہ مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً قادراً، رد المحتار (شامی) میں ہے ولان النساء امرن بالقرار فی البیوت فکان مبنی

حالهن على الستر واليه اشار النبى صلى الله عليه وسلم حيث قال كيف يصلح قومه تملكهم امرأة.

اور شرط ہے سربراہ حکومت کا مسلمان ہونا مذکر ہونا آزاد ہونا، عاقل ہونا اور احکام جاری کرنے اور مصالح اسلام قائم کرنے پر قدرت رکھنے والا ہونا۔ مرد ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ عورتوں کو گھر میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا عورت کے مناسب حال یہی ہے کہ وہ گھر میں رہے اور اس طرف حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے کہ عورت ان کے معاملات کی مالکیت ہو۔ (درمختار ورد المحتار ص۵۱۲ ج۱ باب الامامة)

اگر کوئی شخص ملکہ بلقیس کے واقعہ سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال کرے تو اس کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے۔

''اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے، اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا، دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ میں اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجة نہیں۔'' (بیان القرآن ص ۸۷ ج ۸ سورہ نمل پارہ نمبر ۱۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الوقف

قبرستان کی ہری گھاس نیلام کر سکتے ہیں یا نہیں :

(سوال ۱۶) قبرستان کی سبز گھاس نیلام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ قبرستان کے چاروں طرف کانٹے کی باڑ کر کے قبضہ کر لیا ہے تو گھاس بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) بلامحنت اور آبیاری کے قدرتاً خودرو گھاس مباح الاصل ہوتی ہے۔ ہر ایک اس سے نفع اٹھا سکتا ہے۔ کسی کی ملکیت اس پر نہیں ہوتی جب تک کاٹ کر قبضہ میں نہ لے لے اس کو بیچ نہیں سکتے۔ کانٹے کی باڑ اور تار وغیرہ سے احاطہ (کمپاؤنڈ) کر لینے سے گھاس نہ مقبوض ہوگی نہ مملوک، اسی طرح قبرستان کی گھاس بھی مباح الاصل ہے کہ کسی کی ملک نہیں ہے کہ بیچ سکیں۔ ہاں کاٹ لینے کے بعد بیچ سکتے ہیں مگر قبرستان کی سبز گھاس کاٹنی منع ہے، کیونکہ مردے اس کی تسبیح کے فوائد سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ہاں خشک گھاس کو کاٹنے کی ممانعت نہیں نور الایضاح میں ہے وقلع الحشیش والشجر من المقبرة ولا بأس بقلع اليابس منهما. یعنی۔ قبرستان کی سبز گھاس کو اکھیڑنا اور درخت کو کاٹنا مکروہ ہے اور ہر دو خشک ہو گئے ہوں تو مکروہ نہیں ہے (ص ۱۴۲ کتاب الجنائز فصل فی زیارۃ القبور)

قبرستان کی ہری گھاس کاٹنا:

(سوال ۱۷) اگر قبرستان کی ہری گھاس کو نہ کاٹا جائے اور برسات ختم ہونے تک رہنے دیا جائے اور سوکھنے کے بعد کاٹی جائے تو گھاس خشک ہو جاتی ہے لیکن بہت خراب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ گھاس بہت گھنی اور لمبی ہوتی ہے زیادہ بارش برستی ہے تو زمین پر گر جاتی ہے پھر جڑوں کے پاس سے گلنے اور سڑنے لگتی ہے۔ سوکھ جانے کے بعد ایسی گھاس کے دام کم ملتے ہیں۔ بارش میں بھی سڑی ہوئی گھاس سبز نظر نہیں آتی بلکہ جڑوں میں سے سڑی ہوئی نظر آتی ہے صرف اوپر کا حصہ سبز نظر آتا ہے۔ تو ایسی حالت میں قبرستان کی گھاس ایک مرتبہ کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان کی گھاس کاٹنے کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس کی تسبیح سے جو فائدہ مردوں کو ہوتا ہے اس سے وہ محروم ہو جاتے ہیں مگر قبروں کو چھوڑ کر قبروں کے آس پاس (اردگرد) کی گھاس جو پانی سے سڑ رہی ہے اگر اس کو راستہ بنانے یا صفائی کی ضرورت سے کاٹ دیا جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ نیز گھاس کی اصلاح اور درستی کے لئے قبر کے اوپر کی گھاس ایک آدھ دفعہ کاٹنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ مگر مردوں کو مذکورہ بالا فائدہ کے پیش نظر یہ کاٹنا ہی افضل و بہتر ہے ہاں سوکھ جانے کے بعد کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ کبیری میں ہے کہ قبر کے اوپر سے سبز گھاس کو کاٹنا مکروہ ہے۔ خشک گھاس کو کاٹنا مکروہ نہیں۔ ویکره قطع النبات الرطبة من اعلاه دون اليابس (ص ۵۶۳ فصل فی الجنائز) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کیا مقبرہ کی رقم مشاعرہ میں خرچ کر سکتے ہیں :

(سوال ۱۸) روضہ و مقبرہ کی رقم مشاعرہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) جب ایک وقف کی رقم دوسرے وقف میں بھی استعمال کرنے کی شرعاً اجازت نہیں تو مشاعرہ میں کس طرح اجازت ہوسکتی ہے۔[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب ۔**

تاحیات مکان موقوفہ میں رہنے کی شرط:

(سوال ۱۹) میری بیوی کے نام ایک مکان ہے ہماری کوئی اولاد نہیں وہ کہتی ہے کہ جب میں مرجاؤں مکاں میں شوہر رہے اپنی وفات تک ۔اس کی وفات کے بعد وہ گھر مسجد میں وقف ہے۔اور اگر پہلے میں مرجاؤں اور میری وفات کے بعد عورت مرے تو اس کی وفات کے بعد مسجد میں وقف ہے۔اس طور پر وقف نامہ لکھایا ہے تو شرعی حکم کیا ہے ؟عورت کے ورثاء میں تین بھائی ہیں بینوا توجروا۔

(الجواب) وقف نامہ میں وفات کے بعد وقف کرنا تحریر ہوا ہے تو یہ وصیت ہوئی۔وصیت ایک ثلث میں جاری ہوتی ہے۔لہذا مکان کا ایک ثلث وقف ہوگا۔اور بعد وفات نہیں ۔[2] بلکہ جس وقت وقف کیا جار ہا ہے۔صاف بات یہ ہے کہ مکان وقف کر دیا جائے ۔اور وقف میں یہ شرط لگا دی جائے ۔کہ میں اور میرا خاوند اپنی...... زندگی تک گھر کو استعمال کریں گے۔پھر وہ مسجد کی ضروریات میں استعمال کیا جائے وغیرہ اس طرح وقف کرنے سے وقف صحیح ہے اور اپنی زندگی تک دونوں رہنے کے حق دار ہیں۔نہایت ضروری بات یہ ہے کہ یہ خیال رکھا جائے کہ اگر کل ترکہ میں یہی ایک مکان ہے۔تو اس کو وقف کرنے کا یہ مطلب ہے کہ شرعی وارثوں کو محروم کیا جار ہا ہے۔شرعی عذر کے بغیر ورثاء کو محروم کرنا۔یا ان کے حق کو نقصان پہنچانا گناہ ہے۔رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔بعض آدمی پوری زندگی خدا کی عبادت اور اطاعت میں گذارتے ہیں۔لیکن موت کے وقت ترکہ میں ورثاء کو نقصان پہنچاتے ہیں۔جس کا اثر یہ ہوتا ہے، کہ نار جہنم ان کے لئے لازم ہوجاتی ہے۔'' **عن ابی هريرة رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال ان الرجل ليعمل والمرءة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضر هما الموت فيضار ان فی الوصية فتجب لهما النار.'' (مشكوة شريف ص ۲۶۵ باب الوصايا)**

بہر حال اس شرط کے ساتھ وقف کیا جائے تو وقف درست ہوگا۔مگر یہ خیال ضرور رکھا جائے کہ وقف فی الواقع للہ ہو۔در پردہ وارثوں کو محروم کرنے اور ان کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ ہو۔کہ نیکی برباد گناہ لازم ہوگا۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان میں گھر جھونپڑے۔وغیرہ بنانا کیسا ہے :

(سوال ۲۰) ایک قبرستان جو پانچ برس سے بند ہے۔اس میں لوگوں نے جھونپڑے، مکان وغیرہ بنائے۔بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو کہتے ہیں کہ اس میں سے ہڈی وغیرہ نہیں نکلتی۔تو کیا ان کی دلیل صحیح ہے؟اور قبرستان کے

(۱) وقف مصحفا على اهل المسجد للفقراء ان يحصون جازوان وقف على المسجد جازو يقرأ منه ولا يكون محصورا على هذا المسجد قال فی الشامية تحت قوله ان الحصول هذا الشرط مبنی على ماذكره شمس الائمة من الضابط وهو أنه اذا ذكر للوقف مصرفا لابدان يكون فيهم الخ كتاب الوقف مطلب متى ذكر للوقف مصرفا لا بدان يكون فيهم الخ ج۔۷ص ۳۶۵)

(۲) أو بالموت اذا علق به ای بموته كاذا مت فقد وقف داری على كذا فالصحيح أنه' كوصية تلزم من الثلث بالموت لا قبله درمختار مع الشامی كتاب الوقف قبيل مطلب فی وقف المريض

کمپاؤنڈ میں ایسی چیزیں بنانا جائز ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) وقف قبرستان میں جھونپڑے، مکان وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ تدفین موقوف ہو۔ اور قبریں بوسیدہ ہو چکی ہوں اور ہڈیاں نہ نکلتی ہوں۔ (۱). **فقط و اللہ اعلم بالصواب .**

قبرستان میں دو کانیں بنانا:

(سوال ۲۱) ہمارے شہر میں ایک مختصر سی قطعۂ زمین میں ایک چھوٹا سا باغیچہ اور چند قبور تھیں اور اس کے اردگرد چہار دیواری تھی، سرکار نے یہ زمین شہر کی میونسپلٹی (کارپوریشن) کو اس شرط پر دے دی کہ وہ اسے باغیچہ ہی کے شکل میں برقرار رکھے، لیکن میونسپلٹی نے اس شرط کا خیال رکھے بغیر تقریباً دو ماہ پہلے اس قطعۂ زمین پر دو کانیں تعمیر کرنے کا کام شروع کر دیا جب سنگ بنیاد رکھنے کے لئے کھدائی شروع ہوئی تو ہڈیاں نکلیں، جس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا اور احتجاج کیا گیا اور عدالت میں دعویٰ دائر کر کے تعمیری کام رکوا دیا گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ میونسپلٹی یا کوئی جماعت یا فرد ایسی قطعۂ زمین پر جس میں قبریں ہوں دوکان تعمیر کروا سکتا ہے؟ آج بھی اس مذکورہ زمین میں کچھ پرانی اور پختہ قبروں کے نشانات اور آثار موجود ہیں، شرع متین کا اس بارے میں کیا فیصلہ ہے؟ مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، یہ شہر کے مسلمانوں کا عام مسئلہ ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ قطعۂ زمین وقف ہوگا یا کسی مسلمان کی ملک ہوگی، اس لئے سرکار یا میونسپلٹی یا کسی فرد یا جماعت کو حق حاصل نہیں کہ اس پر دوکانیں تعمیر کرے، اموات کی بے حرمتی لازم آئے گی لہذا مسلمان پر لازم ہے کہ پرزور احتجاج کریں اور مطالبہ کریں کہ قبروں کو باقی رکھتے ہوئے باغیچہ بنا دیا جائے جیسا کہ پہلے تھا۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

موقوفہ زمین کس صورت میں فروخت ہو سکتی ہے؟:

(سوال ۲۲) ایک شخص نے بیالیس ۴۲ بیگھ زمین مسجد کو وقف کی ہے، مسجد کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ آب پاشی کے لئے ٹیوب ویل کا انتظام کر سکے اس لئے فصل کا پورا مدار بارش کے پانی پر رہتا ہے اس بناء پر سالانہ آمدنی بہت ہی کم ہوتی ہے اور اس میں سے سو ۱۰۰ روپے ٹیکس میں نکل جاتے ہیں، اس لئے موجود منتظمین چاہتے ہیں کہ اس زمین کو بیچ کر ان پیسوں سے کوئی مکان بنوا لیں یا خرید لیں کہ آمدنی زیادہ ہو اس نیت سے یہ موقوفہ زمین بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے تو فروخت کرنے کی اجازت ہے، اگر کچھ بھی نفع حاصل ہوتا ہو تو اسے فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ شامی میں ہے۔ (قوله و جاز شرط الا ستبدال به الخ) **اعلم ان الا ستبدال علی ثلاثة وجوه الاول ان يشترطه الواقف لنفسه اولغيره فالا ستبدال فيه جائز على الصحيح وقيل اتفاقاً والثانی ان**

(۱-۲) ویکره ان بنی عل القبر أو يقعد او ينام عليه او يو طأ عليه الخ. فتاوىٰ عالمگیری کتاب الجنائز فی القبر والدفن والثقل الخ ج. ا ص ۱۶۶

لا یشترطه سواء شرط عدمه او سکت لکنه صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة بان لا یحصل منه شیئی اصلاً او لا یفی بموء نته فهو ایضاً جائز علی الا صح اذا کان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه والثالث ان لا یشرطه ایضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ربعاض ونفعاً وهذا لا یجوز استبداله علی الا صح المختار کذا حرره العلامة قنا لی زاده فی رسالته الموضوعة فی الا ستبدال الخ (شامی ج۳ ص ۵۳۵ تحت مطلب فی استبدال الوقف وشروطه). فقط واللہ اعلم بالصواب .

وقف علی الاولاد کی ایک صورت:

(سوال ۲۳) ایک شخص نے اپنا مکان وقف کیا اور کہا کہ یہ میری قریب آل واولاد کے لئے وقف ہے، تو اب اس وقف مکان میں اس شخص کی لڑکیوں کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قریب کی اولاد میں لڑکیاں بھی شامل ہوں گی۔ رجل قال ارضی هذه صدقةموقوفة علی ولدی کانت الغلة لولدصلبه یستوی فیه الذکر والا نثی . الخ (فتاویٰ عالمگیری ج۳ ص ۲۰۶ کتاب الوقف الباب الثانی الفصل الثانی). فقط واللہ اعلم بالصواب . ۴ شعبان ۱۴۰۰ھ.

شیعہ آغا خانی کھوجے کو وقف کا منتظم بنانا:

(سوال ۲۴) ایک مرحوم صاحب خیر کی ملکیت سورت میں ہے مرحوم کا کوئی وارث نہیں ہے، ان کی اس ملکیت میں سولہ ۱۶ کرایہ دار رہتے ہیں اور وہ خود بھی اسی میں رہتے تھے انہوں نے اپنی وفات سے پہلے عمارت کی آمدنی کے لئے ایک ٹرسٹ قائم کیا ہے اور وصیت کی ہے کہ اس کی جو آمدنی ہو پہلے اس سے مکان کی تعمیر ومرمت کی جائے اور پھر جو رقم بچا کرے وہ محلّہ کی چار مسجدوں میں تقسیم کی جایا کرے، مذکورہ عمارت کے کل پانچ افراد ٹرسٹی ہیں ان میں ایک شخص شیعہ آغا خانی کھوجا بھی ہے، ہم اہل سنت والجماعت حنفی المسلک ایسی آدمی کو ٹرسٹی (منتظم) قائم رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) واقف نے غلطی کی ہے کہ سنی ٹرسٹیوں کے ساتھ آغا خانی کو ٹرسٹی بنایا، اب اگر اس کی وجہ سے وقف کو نقصان پہنچتا ہو اور واقف کا مقصد فوت ہو جاتا ہو تو بدلا جا سکتا ہے، اگر قانونی طور پر اس کی منظوری ہوگئی ہو تو قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ کارروائی کی جائے تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔

صورت مذکورہ میں سنی ٹرسٹیوں کی اکثریت ہے تو ایک نے اگر مخالفت کی تو وہ کامیاب نہ ہوگا کیونکہ فیصلہ اکثریت کی رائے سے ہوگا۔ بہر حال ''نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے'' کے اصول پر کام کیا جائے ، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۵ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ۔

طلباء کے چندہ سے قائم کی ہوئی انجمن کی شرعی حیثیت:

(سوال ۲۵) ایک مدرسہ میں حالات خراب ہوئے اس وقت وہاں کی انجمن کی صدارت احقر کے ذمہ تھی، مدرسہ کی مجلس شوریٰ نے انجمن پر قبضہ کرنے کا حق مہتمم کو دے دیا ہے حالانکہ انجمن طلباء کی تھی اس میں کافی کتابیں ہیں اور

دوسری چیزیں بھی ہیں، انجمن طلبہ کے پیسوں سے قائم ہوئی تھی، انجمن کا حساب کس کو دیا جائے؟ مجلس شوری کا فیصلہ کہاں تک درست ہے؟ مجلس شوریٰ کا اعلان یہ ہے۔

''طلباء کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ۴ جون ۱۹۷۴ء مجلس شوریٰ کی منعقدہ مجلس نے جامعہ کے طلباء کے نام سے جو انجمن قائم ہے اسے غیر قانونی ٹھیرایا جاتا ہے اس کے علاوہ کی بھی تمام انجمنیں غیر قانونی قرار دی جاتی ہیں، جمعیۃ الطلبہ کی کتابیں نقد اور سامان کو بھی ضبط کرنے کا اختیار مہتمم صاحب کو دیا جاتا ہے۔

۲...... میرا کچھ ذاتی مال بھی مدرسہ کے کمرہ میں ہے اس پر بھی مہتمم صاحب نے قبضہ کرلیا، کیا شرعاً ان کا قبضہ کرنا جائز ہے، جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) جمعیۃ الطلباء کی حیثیت عرفاً وقف کی ہوگئی، طلبہ کی ذاتی ادارہ اور ذاتی کتب خانہ شمار نہ ہوگا، جب طلباء فارغ ہوکر جاتے ہیں تو کتب خانہ کی کتابیں اور سامان ساتھ نہیں لے جاتے بلکہ بعد میں آنے والے طلبہ کے لئے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، انجمن کا یہ دستور اس پر دال ہے کہ کتابیں اور سامان ذاتی نہیں اس لئے طلباء کو مطالبہ کا کوئی حق نہ ہوگا بعد میں آنے والے طلبہ اس سے منتفع ہوتے رہیں گے، اس سلسلہ کا حساب اب مہتمم کو دے دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

۲۔ کمرہ میں آپ کی ذاتی کتابیں اور سامان وغیرہ ہو اس کا آپ مطالبہ کرسکتے ہیں کہ وہ آپ کا حق ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان کے درختوں کو کاٹ کر ان سے مسجد اور مدرسہ کی اینٹیں پکانا:

(سوال ۲۶) ایک قبرستان جس میں چار گاؤں مشترک ہیں اور وہ قبرستان صرف ایک گاؤں کی ملکیت کا ہے اس گاؤں کے باشندوں نے دیگر تین گاؤں کے باشندوں کو اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت دے رکھی ہے، اس قبرستان میں بڑے بڑے درخت ہیں ان درختوں کو کاٹ کر مسجد اور مدرسہ کی اینٹیں پکانے کے لئے وہ گاؤں والے جو مالک ہیں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان وقف نہ ہو کسی کی ملک ہو تو اس کی اجازت سے درست ہے، اگر قبرستان وقف ہے تو غیر ضروری درختوں کو کٹوا کر اس کی قیمت قبرستان کا کمپاؤنڈ بنانے اور اس کی مرمت میں اور قبرستان کی صفائی و رسایہ دار درختوں کے لگانے وغیرہ کاموں میں صرف کرنا چاہئے، بلا قیمت دوسری جگہ دینے کی اجازت نہ ہوگی۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی وقف جگہ بغیر کرایہ کے کسی ادارہ کو دینا:

(سوال ۲۷) مسجد کی کچھ وقف جگہ ہے وہ بغیر معاوضہ لئے کسی ادارہ کو مدرسہ چلانے کے لئے دے سکتے ہیں یا

---

(۱) مقبرة عليها اشجار عظمية فهذا على وجهين اما ان كانت الا شجار نابتة قبل اتخاذ الارض مقبرة او نبت بعد اتخاذ الارض مقبرة ففى الوجه الاول المسالة على متيمن اما ان كانت الارض مملوكة لها مالك او كانت مواتالا مالك لها واتخذها اهل القرية مقبرة ففى القسم الاول الا شجار با صلها على ملك رب الا رض يصنع بالاشجار واصلها ما شاء الخ، فتاوىٰ عالمگيرى المسائل التى تعود الى الا شجار التى فى المقبرةالخ ج ۲ ص ۴۷۳

نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی وقف جگہ مسجد کے مفاد کے لئے ہے لہذا کسی ادارہ کو مفت دینا جائز نہیں،[۱] کرایہ لیا جائے اور اسے مسجد کے مفاد میں استعمال کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے وقف قرآن فروخت کرنا:

(سوال ۲۸) ایک صاحب خیر نے مسجد میں تلاوت کے لئے قرآن وقف کئے، ایک دوسرے آدمی نے پیسے دے کر وہ قرآن لے لئے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ درست ہے برائے کرم تحریر فرمائیں کہ مسجد کا قرآن اس طرح بیچا جاسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے وقف قرآن بیچنا جائز نہیں، ضرورت سے زائد ہو اور کام میں نہ آتے ہوں تو قریب کی ضرورت مند مسجد میں دے دیئے جائیں مسجد کو جب ضرورت نہ ہو تو لینا ہی نہیں چاہئے۔[۲] فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان کا احاطہ بنانے میں سود اور زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا:

(سوال ۲۹) ہم لوگ قبرستان کی چہار دیواری کرنا چاہتے ہیں، اس میں کون سے پیسے استعمال کئے جائیں؟ کیا اس میں زکوٰۃ یا سود یا جوے کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان کا احاطہ کر کے قبروں کو بے ادبی اور توہین سے بچانا ضروری ہے اور اس کے لئے حلال کمائی کی رقم ہونی چاہئے، زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جوے کی رقم استعمال کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے، اپنے مردوں کو بے ادبی سے بچانے کے لئے انتظام کرنا اپنا فریضہ ہے، اپنی حیثیت کے مطابق رقم جمع کریں اگر کافی نہ ہو تو مجبوراً بینک کے سود کی رقم وقف قبرستان کے احاطہ میں استعمال کی جاسکتی ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ۔

کتنا مال وقف کرنا جائز ہے:

(سوال ۳۰) ایک بیوہ خاتون کے پاس پچیس ہزار کی زمین، ایک گھر اور پندرہ تولہ سونے کا زیور ہے، ان میں سے وہ خاتون شرع کے مطابق اپنی زندگی میں اپنے مرحومین اور خود اپنے لئے ثواب جاریہ کرنا چاہے تو کتنا مال وقف کر سکتی ہے، خاتون کی کوئی اولاد نہیں ہے، بھائی وغیرہ ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) ورثاء کو محروم کرنا بڑا گناہ ہے، ویسے اس خاتون کو اختیار ہے کہ اپنے ثواب کے لئے اور خویش واقارب کے ایصال ثواب کے لئے خیر خیرات کرے بشرطیکہ ورثاء کو محروم کرنا یا نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔ وقف کرنے کی صورت یہ ہے کہ پوری ملکیت کا تیسرا حصہ وقف کر دیا جائے، اور اگر ضرورت اور حاجت ہو تو یہ شرط لگائی جاسکتی ہے کہ

---

(۱) یو جر بأجر المثل فلا یجوز بالا قل ولو ہو المستحق قارئ الہدایة الا بنقصان یسیر قال فی الشامیة تحت قولہ فلا یجوز بالا قل ای لا یصح اذا کان بغبن فاحش، مطلب لا یصح ایجار الوقف باقل من اجرة المثل، شامی ج۴ ص ۴۰۲۔

(۲) وعن الثانی ینقل الی المسجد آخر باذن القاضی ومثلہ فی الخلاق المذکور حشیش المسجد وحصرہ معا لاستغناء عنہما درمختار مع الشامی مطلب فیما لو خرب المسجد اوغیرہ ج۴ ص ۳۵۹

میں اپنے انتقال تک اس سے فائدہ اٹھاؤں گی اس کے بعد وقف کے متولی (ٹرسٹی) اپنے قبضہ میں لے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

''صلبی اولاد'' پر وقف کیا تو اولاد کی اولاد حق دار ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۳۱) ایک شخص نے ایک جائیداد اپنی اولاد پر وقف کیا ہے اور وقف نامہ میں اس طرح لکھا ہے۔ ''میں اپنی یہ جائیداد اپنی صلبی اولاد پر وقف کرتا ہوں'' واقف کا انتقال ہو گیا ہے، مرحوم کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں ان چار میں سے دو لڑکوں اور ایک لڑکی کا انتقال ہو گیا ہے، اب ایک لڑکی حیات ہے، مرحوم ایک لڑکے کی اولاد میں دو لڑکے اور تین لڑکیاں اور ایک بیوی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں مرحوم لڑکے کی اولاد وقف کی آمدنی میں سے حق دار ہے یا نہیں؟ موجودہ صورت میں وقف کی آمدنی کس طرح تقسیم کی جائے؟ جو لڑکی حیات ہے اس کو کتنا ملے گا؟ وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(جواب) وقف نامہ یا اس کی نقل ارسال کی ہوتی تو بہتر ہوتا، آپ نے سوال میں وقف نامہ کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے ''میں اپنی یہ جائیداد اپنی صلبی اولاد پر وقف کرتا ہوں'' اردو محاورہ میں صلبی اولاد سے مراد بطن اول ہوتا ہے، اولاد کی اولاد مراد نہیں ہوتی، لہٰذا مذکورہ صورت میں جب تک صلبی اولاد میں سے کوئی بھی موجود رہے گی وہی آمدنی کی مستحق ہوگی۔ اور آمدنی تمام اولاد ذکور واناث میں مساوی طور پر تقسیم ہوگی (مذکر و مؤنث میں کمی بیشی نہ ہوگی) جب تک مرحوم کی چاروں صلبی اولاد حیات رہے چاروں مساوی طور پر حق دار ہوں گے اس کے بعد جس کا انتقال ہو جائے اس کی اولاد حق دار نہ ہوگی۔ بقیہ صلبی اولاد میں سے ایک بھی باقی نہ رہے تو اس کے بعد وقف کی آمدنی فقراء پر صرف کی جائے گی، اولاد کی اولاد حق دار نہ ہوگی، البتہ اگر وہ محتاج اور غریب ہوں گو غریب ہونے کے اعتبار سے ان کو بھی دیا جا سکتا ہے، بطریقہ وقف حق دار نہ ہوں گے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں صلبی اولاد میں صرف ایک لڑکی باقی ہے تو کل آمدنی کی وہی حق دار ہے، مرحوم لڑکے کی اولاد حق دار نہیں۔

درمختار میں ہے: **کجعله لولده ولكن يختص بالصلبی ويعم الا نثی مالم يقيده بالذكر و يستقل به الواحد فان انتفى الصلبی فللفقراء دون ولد الولد** ...... شامی میں ہے **(قوله ولكن يختص بالصلبی) ای بالبطن الاول ان وجد فلا يد خل فيه غيره من البطون لان لفظ ولدی مفرد وان عم معنى بخلاف اولادی بلفظ الجمع علی ما يأتی** (اردو میں صلبی اولاد بولا جاتا ہے تو اس سے مراد بطن اول ہوتا ہے بطن ثانی وثالث داخل نہیں سمجھے جاتے اسی مذکورہ صورت میں صرف بطن اول کو حق دار قرار دیا گیا ہے) **(قوله ويعم الا نثى) ای كالذكر اسم الولد ما خوذ من الولادة وهی موجودة فيهما (قوله ويستقل به الواحد) بان كان له اولاد حين الوقف فما توا الا واحدة. اولم يكن له الا واحد . فان ذلك الواحد يا خذ جنيع غلة الوقف لا ن لفظ ولدی مفرد مضاف فيعم (درمختار و شامی ص ۴۰۲**

ج ۳، فصل فیما یتعلق بوقف الا ولاد)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: رجل قال ارضی ھذہ صدقۃ موقوفۃ علی ولدی کانت الغلۃ لو لد صلبہ یستوی فیہ الذکر والانثی واذا جاز ھذا الوقف فما دام یوجد واحد من ولد الصلب کانت الغلۃ لہ لا غیر فان لم یبق من البطن الاول تصرف الغلۃ الی الفقراء، ولا یصرف الیٰ ولد الولد ...... الخ (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۰۶ ج ۳، کتاب الوقف ، باب ۳،فصل نمبر ۲)فقط واللہ اعلم بالصواب.

نام بنام صلبی اولاد پر وقف کیا تو آمدنی کس طرح تقسیم ہوگی؟ کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے حصہ کا کون حق دار ہوگا؟:

(سوال ۳۲)ایک شخص نے اپنا مکان اپنی صلبی اولاد پر وقف کیا،اور زبانی اس طرح کہا ہے اور تین پابند شریعت اس بات کے گواہ ہیں ''میں اپنا یہ مکان اپنی صلبی اولاد محمد علی،محمد انس، محمد جنید، فاطمہ بیگم اور میمونہ بیگم پر وقف کرتا ہوں'' واقف کا انتقال ہو گیا ہے، مرحوم کی تمام اولاد حیات ہے ان پر وقف کی آمدنی کس طرح تقسیم ہوگی؟ مستقبل میں ان پانچ بچوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کی اولاد در اولاد وقف کی آمدنی کی مستحق ہوگی یا نہیں؟ مذکورہ بچوں میں سے ایک لڑکا موقوفہ مکان بیچ دینا چاہتا ہے اور اس کی رقم تمام حق داروں میں تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ مکان بیچ کر مرحوم کے تمام وارثوں میں وہ رقم تقسیم کر سکتا ہے۔ جواب عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مفتی بہ قول کے مطابق زبانی وقف بھی صحیح ہے ثم ان ابا یوسف یقول وقفا بمجرد القول لا نہ بمنزلۃ الا عتاق عندہ وعلیہ الفتویٰ (شامی ص ۴۹۴ ج ۳، کتاب الوقف)(فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۲۴۹، ۲۵۰ ج ۵، ۶ .نیز ص ۲۴۰ ج ۵/۶ ،عزیز الفتاویٰ.

صورت مسئولہ میں مرحوم واقف نے جو کچھ زبانی کہا ہے جب اس کے شاہد موجود ہیں اور وہ پابند شریعت اور عادل ہیں تو اگر مرحوم نے اور کوئی ایسی شرط جو مانع صحت وقف ہو نہ لگائی ہو تو مذکورہ وقف صحیح ہو جائے گا۔

واقف نے اپنا مکان صرف اپنی صلبی اولاد پر وقف کیا ہے اور ساتھ ساتھ ان کے ناموں کی صراحت بھی کر دی ہے کہ ''میں اپنا مکان محمد علی، محمد انس، محمد جنید، فاطمہ بیگم اور میمونہ بیگم پر وقف کرتا ہوں'' تو مرحوم واقف کے منشاء کے مطابق یہ مکان انہی لوگوں پر وقف ہوگا اور یہی اولاد وقف کی آمدنی کی مستحق ہوگی، جب تک یہ پانچوں بچے حیات رہیں گے وقف کی آمدنی تمام اولاد ذکور واناث پر مساوی تقسیم ہوگی (مذکر اور مؤنث میں کمی بیشی نہ ہوگی)اس کے بعد اگر کسی کا انتقال ہو جائے گا تو اس کا حصہ غرباء پر تقسیم ہوگا اس کی اولاد یا اس کے حیات بھائی بہن اس کے حصہ کے حق دار نہ ہوں گے (بقیہ بچوں میں بھی یہی حکم رہے گا)اور جب مذکورہ تمام اولاد کا انتقال ہو جائے گا تو اس کے بعد کل آمدنی فقراء پر خرچ کی جائے گی، ان بچوں کی اولاد حق دار نہ ہوگی، البتہ اگر ان میں کوئی غریب اور محتاج ہو تو غریب، فقیر ہونے کی حیثیت سے اس کو دیا جائے گا۔

درمختار میں ہے: ولو قال علی اولادی ولکن سماھم فمات احدھم صرف نصیبہ للفقراء

شامی میں ہے (قوله ولکن سما هم) فقال علی فلان و فلان وفلان وجعل آخره للفقراء درر فلو کان اولاده اربعة وسمی منهم ثلثة لم یدخل المسکوت عنه ...الخ (قوله صرف نصیبه للفقراء لانه وقف علی کل واحد منهم بخلاف ما اذا وقف علی اولاد ثم للفقراء ولم یسم الاولاد فمات بعضهم فانه تصرف الی الباقی لانه وقف علی الکل لا علی کل واحد افاده فی الدر (درمختار و شامی ص ۶۰۶ ج۳ فیما یتعلق بوقف الاولاد)

عالمگیری میں ہے ولو وقف علی اولاد وسما هم فقال علی فلان وفلان وجعل آخره للفقراء فمات واحد منهم فانه یصرف نصیب هذا الواحد الی الفقراء کذا فی فتاویٰ قاضی خان (فتاوی عالمگیری ص ۲۰۸ ج۳ کتاب الوقف باب ۳ فصل نمبر ۲)

صورت مسئولہ میں وقف کی صحت ثابت ہو جائے تو اسے بیچنا ہرگز جائز نہ ہوگا، اگر کوئی شخص بیچے گا تو بیع باطل ہوگی اور بیچنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ درمختار میں ہے (فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرهن) شامی میں ہے (قوله فاذا تم ولزم) لزومه علیٰ قول الامام باحد الامور الاربعة المارة وعندهما مجرد القبول ولکنه عند محمد لا یتم الا بالقبض والافراز والتابید لفظاً وعند ابی یوسف رحمه الله بالتابید فقط ولو معنی کما علم مما مر (قوله لا یملک) ای لا یکون مملوکاً لصاحبه ولا یملک ای لا یقبل التملیک لغیر بالبیع ونحوه لا ستحالة تملیک الخارج عن ملکه (درمختار وشامی ج۳ ص ۵۰۷ مطلب فی شرط واقف الکتب الا تعار ولا یرهن ج۳ ص ۵۴۵)۔ غایۃ الاوطار میں ہے: فاذا تم ...... پھر جب وقف باجتماع شرائط وارتفاع موانع تمام ہوا تو مملوک نہیں ہوتا اور تملیک اس میں نہیں اور نہ رعایت اور نہ رہن (غایۃ الاوطار ص ۵۶۸ ج ۲، کتاب الوقف) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کوئی شخص موقوفہ زمین بیچنے کی کوشش کرے تو اس وقت مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے؟:

(سوال ۳۳) ایک زمین وقف علی الاولاد ہے اور اس زمین کا وقف ہونا بستی کے بہت سے لوگوں کو معلوم بھی ہے مگر اس وقت واقف ہی کی اولاد میں سے ایک شخص نے رشوت دے کر بذریعہ حکومت (کورٹ) اسے وقف سے آزاد کرالیا ہے اور اب وہ شخص وہ موقوفہ زمین ایک غیر مسلم کو بیچ دینا چاہتا ہے اس شخص کو بہت سمجھایا مگر وہ بیچنے پر مصر ہے اس صورت میں بستی کے ذمہ دار مسلمان کیا کریں ان پر شرعی ذمہ داری کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وقف علی الاولاد کو باطل کرنے اور کسی کو بیچنے کا حق نہ اولاد کو حاصل ہے نہ حکومت و کورٹ کو۔ درمختار میں ہے (فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرهن. شامی میں ہے (قوله لایملک) ای لا یکون مملوکاً لصاحبه ولا یملک ای لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لا ستحالة تملیک الخارج عن ملکه (درمختار و شامی ایضاً ۳/۵۰۷)

ہدایہ میں ہے: واذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه اما امتناع التملیک فلما بینا ای ماروی من حدیث تصدق باصلها لا یباع ولا یوهب (هدایه اولین ص ۶۲۰ ،ص ۶۲۱، کتاب

الوقف)

شرح الوقایہ میں ہے **فاذا صح الوقف لا یمک ولا یملک...... الی قولہ...... والا صح انہ لا یجوز فان الوقف بعد الصحۃ لا یقبل الملک کالحر لا یقبل الرقیۃ،** (شرح الوقایہ ص ۱۱۴ ج ۲ کتاب الوقف)

صورت مسئولہ میں واقف کی اولاد میں سے ایک شخص وقف کو باقی رکھنا نہیں چاہتا واقف کے منشاء کے خلاف کرنے پر تلا ہوا ہے اور غیر مسلم کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو مسلمان کو چاہئے کہ کسی بھی طرح وقف کو علیٰ حالہ باقی رکھنے کی کوشش کریں اور اسے موقوفہ زمین بیچنے نہ دیں اس میں تغافل اور تساہل سے کام نہ لیں، خدانخواستہ اس میں کامیابی نہ ہوں سکے تو مجبوری کی صورت میں اس شخص کو کچھ رقم دے کر موقوفہ زمین مرحوم واقف کی بقیہ اولاد کو اس شرط کے ساتھ حوالے کر دیں کہ وہ لوگ وقف کی پوری ذمہ داری کے ساتھ حفاظت اور واقف کی منشاء کے مطابق عمل کریں اور اگر یہ صورت مشکل ہو تو ایک کمیٹی بنا کر یہ وقف اس کے زیر انتظام کر دیا جائے اور وہ کمیٹی اس کی آمدنی غرباء پر خرچ کرتی رہے، اور اگر یہ صورت بھی اختیار نہ کر سکتے ہوں تو آخری درجہ یہ ہے کہ موقوفہ زمین کسی مسجد یا مدرسہ کے حوالے کر دیں غیر مسلم کے پاس کسی بھی حالت میں یہ زمین جانے نہ دیں اور اس سے مقصود وقف کو خریدنا یا توڑنا نہیں ہے بلکہ وقف کو بچانے کی خاطر فقہی اصول "من ابتلی ببلیتین فلیختر اھو نھا" کے پیش نظر اخف صورت اختیار کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان کی زمین جانور پالنے کے لئے دینا:

(سوال ۳۴) قبرستان کی زمین کسی شخص کو جانور پالنے کے لئے دے سکتے ہیں یا نہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان کی زمین مردوں کو دفن کرنے کے لئے وقف ہوتی ہے لہذا قبرستان کی زمین اسی کام میں استعمال کرنا چاہئے اس کے علاوہ دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: شرط الواقف کنص الشارع (درمختار ۳/۵۷۵، کتاب الوقف) شامی میں ہے: **علی انھم صرحوا بان مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ** (شامی ۳/۵۸۵، کتاب الوقف۔

لہذا قبرستان کی زمین جانور پالنے کے لئے کسی شخص کو دینا جائز نہیں ہے اگر زمین کھلی ہوئی ہو تو دیوار بنا کر احاطہ (کمپاؤنڈ) کر لیا جائے کہ زمین کی حفاظت ہو جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر وارث ترکہ میں سے کچھ زمین برائے مسجد وقف کر دیں تو وقف صحیح نہ ہوگا:

(سوال ۳۵) ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس کے وارثوں میں دو بیویاں تین لڑکے اور ایک لڑکی اور پانچ بھائی ہیں، انتقال کے بعد مرحوم کے بھائیوں نے مرحوم کی کچھ ملکیت مکان وزمین مسجد و قبرستان کو وقف کر دیا، سوال یہ ہے کہ اصل وارث بیٹے اور بیٹیاں اور بیویاں ہیں ان کے ہوتے ہوئے ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر بھائیوں کا وقف کرنا صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر مرحوم کی بیویاں اور اولاد اس وقف کو منظور نہ رکھیں تو یہ ورثاء مکان اور زمین واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ھوالموفق: مرحوم کے وارثوں میں دو بیویاں تین لڑکے اور ایک لڑکی اور پانچ بھائی ہیں تو مذکورہ صورت میں ان کے مال وملکیت اور ترکہ کے حق داران کی دو بیویاں اور ان کے بیٹے بیٹی ہیں مرحوم کے بھائی حق دار نہیں ہیں اگر بھائی شرعاً وارث ہوتے تو اپنے حصہ میں اس قسم کا تصرف کرنے کے حق دار تھے، لہٰذا صورت مسئولہ میں مرحوم کے بھائیوں کو مرحوم کے ترکہ میں تصرف کرنے اور وقف کرنے کا حق نہیں ہے اگر مرحوم کے بھائیوں نے اپنے طور پر مسجد و قبرستان کو مرحوم کی کچھ ملکیت مکان وزمین وقف کی ہو اور وقف کے سلسلہ میں نہ مرحوم نے وصیت کی ہو نہ مرحوم کے شرعی وارثوں نے اجازت دی ہو تو بھائیوں کا وقف کرنا صحیح نہ ہوگا، جب وقف صحیح نہ ہوا ہو تو اصل وارث مکان اور زمین واپس لے سکتے ہیں۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

طویل مدت کے لئے موقوفہ زمین کسی مصلحت سے کرایہ پر لینا اور دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۶) ایک بستی میں ایک عربی مدرسہ ہے جس میں ۳۵۰ طلبہ ہدایہ اولین تک تعلیم حاصل کرتے ہیں، ۲۲ مدرسین ہیں ۲۰ درس گاہ ہیں اور مسجد ہے، دارالاقامہ میں ۲۶ کمرے، دارالمدرسین اور مطبخ وغیرہ بن چکا ہے۔

مدرسۂ مذکور جس زمین پر واقع ہے وہ زمین مدرسہ کی مملوکہ نہیں ہے بلکہ اس بستی کی ایک مسجد کی وقف زمین ہے اس زمین پر آج سے بائیس سال پہلے علاقہ کی اشد ضرورت کے پیش نظر مدرسہ کی تعمیر ہوئی، مدرسہ کی ابتداء میں علاقہ کے مشہور ومعروف مفتی صاحب رحمہ اللہ سے فتویٰ حاصل کر کے کرایہ طے کیا تھا، آج تک مدرسہ گاؤں کی مسجد کو اس کی وقف زمین کا کرایہ ادا کر رہا ہے، مدرسہ مذکورہ زمین (جس پر مدرسہ واقع ہے) خریدنا چاہے تو شرعاً جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ اگر شرعاً خریدنے کی گنجائش نہ ہو تو مدرسہ لمبی مدت متعینہ کے لئے (جس کو لیز کہتے ہیں) یہ زمین کرایہ پر لے کر یکمشت اس متعینہ مدت کا کرایہ پیشگی ادا کردے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ یہ عمل ایک مصلحت کے پیش نظر کیا جارہا ہے ایک تو یہ کہ اس زمین پر مدرسہ کی کافی عمارت بن چکی ہے، دوم یہ کہ فی الحال مسجد کی کمیٹی اطمینان بخش ہے آگے چل کر خطرہ ہے کہ کمیٹی بدلنے پر وہ لوگ اس زمین کا مطالبہ کریں اور مدرسہ کو شدید مالی وتعلیمی بحران سے دوچار ہونا پڑے، امید ہے کہ آپ رہبری فرمائیں گے، اللہ پاک آپ کو دارین میں بہترین اجر عطا فرماویں، آمین۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ھوالموفق: وقف کی بیع تو باطل ہے، لہٰذا یہ موقوفہ زمین بیچنا اور اہل مدرسہ کا موقوفہ زمین خریدنا تو جائز نہ ہوگا، اسی طرح فقہاء رحمہم اللہ نے وقف زمین کو طویل مدت کے لئے کرایہ پر دینے کو بھی ممنوع لکھا ہے کہ اس میں موقوفہ زمین کے ضیاع کا اندیشہ رہتا ہے، مرور زمانہ پر وہ یا اس کے وارث یا اس کے متعلقین مرحوم کو زمین کا مالک سمجھنے لگتے ہیں اور اس پر قبضہ کر کے خود کو وارث اور حق دار سمجھتے ہیں، مگر مذکورہ صورت میں چونکہ اس زمین پر مدرسہ کی بہت ساری عمارتیں بن چکی ہیں، ان عمارتوں کو وہاں سے ہٹانے میں مدرسہ کا کافی مالی نقصان ہوگا نیز وہ مصلحت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی جو آپ نے تحریر فرمائی ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں اگر یہ شکل ہوسکتی ہو کہ مسجد۔ مدرسہ کی تمام

---

(۱) و شرط سائر التبرعات افادان الواقف لا بدان یکون ما لکا وقت الوقف ملکا باتا ولو بسبب فاسد ان لا یکون محجورا عن التصرف ... حتی لو وقف الغاصب المغصوب لم یصح شامی کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة.

عمارتیں خرید لے اور پھر مدرسہ اس میں کرایہ دار بن جائے تو یہ صورت اختیار کی جائے ، اور اگر یہ صورت مشکل ہو اور مصلحتاً مدرسہ طویل مدت متعینہ کے لئے زمین کرایہ پر لے کر اس پوری مدت کا کرایہ پیشگی دے دے اور اس میں وقف کا ضرر نہ ہو تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے اور با قاعدہ مدرسہ اور گاؤں کے ذمہ داروں کو اس پر گواہ بھی بنا لیا جائے اور سرکاری اسٹیمپ پر بھی یادداشت لکھ دی جائے کہ مدرسہ عربیہ جس زمین پر واقع ہے وہ زمین گاؤں کی مسجد کی وقف زمین ہے ، مدرسہ عربیہ کی مملوکہ نہیں ہے اور مدرسہ نے اتنی مدت کے لئے اسے کرایہ پر لیا ہے وغیرہ تا کہ مستقبل میں وقف ضائع ہونے کا بالکل خدشہ نہ رہے۔

درمختار میں ہے (وبثلاث سنین فی الارض) الا اذا كانت المصلحة بخلاف ذلک وهذا مما يخلف زمانا وموضعاً (درمختار) شامی میں ہے (قوله الا اذا كانت المصلحة بخلاف ذلک) هذا احد الا قوال الثمانية وهو ماذكره الصدر الشهيد من ان المختار منه انه لا يجوز فی الدور اكثر من سنة الا اذا كانت المصلحة فی الجواز وفی الضياع يجوز الی ثلث سنين الا اذا كانت المصلحة فی عدم الجواز وهذا امر يختلف باختلاف الواضع واختلاف الزمان اه (درمختار و شامی ج۳ ص ۵۴۹ فصل يراعی شرط الواقف فی اجارته)

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے :

(الجواب)قال فی رد المحتار عن الا مام ابی حفص البخاری انه كان يجيز اجارة الضياع ثلاث سنين فان اجر اكثر اختلفوا فيه وقال اكثر مشائخ بلخ لا يجوز وقال غيرهم يرفع الامر الی القاضی ثم قال قول المتقدمين عدم تقدير الا جارة بمدة ورجحه فی انفع السائل والمفتی به ماذكره المصنف خوفا من ضياع الوقف .ثم قال تحت قول الدر الا اذا كانت المصلحة بخلاف ذلک ، واشار الشارح الیٰ انه لا يخالف ما فی المتن لان اصل عدول المتاخرين عن قول المتقدمين بعدم التوقيت انما هو بسبب الخوف علی الوقف فاذا كانت المصلحة الزيادة اوالنقصان اتبعت وهو توفيق حسن انتهی (شامی ص ۴۳۳ ج۳) وقال فی اتحاف الا خلاف فی احكام الا وقاف فجوزت مسئلة الا جارة الطويلة فی الا وقاف خلافاً للقياس لمسيس الحاجة وسومح لمتاجرون تلک الاوقاف بكثير من المنافع والفوائد (ص ۱۲۷)

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ متولی وقف اگر یہ دیکھے کہ اجارۂ طویلہ پر دینے میں وقف کا فائدہ ہے اور نہ دینے میں ضرر ہے تو اس کو شرعاً اختیار ہے اور صورت مسئولہ میں چونکہ ایک سال کا اجارہ اور سو سال کا اجارہ گورنمنٹی قانون میں برابر ہے اور سو دو سو برس کے اجارہ میں فوری فائدہ ہے اس لئے یہ اجارہ جائز ہے بشرطیکہ وقف کا کوئی ضرر نہ سمجھا جاوے (فتاویٰ دار العلوم قديم ص ۲۷۶ و ص ۲۷۷ جلد نمبر ۵ ونمبر ۲ امداد المفتين. كتاب الوقف) فقط والله اعلم بالصواب .

سرکاری قانون کا سہارا لے کر موقوفہ زمین کا مالک بننا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۷) ہندوستانی حکومت نے ایک قانون بنایا تھا ''جو رہے اس کا گھر جو کھیتی کرے اس کی زمین'' یعنی خاتمۂ زمینداری کا قانون، اس قانون سے مسجد، مدرسہ وغیرہ بھی مستثنیٰ نہ تھے، منجانب حکومت اداروں کے لئے جو مقدار متعین کی گئی تھی بس اتنی ہی مقدار زمین ادارہ کے لئے رکھی جاسکتی تھی، اس مقدار سے زائد زمین سرکاری قانون کی زد میں آنے کی وجہ سے وہ زمین حکومت کو خود لینے یا جس کے قبضہ میں وہ زمین ہے اسے دینے کا اختیار ہوتا تھا، ہمارے گاؤں کی مسجد اور مدرسہ کے پاس کافی مقدار میں زمین تھی جو لوگوں کو زراعت پر دی ہوئی تھی۔ قانون سے زائد جو زمین تھی اس کے متعلق مشورہ یہ ہوا کہ جن لوگوں کے پاس مسجد و مدرسہ کی وقف زمین بطور زراعت ہے صرف حکومت کو دکھانے کے لئے ان کے نام پر کردی جائے اصل ملکیت مسجد و مدرسہ ہی کی رہے گی اور مستقبل میں مناسب موقع پر وہ زمین مسجد و مدرسہ کو واپس کردی جائے گی چنانچہ قابضین زمین سے زبانی معاہدہ ہوا اور زمینیں ان کے نام کردی گئی اور قابضین نے اس سے پورا اتفاق کیا اور عہد کیا کہ مناسب موقع آنے پر ہم اپنا نام ختم کر کے مسجد و مدرسہ کے حوالے کردیں گے، اگر اس وقت یہ صورت اختیار نہ کی جاتی تو وہ زمینیں بالکل ہی ضائع ہوجاتیں، کئی سال اسی حالت میں گذر گئے، اب نئی حکومت بنی ہے اس کی پالیسی الگ ہے اور نئی حکومت نے اس قانون میں ترمیم کی ہے اور وہ پابندی ختم کردی ہے اس وقت قابضین زمین کو معاہدہ یاد دلا کر زمینوں کا مطالبہ کیا گیا اور کہا گیا کہ اپنا قبضہ اور نام ختم کر کے مسجد و مدرسہ کے حوالہ کردو تو وہ لوگ صاف انکار کررہے ہیں، سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں سرکاری قانون کا سہارا لے کر وقف ختم کر کے موقوفہ زمینوں پر قبضہ کرنا اور مالک بننا صحیح ہوگا؟ مدلل اور تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: کوئی صاحب اپنی زمین مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کردیں اور شرعی اصول کے مطابق وقف تام اور لازم ہوجائے تو وہ زمین قیامت تک وقف ہی رہے گی کبھی بھی اس وقف کو ختم اور توڑا نہیں جاسکتا، اور کسی کو مالک نہیں بنایا جاسکتا، اسی طرح موقوفہ زمین بیچنا، رہن رکھنا، ہبہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، فقہی کتابوں میں اس کے متعلق واضح ہدایات موجود ہیں۔

درمختار میں ہے (فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن رد المحتار میں ہے (قوله لا یملک) ای لا یکون مملوکا لصاحبه ولا یملک ای لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لا ستحالة تملیک الخارج عن مالکه (درمختار ورد المحتار ۵۰۷/۳ مطلب فی شرط واقف الکتب ان لا تعار ولایرھن)

ہدایہ میں ہے: واذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه اما امتناع التملیک فلما بینا ای ماروی من حدیث تصدق باصلها لایباع ولا یوھب (ھدایه اولین، ص ۶۲۰، ۶۲۱ کتاب الوقف)

شرح الوقایہ میں ہے: فاذا صح الوقف لا یملک ولا یملک ...... والا صح انه لا یجوز فان الوقف بعد الصحة لا یقبل الملک کالحر لا یقبل الرقیة (شرح الوقایه ص ۱۱۴ ج ۲ کتاب الوقف)

صورت مسئولہ میں جن لوگوں کے قبضہ میں مسجد و مدرسہ کی موقوف زمینیں ہیں معاہدہ کے مطابق وہ زمینیں مسجد و مدرسہ کو واپس کر دینا چاہئے اور اگر وہ لوگ موقوفہ زمینوں پر سرکاری قانون کا سہارا لے کر مالک بننا چاہتے ہیں تو وہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے حکومت کے قانون کی وجہ سے وقف ختم نہیں ہوسکتا، اور کسی بھی حالت میں وہ لوگ موقوفہ زمین کے مالک نہیں بن سکتے، فوراً اپنا قبضہ ختم کر کے وقف کو اصلی حالت پر لوٹا دینا شرعاً لازم اور ضروری ہے ورنہ سخت گنہگار ہوں گے اور جو فائدہ حاصل کریں گے وہ سب حرام ہوگا۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ سرکاری قانون جیسے بھی ہوں اس کا غلط سہارا لیتے ہوئے وقف زمین یا وقف مکان پر قبضہ نہ کیا جائے بلکہ اگر کسی وجہ سے وقف زمین یا وقف مکان پر غیروں کا قبضہ ہوگیا ہو تو مسلمانوں پر اپنی حیثیت کے مطابق کوشش کر کے وقف کو ان کے قبضہ سے چھڑانا اور اصلی حالت کی طرف لوٹانا واجب اور ضروری ہے، اسلام میں وقف کی بہت ہی اہمیت ہے وقف کی حفاظت کرنا اسلامی فریضہ ہے۔

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:۔

مسجد یا قبرستان کی زمینوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے تو بھی وہ زمینیں شرعاً مسجد یا قبرستان رہتی ہیں۔

ہندوستان، خصوصاً یوپی میں خاتمہ زمینداری کے بعد ایک خاص مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ جو زمینیں موقوفہ تھیں (مسجد یا قبرستان کے لئے یا کسی بھی مصرف شرعی کے لئے) ان پر اگر حکومت ہند کے قانون جدید کی رو سے کوئی شخص، مسلم یا غیر مسلم، قبضۂ مالکانہ حاصل کرے تو کیا وہ زمینیں اس قابض شخص کی ملکیت میں آجائیں گی یا نہیں؟ استیلاء کفار علی اموال المسلمین کے مشہور فقہی اصول کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے اس کی گنجائش بظاہر نکلتی نظر آتی تھی کہ یہ بھی ملکیت میں آجائیں گی مگر یہ صرف ایک مغالطہ یا غلط فہمی ہے، کیونکہ جہاں وہ اصول ملتا ہے وہیں اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ استیلاء کفار (کافر اگر غلبہ حاصل کریں مسلمان کا مال لے لیں) تو یہ غلبہ ان مواقع پر ملکیت کا سبب بنتا ہے، جہاں ملکیت منتقل ہونے کی شرعاً گنجائش ہو لیکن ایسے معاملات جہاں شرعاً کسی کی طرف ملکیت منتقل ہو ہی نہیں سکتی وہاں کسی کافر کا بھی غلبہ سابقہ صورت حال کو تبدیل نہیں کرے گا، ہدایہ میں ہے: **لا یملک علینا اهل الحرب بالغلبة مدبرینا و امهات اولادنا** .باب استلاء الکفار ج. ۲ ص ۵۸۲. غلبہ پا کر حربی کافر اگر مسلمانوں کے ام ولد یا مدبر کو پکڑ لے جائیں تو بھی وہ مالک نہیں بنیں گے اس کی وجہ ہدایہ کے مشہور شارح محقق ابن ہمام رحمہ اللہ نے یہ تحریر فرمائی ہے۔ **لان السبب ...... یفید الملک لما یرد علیه فی محله المال المباح ایضاً**. کفار کے غلبہ سے ان کی ملکیت وہاں قائم ہوگی جہاں اس کی اہلیت ہو یعنی مال مباح میں (کہ جس کی ملکیت منتقل کرنا جائز ہو)

اور یہ بات معلوم ہے کہ وقف شدہ مال ایسی چیزوں میں سے جس پر کسی کی ملکیت نہیں قائم ہوسکتی، اس لئے یعنی مذکورہ اصل کی بنا پر، یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ موقوفہ زمینوں پر اگر ملکی قانون کی رو سے کسی کا مالکانہ قبضہ و تصرف ہو جائے تو بھی وہ شرعاً غیر معتبر ہے۔ بلکہ وہ زمین شرعی لحاظ سے پہلے ہی کی طرح موقوفہ رہیں گی، لہذا کسی مسلمان کا اس کو اپنی مالکانہ تصرف میں لانا قطعاً جائز نہ ہوگا بلکہ اگر کسی کافر کی ملکیت میں قانون ملکی کی رو سے پہنچ بھی گئی ہوں تو امکان بھر کوشش کر کے ان سے چھڑانا اور اصل حالت کی طرف لوٹانا بقدر استطاعت مسلمانوں پر واجب ہوگا، حضرت تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک فتویٰ اسی طرح کا موجود ہے۔ حضرت کا یہ فتویٰ (عربی زبان میں) بوادر النوادر ص ۱۷۴، ص ۱۷۴ ج ۲ میں موجود ہے، حضرت کے اس فتویٰ پر احقر بعد میں مطلع ہوا پہلے اپنی رائے کا اظہار کر چکا تھا، اس لئے قدرتی طور پر اس توافق سے بہت خوشی ہوئی۔

اس سلسلہ میں خاصی طویل علمی بحث ۵۔۱۹۷۵ء، ۱۳۹۵ھ میں اخبار ''الجمعیۃ'' دہلی کے اندر شائع ہو چکی ہے (جس میں راقم نے بھی حصہ لیا تھا) اس کا خلاصہ بھی یہی ہے جو اوپر کی سطروں میں مذکور ہوا (موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل ص ۸۹، ص ۹۰) وفقط واللہ اعلم بالصواب۔

غصہ میں آکر اپنا مشترک حصہ وقف کر دیا اب اس کو باطل کر کے رقم دینا چاہتا ہے:

(سوال ۳۸) میں اپنے تین لڑکوں اور دو لڑکیوں کے ساتھ اپنے آبائی مکان کے نچلے حصہ میں رہتا ہوں، میری تمام اولاد شادی شدہ ہے مکان کا نچلا حصہ میرے قبضہ میں ہے جب کہ بالا خانہ میں میرے مرحوم بھائی (محمد اشرف) رہتے تھے، وہ شادی شدہ نہیں تھے۔

پہلے ہم دونوں بھائیوں کا کاروبار مشترک تھا پھر بخوشی ہم نے اپنا کاروبار الگ الگ کر لیا، آج سے تقریباً سات سال قبل میری اہلیہ اور میرے بھائی میں جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے آپس میں بات چیت اور تعلقات بالکلیہ منقطع ہو گئے تھے، جب ہماری بات چیت بند تھی اس زمانہ میں ہمارے بھائی نے بالا خانہ والا حصہ (جس پر وہ قابض تھے) محلّہ کی ایک مسجد کے نام وقف کر دیا تھا، یہ واقعہ تقریباً ۱۹۸۷ء کا ہے، میری اہلیہ کا انتقال ۱۹۹۱ء میں ہوا تھا، اہلیہ کے انتقال سے پہلے بھائی کے ساتھ ہمارے تعلقات خوشگوار ہو گئے تھے ۱۹۹۴ء کے شروع میں میرے بھائی نے اس مسجد کے ایک ٹرسٹی سے کہا کہ میں نے اپنی بھاوج کے ساتھ ان بن کی وجہ سے جوش اور غصہ میں آکر اور اپنے بھائی بھتیجوں کا حق مار کر مسجد کے نام اپنا حصہ وقف کر دیا تھا، اب جب کہ میری بھاوج اللہ کو پیاری ہو چکی ہے اور میرے بھائی اور بھتیجوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار ہیں اس لئے اب میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں اپنا حصہ، جو میں اس مسجد کے نام وقف کر چکا ہوں، مسجد سے واپس لے کر اپنے بھتیجوں کے نام کر دوں، اس ٹرسٹی نے بھائی سے کہا چلئے ہم راندیر جا کر اس بارے میں فتویٰ حاصل کریں کہ مسجد کے نام وقف کردہ جائداد واپس لی جا سکتی ہے! راندیر آنے کا ارادہ تھا مگر کچھ رکاوٹوں کی وجہ سے نہ آسکے، مگر میرے بھائی نے ٹرسٹی صاحب سے دو تین مرتبہ یہ بات کی اور ان کے علاوہ مسجد کے منشی صاحب جو برسوں سے مسجد کا حساب کتاب لکھتے ہیں ان سے بھی اپنی خواہش کا تذکرہ کیا۔

راندیر آنے کا ارادہ تھا مگر اتفاقاً ایک حادثہ میں بھائی کا انتقال ہو گیا اور راندیر آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے،

اب ہم اور مسجد کے ٹرسٹی آپ سے عرض کرتے ہیں کہ بھائی نے جو حصہ مسجد میں وقف کیا ہے اس کا کیا کیا جائے؟ مرحوم نے جو وقف نامہ تحریر کیا تھا وہ بھی حاضر خدمت ہے، کیا یہ وقف صحیح ہے؟ اور مرحوم بھائی کی خواہش کے مطابق ہم لوگ مسجد سے وقف کردہ جائیداد واپس لے سکتے ہیں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ، بینوا توجروا۔

(الجواب) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامداً ومصلیاً ومسلماً، وھوالموفق۔

مرحوم محمد اشرف نے سوال اور وقف نامہ میں ذکر کردہ اپنی غیر منقسم ملکیت (۱/۲ حصہ) اپنی زندگی میں محلہ کی ایک مسجد میں وقف کردی ہے اور اس کا وقف نامہ بھی تحریر کیا ہے، اور وقف نامہ میں لکھا ہے "تادم حیات اپنے لئے اس مکان میں رہائش اور اس کی آمدنی لینے کا حق برقرار رکھتے ہوئے اس جائیداد کو وقف کرتا ہوں۔"

مذکورہ وقف حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے بموجب صحیح ہو چکا ہے اس لئے وقف ختم کر کے اس کا ابطال نہیں کیا جاسکتا، اب محلہ کی اس مسجد کے متولی صاحبان کو چاہئے کہ اس مکان کو مرحوم (محمد اشرف) اور مرحوم کے بھائی ادریس کے درمیان تقسیم کر دیں اور مرحوم محمد اشرف کے حصہ میں جو نصف حصہ آوے وہ مسجد کی موقوفہ جائیداد سمجھی جاوے۔

مرحوم نے اپنی زندگی میں رہائش کی جو شرط وقف نامہ میں تحریر کی ہے وہ درست ہے ایسی شرط لگائی جاسکتی ہے، درمختار میں ہے (کما) صح وقف (مشاع قضی بجوازہ) لانہ مجتھد فیہ فللحنفی المقلدان یحکم بصحۃ وقف المشاع وبطلانہ لاختلاف التوجیہ واذا کان فی المسئلۃ قولان مصححان جاز الافتاء والقضاء باحدھما بحر ومصنف (درمختار مع رد المحتار ۳/۶ ۵۱۶، ۵۱۷ مطلب فی وقف المشاع المقضی بہ)

درمختار میں ہے (وجاز جعل غلۃ الوقف) اوالولایۃ (لنفسہ عند الثانی) وعلیہ الفتویٰ (قولہ وعلیہ الفتویٰ) کذا قالہ الصدر الشہید وھو مختار اصحاب المتون ورجحہ فی الفتح واختارہ مشایخ بلخ وفی البحر عن الحاوی انہ المختار للفتویٰ ترغیباً للناس فی الوقف وتکثیر الخیر. (مطلب فی اشتراط الغلۃ لنفسہ رد المحتار ۳/۵۳۵)

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے۔

(الجواب) مشاع کا وقف امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صحیح ہے اور اس پر فتویٰ ہے اس قول کے موافق بعد وقف ہوجانے کے حصہ موقوفہ علیحدہ کردیا جاوے گا اور تقسیم کر کے اس کو جدا کردیا جاوے گا، خواہ یہ تقسیم باہمی رضامندی سے ہو اور خواہ بذریعۂ عدالت کے ہو (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۲۶۹ ج ۵، ۶۔ عزیز الفتاویٰ)

نیز فتاویٰ دارالعلوم میں ہے: وقف کی آمدنی کو حین حیات اپنے لئے رکھا ہے یہ وقف صحیح اور نافذ ہو چکا اس میں کسی وارث کا کوئی حصہ نہیں، قال فی الدر المختار من الوقف وجاز جعل غلۃ الوقف اوالولایۃ لنفسہ عند الثانی وعلیہ الفتویٰ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۲۶۷ ج۵، ۶)

مرحوم نے وقف نامہ میں تصریح کی ہے کہ (جائیداد کو) تقسیم کرنے کی صورت میں میرے حصہ کے طور پر متولی حضرات جو کچھ پاویں اس جائداد کو اگر بیچنے کی ضرورت محسوس ہو تو بیچ کر نقد رقم لے لی جاوے اور سے بھی وقف شمار کیا جاوے، اس تصریح کے پیش نظر متولی حضرات وقف کو بیچنا چاہیں تو بیچ سکتے ہیں، بیچتے وقت بازار میں رائج الوقت جو قیمت ہو وہ طے کی جاوے اور جو قیمت آوے اس سے کوئی غیر منقول جائیداد اس مسجد کے لئے خریدنا ضروری ہوجائے گا اور وہ غیر منقول جائیداد اصل وقف کے قائم مقام شمار کی جاوے گی، اس تمام کارروائی میں اس بات کا لحاظ

رکھا جاوے کہ وقف کا نقصان نہ ہو۔

درمختار میں ہے: وجاز (شرط الا ستبدال بہ) ارضاً اخریٰ (او) شرط بیعه ویشتری بثمنه ارضا اخریٰ اذا شاء فاذا فعل صارت الثانية كالا ولیٰ فی شرائطها وان لم یذکرها ثم لا یستبد لها بثالیة لانه حکم مثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولیٰ لا الثانیة (درمختار)

شامی میں ہے: قوله وجاز شرط الاستبدال به الخ اعلم ان الا ستبدال علی ثلاثة وجوه، لاقل ان یشترطه الواقف لنفسه او لغیره او لنفسه وغیره فالا ستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً ویجب ان یزاد اخرفی زماننا وهو ان یستبدل بعقا ر لا بلدراهم ودنا نیر فانا قد شاهد نا النظار یا ٔکلو نها وقل ان یشتری بد لا ولم نراحداً من القضاة فتش علی ذلک مع کثرة الا ستبدال فی زماننا (درمختار ورد المختار ص ۵۳۵ ،ص ۵۳۶ ،ص ۵۳۷ ج ۳ مطب فی استبدال الوقف وشروطه)

فتاویٰ دار العلوم قدیم میں ہے۔

(الجواب) جو روپیہ جزو جائیداد موقوفہ لے معاوضہ کا سرکار سے ملا ہے ضروری ہے کہ اس روپے سے جائیداد خرید کر کے شامل جائداد موقوفہ کے جائے اس روپیہ کو اور کسی کام میں نہ لگایا جائے ......الخ (فتاویٰ دار العلوم قدیم ص ۳۳۹ عزیز الفتاویٰ فقط واللہ اعلم بالصواب . ۳ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ (۱۰/۵/۵۴)

رفاہی ادارہ کے دستور میں ایسی تبدیلی جو مقصد اصلی کے خلاف ہو:

(سوال ۳۹) ہمارا ایک ادارہ ہے جس کا نام ''گجرات مسلم ایسوسی ایشن'' ہے چند سال قبل ''انجمن تعلیم المسلمین'' کا الحاق ہمارے ادارہ کے ساتھ کیا گیا ہے ہم لوگ انجمن کا مالی تعاون کرتے ہیں اور انجمن کے ذمہ دار ہم سے اہم کاموں میں مشورہ بھی کرتے ہیں اور ہمارے مشوروں کا احترام بھی کرتے ہیں، ابھی ایک اہم بات پیش آئی ہے اور اس سلسلہ میں انجمن کے ذمہ داروں نے ہم پر خط لکھا ہے وہ یہ ہے۔

''انجمن کا قیام ۱۹۶۸ء میں عمل میں آیا، اس کے ماتحت ''انجمن ہائی اسکول'' بنائی جارہی ہے، انجمن کے قیام کا مقصد مسلم قوم کے غریب بچوں کو دینی و دنیوی تعلیم دینا اور صنعت وحرفت سکھلا کر قوم کو آگے بڑھانا ہے، حکومت ہند نے ایک قانون بنایا ہے اس کے تحت ہر قومی ادارے (جیسے کہ دار العلوم، دینی مکاتب، مسافر خانے، یتیم خانے جیسے رفاہی اوقاف کی آمدنی سے انکم ٹیکس کی رعایت ختم کردی ہے، یعنی ٹرسٹ کی آمدنی پر انکم ٹیکس کا قانون جاری کردیا ہے، اس قانون سے بچنے کے لئے مذکورہ انجمن کے ذمہ داروں نے انجمن کے دستور میں ترمیم کی ہے، انجمن کے دستور میں یہ ہے ''مسلم قوم کے غریب بچوں...... کے لئے'' ترمیم کے بعد مسلم قوم کے بجائے سیکولر بنادیا ہے، اس ترمیم کی وجہ سے ہر قوم کے بچوں کو داخل کرنا پڑے گا البتہ اس ترمیم کی وجہ سے مذکورہ ادارہ ''انڈین گورنمنٹ انکم ٹیکس'' کے قانون سے مستثنیٰ ہوجائے گا، تو دستور میں ایسی ترمیم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

نیز ایک بات یہ بھی عرض ہے کہ جس وقت مذکورہ انجمن کی طرف سے چندہ کی اپیل شائع ہوئی تھی اس میں

بھی انجمن المسلمین کے قیام کا مقصد مسلمانوں کے نادار بچوں کے لئے تعلیم کا انتظام بتلایا گیا تھا۔

آپ اس کا جواب ہمیں عنایت فرمائیں اور ہماری رہنمائی فرمادیں، اللہ پاک دونوں جہان میں آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائیں، آمین فقط والسلام، بینوا توجروا۔

(الجواب) باسمہ تعالیٰ، حامداو مصلیاو مسلما۔

صورت مسئولہ میں انجمن تعلیم المسلمین کا قیام خاص مسلمانوں کے نادار بچوں کی دینی تعلیم اور بقدر ضرورت دنیوی تعلیم یا صنعت وحرفت سکھلانے کے لئے عمل میں آیا، اور انہیں مقاصد کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے چندہ کی درخواست کی گئی اور لوگوں نے بھی اسی مقصد کے ماتحت چندہ دیا ہے، نیز تقریباً ایک ڈیڑھ سال قبل قیام انجمن ہائی اسکول کے لئے چندہ کی اپیل شائع ہوئی، اس اپیل میں احقر اور حضرت مولانا اجمیری صاحب وغیرہ حضرات کے دستخط ہیں، اس وقت احقر نے ذمہ دار حضرات کو اس بات کی طرف خاص طور پر متوجہ کیا تھا کہ انجمن ہائی اسکول کے قیام کا اصل مقصد دینی تعلیم ہے، بچوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اچھا دینی ماحول بھی ملنا چاہئے، احقر کی اس بات سے ذمہ دار حضرات متفق ہوئے تھے۔ جب قیام کا مقصود اصلی دینی تعلیم اور اس کے ساتھ بقدر ضرورت دنیوی تعلیم دینا بھی ہے۔ اور دستور میں یہاں تک تصریح موجود ہے کہ۔

جب یہ ادارہ مالی حیثیت سے خود کفیل ہوجائے، تو اولین فرصت میں اسے دارالعلوم جیسے ادارہ کی شکل دے دی جاوے، اور اب اس کے بالکل برعکس نئی اسکیم میں مقصود اصلی کو ختم کیا جارہا ہے، گویا کہ اصل دستور اور مقصود قیام میں تبدیلی کی جارہی ہے اس لئے ایسی تبدیلی کی اجازت نہیں دی جاسکتی، خلاصہ یہ کہ جن نیک وبھلے مقاصد کے لئے ادارہ قائم کیا گیا ہے انہیں مقاصد کو باقی رکھنا ضروری ہے، اس میں ردوبدل نہ کیا جائے اور لوگوں نے جن مقاصد کے پیش نظر چندہ دیا ہے ان کی منشاء کے خلاف ورزی نہ کی جائے۔ (۱) نیز اصل دستور میں ترمیم کی صورت میں حکومت کے دباؤ میں رہنا پڑے گا اور خلاف شرع امور کا ارتکاب بھی کرنا پڑے گا، اس لئے اصل دستور میں ترمیم کی اسکیم نہ سوچی جاوے ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ (۹۳/۱۱/۶)

موقوفہ قبرستان میں آمدنی کے لئے دوکانیں بنانا قبرستان میں موجود مسجد کی تجدید:

(سوال ۴۰) ہماری جماعت کا قبرستان نہایت ہی خستہ حالت میں ہے جماعت کے بہت سے حضرات قبرستان کا احاطہ کرنے کی غرض سے وہاں دوکانیں برائے آمدنی بنانا چاہتے ہیں تو کیا اس طرح آمدنی حاصل کرنا درست ہے، نیز اس آمدنی کا مصرف کیا ہے؟

(۲) قبرستان میں ایک پرانی مسجد تھی جس میں کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی، وہ مسجد شہید ہوجانے کی وجہ سے وہاں نئی مسجد بنائی جاوے یا ویسے ہی زمین کو چھوڑ دیا جاوے کیونکہ وہاں کوئی مصلی رہتا نہیں ہے، نیز قبرستان میں مسجد کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

---

(۱) قولہ قولھم مشرط الواقف کنص الشارع فی الخیریۃ قد صرحوا بأن الاعتبار فی الشروط لما ھو الواقع لا لما کتب فی مکتوب الوقف فلو اقیمت بینۃ لم یوجد فی کتاب الوقف عمل بھا بلا ریب لأن المکتوب خط مجرد ولا عبرۃ بہ لخروجہ عن الحجج الشرعیۃ شامی مطلب فی قولھم مشرط الواقف کنص الشارع ج۷ ص ۴۳۳

(۳) موقوفہ قبرستان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لئے ایسے قبرستان کے لئے حصول آمدنی کا کیا ذریعہ اختیار کیا جائے۔سابق زمانہ میں قبرستان بڑا تھا،لیکن میونسپلٹی نے اسے قانونی پیمائش میں لے لیا جس کی وجہ سے بہت چھوٹا ہوگیا ہے۔

(الجواب) بسم الله الرحمن الرحیم، حامداً و مصلیا و مسلماً.

(۱۔۳) قبرستان میں ہمارے آباؤ اجداد وغیرہ خویش واقارب اور دیگر مسلمان حضرات مدفون ہوتے ہیں،جن میں بہت سے بزرگان دین، اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اور بندیاں ہوں گی اگلے اہل خیر حضرات بڑی بڑی زمینیں وقف کر گئے ہیں،ان موقوفہ قبرستانوں کی حفاظت اور قبور کی اہانت سے بچانے کا انتظام کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے، اس میں کوتاہی اور غفلت کرنا بالکل نامناسب ہے،واقف نے جس مقصد کے پیش نظر وقف کیا ہے اس کے مطابق عمل کرنا ضروری اور لازم ہے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں،شامی میں ہے **شرط الواقف کنص الشارع (شامی ۳/ ۵۷۵ ثم صرحوا بان مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ (شامی ۳/ ۵۸۵**

قبرستان مسلمان مردوں کی تدفین کے لئے وقف ہوتا ہے،قبرستان کی پوری زمین کا استعمال اسی کام میں ضروری ہے،اس کے علاوہ دیگر امور میں اس زمین کو استعمال کرنا درست نہیں،لہذا قبرستان کی زمین پر دوکانیں بنانا جائز نہیں،قبرستان کی حفاظت کی غرض سے احاطہ کرنا ضروری ہی ہوگیا ہے تو اس کے لئے چندہ کیا جاوے،جماعتی حضرات کے چندہ سے کام پورا نہ ہوسکے تو دیگر اہل خیر حضرات سے چندہ وصول کیا جائے،بوقت ضرورت چندہ کی وصولیابی کے لئے سفر بھی کیا جاسکتا ہے،کوشش وسعی ضروری ہے،اس کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا،بس مکمل کوشش کی جاوے،جو لوگ اس کار خیر میں حصہ لیں گے انشاء اللہ وہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے،قبرستان کے لئے لمبی چوڑی آمدنی کی ضرورت نہیں،معمولی خرچ (جیسے کہ نگرانی کے لئے پہرہ دار،صفائی،بجلی پانی وغیرہ) کی ضرورت ہوتی ہے،اس کے لئے بھی کوئی انتظام کرلیا جائے۔فقط۔

(۲) قدیم زمانہ سے قبرستان میں مسجد ہے،وہ شرعی مسجد ہوگی اب جب کہ مسجد زمین دوز ہوگئی ہے اور وہاں مصلی حضرات (مسلمان) بھی آباد نہیں ہیں ایسی حالت میں مسجد کو توہین اور بے ادبی سے بچانے کی غرض سے اس کا اس طرح احاطہ کر لیا جائے کہ کوئی انسان یا جانور وہاں پہنچ کر مسجد کی بے حرمتی نہ کر سکے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔۲۳/محرم الحرام ۱۴۱۵ھ (۷/۳/۱۹۹۴ء)

موقوفہ زمین کا بیچنا جائز نہیں چاہے واقف اجازت دے:

سوال (۴۱) (۱) وقف کردہ زمین کن حالات میں بیچ سکتے ہیں۔

(۲) موقوفہ زمین سے آمدنی حاصل نہ ہو اور وہ زمین کسی بھی کام میں استعمال نہ ہوتی ہو تو اسے کیا کریں؟

(۳) واقف حیات ہو تو اس کی اجازت سے فروخت کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب) (۱۔۲) باسمہ تعالیٰ، حامداً و مصلیاً و مسلماً۔فتاوی رحیمیہ میں ہے۔

سوال (۱۶۴۸) ایک شخص نے بیالیس بیگھ زمین مسجد کو وقف کی ہے مسجد کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ آ...

پاشی کے لئے ٹیوب ویل انتظام کر سکے اس لئے کہ فصل کا پورا مدار بارش کے پانی پر رہتا ہے، اس بناء پر سالانہ آمدنی بہت ہی کم ہوتی ہے اور اس میں سے سو روپے ٹیکس میں نکل جاتے ہیں اس لئے موجودہ منتظمین چاہتے ہیں کہ اس زمین کو بیچ کر اس پیسوں سے کوئی مکان بنوالیں یا خرید لیں کہ آمدنی زیادہ ہو، اس نسبت سے یہ موقوفہ زمین بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے تو فروخت کرنے کی اجازت ہے اگر کچھ بھی نفع حاصل ہوتا ہو تو اسے فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ (شامی ج ۳ ص ۵۳۵) (مطلب فی استبدال الوقف)(۱)

مذکورہ جواب سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر واقف نے وقف نامہ میں بیچنے اور اس کے عوض دوسری زمین خریدنے کی تصریح کی ہو یا وہ موقوفہ زمین ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ آمدنی بالکل نہ ہوتی ہو یا اس کا خرچ آمدنی سے بڑھ جاتا ہو تو ایسی صورت میں اسے بیچ کر اس کے بدلے دوسری زمین خریدنا جائز ہے، اور اگر آمدنی حاصل ہوتی ہے تو محض آمدنی بڑھانے کے لئے بیچنا جائز نہیں۔

(۳) شرعی طور پر وقف ہونے کے بعد واقف کی اجازت کا اعتبار نہیں، لہٰذا واقف اجازت دے تب بھی بیچنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۲ صفر ۱۴۱۴ھ۔

وقف کی چیز بیچنا کب جائز ہے:

(سوال ۴۲) ایک مدرسہ کی زمین (اندازاً دس ایکڑ، بیس بیگھ ہے) حسب ذیل امور کی وجہ سے بیچنا چاہتے ہیں

(۱) یہ زمین شہر بھروچ سے بالکل قریب میں واقع ہے۔

(۲) اس زمین کے اردگرد میں غیر مسلم لوگ آباد ہیں۔

(۳) اس زمین پر حکومت قابض ہونا چاہتی ہے۔

(۴) اگر اس پر حکومت قبضہ کرلے تو ایسی صورت میں مدرسہ کا زبردست نقصان ہوگا اس لئے کہ حکومت کی معرفت بیچنے میں جو قیمت حاصل ہو سکتی ہے اس کی دس گناہ قیمت اپنے طور پر بیچنے میں آسکتی ہے۔

(۵) فی الحال اس زمین سے آمدنی ہو ایسی کوئی صورت نہیں ہے۔

(۶) اس زمین کا واقف حیات نہیں البتہ اس کے ورثاء حیات ہیں اس زمین کو بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری زمین خرید کر یا مدرسہ کی آمدنی کے لئے مکانات بنا کر کرایہ کے طور پر دے کر مدرسہ کی آمدنی میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں، فی الحال مدرسہ کی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے مدرسین کو تنخواہ دینے میں بھی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور مذکورہ زمین کو فروخت کرنے کے بعد مدرسہ کی مالی حالت مضبوط ہو تو مدرسین کی تنخواہ کا معیار بھی بڑھایا جاسکتا ہے مذکورہ بالا حقیقت پیش نظر رکھ کر مناسب حل از روئے شرع عنایت فرما کر ممنون کیجئے۔

(۱) یہ فتاویٰ رحیمیہ میں جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، موقوفہ زمین کس صورت میں فروخت ہوسکتی ہے کے عنوان سے دیکھ لیا جائے

(الجواب)باسمه تعالیٰ، حامداو مصليا ومسلما، وهو الموفق.
بنیادی طور پر ایک بات یاد رہے کہ موقوفہ زمین یا مکان وغیرہ کو بیچنا جائز نہیں ایسی بیع ،بیع باطل ہے یعنی بیع ہی درست نہیں ،اسی طرح استبدال وقف بھی جائز نہیں البتہ اگر واقف نے وقف نامہ میں بیع کی اجازت دی ہو یا وہ موقوفہ زمین ایسی حالت میں پہنچ جاوے کہ آمدنی بالکل نہ ہو یا اس کا خرچ آمدنی سے بڑھ جاتا ہو،ایسی صورت حال میں استبدال وقف کی اجازت ہے اور موقوفہ زمین بیچ کر اس کی عوض دوسری غیر منقول جائیداد خرید کر اس کی حفاظت کی جائے ،موقوفہ شئی سے آمدنی (اگر چہ کم ہی کیوں نہ ہو) حاصل ہوتی ہو تو اسے بڑھانے کے لئے بیچنا درست نہیں (شامی ج ۳ ص ۵۳۵ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ اردو ج ۶ ص ۳۷ (اسی باب میں موقوفہ زمین کس صورت میں فروخت ہوسکتی ہے؟ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے ۔مرتب)

صورت مسئولہ میں یہ بات واقعۃً درست ہو کہ سرکار مذکورہ پر قبضہ کرلے گی اور اس کی قیمت بہت ہی کم ادا کرے گی جس کی وجہ سے وقف کا بڑا ضرر ہونے کا اندیشہ ہے ،اور وہ زمین ایسی جگہ میں واقع ہے کہ مسلمان وہاں رہائش اختیار نہیں کر سکتے ،نیز اس پر کاشت بھی نہیں کر سکتے اور خطرہ لاحق رہتا ہے تو ایسی حالت میں وہ موقوفہ زمین بیچ کر اس کی عوض کوئی دوسری زمین خرید لی جائے تا کہ وقف قائم رہے، وقف کو باقی رکھنا ضروری ہے فقط واللہ اعلم بالصواب ۔۲۲ صفر ۱۴۱۴ھ۔

مسجد پر وقف زمین کے پلاٹ کی خرید وفروخت:

(سوال ۴۳) زمین کا کھلا پلاٹ مسجد میں وقف کر دیا گیا ہے مگر کس نے وقف کیا اور کب کیا؟ اس کے متعلق کوئی خبر متحقق نہیں ،آج سے تقریباً چالیس یا پچاس سال ہوئے کہ میرے دادا نے اس پلاٹ کو کرائے پر لے رکھا تھا ،بعد میں اس زمین کے کرایہ دار میرے والد صاحب بنے ،اسی دوران ایک اور شخص کی نیت خراب ہوئی کہ وہ اس پلاٹ کو ہضم کرنا اور اس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، ۱۹۵۲ء میں وقف کا قاعدہ بنا اور اس قانون کے تحت یہ پلاٹ بھی مسجد کی ملکیت میں لکھوا دیا گیا ،میرے والد صاحب اس وقف کے مینجنگ ٹرسٹی تھے اور اب بھی ہیں انہوں نے چیریٹی کمشنر سے اس کے متعلق پوچھا کہ اب کیا کیا جائے ؟ آیا یہ پلاٹ کسی اور شخص کو ۹۹ سال کے لئے لیز (LEASE) پر دے دیا جائے یا خود موجودہ کرایہ دار کے لئے بھی اس طور پر لینا درست ہے؟ اس پر چیریٹی کمشنر نے کہا کہ نہیں بلکہ اس کو فروخت کر دیا جائے ،یا یہ کہ خود کرایہ اسے قیمتاً لے لے۔

بہر حال سرکاری قانون کے مطابق ٹینڈر دیا گیا اور کارروائی ختم ہوئی پھر گورنمنٹ کی مقرر کردہ قیمت کے مطابق بلکہ زیادہ پیسے دے کر یہ پلاٹ میرے نام سے خرید لیا گیا ،وضاحت طلب یہ ہے کہ (۱) کیا اس کی بیع شرعاً درست ہے؟ اور اس کو استعمال میں لانا کیسا ہے؟

(۲) والد صاحب تو کرایہ دار ہیں ہی ،اب اس پر تعمیری کام انجام دینا اور اپنے لئے ہی استعمال میں لانا کیا درست ہے؟ اس کی تجارت مقصود نہیں۔

(۳) اس کو جن لوگوں نے استعمال کیا وہ سب تباہ و برباد ہو گئے ہیں، اب مجھے استعمال میں لانا ہو تو کیا کیا جائے ؟ بینوا

تو جروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ مذکورہ پلاٹ کو آج تک وقف ہی سمجھا گیا ہے اور وقف ہی کی طرح عمل بھی ہوتا رہا ہے، لہذا اب بھی اس پلاٹ کو مسجد کا وقف سمجھا جائے اور وقف کا بیچنا باطل ہے، جس طرح آج تک اسے کرایہ پر جاری رکھا گیا اب بھی اسی طرح جاری رکھا جائے، آج تک جو کرایہ دار رہے وہ کرایہ دار رہیں یا کسی مناسب شخص کو کرایہ پر دیا جائے (لیکن کرایہ میں بھی ایسی قانونی صورت اختیار کی جائے کہ کرایہ دار اس پر قبضہ نہ کر سکے اور وقف ضائع نہ ہو، مسلسل ۹۹ سال کے لئے ایک ساتھ کرایہ پر دے دینے میں ضائع ہو جانے کا اندیشہ بظاہر موجود ہے، لہذا تھوڑی تھوڑی مدت کے لئے کرایہ پر دیا جائے یا کرایہ دار بدلتے رہیں)

یا اس کھلی زمین پر مسجد کی آمدنی کے لئے چندہ کر کے مکان بنالیا جائے اور اس مکان کا کرایہ مسجد پر خرچ کیا جائے، الغرض اس پلاٹ کو بیچنا اور خریدنا جائز نہیں، بیع باطل ہوگی خریدنے والا شرعاً اس کا مالک نہ بنے گا نہ مالکانہ تصرف کرنا جائز ہوگا، اگر خریدنے والا خرید کر اپنی ملکیت ثابت کرنا چاہے گا تو تباہی کا سبب بنے گا، جیسا کہ خود آپ نے سوال میں لکھا ہے۔

فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملّک ولا یعار ولا یرھن (درمختار) قوله (لا یملک) ای لا یکون مملوکا لصاحبه ولا یملک ای لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه (شامی ص ۵۰۷ ج۳ مطلب فی شرط واقف الکتب ان لا تعار ولا یرھن) فقط والله اعلم بالصواب.

قبرستان کی زمین پر آمدنی کے لئے تعمیر کرنا:

(سوال ۴۴) یہاں ایک برسوں پرانا ادارہ ہے جس کے ماتحت ایک مسجد اور قبرستان کا انتظام ہو رہا ہے، یہ ادارہ عوام سے چندہ جمع کر کے غریب، مسکین، مدرسے اور اسکول کے طلبہ کو، لاوارث میت اور بیوہ عورتوں کو امداد دیتا ہے۔

ادارۂ مذکورہ کی مالی حالت کمزور ہونے کے سبب اراکین ادارہ نے اس کے ماتحت اور اس کے زیر انتظام مسجد وقف جس پر جھونپڑپٹی والوں کا قبضہ ہے اس زمین کی تھوڑی سی باقی کھلی زمین پر بھی جھونپڑے بن جانے کے اندیشہ کی وجہ سے اس زمین پر تعمیری کام کرنے کا اراکین انجمن (ادارہ) نے بلڈرز سے کونٹریکٹ کیا ہے، ابھی ابھی یہ اطلاع ملی ہے کہ انجمن کے دو لائف ممبران نے بلڈرز سے پانچ لاکھ روپے دلالی لینے کا سودا کیا ہے اور یہ لائف ممبر علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کونٹراکٹر سے انجمن کے ساتھ یہ سودا کروانے کے لئے دلالی لی ہے، کیا یہ رقم لینی جائز ہے؟ حالانکہ کمپیٹیشن یا بلڈرز کا کوئی حریف سامنے نہ تھا، جب کہ انجمن کی مالی حالت بہت کمزور ہے، انجمن اس زمین پر بنی ہوئی مسجد کا بھی انتظام کرتی ہے۔ برائے کرم اس مسئلہ پر ہماری رہبری فرمائیں۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ یہ بات سمجھ لی جائے کہ واقف نے جس مقصد سے اپنی زمین وقف کی ہو، اس وقف شدہ زمین کا استعمال واقف کی منشاء کے مطابق ہونا ضروری ہے، اس میں تبدیلی کرنا اور واقف کی منشاء کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں ہے شامی میں ہے: شرط الواقف، کنص الشارع (شامی ۳/۵۷۵ نیز شامی میں ہے صرحوا بان مراعاة غرض الواقفین واجبة (شامی ۳/۵۸۵)

قبرستان مردوں کی تدفین کے لئے وقف ہوتا ہے، لہذا قبرستان کی پوری زمین اسی مقصد میں استعمال ہونا چاہئے، اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں وقف قبرستان کی زمین استعمال کرنا درست نہیں۔

صورت مسئولہ میں جب یہ وقف قبرستان ہے تو اس کی پوری زمین مسلمان مردوں کی تدفین کے لئے ہی استعمال کرنا ضروری ہے، اس زمین کا بیچنا یا کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے انجمن کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ قبرستان کی زمین حاصل کر کے اس زمین کا احاطہ کر کے اس کو محفوظ کرلیں اور اس میں مسلمان مردوں کی تدفین شروع کر دیں اور واقف کی منشاء کے مطابق اس کا استعمال کریں...... جب شرعاً یہ حکم ہے تو دو ذمہ داروں کا اس زمین کے سلسلے میں دلالی لینا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کو ہبہ دیا ہوا مکان وقف ہے اگر اس کے قرائن ہوں:

(سوال ۴۵) اس کے ساتھ ہم نے ایک دستاویز کی نقل بھیجی ہے جس میں زید نے اپنی پوری ملکیت کی بخشش (ہبہ) کا تذکرہ کیا ہے اور اس کو وقف نہیں کیا ہے، دستاویز کے ص ۳ پر بتایا گیا ہے کہ پوری ملکیت کو بیچا یا رہن نہ رکھا جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ پوری ملکیت کمزور گرنے کے قریب ہوگئی ہے، اور مرحوم کی اور کوئی رقم یا آمدنی نہیں ہے جس سے اس کی مرمت ہوسکے اور ہماری جماعت کے پاس بھی اتنی رقم نہیں کہ اس کی پوری مرمت کرائی جاسکے، ان پریشانیوں کو دیکھتے ہوئے ہم نے یہ سوچا ہے کہ پوری ملکیت کو بیچ کر اس سے حاصل ہونے والی رقم سے شیرز یا کوئی اور ذریعۂ آمدنی قائم کیا جائے اور مرحوم کی مرضی کے مطابق آمدنی کی وہ رقم خرچ کی جاسکے تو پوری ملکیت کو ہم بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ صوت مسئولہ میں مرحوم نے جماعت کو بخشش کا جو دستاویز دیا ہے یہ ملکیت وقف شمار کی جائے گی قرائن ہوں تو بخشش کے لفظ سے بھی وقف ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا فتویٰ ہے، ملاحظہ ہو۔

ایک مسماۃ نے اپنی جائداد غیر منقولہ مسجد میں ہبہ کی اور ہبہ نامہ لکھا، اور رجسٹری کرادیا آیا وہ جائیداد مسجد پر موقوف ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) وقف ہوگئی جیسا کہ عبارت عالمگیریہ سے ظاہر ہے: **ولو قال وهبت داری للمسجد او اعطیتها له صح ويكون تمليكاً فيشترط التسليم كما لو قال وقفت هذه ...... للمسجد يصح بطريق التمليك اذا للقيم ...... الخ فقط والله تعالىٰ اعلم ، كتبه عزيز الرحمن عفی عنه (فتاوی دار العلوم قديم ص ۲۳۷ ج ۵،۶)** اب مذکور بخشش میں جو شرطیں لکھی ہیں ''نیز یہ گھر بیچا یا رہن نہ رکھا جائے یا کسی چیز کے بدلہ میں نہ دیا جائے'' ص ۳، ان شرطوں کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے لہذا مذکورہ ملکیت بیچی نہیں جاسکتی کوشش کر کے اس کی مرمت انتظام کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مسجد کے لئے وقف شدہ پلاٹ جو دور ہے اس کی جگہ مسجد کے قریب کا پلاٹ لینا جب کہ واقف مر چکا ہے (۲) صورت مسئولہ میں واقف حیات ہے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۴۶) (۱) ایک شخص نے مسجد سے دور ایک مکان کی جگہ (پلاٹ) وقف دی ہے اور وقف دینے والا صاحب خیر وفات پا گیا ہے ان کے کوئی ورثا نہیں ہیں ۔ ہاں خاندان میں بہت دور کے ورثاء ہو سکتے ہیں ۔ اب اس مکان کی جگہ کو جو مسجد سے دور ہے اس کے بدلہ میں مسجد کے پڑوس میں کوئی مکان مل جائے تو اس طرح مکان کا بدلنا شرعاً کیسا ہے ؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً ! واقف نے اگر استبدال کی اجازت دی ہو تب تو استبدال بلا تکلف جائز ہے ، اور اگر واقف نے استبدال کے متعلق کوئی وضاحت نہ کی ہو تو متولیان مسجد کا استبدال سے کیا مقصد ہے ؟ اگر موجودہ جگہ سے مسجد کے لئے آمدنی ہوتی ہو اور متولیان مسجد زائد آمدنی کے لئے جگہ بدلنا چاہتے ہوں تب تو بدلنا جائز نہیں ہے ، اور اگر اس خالی پلاٹ سے فی الحال کوئی آمدنی نہ ہو اور استبدال صرف مسجد کے مفاد کے لئے ہو مثلاً مسجد کے قریب جگہ ہوگی تو وسیع مسجد بنا سکیں گے یا وہ جگہ محفوظ رکھیں گے اور آئندہ توسیع کے کام میں آسکے گی یا اس جگہ مسجد سے متعلق وضوخانہ یا استنجا خانہ یا امام صاحب کا کمرہ بنانا مقصود ہو تو استبدال کی گنجائش ہو سکتی ہے ۔

(سوال ۲) ایسے ہی ایک شخص نے مکان وقف دیا ہو اور وہ صاحب خیر ابھی حیات ہے تو ان کی اجازت سے دور کا مکان جو انہوں نے وقف کیا ہے اس کے بدلہ میں مسجد کے پڑوس میں یا مسجد سے ملحق ہو سکے ایسا مکان لینا شرعاً کیسا ہے ؟ اس طرح بدلنے کے بعد صاحب خیر کو جنہوں نے دور کا مکان وقف کیا تھا پورا پورا اجر ملے گا یا نہیں ؟

(الجواب) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیار مکان ہے اور ممکن ہے کہ اس سے مسجد کے لئے آمدنی بھی ہوتی ہو تو زائد آمدنی کے لئے مکان بدلنا جائز نہیں ہے (شامی بحوالہ فتاوی رحیمیہ اردو ص ۲۷۳،۲۷ ج ۶ (اس باب میں موقوفہ زمین کس صورت میں فروخت ہو سکتی ہے ؟ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے ۔ مرتب)

البتہ واقف نے وقف کرتے وقت بدلنے کی اجازت دی ہو تو اس صورت میں استبدال جائز ہے ۔ اور اگر واقف نے استبدال کے متعلق کچھ وضاحت نہ کی ہو اور زائد آمدنی کے لئے بدلنا چاہتے ہوں تو ایسا نہیں کر سکتے ، البتہ اگر وہ مکان ابھی تک بیکار پڑا ہوا ہے اور آمدنی کی کوئی صورت نہ ہو اور جواب نمبر ۱ کے مطابق مسجد کے مفاد کے لئے بدلنا چاہتے ہوں تو بدلنے کی گنجائش ہو سکتی ہے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ ۔

قبرستان کے لئے چندہ کیا گیا مگر مناسب زمین نہ ملی تو کیا وہ رقم مسجد مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں ؟ :

(سوال ۴۷) ہمارے یہاں قبرستان کی ضرورت ہے ، زمین خریدنے کے لئے چندہ کیا گیا اور قبرستان کے لئے ایک قطعہ اراضی کا انتخاب بھی کر کے خریدنے کی بات چیت شروع کر دی مگر رکاوٹ پیش آجانے کی وجہ سے سودا نہ ہو سکا ، دوسری مناسب زمین کی تلاش جاری ہے ۔ اس درمیان کچھ لوگوں نے اپنی رقم واپس لے کر مدرسہ کو دے دی نہ معلوم

زمین کب ملے گی ہم لوگ جمع شدہ رقم مسجد مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رقم مسجد، مدرسہ میں خرچ کر دیں، آپ جواب عنایت فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں! بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان ایسی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا، اگر قبرستان نہ ہوگا تو مردوں کی تدفین کہاں ہوگی؟ بڑی پریشانی پیش آئے گی لہذا جو رقم جمع ہوئی ہے اسے کسی امین شخص کے پاس جمع رکھو اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی قانونی ضرورہو تو بینک میں جمع کر دو کہ لوگوں کو اطمینان اور اعتماد رہے اور اہتمام سے چندہ جاری رکھو، مناسب جگہ کی تلاش جاری رکھو اور زمین ملنے پر قبرستان کے لئے زمین خرید لو جمع شدہ رقم دوسرے کاموں میں خرچ نہ کی جائے۔ (۱)

(۱) قولہ قولہم شرط الواقف کنص الشارع ... ولا عبرة بہ بخروجہ عن الحج الشرعیہ شامی. مطلب قولہم شرط الواقف کنص الشارع ج۔۷ ص ۴۳۳ فقط واللہ اعلم بالصواب

احکام المساجد والمدارس

مسجد کا حق متولی معاف کرسکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۴۸) کسی کے ذمہ مسجد کے حقوق ہوں (رقم وغیرہ) تو متولی اس کو معاف کرسکتا ہے یا نہیں۔

(الجواب) متولی کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔ [1]

دخول مسجد کے وقت سلام کرے یا نہیں:

(سوال ۴۹) مسجد میں داخل ہونے کے وقت سلام کہے یا نہیں؟

(الجواب) مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا چاہئے۔ بشرطیکہ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں۔ تلاوت یا درس وغیرہ میں مشغول نہ ہوں۔ اور اگر مشغول ہوں تو منع ہے۔ شامی میں ہے (قوله ذاكر فسره بعضهم بالواعظ لا نه يذكر الله تعالىٰ باى وجه كان رحمتى (شامی ج ۱ ص ۵۷۶ مطلب فی احکام المسجد) اگر مسجد میں کوئی نہ ہو یا نماز پڑھتے ہوں اور وہ نہ سن سکیں تو اس صورت میں کہنا چاہئے السلام علينا من ربنا وعلىٰ عباد الله الصالحين . ان حرمة المسجد خمسة عشر اولها ان يسلم وقت الدخول اذا كان القوم جلوساً غير مشغولين بدرس ولا بذكر وان لم يكن فيه احد او كانوا فى الصلوٰة فيقول السلام علينا من ربنا وعلى عباد الله الصالحين .(نصاب الاحتساب قلمی باب ۱۵ ص ۳۴)

مسجد ومدرسہ کے لئے سرکار سے قرض لینا کیسا ہے؟:

(سوال ۵۰) سیلاب سے مسجد کو نقصان پہنچا ہے تو مسجد ومدرسہ کے لئے سرکار سے لون یعنی قرض لینا کیسا ہے؟

(الجواب) سرکاری لون (قرض) جس میں سود دینا پڑتا ہے اس کا لینا جائز نہیں۔ [2]

مسجد ومدرسہ کے لئے غیر مسلم کی امداد لینا:

(سوال ۵۱) مسجد، مدرسہ میں کوئی ریلی راحت فنڈ کی طرف سے امداد لے تو لینا کیسا ہے؟ کہ اس میں غیر مسلم کے روپے بھی ہوتے ہیں؟

(الجواب) مسجد۔ مدرسہ کی عمارت کو نقصان ہوا ہو تو امداد لینے کی گنجائش ہے، جماعت خانہ یا نماز گاہ کے علاوہ بیت الخلاء یا غسل خانہ وغیرہ بنانے اور مرمت کرنے کے لئے امداد لی جائے۔ [3]

---

(۱) يفتى بالضمان فى غصب عقار الوقف وغصب منافعه او اتلافها كما لو سكن بلا اذن أو اسكنة المتولى بلا أجر كان على الساكن أجر المثل ، كتاب الوقف مطلب سكن المشترى دار الوقف ج ۴ ص ۴۰۷.

(۲) قال هلال رحمه الله تعالىٰ انه وقفه اذا استرست الصدقة وليس فى يد القيم مايرمها فليس له ان يستدين عليها فتاوىٰ عالمگیری ولاية الوقف وتصرف القيم فى الاوقاف الخ ج ۲ ص ۴۲۲.

(۳) قوله وان يكون قربة فى ذاته ... فتعين ان هذا شرط فى وقف المسلم فقط بخلاف الذمى لما فى البحر وغيره ان شرط وقف الذمى ان يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء اوعلى مسجد القدس ،شامی کتاب الوقف ج ۴ ص ۳۴۱.

مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے؟:

(سوال ۵۲) ہمارے یہاں مسجدوں کے انتظام کے لئے زیادہ تر دستور ہے کہ محلّہ اور جماعت کا ایک امین، دیندار نمازی، متولی ہوتا ہے۔ اور وہ بغیر تنخواہ کے ایمان داری کے ساتھ مسجد کا کام بجالاتا ہے۔ بڑے امور میں نمازیوں سے صلاح، مشورہ وقتاً فوقتاً لیا کرتا ہے متولی ایک ہونے سے خیانت کا ڈر بھی نہیں رہتا ہے، حساب باقاعدہ رکھنا ہی پڑتا ہے۔ مگر بعض جگہوں میں یہ دستور چل پڑا ہے کہ پانچ پانچ متولیوں کی کمیٹی بنتی ہے۔ کمیٹی زیادہ تر مسجد کے متعلق تمام امور کا فیصلہ کرتی ہے۔ کمیٹی کے اشخاص چننے میں علم، دینداری، تقویٰ، پرہیز گاری نہیں دیکھی جاتی، بے نمازی بھی متولی بن جاتا ہے اور ایک دوسرے کی مروت کی بنا پر ہم خیال ہونا پڑتا ہے۔ کمیٹی میں ایک صدر ایک سکریٹری دوسرے ممبران ہوتے ہیں۔ مذکورہ دونوں طریق میں افضل واعلیٰ طریقہ کون سا ہے۔

(الجواب) کمیٹی کے اکثر ارکان وممبران غیر دیندار اور احکام وقف سے ناواقف ہوں گے تو احکام وقف کے خلاف فیصلے ہوں گے۔ اس لئے ایسی کمیٹی سے فقط ایک دیندار احکام وقف سے واقف متولی کا ہونا افضل ہے۔ کام زیادہ ہو، تنہا انجام دینا دشوار ہو تو متولی اپنا نائب رکھ سکتا ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب .

مسجد کس کو کہتے ہیں؟:

(سوال ۵۳) ایک شخص کہہ رہا ہے کہ مسجد کے لئے اس پر عمارت کا ہونا شرط ہے۔ بغیر عمارت کے کھلی جگہ صحن وغیرہ مسجد نہیں ہے لہٰذا اس پر (صحن مسجد پر) احکام مسجد ثابت نہ ہوں گے کہ عمارت کے بغیر کھلی جگہ ہے۔ کیا یہ دلیل صحیح ہے؟

(الجواب) مسجد ایسی جگہ، ایسی زمین اور ایسے مکان کا نام ہے جس کو کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت، فرض نماز ادا کرنے کے لئے وقف کر دیا ہو اس پر عمارت اور تعمیر در و دیوار اور چھت یا چھپر کا ہونا شرط نہیں۔ مذہب حنفی کی معروف ومعتبر مستند کتاب طحطاوی شرح درمختار میں ہے:۔

واعلم انہ لا یشترط فی تحقق کونہ مسجداً البناء . یعنی! جان لو کہ مسجد کے تحقق (مسجد قرار دیئے جانے) کے لئے بناء (تعمیر) ہونا شرط نہیں (طحطاوی ج ۲ ص ۵۳۶ کتاب الوقف، احکام مسجد) (قاضی خان ج ۴ ص ۲۱۷)

جگہ زیادہ ہو تو مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک عمارت والا، دوسرا خالی عمارت والی جگہ میں موسم باراں و سرما میں نماز پڑھی جاتی ہے، جس کو مسجد شتوی اور جماعت خانہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ بلا عمارت کی جگہ میں موسم گرما میں نماز پڑھی جاتی ہے جس کو ''مسجد صیفی'' اور صحن مسجد سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس طرح بارش اور سردی کے موسم میں جماعت خانہ میں نماز باجماعت ہوتی ہے اسی طرح گرمی میں صحن مسجد میں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے۔ یہ دونوں حصے مسجد میں شامل ہیں فقہ حنفی کی مشہور ومعتبر اور مستند کتاب شامی میں ہے وان کان للمسجد موضعان مسجد

---

(۱) قولہ غیر مأمون قال فی الا سعاف ولا لولی الا امین قادر نفسہ اوبنائبہ لأن الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر ولیس من النظر تولیۃ الخائن لأنہ یخل بالمقصود وکذا تولیۃ العاجز لأن المقصود لا یحصل بہ ، شامی مطلب فی شروط المتولی ج ۳ ص ۳۸۰ فی الجواہر القیم اذا لم یراع الوقف یعزلہ القاضی ایضا مطلب فیما یعزل بہ الناظر

شتوی او مسجد صیفی (ج ۱ ص ۶۷۱ مطلب فی احکام المسجد) اس عبارت میں گرمی وسردی دونوں موسم کی مسجد کا ذکر ہے اور دونوں کو مسجد ہی کہا گیا ہے۔

مسجد کے کنوئیں کا استعمال کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۵۴) ہمارے یہاں مسجد میں ایک کنواں ہے۔ جس کے بانی اور اس کے بعد کے متولی صاحبان رحمت خداوندی میں پہنچ گئے ہیں۔ ان کی طرف سے اور بانی مسجد کی طرف سے مسجد کے کاموں کے علاوہ دوسری اشیاء میں استعمال کرنے نہ کرنے کے سلسلہ میں موجودہ متولی و منتظم کو معلوم نہیں ہے۔ تو ایسی حالت میں کنواں عام پبلک (عوام الناس) کے استعمال کی اجازت جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) مسجد کی حد میں ہونے کی وجہ سے پہلے کے دستور کے خلاف اس کنوئیں کو وقف عام نہیں کر سکتے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کا ہجوم رہے گا جس سے مسجد کی حرمت باقی نہ رہے گی۔

مسجد کے روپے کہاں استعمال کرے؟

(سوال ۵۵) ہمارے گاؤں کی مسجد کے لئے چندہ جمع کر کے حد مسجد میں پہلے کی زمین جس میں پیشاب خانہ تھا اس جگہ پر مسجد کے چندہ کی رقم سے بیت الخلاء غسل خانہ اور نالہ وغیرہ بنانا ہے۔ اس پر مذکورہ بالا سوال میں پوچھے ہوئے کنوئیں پر سے بذریعہ مشین پانی گاؤں میں نل (پائپ) سے پہنچانا کیسا ہے؟

(الجواب) مذکورہ کنوئیں سے مسجد کے بیت الخلاء، پیشاب خانہ، غسل خانہ وغیرہ میں پانی پہنچانے میں حرج نہیں، بلا حرج جائز ہے۔ مگر جو رقم مسجد کے نام سے آئی ہے، اس رقم سے گاؤں میں پانی پہنچانے کے لئے ٹنکی نہیں بنا سکتے، خواہ وہ مسجد کی جگہ اور اس کے احاطہ میں بنائی جائے۔[1] فقط و اللہ اعلم بالصواب .

مسجد کے پیسوں کو بے جا استعمال نہ کیا جائے:

(سوال ۵۶) عام چندے کی رقم سے مسجد کے کام میں بے جا خرچ کرنا اور دو دو تین تین بار توڑ کر زائد از ضرورت خرچ متولی اپنی مرضی سے کر سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) بے جا اور نامناسب خرچ کرنے کا متولی کو اختیار نہیں۔ کرے گا تو گنہگار اور جماعت کا جواب دہ ہوگا۔

ماہ رمضان میں مسجد کو سنوارنا:

(سوال ۵۷) رمضان المبارک میں شب کو ضرورت سے زائد چراغ وغیرہ سے روشنی کرتے ہیں۔ اور اس کو زیادہ ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے۔

(الجواب) رمضان المبارک میں تراویح کے وقت نمازی ہمیشہ سے زائد ہوتے ہیں۔ ان کی راحت وسہولت کے لحاظ سے حسب ضرورت روشنی میں کچھ اضافہ کیا جائے تو جائز اور مستحسن ہے۔ ہاں صرف مسجد کی رونق افزائی کے لئے

---

(۱) متی ذکر للوقف مصر فالا بدان یکون فیھم تنصیص علی الحاجۃ ، شامی کتاب الوقف ج ۴ ص ۳۶۵

سے زائد روشنی کرنا ناجائز اور سخت منع ہے کہ اس میں فضول خرچی ہے ساتھ دیوالی (جو ہندوانی تیوہار ہے) سے مشابہت ہوتی ہے اور مجوسیوں کے شعار کا اظہار اور اس کی تائید لازم آتی ہے۔ مسجد تماشہ گاہ بن جاتی ہے۔ تراویح کے وقت بچے جمع ہوکر شور وشغب کر کے نمازیوں کو پریشان کرتے ہیں (الاعتصام ج۲ ص ۲۷۳) خلاف شرع امور سے مسجد کی رونق نہیں بڑھتی، بلکہ بے حرمتی ہوتی ہے۔ مسجد کی زینت اور رونق اس کی صفائی، خوشبو نیز نمازیوں کی زیادتی۔ اچھی پوشاک پہن کر خوشبو لگا کر خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے اور باادب بیٹھنے میں ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کو مسافر خانہ مت بناؤ:

(سوال ۵۸) اکثر لوگ پانچوں وقت مسجد میں سوئے ہوئے رہتے ہیں۔ ہم ان کو روکتے ہیں پھر بھی باز نہیں آتے اوپر سے جواب دیتے ہیں کہ ہماری جماعت جاتی ہے ہم سوتے رہیں گے ان کے مکانات بھی ہیں۔ لہذا براہ شرع کون آدمی مسجد میں سوسکتا ہے؟

(الجواب) مسجد میں معتکف ومسافر کو سونے کی اجازت ہے۔ مقامی آدمی انتظار جماعت میں اور اعتکاف کی نیت سے سوسکتا ہے۔ مگر مسجد میں ادھر ادھر بستر ڈال کر مسجد کو مسافر خانہ جیسا بنا دینا درست نہیں۔ آداب مسجد کا ہر حال میں خیال رکھنا چاہئے۔ ویکرہ النوم والا کل لغیر المعتکف (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۳۲۱ کتاب الکراھۃ الباب الخامس فی آداب المسجد الخ)

مسجد میں دنیوی باتیں کرنا:

(سوال ۵۹) اکثر لوگ مسجد میں جمع ہوکر دنیوی باتیں کرتے ہیں اس کا خلاصہ کیا جائے کیا وعید ہے۔

(الجواب) مسجد میں دنیوی باتوں میں مشغول ہونا خطرناک ہے۔ جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے تیرہ سو برس پہلے پیشنگوئی فرمائی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیوی باتیں مسجدوں میں ہونے لگیں گی، ان کے ساتھ نہ بیٹھ، خدا کو ایسوں کی ضرورت نہیں۔ (مشکوٰۃ ج ا ص ۷۱ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنیوی باتیں کرنا نیکیوں کو کھاجاتا ہے (کما تاکل النار الحطب او کمال قال) جس طرح کہ آگ لکڑی کو کھاجاتی ہے (یعنی جلادیتی ہے) ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی مسجد میں دنیوی باتیں کرنے لگتا ہے تو فرشتے اس کو کہتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی خاموش ہوجا، پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے اللہ کے دشمن چپ ہوجا پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تجھ پر لعنت ہو اللہ کی، خاموش رہ۔

روی عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ قال اذا اتی الرجل المسجد فاکثر من الکلام تقول الملائکۃ اسکت یا ولی اللہ فان زاد تقول اسکت یا بغیض اللہ فان زاد تقول اسکت علیک لعنۃ اللہ (کتاب المدخل ج۲ ص ۵۵)

اگر مسجد میں بقصد گفتگو نہ بیٹھے اتفاقاً کوئی دنیوی ضروری بات آہستہ سے کرلے تو مضائقہ نہیں۔ تاہم بچنا بہتر ہے۔

کیا مسجد کے چراغ کو تلاوت کے لئے لے سکتے ہیں :

(سوال ۶۰) رمضان المبارک میں شب کو تراویح کے بعد اکثر نوجوان صحن مسجد میں بہ نیت ثواب قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اس میں چراغ کا استعمال ہوتا ہے۔ ایک پڑھے سب سنیں بایں طور روزانہ ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے، اس کے بعد چاء نوشی کر کے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اس کو فرض وسنت سمجھ کر نہیں، بلکہ مستحب سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ گپ شپ سے اس کو بہتر جان کر ایسا کرتے ہیں۔ اس طرح موجب گناہ ہے؟ یا بدعت ہے؟ یا کیا؟

(الجواب) رمضان المبارک میں شب وروز تلاوت قرآن میں مشغول رہنے کی بڑی فضیلت وارد ہے باہم دور (ایک دوسرے کو سنانا) بھی ثابت ہے۔ اس طرح تلاوت کرے کہ نمازی ونائم کو تکلیف نہ ہو تو ممنوع ہے۔ مسجد میں ہمیشہ جس قدر چراغ جلتا ہو، اسی حد تک چراغ مسجد سے تلاوت کر سکتے ہیں۔ (۱) یہ صحن مسجد میں داخل ہو تو مسجد کی طرح اس کا ادب واحترام بھی لازم ہے۔ گپ شپ، شور وشغب چائے نوشی وغیرہ ادب کے خلاف ہیں۔ لہذا ان سے اجتناب ضروری ہے۔

صحن میں تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں :

(سوال ۶۱) ہمارے یہاں پرانی مسجد ہے۔ جماعت خانہ کے ساتھ وسیع صحن بھی ہے ہمیشہ گرمی کے موسم میں فرض، وتر اور تراویح باجماعت صحن مسجد میں پڑھی جاتی ہے۔ نماز جنازہ کے لئے علیحدہ جگہ متعین ہے۔ تاہم ناواقف حضرات کبھی کبھار صحن میں پڑھ لیتے ہیں۔ سمجھدار وہاں نہیں پڑھتے ہیں۔ اب مسئلہ درپیش ہوا کہ تراویح صحن میں نہیں پڑھ سکتے، پڑھنے والا گنہگار ہے اور اعتکاف بھی ٹوٹ جاتا ہے اس سوال سے جھگڑا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تاکید سے تفصیلا جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) مسجد کے لئے ضروری نہیں کہ اس پر عمارت، چھت یا چھپر ہو۔ طحطاوی شرح درمختار میں ہے۔ **واعلم انه لا يشترط فی تحقق كونه مسجداً البناء.** ج ۲ ص ۶۳۵ **كتاب الوقف** یعنی۔ جان لو کہ مسجد کے لئے اس پر عمارت ہونا شرط نہیں ہے'' جگہ وسیع اور کافی وافی ہو تو مسجد کے دو حصے کئے جاتے ہیں (۱) چھت دار، جس میں موسم سرما اور بارش میں نماز پڑھتے ہیں جس کو مسجد شتویٰ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ہم اس کو جماعت خانہ کہتے ہیں (۲) بلا چھت کا خالی حصہ جس میں موسم گرما میں نماز پڑھتے ہیں جس کو مسجد صیفی اور صحن مسجد سے تعبیر کرتے ہیں اور جس طرح بارش وسردی کے موسم میں اور دھوپ کے وقت فرض نمازیں یا جماعت خانہ میں پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح گرمی کے موسم میں فرض نمازیں اور وتر تراویح صحن مسجد میں باجماعت ادا کی جاتی ہیں (جیسا کہ آپ کے یہاں کا معمول ہے) یہ دونوں حصے مسجد شمار ہوتے ہیں۔ کبیری شرح منیۃ میں ہے۔ **ان كان هناك مسجد ان صيفی وشتوی** (ج ۱ ص ۶۷۱ احكام المسجد)

---

(۱) ولو وقف على دهن السراج للمسجد لا يجوز وضعة جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين ...... ان اراد انسان ان يدرس الكتاب بسراج المسجد ان كان سراج المسجد موضوعاً فی المسجد للصلاة لا بأس به الخ عالمگیری قبيل الفصل الثانی فی الوقف على المسجد الخ ج ۲ ص ۴۵۹

مذکورہ عبارت میں سردی گرمی کی مسجد (جماعت خانہ وصحن) کا ذکر موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں جو پہلے سے موسم گرما میں فرض، وتر اور تراویح کی جماعت صحن مسجد میں ہوتی چلی آتی ہے، یہ برا نہیں ہے بلکہ اچھا ہے۔ اعتکاف میں بھی نقصان نہ آئے گا جنازہ کی نماز ناواقفیت کی بنا پر صحن (داخل مسجد) میں پڑھ لی گئی تو یہ صحن مسجد سے خارج نہیں ہوتا بلکہ داخل ہی رہتا ہے۔ البتہ جس مسجد کا ایک ہی حصہ ہو اور صحن (خالی حصہ) پہلے ہی سے خارج مسجد ہو وہاں فرض با جماعت ہوتی نہ ہو (وہاں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو) ایسے صحن میں جماعت تراویح کرنا غلط ہے جیسا کہ خارج مسجد حصہ میں فرض نمازوں کی جماعت پڑھنا غلط ہے۔

اگر کریں گے تو ترک مسجد کا گناہ لازم آئے گا اور سمجھا جائے گا کہ مسجد میں جماعت نہیں کی گئی۔ **ان الجماعة فی المسجد سنة علی سبیل الکفایة(الی قوله) ان صلی احد فی بیته بالجماعة حصل لهم ثوابها وادرکوا فضلها ولکن لم ینالوا افضل الجماعة التی تکون فی المسجد لزیادة فضیلة المسجد (کبیری ص ۳۸۴ صلاۃ تراویح) وان صلی احد فی البیت بالجماعة لم ینالوا فضل جماعة المسجد وهکذا فی المکتوبات (الی قوله) وظاهر کلامهم هنا انّ المسنون کفایة؟ اقامتها بالجماعة فی المسجد حتی لو اقاموها جماعة فی بیوتهم ولم تقم فی المسجد اثم الکل (شامی ج ۱ ص ۶۶۰ صلوۃ تراویح۔**

مزید اطمینان کے لئے ملاحظہ ہو۔

(سوال) رمضان شریف میں اگر گرمی کے باعث حجرہ مسجد کی چھت پر عشاء کی جماعت کرائی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) نماز ہو جاتی ہے مگر ثواب مسجد کا نہ ملے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم مکمل: مدلل ج ۲ ص ۵۷)

صحن خارج مسجد میں تراویح وغیرہ پڑھنا ہو تو مسجد سے متعلق تمام محلّہ کے تمام مسلمان اتفاق کر کے اس کو داخل مسجد ہونے کی نیت کرلیں تو داخل مسجد مانا جائے گا اور وہاں تراویح وغیرہ بلا حرج پڑھ سکیں گے مگر اس جگہ کا ادب و احترام بھی مسجد کی طرح کرنا ہوگا۔

مسجد اور مدرسہ کا متولی و مہتمم پابند شرع دیانتدار ہونا چاہئے نا اہل کی تولیت ٹھیک نہیں:

(سوال ۶۲) بستی اور قوم اور جماعت میں اہل علم، مولوی، حافظ، قاری موجود ہوتے ہوئے جاہل تارک صوم وصلوٰۃ اور تارک جماعت اور داڑھی منڈانے والے حضرات کو محض مالدار ہونے کی وجہ سے مسجد کے متولی اور مدرسہ کے مہتمم بنائے جاتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے۔ متولی و مہتمم کیسے ہونے چاہئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اہل علم غریب ہوتے ہیں مفت کام نہیں کر سکتے اور امانت سونپنے میں خیال کرنا پڑتا ہے، وغیرہ۔ لہذا تفصیلا جواب دیں۔

(الجواب) اہل علم و پابند صوم صلوٰۃ اور پرہیز گار کے ہوتے ہوئے بے علم، بے عمل، فاسق وفاجر، داڑھی منڈے، تولیت اور اہتمام کے اور دینی سوسائٹی کی قیادت وسیادت کے اہل نہیں ہو سکتے۔ صحیح حق دار حاملین قرآن و پابند شریعت

لوگ ہیں ۔حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی رہنمائی وہی کرسکتا ہے جس کی زندگی پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہو۔اور حضرت حافظ ابن تیمیہ کا فرمان ہے کہ امت کا اتفاق ہے کہ عالم باعمل مسلمان سیادت وقیادت کا اہل ہے ۔ اگر ایسا شخص میسر نہ ہو تو یہ منصب مجبوراً دو شخصوں میں سے ایک کے سپرد کیا جائے گا (۱) عالم فاسق یعنی عالم بےعمل کو (۲) جاہل متقی یعنی بے علم باعمل کو (کتاب السیاسۃ الشرعیہ ص ۱۷)

حدیث میں ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جماعت میں سے کسی شخص کو عامل بنایا درحالیکہ اس جماعت میں ایسا شخص موجود ہو جو اللہ کو اس (پہلے شخص) سے زیادہ پسندیدہ ہو تو اس نے اللہ کی اور اس کی رسول کی خیانت کی (ازالۃ الخفاج ۲ ص ۳۶ عمدۃ المطابع) ۔فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے ۔ ولا یجوز تولیۃ الفاسق مع امکان تولیۃ البر ۔ یعنی ۔ نیک آدمی کے ملنے کا امکان ہو تو فاسق کو سردار بنانا ناجائز ہے (ج ۱ ص ۱۵۰)

حدیث میں ہے کہ ہر ایک کام اس کے اہل کو سونپے جائیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اذا وسد الامر الیٰ غیر اھلہ فانتظر الساعۃ ۔ یعنی جب اہم امور نااہل کو سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو ۔یعنی قیامت قریب آ گئی سمجھو (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۴ کتاب العلم باب من سئل عن علم الخ)

اور آنحضرت ﷺ نے علامات قیامت بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ (ایک علامت یہ ہے کہ) بڑے بڑے کام نااہل کے سپرد کئے جائیں گے اور قوم کا سردار فاسق ہوگا (مشکوٰۃ ص ۴۷۰ وساد القبیلۃ فاسقھم وکان زعیم القوم ارذلھم الخ باب اشراط الساعۃ) ۔ اور جو اختیاری امور علامات قیامت میں سے ہیں وہ گناہ کے کام ہیں ۔اسی لئے حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں : حضرت (گنگوہیؒ) نے مجھ کو جواب میں لکھا کہ نااہل کو کام سپرد کرنا یہ خیانت ہے ایسا کرنے سے ہم پر مواخذہ ہوگا کہ کام نااہل کو کیوں سپرد کیا گیا ، اصل مقصود خدا کی رضامندی ہے ، مدرسہ مقصود نہیں اور رہا یہ کہ مدرسہ باقی نہ رہے گا ، اس سے ہم پر مواخذہ نہ ہوگا یا ان سے مواخذہ ہوگا جن کی حرکات سے مدرسہ کو نقصان پہنچے گا۔

اس پر (حضرت تھانویؒ نے) فرمایا کہ جتنا بھی کام ہو صحیح اصول کے تابع ہو۔حدود شرعیہ کے ماتحت رہ کر ہو مقصود خدا کی رضا ہے ۔مسلمان کے ہر کام کا مقصد خدا کی رضا ہونی چاہئے مدرسہ رہے یا جائے ، مدرسہ ملک میں بدنام ہو یا نیک نام ۔ چندہ بند ہو جائے یا جاری رہے طلبا زیادہ ہوں یا کم ، غرض کچھ بھی ہو ، اصول صحیح کے تابع رہنا چاہئے (ملفوظ ص ۲۸ ۔ ۷ ج ۵ ص ۴۲۴) اور فرمایا نااہل کو ممبر نہیں بنا سکتے (ج ۵ ص ۴۰۳) صرف مالدار ہونے یا امداد کرنے کی بنا پر انسان اہل نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی سورتی فرماتے ہیں کہ گو مہتمم مدارس دولت مند ہیں ، دنیا کے نشیب وفراز **بخوبی جانتے** ہیں ۔ لیکن جب انہوں نے نہ مدارس اسلامیہ دیکھے ہوں نہ ان کے قوانین انتظام سے کسی طرح واقف **ہوں بھلا** بتلایئے وہ بدوں مشورۂ مدرسین باستقلال مدارس کا کیسے انتظام کرسکتے ہیں ؟ ایسے انتظام کا آخر کار یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ایسی بدنظمی ہو جاتی ہے کہ ترقی علوم کے جتنے باب ہیں سب مسدود ہو جاتے ہیں ۔ (سوانح علوم اسلامیہ ص ۳۸ مطبع نظامی کانپور)

خلاصہ کلام یہ کہ متولی اور مہتمم عالم باعمل ہونا چاہئے، اگر ایسا میسر نہ ہو سکے تو صوم وصلوٰۃ کا پابند، امانتدار، مسائل وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق اور رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو۔ جس میں یہ صفات زیادہ ہو اسی کو متولی و مہتمم بنانا چاہئے۔

نااہل متولی اور مہتمم اپنے ماتحت کام کرنے والے اہل علم کو اپنا نوکر سمجھتے ہیں:

علامہ کفلیتوی فرماتے ہیں، یہاں کے لوگ مدرسین کو جیسے بہ ظاہر خادم سمجھتے ہیں، ویسے ہی ان کو حقیقت میں بھی خادم سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان پر جابرانہ حکومت کی جاتی ہے جیسے ادنی نوکر پر، ایسی حالت میں مدرسین سے مدارس کی ترقی کی امید رکھنا کس قدر تعجب خیز امر ہے اور آئندہ کس امید پر آدمی کو علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو سکتا ہے (سوانح علوم اسلامیہ ص ۳۸ مطبع نظامی کانپور)

یہ سب کچھ ہو رہا ہے، روزمرہ کے نئے نئے قانون بنا کر تنگ کیا جاتا ہے، ایام تعطیلات میں تنگی، رخصت دینے میں سختی کا برتاؤ خوشامد کرنے والوں سے درگزر کا سلوک، نہ کرے، ان سے سختی کا برتاؤ، نیک نامی خوشامد پر موقوف ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ کفیلتوی فرماتے ہیں کہ لوگوں کے طبائع میں مادہ خوشامد طلبی کا اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ باوجودے کہ علماء نہایت بزرگ خیال کئے جاتے ہیں، تاہم ان کی تعظیم اور ان کے ساتھ سلوک کرنا ان کی خوشامد پر موقوف ہے، لیکن جو لوگ دور دراز ملک کا سفر بغرض تحصیل علوم کرتے ہیں اور دولت علوم سے مالا مال ہو کر آتے ہیں اور دولت علم پر قانع ہو کے خوشامد سے پہلوتہی کرتے ہیں تو ان کی تعظیم تو درکنار ہے ان کو تنگ کرنے کے لئے اس قدر اسباب فراہم کئے جاتے ہیں کہ ان کے جس قدر خیالات علوم اسلامیہ کی ترقی کی بابت ہوتے ہیں وہ سب خاک میں مل جاتے ہیں۔ (ص ۳۷)

اور فرماتے ہیں:۔ مدرسین کی نیک نامی اور بدنامی یہاں صرف خوشامد اور عدم خوشامد پر بنی ہے۔ مدرس گو کتنا ہی لائق ہو اور پڑھانے میں گو کیسی ہی جانفشانی کرتا ہو، لیکن جب تک خوشامد نہ ہو گی نہ اس کے مشاہرہ میں ترقی ہو سکتی ہے نہ نیک نامی کا اسے تمغہ مل سکتا ہے۔ (سوانح علوم اسلامیہ ص ۳۸ مطبع نظامی کانپور)

بے علم وعمل فاسقوں کو ایسے معزز عہدے سپرد کرنے میں ان کی تعظیم لازم آتی ہے۔ حالانکہ فاسق واجب الاہانت ہے تعظیم کا مستحق نہیں (شامی ج ۱ ص ۵۲۰)(۱) حاملین قرآن کو جہال وفاسقوں کی ماتحتی اور تابعداری کرنے سے ان کی توہین وتذلیل لازم آتی ہے، جیسے کہ مردوں کا عورتوں کی ماتحتی اور تابعداری میں رہنا تذلیل سمجھا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ اذا کان امرائکم شرارکم واغنیائکم بخلائکم وامورکم الی نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا (مشکوٰۃ ص ۴۵۹ باب تغیر الناس) یعنی۔ جب تمہارے سردار فاسق ہوں اور تمہارے دولت مند بخیل ہوں۔ اور تمہارے کام عورتوں کے کہنے پر ہوتے ہوں تب تمہارے لئے زمین کا پیٹ (دفن ہو جانا) بہتر ہے اس کی پشت (جینے) سے (مشکوٰۃ ص ۴۵۹ باب تغیر الناس)۔

---

(۱) واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لایھم لأمر دینہ وبأن فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمۃ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا باب الامامۃ، قبیل مطلب البدعۃ خمسۃ اقسام)

ارشاد نبوی (ﷺ) اکرامو احملة القران فمن اکرمهم فقد اکرمنی. یعنی۔ حاملین قرآن کی تعظیم کرو، بے شک جنہوں نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی۔ (الجامع الصغیر للامام الحافظ السیوطی مطبع خیریه مصر ج ا ص ۴۵)

ایک اور حدیث میں ہے۔ حامل القران حامل رایة الا سلام من اکرمه فقد اکرم الله ومن اهانه. فعلیه لعنة الله! یعنی۔ حاملین قران اسلام کے علمبردار ہیں جس نے ان کی تعظیم کی اس نے خدا کی تعظیم کی اور جس نے ان کی تذلیل کی اس پر خدا کی لعنت ہے۔ (الجامع الصغیر للسیوطی ج ا ص ۱۲۲ مطبع خیریہ مصر)

جب متولی و مہتمم وغیرہ نااہل ہوں گے تو ان کے ماتحت ائمہ ومؤذنین اور مدرسین حضرات بھی نااہل ہوں گے۔ وہ ان علماء کی قدر نہ کرسکیں گے جو غیرت مند اور خوددار ہوں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جو علماء اہل ہوں گے وہ بددل ہو کر الگ ہو جائیں گے نااہل پڑے رہ جائیں گے جس سے ادارہ کے کاموں میں ابتری ہوگی۔ نہ تعلیم ہو سکے گی نہ کوئی تبلیغی کام ہو سکے گا جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اہل علم غریب ہونے کی وجہ سے متولی اور مہتمم کا کام مفت نہ کرسکیں گے تو جواب یہ ہے کہ حالت مذکورہ میں وہ تنخواہ لینے کے حق دار ہیں ومن کان غنیا فلیستعفف و من کان فقیرا فلیاکل بالمعروف (قرآن حکیم) اور جو غنی ہو اس کو بچنا چاہئے (یعنی نہ لینا چاہئے) اور جو ضرورت مند ہو وہ مناسب مقدار میں ضرورت کے مطابق لے سکتا ہے اسلامی نظام سلطنت میں اہل علم بالخصوص حافظ قرآن کو بیت المال سے سالانہ معقول وظیفہ ملتا تھا۔ جامع صغیر میں روایت ہے حامل کتاب الله تعالیٰ له فی بیت مال المسلمین فی کل سنة مائتا دینار. ترجمہ: مسلمانوں کے بیت المال میں سے دوسو دینا سالانہ حاملین قران کے لئے ہونے چاہئیں (ج ا ص ۱۲۲) ایک دینار عموماً ایک مثقال یعنی ۴½ ماشہ سونے کا ہوتا تھا۔

رہا امانت داری کا سوال؟ تو حاملین قرآن سے بہتر دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید میں ہے انما یخشی الله من عباده العلماء. بے شک لوگوں میں علم وعمل جس قدر زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ اللہ سے ڈریں گے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک دفعہ اپنے عالموں کو لکھا کہ ہمارے کاموں پر سوائے اہل قرآن (حافظ) کے سوا کسی اور کو نہ مقرر کرو، عاملوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ ہم نے ان کو مقرر کیا مگر وہ لوگ خائن ثابت ہوئے۔ انہوں نے پھر لکھا کہ نہیں، سوائے اہل قرآن کے کسی اور کو نہ مقرر کرو۔ اگر ان میں خیر و بہتری نہ ہوگی تو ان کے غیروں میں بدرجہ اولیٰ نہ ہوگی (مکارم الحفظہ ص ۴۷)

علامہ شامی نے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے، خیر هم خیر من غیر هم وشرهم خیر من شر غیرهم. یعنی! اہل علم کے بھلے آدمی دوسروں کے بھلے آدمیوں سے بہتر ہیں اور ان کے خراب آدمی دوسروں کے خراب لوگوں سے بہتر ہیں۔ (شامی ج ۵ ص ۲۶۱) کتاب الکراھیۃ فصل فی البیع۔

تاہم ہمیشہ سے ہمارے اکابرین کا مشورہ یہ ہے کہ امانتی ذمہ داری علماء اپنے سر نہ لیں مگر دین کا کام اس کے اہل (عالم، حافظ، قاری اور دیندار) کو ہی سپرد کرنا چاہئے۔ اور عوام کا فرض ہے کہ دامے، درمے، سخنے، نیز خیراندیشی اور صلاح ومشورہ اور ذاتی تجربہ سے امداد فرماتے رہیں اس میں کوتاہی نہ کریں۔ مسجد و مدرسہ کا کام بھی گھر کے کام کی طرح تقسیم کار کے اصول پر ایک دوسرے کے تعاون سے بہتر اور احسن ہوسکتا ہے۔ فقط۔

محراب میں تصویر آفتاب بنانا:

(سوال ۶۲) ہمارے گاؤں میں ایک نئی مسجد بنائی گئی ہے۔ محراب میں نقش ونگار اور آفتاب کی سی تصویر بنائی ہے۔ اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو حرج ہے یا نہیں؟ اگر حرج نہیں تو آفتاب پرستی اور بت پرستی میں کیا فرق لہذا جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں کہ محراب میں ایسی تصویر بنانا کیسا ہے؟

(الجواب) محراب میں نقش ونگار اور آفتاب کی تصویر (فوٹو) بنانا منع اور مکروہ ہے کہ اس سے نمازی کے خشوع وخضوع میں خلل آتا ہے۔ لیکن آفتاب کی تصویر کے سامنے کھڑے رہ کر نماز پڑھنے کو آفتاب پرستی کے مشابہ ومماثل قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ پرتش آفتاب کی تصویر کی نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کی ذات کی ہوتی ہے۔ دونوں میں بین فرق ہے۔ درمختار میں ہے۔ **او لغیر ذی روح لا نها لا تعبد.** یعنی تصویر غیر ذی روح کی ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی عبادت نہیں کی جاتی۔

شامی میں ہے **ان قیل عبدالشمس والقمر والکواکب والشجر الخضر ء قلنا عبد عینه لا تمثاله .** یعنی اگر یہ کہا جائے کہ سورج، چاند، ستارے اور ہرے درختوں کی پرستش کی جاتی ہے، ہم کہیں گے کہ ان کی ذات کی پرستش کی جاتی ہے نہ کہ اس کی تصویر کی۔ لہذا جن کی ذات کی پرستش کی جاتی ہو اس کے سامنے کھڑے رہ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس کی تصویر کے سامنے مکروہ نہیں۔ (درمختار۔ شامی ج ا ص ۶۰۷ **مکروهات الصلاة**)

لہذا ان کی تصویر کے سامنے نماز پڑھنے سے پرستش اور مشابہت کا حکم عائد نہیں ہوگا مگر خشوع وخضوع میں خلل انداز ہونے کی وجہ سے ایسی تصاویر کا نمازی کے سامنے ہونا ممنوع اور مکروہ ہوگا۔

خانہ خدا اور مسجد کی عمارت مضبوط اور نفیس ہو مگر اس کے ساتھ سادگی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ پھول، بیل بوٹے، گل کاری، نقش ونگار کی بھرمار بالخصوص محراب اور دیوار قبلہ میں جائز نہیں، قوم کے اعمال بگڑنے کی دلیل ہے

حدیث شریف میں ہے:۔ **ماشاء عمل قوم قط الازخوف مساجد هم .** یعنی کسی قدم کی عملی حالت بگڑتی ہے تو وہ مسجدوں کی ظاہری سجاوٹ ہی کو اپنی بڑائی سمجھنے لگتے ہوں (**سنن ابن ماجه ج ا ص ۲۴۵ ابواب المساجد والجماعات باب تشبید المساجد**)

اور آنحضرت ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ کی پیشین گوئی ہے **یتباهون بها ثم لا یعمر ونها الاقلیلا .** یعنی مسجدوں کی ظاہری شان وشوکت پر بڑا فخر کیا کریں گے اور ان کو اصل معنی میں بہت کم آباد کیا کریں گے ۔ (صحیح بخاری شریف ج ا ص ۶۴ کتاب الصلوٰۃ باب بنیان المسجد)

نیز آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں عنقریب تم مساجد کو اونچی بناؤ گے جیسا کہ یہود ونصاری اپنے کلیسا، گرجا گھر اور چرچوں کو اونچا بناتے ہیں (سنن ابن ماجہ ج ا ص ۲۴۴ ایضاً)

. فرمان نبوی ہے۔ **صلی الله علیه وسلم . لا تقوم الساعة حتی لایتباه الناس فی المساجد** یعنی جب تک لوگوں میں یہ بات نہ ہوگی کہ اپنی اپنی مسجدوں کو بڑائی اور شان وشوکت پر فخر کیا کریں قیامت نہیں آئے گی (سنن ابی داؤد ج ا ص ۷۱ ابن ماجہ ج ا ص ۲۴۴ ابواب المساجد والجماعات باب تشید المساجد)

آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی خلافت کے دور تک مسجد نبوی بالکل سادہ تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زمانہ میں توسیع کی ضرورت ہوئی، آپ نے توسیع کرائی۔ مگر مقصد یہ ظاہر فرمایا اکن الناس من المطر و ایاک ان تحمر و تصفر لتفتن الناس۔ میں بارش سے چھپاتا ہوں ایسا ہرگز نہ کرنا کہ اس پر سرخ یا زرد رنگ کرکے لوگوں کو فتنہ میں ڈالو (بخاری شریف ص ۶۴ باب بنیان المسجد

حضرت عثمان کا زمانۂ خلافت بہت خوش حالی کا دور تھا۔ بڑے بڑے محل تعمیر ہونے لگے تو آپ نے مسجد نبوی کو بھی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) نئی شان سے پختہ تعمیر کرایا۔ اور اس تعمیر کا بہت بڑا اہتمام کیا۔ مگر مقصد یہ تھا کہ لوگ مسجد کو محل کے مقابلہ میں نظر حقارت سے نہ دیکھیں۔ آپ کی تیار کردہ مسجد میں گل کاری، بیل بوٹے کی بھرمار نہ تھی۔ آپ نے حد اعتدال میں رہ کر نفاست اور خوبصورتی میں تھوڑا سا اضافہ کیا تھا، اس سے بھی صحابہ کرام ناخوش تھے۔ اس کے بعد بنی امیہ کی حکومت میں ولید بن عبد الملک کی خلافت میں مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت گل کاری، نقش ونگار میں بے حد زیاتی ہوئی۔ تعمیر ختم ہونے پر خلیفہ ولید بن عبد الملک معائنہ کے لئے گئے۔ وہاں حضرت عثمان غنیؓ کے ایک فرزند موجود تھے۔ ان سے خلیفہ نے کہا دیکھئے آپ کے والد کی تعمیر کردہ مسجد اور اس مسجد میں کتنا فرق ہے؟

صاحبزادہ نے فوراً جواب دیا۔ جی ہاں میرے والد کی تعمیر کردہ مسجد تھی۔ اور آپ کی یہ تعمیر یہود اور نصاریٰ کے کلیسا اور گرجا کی طرح ہے (جذب القلوب الی دیار المحبوب فارسی ص ۱۲۰)

یہ تھے سلف صالحین کے مبارک خیالات، مسجد کے سنوارنے کے سلسلہ میں۔ نماز کی روح خشوع خضوع ہے، بغیر اس کے نماز بے جان ہے، مسجد کی دیوار خصوصاً محراب اور محراب والی قبلہ جانب کی دیوار اور دائیں بائیں جانب کی دیوار پر رنگین بیل بوٹے، نقش ونگار کا اضافہ یقیناً نمازی کی توجہ اور خیال کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

حدیث شریف میں ہے۔ عن انسؓ قال کان قرام لعائشة رضی اللہ عنه سترت به جانب بیتها فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم امیطی عنا قرامک هذا فانه لا تزال تصاویره تعرض فی صلاتی (بخاری ج/۲ ج ۱ ص ۵۴ باب من صلی فی ثوب مصلب اوتصاویر الخ) یعنی آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر خوبصورت پردہ دیکھ کر فرمایا کہ تم اپنے اس خوبصورت پردہ کو ہٹا دو۔ اس کے بیل بوٹے میری نماز میں (عارض ہوکر) خلل انداز ہوتے ہیں (بخاری شریف ج ۱ ص ۵۴ پ ۲) آپ ﷺ نے پھول دار چادر بھی اپنے لئے پسند نہیں فرمائی اور فرمایا کہ یہ چادر مجھے نماز میں غافل کرتی ہے (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۸) (۱)

امام نووی رحمہ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فقه الحث علی حضور القلب وتد برما ذکرناه و منع النظر من الا متداد الیٰ ما شغل وازالة ما یخاف اشتغال القلب به و کراهیة تزئین محراب المسجد و حائطه ونقشه وغیرذلک من الشاغلات لان النبی صلی اللہ علیه وسلم جعل العلة فی ازالة الخمیصة هذا المعنی (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۸)

(۱) عن عائشة قالت قام رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلی فی خمیصة ذات اعلام فنظر الی علمها فلما قضی صلوته قال اذهبوا بهذه الخ باب کراهیة الصلوة فی ثوب له اعلام۔

یعنی ۔ مسجد کی زینت وسجاوٹ اور دیواروں کے نقش ونگار کی کراہیت اس لئے ہے کہ یہ چیزیں نمازیوں کے خیال اور توجہ کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے پھول دار چادر کو اتار کر دیتے وقت یہی علت بیان فرمائی تھی کہ اس کے نقش ونگار نے میری توجہ نماز سے ہٹادی ۔ (نووی شرح مسلم)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں ! حدیث شریف میں ہے کہ خس وخاشاک مسجد سے دور کرنا اور جاروب کشی اس مکان کی کرنی بہشت کی حوروں کا مہر ہے لیکن اس امر میں یہ احتیاط رکھے کہ نوبت زینت کی حد سے نہ بڑھے اور سونے کے پانی سے مطلا نہ کرے اور پھول بیل بوٹے نہ نکالے اور لاجوردو غیرہ سے رنگین نہ کرے اس واسطے کہ ان چیزوں کے سبب سے مسجد کا حکم نہ رہے گا اور تماشا گاہ میں داخل ہوجائے گی اور اسی واسطے حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ نے جس وقت مسجد نبوی مقدس نئے سرے سے تعمیر کروائی تو معمار کو ارشاد کیا کہ اکن الناس من المطر وایاک ان تحمر او تصفر لتفتن الناس ۔ یعنی بناء مسجد کو اس قدر محکم کر کہ پانی ٹپکنے کا خوف دور ہوجائے اور خبر دار ہو کہ اس مسجد کو سرخی اور زردی کے ساتھ رنگین نہ کرنا کہ آدمی فتنہ میں مبتلا ہوں گے ۔ اور عبادت کے وقت نقش ونگار کی طرف مشغول ہوں گے اور عبادتوں میں قصور ہوگا ۔ (تفسیر عزیزی اردو ج اص ۶۶۵ سورۂ بقرہ فارسی ج اص ۴۴۲)

فقہ کی مشہور اور معتبر کتاب البحر الرائق میں ہے والاولیٰ ان تکون حیطان المسجد البیض غیر منقوشة ولا مکتوب علیها ۔ ویکره ان تکون منقوشة بصورا و کتابة ۔

یعنی ! بہتر یہی ہے کہ در و دیوار مسجد سفید ہو، نقش ونگار سے پاک ہو اس پر کسی قسم کی تحریر نہ ہو، تصویر اور کتابت سے منقش کرنا مکروہ ہے (ج ۵ ص ۲۵۱ فصل فی احکام المسجد قبیل قولہ ومن جعل مسجداً الخ)

اگر چہ زمانہ کے مطابق بعض علماء نے بچند شرائط مسجدوں کو خوبصورت اور پر رونق بنانے کی اجازت دی ہے کہ لوگ جب اپنے مکانوں میں غیر معمولی تکلفات کرنے کے عادی ہوگئے ہیں تو اینٹ گارے کی سادہ مسجد ان کی نظر میں نہیں جچے گی اور حقیر معلوم ہوگی جس سے عقائد اور خیالات کے بگڑ جانے کا خطرہ ہے تو اس خطرہ سے بچنے کے لئے اجازت دی ہے کہ مناسب حد تک مسجد کو آراستہ کرسکیں ۔ مگر افسوس یہ ہے کہ لوگ عالی شان مسجد بنانے کو کافی سمجھتے ہیں ۔ اس کو آباد کرنے کی فکر نہیں کرتے ۔

مسجد کی آبادی قابل (عالم باعمل بزرگ) امام مقرر کرانے اور پابند شریعت ، بلند آواز ، خوش الحان مؤذن رکھنے اور مصلیوں کی کثرت اور باقاعدہ نماز پڑھنے سیکھنے سکھانے سے ہوتی ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک مسجد کے متعلق دینی مدارس قائم کر کے قابل اساتذہ رکھ کر اولاد کی دینی تعلیم اور روحانی تربیت کا پورا بندوبست کیا جائے ورنہ ہم آنحضرت ﷺ کی وعید اور پیشن گوئی کا مصداق بن جائیں گے ۔ مساجد هم معمورة وهي خراب یعنی ان کی مسجدیں بظاہر آباد مگر درحقیقت برباد (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق بخشے ۔

بعض اوقات بطور مسجد جو مکان مستعمل ہو اس کا کیا حکم ہے ؟:

(سوال ۶۳) یہاں ایک پہاڑ پر جو ہوا خوری کا مقام ہے وہاں عیسائی آباد ہیں اور مسلمانوں کے مکانات بنگلے دو سو

کی طرح بنے ہیں اور دوکانیں بھی ہیں۔ جب اسکولوں میں دو ماہ کی تعطیل ہوتی ہے اس وقت دو ماہ کے لئے مسلمانوں کے اہل وعیال ہوا خوری کے لئے جاتے ہیں لیکن مرد نہیں جاتے وہ صرف ہفتہ میں ایک آدھ روز پہنچتے ہیں۔ ایک صاحب نے یہاں پر اپنا مکان نماز پڑھنے کے لئے مسجد کے طور پر استعمال کرنے اور وہ بھی روزانہ نہیں ہفتہ میں ایک دو دفعہ کے لئے دیا ہے تو یہ مکان مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس صاحب دل سرمایہ دار نے اپنا مکان ہفتہ میں ایک دو وقت نماز پڑھنے اور بطور مسجد استعمال کرنے کے لئے دیا ہے۔ یہ نہایت ہی مبارک اور ثواب کا کام ہے۔ لیکن یہ جگہ اپنی ملکیت میں باقی رکھ کر دی ہو تو یہ شرعی مسجد کے حکم میں نہیں ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ ہاں باجماعت نماز پڑھی جائے تو جماعت کا ثواب ملے گا اگرچہ مسجد میں نماز پڑھنے جیسا ثواب نہیں ملے گا۔ البتہ اگر اس مکان سے اپنے مالکانہ حقوق ساقط کر دیئے اور اس کو عام مسلمانوں کے لئے مسجد بنا دیا تو یہ شرعی مسجد ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے۔ جب پہاڑ پر مسلمانوں کی آبادی ہے اور مسلمانوں کے ذاتی مکانات، دوکانیں اور بنگلے وغیرہ سب کچھ ہیں اور ہوا خوری کے لئے لوگ آمد ورفت کرتے ہیں اور رہتے ہیں تو یہاں پر مسجد کی خاص ضرورت ہے۔ لہذا چاہئے تو یہ کہ یہ صاحب دل فراخدلی کر کے اس مکان کو ہمیشہ کے لئے وقف کر دیں۔ یہ ان کا صدقہ جاریہ اور بہت بڑا کار خیر ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے **عبیداللہ الخولانی انہ سمع عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یقول الناس فیہ حین بنی مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم انکم اکثر تم و انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من بنی مسجداً قال بکیر حسبت انہ قال یبتغی بہ وجہ اللہ بنی لہ مثلہ فی الجنۃ (بخاری شریف ج ۱ ص ۶۴ باب من بنی مسجداً)**

جو شخص مسجد تعمیر کرادے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس جیسا محل جنت میں بنائے گا۔

وہاں کے باشندوں (مسلمانوں) کو لازم ہے کہ مسجد کی صفائی اور آبادی کا پورا خیال رکھیں۔ امام ایسا رکھیں جو پانچوں وقت کی اذان پڑھ کر امامت کرادے اور بچوں کو تعلیم دے بڑے بوڑھوں اور جوانوں کو وعظ ونصیحت کر کے انہیں پکے نمازی اور سچے مسلمان بنائے۔ فقط۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔ شہر کے بازار میں ایک مسجد جو چورہ کی مسجد سے مشہور ہے اس کی قبلہ جہت دیوار کے متصل پچھلی طرف مسجد کی چند دکانیں تھیں جو لائن دری میں کٹنگ میں چلی گئی کچھ حصہ باقی ہے جو ان کے لئے کافی نہیں ہے اب یہاں کے وقف کمیٹی کے صدر نے یہ ارادہ کیا ہے کہ مسجد کی آمدنی بڑھانے کے لئے قبلہ جہت دیوار کی فٹ دو فٹ جماعت خانہ سے لے کر دیوار کو پیچھے ہٹا کر مسجد کی آمدنی کے لئے دکانیں بنانا چاہتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ جماعت خانہ کا حصہ چھوڑ کر قبلہ جہت دیوار کے حصہ کو دکان میں شامل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وقف کمیٹی کے صدر مذکورہ بالا صورت میں گناہ کی سب ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے اس بنا پر کمیٹی کے ممبران رضامندی ظاہر کر دیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ مسجد کی قبلہ جہت دیوار مسجد کے حکم میں شمار ہوگی یا مسجد سے خارج؟ اگر اس میں سے کچھ حصہ مسجد کی دکانیں بنانے کے لئے لیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

راقم ۔اسماعیل بابو بھائی ۔عبدالرحمٰن بھائی منصوری ۔
ناتھو بھائی شکور بھائی ۔لال دروازہ بازار بسنگر وایا احمد آباد ضلع مہسانہ ۔

(الجواب) ہوالموفق للصواب ۔مسجد کی آمدنی بڑھانے کے لئے مسجد کی قبلہ جہت دیوار کو پیچھے ہٹا کر مسجد کی جگہ میں دوکانیں بنانا درست نہیں ہے ۔مسجد کی قبلہ جہت دیوار بھی مسجد کے حکم میں ہے اس کا کوئی حصہ مسجد کی حد سے خارج نہیں کیا جاسکتا اور نہ کسی جزء کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے ۔اس کی بے حرمتی مسجد کی بے حرمتی شمار ہوگی ۔اس کی ذمہ داری لینے کی جرأت کوئی عقل مند نہیں کرسکتا ۔باہر کی جگہ اگر دوکان کے لئے ناکافی ہوتو اسے مسجد کا پشتہ بنالیا جائے یا اس جگہ کو کسی چیز سے محفوظ اور محصور کرلیا جائے ۔

فمن بنی بیتاً علی جدار المسجد وجب هدمه ولا یجوز الا جرة وفی البزازیه ولا یجوز للقیم ان یجعل من المسجد مستغلا ومسکناً (البحر الرائق ج۵ ص ۲۵۱ فصل فی احکام المسجد تحت قوله ومن جعل مسجد ا لخ)

ولا یو ضع الجزع علی جدار المسجد وان کان من اوقافه (البحر الرائق ج۵ ص ۲۵۱ ایضاً)

بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح امالو تمت المسجد یته ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تتارخانیه فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی دارا لمسجد ولا یجوز اخذا لا جرة منه ولا ان یجعل شیئا منه مستغلا ولا سکنی بزازیه (درمختار کتاب الوقف مطب فی احکام المسجد ج ۴ ص ۳۵۸).

مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنالینا:

(سوال ۶۴) مسئلہ ذیل کے بارے میں علماء کرام ومفتیان عظام کیا فرماتے ہیں کہ :۔

سورت میں ادھنہ دروازہ کے قریب مسجد ہے جس میں پنجگانہ نماز باجماعت ہوتی ہے بعض حصہ کو میونسپلٹی والے راستہ چوڑا اور کشادہ کرنے کے لئے توڑنا چاہتے ہیں تو کیا مسجد کی کوئی جگہ دوسری کسی کام میں لا سکتے ہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ صرف جماعت خانہ مسجد کے حکم میں ہے ۔صحن، مسجد، غسل خانہ وغیرہ حصے داخل مسجد نہیں ۔کیا یہ صحیح بات ہے؟ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیے ۔

(الجواب) جو جگہ ایک دفعہ حکم مسجد میں آجائے پھر اس کی عمارت رہے یا نہ رہے اس میں نماز پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو وہ جگہ تاقیامت مسجد کے حکم میں رہے گی اس کو بجز عبادت کے اور کسی کام میں استعمال کرنا صحیح نہیں ۔اس کے کسی حصہ کو بیچنا، کرایہ پر دینا رہن رکھنا یا اس کے ورثاء کو دینا جائز نہیں ۔لہذا صورت مسئولہ میں مسجد کے کسی حصہ کو راستہ میں نہیں لیا جاسکتا ۔شامی میں ہے ۔**لا یجوز ان یتخذ المسجد طریقا**. مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانا جائز نہیں ہے ۔**لان المسجد لایخرج عن المسجدیة ابداً** کیونکہ مسجد کبھی بھی مسجد ہونے (کے حکم سے) نہیں نکلتی ہے (ص ۵۳۰ ۔۵۳۱ ج ۳ کتاب الوقف مطب فی جعل شئی من المسجد طریقاً)

حتیٰ کہ فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ متولی کے لئے جائز نہیں کہ مسجد کی حد میں اور اس کے احاطہ میں دکان بنائے

(بحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۹)[۱] جب مسجد کے منافع کے لئے مسجد کی حد اور اس کے احاطہ میں دکان نہیں بنا سکتے تو مسجد کے حصہ کو راستہ میں کس طرح شامل کر سکتے ہیں۔ مسجد نام ہے اس جگہ کا جس کو کسی مسلمان نے خاص عبادت الٰہی کے لئے وقف کیا ہو۔ مسجد کے لئے جو جگہ وقف کی گئی ہے اس کے ہر ایک حصہ پر مسجد کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کے ہر حصہ پر وقف کے احکام جاری ہوں گے۔ یعنی جس طرح مسجد کی محراب اور منبر کی جگہ کو کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ اسی طرح مسجد کے غسل خانہ اور بیت الخلاء وغیرہ کی جگہ کو بھی کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ کیونکہ مسجد کی موقوف جگہ خدا کی عبادت اور عبادت کے لئے تیاری کے اسباب وذرائع کے لئے ہے۔ صرف جماعت خانہ ہی مسجد نہیں بلکہ صحن اور برآمدہ بھی مسجد ہے اور اس کا احاطہ بھی مسجد کے حکم میں ہے، جہاں سردی کے وقت اور گرمیوں میں دھوپ کے وقت نماز پڑھی جاتی ہے اس کو جماعت خانہ یا مسجد شتوی کہتے ہیں اور مسجد داخلی بھی کہتے ہیں۔ اور گرمی میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے اس کو برآمدہ، صحن مسجد، مسجد صیفی اور مسجد خارجی کہتے ہیں (بحر الرائق ج ۲ ص ۷۴، باب ادراک الفریضہ، تحت قولہ ومن خاف فوت الفجر الخ ، شامی ج ۱ ص ۶۶ مطلب فی احکام المسجد) امداد الفتاویٰ ج ص ۴۸۶)

اگر مسجد کا صحن مسجد میں داخل نہ ہوتا تو گرمی میں صحن میں نماز باجماعت کیوں پڑھتے ؟ اور اس کا نام صحن مسجد اور مسجد صیفی اور مسجد خارجی کیوں رکھتے ؟ کتب فقہ میں ہے مسجد کو اپنی آمد و رفت کا راستہ بنانا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ سراجیہ ص ۷۱) مسجد میں پانی کا کنواں کھودنا مکروہ ہے، کیونکہ لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی (فتاویٰ سراجیہ ص ۷۱) مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے کہ صفوں میں خلل پڑے گا (فتاویٰ سراجیہ ص ۷۱) مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے۔ ہاں مسجد کی تعمیر کے وقت کوئی جگہ وضو کے لئے کردی جائے یہ مکروہ نہیں ہے (بحر الرائق ج ۲ ص ۳۴)[۲] ان تمام مسائل میں جو مسجد کا لفظ آیا ہے اس سے مسجد کی کون سی جگہ مراد ہو سکتی ہے؟ جماعت خانہ میں تو اس کی گنجائش نہیں البتہ صحن مسجد میں ایسے کام ہو سکتے ہیں اس لئے ممانعت کی ضرورت پڑتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ فقہاء کے نزدیک صحن مسجد بھی مسجد ہے۔ ایک حصہ نماز واعتکاف وغیرہ کے لئے اور دوسرا حصہ اعتکاف یا نماز کی تیاری کے لئے ہوتا ہے۔ جس طرح ہسپتال میں ایک کمرہ آپریشن کے لئے ہوتا ہے اور دوسرا کمرہ اس کے متعلقات و تیاری کے لئے ہوتا ہے مثلاً۔

(۱) پیشاب کی حاجت درپیش ہو تو اس سے فراغت سے قبل نماز پڑھنے کی اجازت نہیں اس لئے مسجد میں پیشاب خانہ کی ضرورت ہے۔

(۲) قضائے حاجت درپیش ہو تو اس سے فراغت حاصل کئے بغیر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں اس لئے بیت الخلا کی ضرورت ہے۔

(۳) بحالت جنابت نماز گاہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں اس لئے غسل خانہ کی ضرورت ہے۔

(۴) بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھ سکتے اس لئے مسجد میں حوض یا وضو خانہ کی ضرورت ہے۔

نوٹ:۔ اعتکاف دس دن کا یا پورے ماہ کا ہوتا ہے اس میں کھانا، پینا، سونا وغیرہ سب مسجد میں ہوتا ہے لہذا غسل خانہ وغیرہ مذکورہ چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وفی المجتبی لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فنائه فصل فی احکام المسجد)

(۲) وفی الخلاصة وغیرها یکره الوضوء والمضمضة فی المسجد الا ان یکون موضع فیه اتخذ للوضوء ولا یصلی فیه فصل لما فرغ من الکراهیه فی الصلوة تحت قوله والوطء فوقه)

دیس نگر کی مسجد کا معاملہ:

(سوال ۶۵) دیس نگر کی مسجد میں قبلہ جہت دیوار کے متعلق تجویز تھی کہ اس کو توڑ کر دوکان نکالی جائے۔ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب نے اس کا معائنہ فرما کر تبصرہ فرمایا وہ درج ذیل ہے۔

مفتی لاجپوری صاحب دامت فیوضہم کا معائنہ اور تبصرہ

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم. اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاوارزقنا اجتنابه.

احقر نے مورخہ ۲۸ جون ۱۹۶۷ء بروز چہار شنبہ دیس نگر کی چورہ کی مسجد کا معائنہ کیا قبلہ کی دیوار اور اس کے ساتھ کی زمین جس پر دوکان بنانا (بشمولیت جدار قبلہ) زیر تجویز ہی بغور دیکھا اور اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں جس پر قبل ازیں نقشہ دیکھ کر اور طرفین سے حقیقت معلوم کر کے پہنچا تھا کہ مسجد ہذا کی قبلہ جہت دیوار کا کوئی حصہ اور جزء دوکان میں شامل کرنا جائز نہیں۔ فمن بنى بيتاً على جدار المسجد وجب هدمه ولا يجوز الا جرة وفي البزازية ولا يجوز للقيم ان يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ومسكناً (بحر الرائق ج۵ ص ۲۵۱ فصل فی احكام المسجد تحت قوله ومن جعل مسجداً)

ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وان كان اوقافه الخ (ج۵ ص ۲۵۰ ایضاً) لو بنى بيتاً للامام لا يضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق (تتار كانيه) فاذا كان هذا في الواقف فكيف لغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز اخذ الا جرة منه ولا ان يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى بزازيه (درمختار كتب الوقف مطلب في جعل شئى من المسجد طريق ج. ۴ ص ۳۵۸).

یعنی اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کے واسطے کوٹھری بنائی تو ضرر نہیں اس لئے کہ یہ منجملہ مصالح مسجد کے ہے۔ لیکن اگر اس مکان کا مسجد ہونا پورا ہو گیا تھا (فقط قول سے جس پر فتویٰ ہے یا اس میں نماز پڑھنے سے) پھر واقف نے مسجد کے اوپر کوٹھری بنانے کا ارادہ کیا تو منع کیا جائے گا اور اگر (بانیٔ مسجد) کہے کہ میں نے (پہلے سے) اس کی نیت کی تھی اس کی تصدیق نہ کی جائے گی یعنی بانی کی یہ بات تسلیم نہ کی جائے گی۔ كذافي التتار خانيه . پھر جب خود واقف کے متعلق یہ ہے (کہ نہ اس کو تعمیر کی اجازت ہے اور نہ تعمیر کے متعلق اس کی نیت کا اعتبار ہے) تو غیر واقف کو یہ اجازت کب ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اس کا گرا دینا واجب ہے۔ خواہ عمارت مسجد کی دیوار پر ہی ہو۔ (چھت پر نہ ہو) اور اس کا کرایہ لینا جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو اس طرح کر دیا جائے کہ اس سے کرایہ وصول ہو سکے یا وہ رہائشی مکان بن جائے۔ بزازیہ بحوالہ درمختار۔ کچھ فقہاء نے مسجد کے کسی حصہ کا کرایہ لینے کی اجازت دی تھی اس کو صحیح تسلیم نہیں کیا گیا سختی سے اس کی تردید کی گئی۔ غایۃ الاوطار ج۲ ص ۲۷۰۔

(قوله ولو على جدار المسجد) مع انه لم يا خذ من هواء المسجد شيئاً الخ ونقل في

البحر قبله ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وان كان من اوقافه الخ قلت وبه علم حكم مايضعه بعض جيران المسجد من وضع جذرع على جداره فانه لا يحل ولو دفع الاجرة (قوله ولا ان يجعل الخ)هذا ابتداء عبارة البزازيه والمراد بالمستغل ان يوجر منه شئى لا جل عمارته وبالسكنیٰ محلها عبارة البزازيه على ما فى البحر ولا مسكناً وقدرد فى الفتح ما بحثه فى الخلاصة من انه لو احتاج المسجد الیٰ نفقة تو جر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه بانه غير صحيح.(شامی ج۳ ص ۵۱۲.۵۱۳ كتاب الوقف مطلب فى احكام المسجد)

قيم المسجد لا يجوز له ان يبنى حوانيت فى حد المسجداوفى فنائه لا نه المسجد اذا جعل مسكنا تسقط حرمته .وهذا لا يجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذا فى المحيط السرخسی (فتاویٰ عالمگیری ج۲ ص ۴۶۲ الفصل الثانى فى الوقف على المسجد علی)

(یعنی متولی مسجد کو حد مسجد میں فناء مسجد میں دکانیں بنانا جائز نہیں اس لئے کہ دوکانوں کی وجہ سے مسجد کی حرمت باقی نہیں رہتی) لا يجوز لقيم المسجد ان يبنى حوانيت فى حد المسجد وفى فنائه (بحر الرائق ج۵ ص ۲۴۹ فصل فى احكام المسجد)

روایات فقہیہ سے واضح ہو گیا کہ مسجد کی دیوار یا اس کے کسی حصہ کو دوکان میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ فقہاء رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ مسجد کی دیواریں کسی مکان یا دوکان کی دیوار سے مشترک بھی نہ ہوں اگر چہ وہ مکان یا دوکان اس مسجد پر وقف ہو۔ لہذا متولی صاحب کو لازم ہے کہ مسجد کی دیوار کو اس کی اصلی حالت پر بنائیں۔ دیوار کا کوئی حصہ بھی دوکان میں شامل نہ کریں۔ حطیم کعبہ داخل کعبہ ہے لیکن عوام کا لحاظ کرتے ہوئے اور اختلاف ونزاع سے بچتے ہوئے حطیم کو کعبہ کی عمارت میں شامل نہیں کیا اور فرمایا کہ عائشہ میں ڈرتا ہوں کہ تیری قوم کے دل انکار کریں اس بات سے کہ میں حطیم کو کعبہ میں داخل کروں۔ ولو لا ان قومک حديث عهدهم بالجاهلية فاخاف ان تنكر قلوبهم ان ادخل الجدار فى البيت وان الصق بانه فى الارض.(صحيح بخاری شريف پ ۶ ج ۱ ص ۲۱۵ كتاب المناسک باب فضل مكة)

فتح الباری میں ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امر مستحب کے متعلق اگر یہ خدشہ ہو کہ لوگ اس کو پوری طرح سمجھ نہ سکیں گے اور اس کو اوپرا سمجھ کر شکوک وشبہات میں پڑ جائیں گے تو بہتر یہ ہے کہ اس امر مستحب کو عمل میں نہ لایا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ اس کی قیمت لی جاسکتی ہے یا نہیں :

(سوال ۶۶) جنوبی افریقہ کی حکومت نے ایک قانون وضع کیا ہے جس کا نام گروپ ایریا ایکٹ (GROUP AREA ACT) ہے۔ یعنی ہر قوم کی علیحدہ علیحدہ بستیاں قائم کی جائیں اور اس بستی میں اسی قوم کے افراد کو بسایا جائے۔ گوروں کی الگ بستی۔ حبشیوں کی الگ بستی اور ہندوستانیوں کی الگ۔ اس قانون کی رو سے ہندیوں کو اپنی موجودہ رہائش گاہوں اور گھر بار کو خیر باد کہنا پڑے گا۔ اور نئی بستی میں جانے کے لئے ان کو حکومت کی طرف سے مجبور کیا جائے گا۔ ہندی لوگ

اس وقت جب گھر بار اور املاک کے مالک ہیں، وہ سب قانون کی رو سے حکومت ان سے خرید لے گی۔ اس قانون کی زد میں مسجدیں اور عبادت گاہیں آ گئی ہیں ہم ہندی مسلمان جس ٹاؤن میں بستے ہیں اس کا نام بیٹھال ہے جہاں گروپ ایریا کا قانون نافذ ہوگیا ہے۔ گروپ ایریا کے قانون کی رو سے گورنمنٹ نے یہاں کی مسجد کو خرید لینے کا نوٹس دیا ہے اور اس کی قیمت بھی تین ہزار پاؤنڈ ٹھہرا دی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:۔(۱) مسجد کی قیمت ٹھیرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ (۲) مسجد کسی دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے یا نہیں، خواہ بوجہ مجبوری ہی سہی؟ (۳) حکومت بزور مسجد خریدنا چاہے تو اس کی ٹھیرائی ہوئی قیمت لینا مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر مسلمان مسجد کی قیمت لینے سے انکار کریں گے تو حکومت اس رقم کو اپنے کسی مذہبی فنڈ میں (یا ہسپتال میں) دے دے گی۔(۴) مسلمان لوگ مسجد کی قیمت لینے کے بجائے حکومت سے یہ کہہ دیں کہ جب تم بزور ہماری مسجد لینے پر تلے ہوئے ہو تو اس مسجد کے عوض ہماری نئی بستی میں حکومت کے خرچ سے ایسی ہی ایک مسجد بنادو تو اس طرح کی درخواست کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ھوالموافق للصواب۔ جس جگہ مسجد قائم ہے، اور جس زمین کے رقبہ کو مسجد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس کی عمارت قائم رہے یا منہدم ہو جائے، اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ اس جگہ کی بستی آباد رہے یا ویران ہو جائے ہر حال میں وہ جگہ علی الدوام تا قیامت مسجد ہی رہے گی، دوسری زمینوں کی طرح فنا نہ ہوگی بلکہ جنت میں پہنچا دی جائے گی۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **قد ذھب الارضون کلھا یوم القیامة الا المساجد فانھا یتضم بعضھا الی بعض** . یعنی قیامت کے روز ساری زمینیں فنا ہو جائیں گی سوائے مساجد کے کہ وہ آپس میں مل جائیں گی (جامع صغیر امام سیوطی ج ا ص ۱۰۹)

اس لئے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الامام والثانی ابداً الی قیام الساعة (وبه یفتی) حاوی القدسی(درمختار)** یعنی اگر اطراف مسجد منہدم اور ویران ہو جائے اور مسجد کی کوئی حاجت باقی نہ رہے تب بھی امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ جگہ ہمیشہ قیامت تک جاری رہے گی اور اسی پر فتویٰ ہے۔

شامی میں ہے۔ **فلا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله علی مسجد اخر سواء کان یصلون فیه اولا وھو الفتویٰ (ایضاً فیه) ولو حرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا یعود الی ملک الواقف عند ابی یوسف فیباع نقضه باذن القاضی ویصرف ثمنه الیٰ بعض المسا جد الخ (ایضاً فیه) قال فی البحر وبه علم ان الفتویٰ علیٰ قول محمد فی الات المسجد وعلی قول ابی یوسف رحمه الله فی تابید المسجد اه والمراد بآلات المسجد نحو القندیل والحصیر بخلاف انقاضه لما قدمناه عنه قریباً من ان الفتویٰ علی ان المسجد لا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر. ج۳ ص ۵۱۳ کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد او غیره)**

لہذا صورت مسئولہ میں حتی الامکان مسجد کو اپنی حالت پر برقرار رکھنے کی سعی بلیغ کی جائے اور محفوظ کر دی

جائے کہ بے ادبی سے مصؤن اور محفوظ رہے ۔اگر سامان ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتو اسے دوسری مسجد کے لئے ہٹالیا جائے اگر عمارت توڑ دیئے جانے کا یقین ہوتو اسے بھی توڑ کر دوسری مسجد کے لئے رکھ لیا جائے اور اصل جگہ محصور کر لی جائے تا کہ بے حرمتی سے محفوظ رہ سکے،اگر مسجد کی زمین کو حکومت کسی حال میں بھی باقی رکھنا نہیں چاہتی تو اگر چہ بصورت مجبوری ان کے ہاتھ فروخت کر دینے کی گنجائش ہے (اس کے مجاز اصل واقف یا اس کے ورثاء اور وارث معلوم نہ ہوں تو اہل محلّہ ہیں) مگر اس صورت میں مسجد فروخت کرنے کی ایک مثال قائم ہوجائے گی اور دوسری جگہ کی حکومتیں اور دوسری قومیں اس سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گی ۔لہذا اگر نقصان،قابل برداشت ہوتو فروخت نہ کرنا بہتر اور قرین مصاعت ہے والعلم عند اللہ ۔

لهم تحويل المسجد الى مكان اخران تركوه بحيث لا يصلى فيه ولهم بيع مسجد عتيق لم يعرف بانيه وصرف ثمنه الى مسجد اخر (شامى ج٣ ص ٥١٢) ان المسئلة فيها خلاف بين الائمة الا سلاف فقال ابو يوسف رحمه الله يبقى مسجدا ابداً الى قيام الساعة لا يعود ميراثاً ولايجوز نقله ونقل ماله الى مسجد اخر سواء كانوا يصلون فيه اولا وعند محمد يعود الى صاحبه ان كان حياً والى ورثة ان كان ميتاً وان كان لا يعرف بانيه او عرف ومات ولا وارث له او اجتمع اهل المحلة على بيعه والا ستعانه بثمنه فى المسجد الا خر فلا باس به وتصرف او قافه اليه (الى قوله) والفتوىٰ على قول ابى يوسف،(الى قوله)وصحح قوم قول محمد وفى الواقعات للصدر الشهيد المسجد اذا خرب وهو عتيق لا يعرف بانيه وبنى اهل المسجد مسجداً اخر وباع اهل المسجد الاول...... واستعانوا بثمنه فى بناء المسجد الثانى على قول من يرىٰ جواز هذا البيع وان كنا لا نفتى به جاز و فى الخلاصة والبزازية عن الحلوانى اذا خرب مسجد وتفرق الناس عنه تصرف او قافه الى مسجد اخرو فى النوازل كثير من الكتب انه لا باس به وهذا كله على قول محمد فتحرر من هذا التقرير ان المسئلة اجتهادية وللا ختلاف فيها مجال وللا جتهاد فيها مساغ فاذا توفوت شروط الحكم على قول الامام الثالث الذى رويت موافقته ،فيه لقول الامام الا عظم بعد النظر فى المصلحة للمصلين والا عانة للمتعبدين فلا شك فى صحته ونفاذه وارتفاع الخلاف فيه فانظر الىٰ قوله فى الواقعات وان كنا لانفتى به جازو ماذلک الا انه قد تكون المصلحة فيه متعنيه فاذآ علم الله سبحانه وتعالىٰ خلوص النية وصفاء الطوية وقصد الدار الا خرة والا جور الوافرة والا خذبما هو يسروطرح ما هو عسر فهوخير محض ونفع صرف فانه الدين كله يسروان خشى عاقبة سوء وانقلاب موضع . فالعمل بما عليه الفتوىٰ اولىٰ والا مور لمقاصدها وكم من شئى واحد يكون طاعة بالنية الخيرية ويكون معصية بالنية الشرية والله اعلم (فتاوىٰ خيرية ج ١ ص ١٦٤)حاصله انه يعمل بقول ابى يوسف حيث امكن والا فبقول محمد تامل (شامى ج٣ ص ٥٢٩ كتاب الوقف، فيما لو خرب المسجد اوغيره)

بحالت مجبوری اس کو منظور کیا جا سکتا ہے کہ حکومت اس جگہ کے عوض دوسری مسجد بنوادے ۔فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

ایک وقف کی رقم دوسرے وقف میں استعمال کرنا:

(سوال ۶۷) مساجد کی رقم بطور وقف یتیم خانہ میں دے سکتے ہیں؟

(الجواب) مساجد کی وقف رقم یتیم خانہ میں بطور وقف نہیں دے سکتے۔ ایک وقف کے روپے دوسری وقف میں استعمال کرنے جائز نہیں، ممنوع ہیں۔ درمختار میں ہے وان اختلف احدھما بان بنی رجلان مسجدین اورجل مسجداً اومدرسة ووقف علیھمااوقافاً (لا) یجوزله ذلک (ای الصرف المذکور)

یعنی۔ دو شخص علیٰحدہ علیٰحدہ مسجد بنائیں یا ایک ہی شخص نے مسجد اور مدرسہ بنایا اور دونوں کے لئے جدا جدا وقف کئے تو قاضی کو حق نہیں ہے کہ ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف پر خرچ کرے (درمختار مع الشامی ج ۳ ص ۵۱۵ مطلب فی نقل القاضی المسجد)

ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ضرورت سے زائد آمدنی سے بوقت ضرورت دوسرے غریب حاجت مند وقفوں میں امداد کریں اور کار خیر میں خرچ کریں تو واقف کی شرط کے مطابق یعنی وقف نامہ میں جو تحریر ہے اس کے مطابق دوسرے وقف کی امداد کرنا اور کار خیر میں خرچ کرنا صحیح ہوگا، البتہ اگر کوئی وقف بہت مالدار ہو وقف کو اچھی طرح سے جاری رکھتے ہوئے بھی زائد رقم اس قدر رہو کہ وقف کو اس رقم کی ضرورت فی الحال نہیں ہے اور دوسرا وقف ضرورت مند ہے تو اس کو قرض دے سکتے ہیں۔ اما المال الموقوف علی المسجد الجامع لو تکن للمسجد حاجة للمال فللقاضی ان یصرف فی ذلک لکن علی وجه القرض فیکون دینا فی مال الفئی (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴۶۴ قبیل الباب الثانی عشرفی الرباطات والمقابرو الخانات الخ) اگر کسی وقف کے خزانہ میں روپئے اس طرح زائد ہوں کہ نہ ان کی فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی اور یہ روپئے یوں ہی جمع رہیں تو ضائع ہو جائیں گے یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہو جائے گا تو ایسے حالات میں قریب کے دوسرے ضرورت منداوقاف کو زائد روپے امداد کے طور پر (بلا قرض) دینا جائز ہو جائیگا۔ مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریبی ضرورت مند مسجد کو اور مدرسہ کی زائد رقم قریبی ضرورت مند مدرسہ کو دی جائے۔ یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے اور اس مقصد سے کہ آبادیٔ مسجد میں اضافہ ہو، اس زائد فاضل رقم سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

مساجد کی رقم دنیوی تعلیم میں خرچ کرنا:

(سوال ۶۸) مساجد اور مقابر کی رقم دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کو اسکالرشپ (امداد) دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) مساجد اور مقابر کی رقم دنیوی تعلیم کے (کالج) اور اسکول میں پڑھنے والے) طلباء کو بطور امداد دینا ناجائز ہے۔ درمختار کا حوالہ بالا وان اختلف احد ھما الخ. واللہ تعالیٰ اعلم.

مدرسہ کے مکان کو کرایہ پر دینا کیسا ہے :

(سوال ۶۹) ہمارے ہاں عربی مدرسہ نہیں تھا۔ایک سخی صاحب مال نے اپنی طرف سے مدرسہ بنوادیا۔لیکن روز بروز بچوں کی تعداد میں اضافہ ہونے سے وہ مدرسہ ناکافی نظر آیا بچوں کو بٹھانے میں تکلیف تھی جس کی بنا پر جدید وسیع مدرسہ بنایا گیا۔فی الحال بچے اس نئے مدرسہ میں تعلیم لیتے ہیں۔لہٰذا اس سخی سرمایہ دار کا بنایا ہوا مدرسہ بند پڑا ہے تو اس کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟اس کی کرایہ کی رقم جدید مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) قدیم مدرسہ سخی مالدار نے جس نیت اور مقصد سے بنایا ہے اس کا خیال رکھ کر جہاں تک ممکن ہو اس سے وہی کام لیا جائے لڑکوں کا نہیں تو لڑکیوں کا مدرسہ چلائے اگر اس کی بھی ضرورت نہ ہو اور بے کار پڑا ہے تو کرایہ پر دے سکتے ہیں اور اس کی رقم مدرسہ کے خرچ میں لے سکتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد و مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ یا مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں؟:

(سوال ۷۰) ہمارے گاؤں کا مدرسہ فی الحال بڑے نازک دور سے گذر رہا ہے۔اس لئے کہ روپے نہ ہونے کی وجہ سے مدرسین کی تنخواہیں وظائف کا انتظام دشوار ہے حتی کہ بند ہونے کی حالت میں ہے۔مدرسہ کی آمدنی زمین کے روپیوں پر ہے۔زمین کی آمدنی سے مدرسہ کا خرچ زیادہ ہے اور گزشتہ چند برس خراب گزرے جس کی بنا پر زمین کی رقم نہیں آئی۔اس فتنہ کے دور میں مدرسہ کو باقی رکھنے کے لئے کیا کیا جائے؟فی الحال بقیہ رقم نہیں مل سکتی۔اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے گاؤں کے مدرسہ میں کتب خانہ ہے۔اس میں روپے ضرورت سے زائد ہیں اس طرح قبرستان کے روپے بھی زائد از ضرورت ہیں۔دونوں حیثیت والے ہیں اس لئے ان میں سے روپے لے کر مدرسین کے وظائف دینے کا ارادہ ہے اب سوال یہ ہے کہ ایسے وقت فیض رساں مدرسہ کو جاری رکھنے کے لئے کتب خانہ قبرستان وغیرہ کے روپیوں میں سے مفت روپے لے کر استعمال کر سکتے ہیں؟دوسرے کسی طریق سے لے سکتے ہیں؟جیسا کہ قرض حسنہ کے طور پر؟یہ مسئلہ زیادہ وضاحت طلب ہے۔اس فیض رساں چشمہ کو جاری رکھنے کی کیا صورت ہے؟رہبری فرما کر ممنون فرمائیں۔

(الجواب) وقف کے احکام بہت نازک ہیں۔واقف کی غرض اور مقصد کا لحاظ اور اس کی شرائط کی پابندی ضروری ہے۔اب اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ ایک وقف کی رقم دوسرے وقف میں خرچ کرنی ناجائز ہے۔درمختار میں ہے **وان اختلف احدهما بان بنی رجلان مسجدین اورجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما اوقافاً لا يجوز له .** یعنی دو آدمی الگ الگ دو مسجدیں بنائیں ایک ہی شخص مسجد اور مدرسہ بنائے اور ان دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وقف کر دے تو قاضی صاحب کو حق نہیں ہے کہ ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف میں خرچ کرے **(درمختار مع الشامی ج ۳ ص ۵۱۵ کتاب الوقف مطلب فی نقل القاضی المسجد)**

ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں بوقت ضرورت زائد آمدنی کو دوسرے نیک کام میں استعمال کرنے کے لئے لکھا ہو تو شرط کے مطابق دوسرے وقف وغیرہ نیک کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔البتہ مشائخ متاخرین نے اتنی گنجائش نکالی ہے کہ اگر کسی وقف کے پاس بہت رقم ہو یعنی بہت سرمایہ دار ہو وقف اچھی طرح جاری

رہتے ہوئے اور اس میں کما حقہ خرچ کرنے کے باوجود اتنی رقم زائد ہو کہ اس کو اس کی بالکل ضرورت نہ ہو اور دوسرا وقف ضرورت مند ہے تو اس کو قرض دے سکتے ہیں اور اگر وقف اس قدر مالدار ہو کہ اس مال کی اس کو نہ فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ اور اگر دوسرے نیک کام میں استعمال نہ کیا جائے تو یہ مال ضائع ہو جائے گا یعنی ناجائز استعمال ہوگا اور واقف کا مقصد پورا نہ ہوگا تو ایسے وقف میں قریبی ضرورت مند وقف کو بطور امداد مفت (بلاقرض) دینا جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری ج۲ص۴۶۴) صورت مذکورہ میں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریب کی حاجت مند مسجد میں اور مدرسہ کی زائد رقم نزدیک کے ضرورت مند رمدرسہ میں استعمال کی جائے اور مسجد کی آبادی میں اضافہ مقصود ہو تو زائد رقم سے مسجد سے متعلق مدرسہ بھی کھول سکتے ہیں اس تفصیل کی روشنی میں آپ خود سمجھ سکتے ہیں اور غور کر کے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آپ کے یہاں جو صورت درپیش ہے اس کا حکم کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

کیا مسجد کی پرانی زمین کو رہن رکھ سکتے ہیں؟:

(سوال ۷۱) شاہی زمانہ کی جو زمین مسجد میں وقف ہو متولی اس کو فروخت یا رہن رکھ سکتا ہے۔

(الجواب) وقف کا رہن رکھنا صحیح نہیں۔ اسی طرح وقف چیز کے بیچنے کے بارے میں اس کی حقیقت کا اظہار کرنے اور معتبر عالم سے فتویٰ حاصل کرنے تک اس میں تصرف کا حق حاصل نہیں۔ متولی وقف میں وہی تصرف کر سکتا ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہو۔[1]

مسجد کی رقم سے پانی گرم کرنے کے لئے کوئلہ خرید کر اس سے وضو کرنا کیسا ہے:

(سوال ۷۲) مسجد کے روپے سے خریدے ہوئے کوئلے سے صبح کو پانی گرم کیا جاتا ہے اس سے وضو کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) وقف کے روپے کے کوئلے ہوں اور وقف نامہ سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔[2]

فقط واللہ اعلم بالصواب.

قبر والی جگہ جماعت خانہ میں شامل کی جا سکتی ہے یا نہیں :

(سوال ۷۳) مسجد کی قبلہ جہت کے قریب چند بوسیدہ قبریں ہیں اس قبر کی جگہ کو مسجد کے جماعت خانہ میں لینا چاہتے ہیں تو کیا گنجائش ہے؟ اس میں قبر کی توہین نہیں؟ نماز پڑھے تو کوئی خرابی نہیں؟

(الجواب) قبر والی جگہ مسجد کی ملک ہو یا کسی نے مسجد میں دے دی ہو اور قبریں بے نشان اتنی بوسیدہ ہو گئی ہوں کہ مردے کے گل کر مٹی بن جانے کا یقین ہو تو ایسی جگہ مسجد کے جماعت خانہ میں لی جا سکتی ہے اور وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اس میں مردوں کی بے حرمتی بھی نہیں مگر جو قبرستان وقف ہو تو اس کا کوئی حصہ بھی مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں۔ ہاں بعض فقہاء نے قبرستان کے غیر مستعمل اور بے کار ہونے کی صورت میں کہ نہ فی الحال اس میں مردے دفن

---

(۱) فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرهن فبطل شرط واقف الکتب الرهن شرط کما فی التدبیر درمختار مع الشامی مطلب فی شرط واقف الکتب ان لا تعار ولا یرهن ج. ۲ ص ۰۳۵۲

(۲) مسجد له مستغلات واوقاف اراد المتولی ان یشتری من غلة الوقف للمسجد دهنا او حصیرا او حشیشا او آجر ا و جصا لفرش المسجد او حصی قالوا ان وسع الواقف ذلک للقیم وقال تفعل ماتری من مصلحة المسجد کان له ان یشتری للمسجد ماشآء فتاویٰ عالمگیری ، الفصل الثانی فی الواقف علی المسجد الخ .

کئے جاتے ہوں نہ آئندہ اس کی توقع ہو تو ایسے قبرستان کو مسجد میں شامل کرنے کی اجازت دی ہے لہذا اشد ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ (شامی اور عمدۃ القاری)[1]. فقط و اللہ اعلم.

محلّہ کی مسجد بند کر کے جامع مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے :

(سوال ۷۴) ہمارے قصبہ میں آٹھ محلّہ ہیں ان میں آٹھ مسجدیں ہیں، ایک شاہی مسجد ہے جس میں چھ محلّہ کے آدمی نماز جمعہ پڑھتے ہیں دو محلے والے نہیں آتے ان سے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہاں نماز پڑھنے سے ہماری مسجد ویران پڑی رہتی ہے جس سے مسجد کی بے حرمتی ہے آیا یہ لوگ شاہی مسجد میں نماز پڑھیں تو محلّہ کی مسجد کی بے حرمتی ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) نماز پنجگانہ کے لئے محلّہ کی مسجد میں مردوں کو حاضری کا حکم تاکیدی ہے اہل محلّہ کے حق میں محلّہ کی مسجد از روئے ثواب جامع مسجد کے برابر ہے شرعی عذر کے بغیر اس کے ترک کی اجازت نہیں ایک ہی نمازی ہو تب بھی وہیں نماز پڑھے، البتہ نماز جمعہ کے لئے محلّہ کی مسجد بند کر کے جامع مسجد جانے کی اجازت ہے ایک مسجد میں نمازی نہیں سما سکتے ہیں یا مسجد دور ہونے کی وجہ سے وہاں پہنچنے میں لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو تو ایک سے زائد مسجدوں میں جمعہ کا انتظام کر سکتے ہیں، عذر کے بغیر محلّہ کی مسجد میں جمعہ پڑھنے کا انتظام کرنے سے شریعت کا مقصد اور مصلحت اور اسلامی شان و شوکت ختم ہو جاتی ہے لہذا صورت مسئولہ میں محلّہ کی مسجد کو نماز جمعہ کے وقت بند کر کے شاہی مسجد میں نماز پڑھنے سے مسجد کے احترام میں کچھ خلل نہ آئے گا جس طرح کہ نماز عید کے لئے جامع مسجد بند کر کے عیدگاہ میں جانے سے جامع مسجد کے احترام میں کچھ خلل نہیں آتا ہے یہی نہیں بلکہ اس سے اسلامی شان و شوکت میں اضافہ ہوتا ہے اور بڑی فضیلت کے حق دار ہوتے ہیں اس طریقہ کے قیام کا اجر تا قیامت ان کو ملتا رہے گا آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے من سن فی الا سلام سنہ حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها من بعده . یعنی جس نے اسلام میں اچھی سنت جاری کی اس کو اس کا اجر و ثواب ملے گا اور اس کے بعد جو اس پر عمل کرے گا ان کا اجر بھی اس کو ملے گا اس طرح کے عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ (مشکوٰۃ ص ۲۳ کتاب العلم) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب .

مسجد میں جگہ کی تعیین کے متعلق کیا حکم ہے :

(سوال ۷۵) ایک آدمی مؤذن کے قریب ٹوپی یا رومال رکھ کر وضو کے لئے جائے تا کہ پھر آ کر اس جگہ بیٹھ جائے تو یہ جگہ اس کے لئے متعین ہو جائے گی؟

(الجواب) وضو سے پہلی خود رومال، ٹوپی رکھے یا دوسرے سے رکھوائے تو اس سے جگہ متعین نہ ہوگی، جگہ کا حق دار وہ ہے جو بارادۂ نماز بیٹھے۔ پھر اتفاقاً وضو وغیرہ کی حاجت پڑے اور رومال وغیرہ رکھ کر جلد واپسی کے قصد سے اٹھے تو اس جگہ کا حقیقۃً وہ حق دار ہے اب دوسروں کو بیٹھنے کا حق نہیں وتخصيص مكان لنفسه وليس له ازعاج غيره منه (درمختار قلت وينبغي تقييده بما اذا لم يقم عنه على نية العود بلا مهلة كما لو قام للوضوء مثلاً

---

(۱) وقال الزيلعي ولو بلى الميت وصار ترأ باجاز دفن غيره فى قبره وزرعه والبنآء عليه...... قلت لكن فى هذا مشقة عظيمة فالا ولى اناطة لاجواز بالبلاء...... وان بقى من عظامهم شئى تنبش وترفع وتتخذ مسجدا لماروى ان مسجد النبى صلى الله عليه وسلم كان قبل مقربة للمشركين فنبشت شامى كتاب الجنائز مطلب فى دفن الميت ج۲ ص ۲۳۳)

ولا سیما اذا وضع فیہ ثو بہ لتحقق سبق یدہ تامل وفی شرح السیر الکبیر للسرخسی و کذا کل ما یکون المسلمون فیہ سواء کالنزول فی الرباطات والجلوس فی المساجد للصلوۃ والنزول بمنی او عرفات للحج حتی لو ضرب فسطاطہ فی مکان کان ینزل فیہ غیرہ فھو احق ولیس للاخران یحولہ الخ (شامی ج ۱ ص ۶۲۰ مطلب فی احکام المسجد)

نمازوں کے بعد صحن مسجد اور چوراہے پر بیٹھ کر لغو باتیں کرنا:

(سوال ۷۶) مسجد کے مصلی حضرات ظہر، عصر، مغرب، عشاء کے بعد مسجد کے باہر صحن میں اسی طرح متصل مسجد چوراہے پر بیٹھ کر آٹھ گھنٹہ فضولیات اور گپ شب میں ضائع کرتے ہیں تو ایسی لغویات میں وقت گذارنا شرعاً کیسا ہے؟

(الجواب) مسجد کی صحن اور چوراہے پر بیٹھ کر دنیوی باتیں، گپ شپ میں وقت عزیز کو ضائع کرنا خسران ہی خسران ہے۔ قرآن کریم میں خداوند قدوس نے قسم کھا کر اس کی اہمیت بتائی ہے۔ مطالعہ کیجئے سورۂ والعصر! جس کا مفہوم یہ ہے کہ۔ قسم ہے زمانہ کی، انسان کی زندگی ایک قیمتی چیز ہے جو برف کی طرح برابر پگھلتی، اور کم ہوتی جارہی ہے۔ پروردگار عالم نے انسان کو دنیا میں ایمان ویقین اور اعمال صالحہ کی تجارت کے لئے بھیجا ہے۔ حساب ہوگا زندگی کہاں خرچ کی؟ لہذا ایک ایک گھڑی اور ایک ایک لحہ کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ عبادات خداوندی کے بجائے ان لغویات اور لایعنی میں ضائع نہ کرنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ او کما قال علیہ السلام انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ فضولیات کو ترک کردے۔

خدا کے نیک بندوں کو اس کا بہت خیال رہا کرتا ہے۔ حضرت رابعہ بصریہؒ شیطان کی بھی برائی نہیں کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ جتنا وقت شیطان کی برائی میں خرچ کروں اتنا وقت ذکر اللہ میں صرف کروں تو کتنا سودمند ہو۔ موت سر پر کھڑی ہے۔ زندگانی کا کوئی بھروسہ نہیں زندگی کب تک ہے کس کو معلوم؟ سمجھدار آدمی وہ ہے جو فضولیات سے بچے اور اپنی زندگی یاد خداوندی میں گذارے ورنہ افسوس ہوگا۔ اس نازک وقت میں کہ افسوس کرنا پچھتانا سودمند نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے فیقول رب لو لا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین تو انسان کہے گا اے میرے پروردگار مجھے اور تھوڑی مہلت کیوں نہ دے دی۔ کہ میں خیرت کرتا اور صالح بن جاتا۔ اس کا جواب دیا جائے گا ولن یو خر اللہ نفسا اذا جآء اجلھا۔ جب وقت مقررہ آجاتا ہے تو کسی کو بھی اللہ تعالیٰ ایک پل کی بھی مہلت نہیں دیتا۔ (سورۂ منافقون) یعنی زندگی ضائع کرنے والے مرنے کے بعد بھی پچھتائیں گے اور زندگی ضائع کرنے پر دلی افسوس کریں گے۔

سورہ سجدہ میں ہے ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون اے ہمارے رب ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے، ہمیں واپس دنیا میں بھیج دے، ہم اعمال صالح کریں گے ہم کو یقین ہوگیا ہے۔ (سورۂ سجدہ)

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

یعنی یاد خداوندی کے علاوہ جو کچھ کیا جائے وہ عمر ضائع کرنے کے برابر ہے اور عشق خداوندی کے راز کے سوا جو کچھ پڑھا جائے وہ بے کار اور بے معنی ہے

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

یعنی اے انسان نیکی کے کام میں مشغول رہ اور جو گھڑیاں زندگی کی باقی ہیں ان کو غنیمت جان اس سے پہلے کہ تیری موت کے چرچے ہونے لگیں کہ فلاں آدمی مر گیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحن مسجد کے نیچے حصہ میں حوض بنا ہے! اس کے متعلق:

(سوال ۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:۔ شہر گودھرا میں ایک مسجد ''ابرار'' کے نام سے موسوم ہے۔ تقریباً ساٹھ برس سے پہلے بانی مسجد نے چندہ سے تعمیر کرائی تھی۔ جس کو دو حصوں میں منقسم کی تھی۔ اول مسقف جس میں پانچ چھ صف کا انتظام تھا نماز پنجگانہ باجماعت پڑھی جاتی تھی اور آج بھی جاری ہے۔ دوسرا غیر مسقف حصہ میں جس میں چار پانچ صف کا انتظام ہے اس کو صحن کہتے ہیں۔ اس میں سنن ونوافل ادا کی جاتی ہے۔ اور جمعہ وعیدین بھی زیادہ ہجوم کی وجہ سے اس میں ادا کی جاتی ہے۔ گاہے گاہے نماز جنازہ بھی ادا ہوتی ہے۔ نمازیوں کے لئے پانی کے مٹکے وغیرہ بھی وہاں رکھے جاتے ہیں۔ روزہ افطاری سے اور جماعت والے وہاں کھاتے ہیں۔ اور تبلیغی اجتماع بھی ہوتا ہے جس بناء پر آج اسے مرکز والی مسجد کہتے ہیں۔ نمازیوں کی کثرت کی بناء پر اس مسجد میں تنگی ہونے لگی ہے۔ تو متولیان حضرات نے چندہ کر کے مسجد کی مغربی جہت میں توسیع کر کے مزید آٹھ صفوں کا انتظام کر دیا ہے۔ اور جدید حصہ اس طرح ملحق ہو گیا کہ منبر ومحراب جدید قبلہ والی دیوار میں منتقل کر کے پوری مسجد میں چودہ صفوں کا انتظام ہو گیا ہے۔

مذکورۃ الصفت غیر مسقف حصہ جو صحن کہا جاتا ہے۔ اس کے نیچے ایک حوض اس نوعیت کا بنا ہوا ہے۔ جس میں ایک طرف قبلہ نما نشتیں ہیں۔ نمازیوں کی کثرت کی بنا پر اکثر وبیشتر ایک یا دو رکعت فوت ہو جاتی ہے (کیونکہ اس حوض میں انیس ۱۹ یا بیس ۲۰ آدمی یکبارگی وضو کر سکتے ہیں) اس لئے نمازیوں کی اس ضرورت کے پیش نظر متولیان غیر مسقف (صحن) کے جنوبی وشمالی کنارے پانچ، چھ فٹ توڑ کر نشست گاہ میں توسیع کر کے سہ طرفہ بنائیں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عموماً مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں ایک مسقف (جماعت خانہ) دوسرا غیر مسقف...... (صحن مسجد) گرمی میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے۔ لہذا آپ کے یہاں صحن کے متعلق خارج ہونے کی تصریح نہ ہو تو اسے داخل ہی سمجھا جائے اور اس میں ایسا کوئی تصرف نہ کیا جاوے جو مسجد کے احترام کے منافی ہو۔ البتہ صحن مسجد کے نیچے کا حوض والا حصہ چونکہ بنائے مسجد کے وقت سے حوض بنا ہو گا اس لئے خارج ہو گا۔ اس حوض والے حصہ میں تصرف کیا جا سکتا ہے اور اس حصہ میں نشست گاہ بنائی جا سکتی ہیں۔ بشرطیکہ صحن جوں کا توں رہے کٹتا نہ ہو، ورنہ جائز نہیں۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) لو بنی فرقہ بیتاللا مام لا یضر لأ نہ' من المصالح امالو تمت المسجدیة ثم اراد البنآء منع ...... ولا ان یجعل شیئاً منہ' مستعلا ولا سکنی قال فی الشامیة قال فی البحر وحاصلہ ان شرط کونہ' مسجدا ان یکون سفلہ وعلوہ مسجد الخ درمختار مع الشامی کتاب الوقف مطلب فی احکام المسجد ج. ۴ ص ۳۵۸.

مسجد کے اوپر نیچے دوکان، کمرے بنانا کیسا ہے :

(سوال ۷۸) ہمارے گاؤں کی مسجد شہید کر کے جدید تعمیر کرنی ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ مسجد کی بنیاد بلند کر کے جماعت خانہ کے نیچے مسجد کی آمدنی کے لئے کمرے (دوکانات) بنائیں۔ جس کا راستہ باہر ہی ہوگا۔ جماعت خانہ میں آمدورفت نہیں رہے گی تو اس طرح کمرے بنانا کیسا ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی ابتدائی (پہلی) تعمیر کے وقت بانی مسجد نیت کرے کہ مسجد کے نیچے کے حصے میں مسجد کے مفاد کے لئے دکانیں اور اوپر کے حصہ میں امام ومؤذن کے لئے کمرے بنانے ہیں۔ یعنی مسجد کی ابتدائی تعمیر کے وقت اس کے نقشہ میں دکان، کمرے، بھی شامل ہوں اور مسجد کی مفاد کے لئے وقف ہوں تو بنا سکتے ہیں۔ اور یہ شرعی مسجد سے خارج رہیں گے۔ اس جگہ پر حائضہ اور جنبی آدمی جا سکے گا۔ (شامی ص ۵۱۲ ج ۲) مگر جب ایک بار مسجد بن گئی اور ابتدائی تعمیر کے وقت نیچے دکان اور اوپر کے حصہ میں کمرے شامل نہ ہوں تو مسجد کے اوپر کا حصہ آسمان تک اور نیچے کا حصہ تحت الثریٰ تک مسجد کے تابع اور اسی کے حکم میں ہو چکا۔ اب اس کا کوئی حصہ (جزو) مسجد سے خارج نہیں کہا جا سکتا اور اس جگہ مسجد کی آمدنی کے لئے دکان و کمرے نہیں بنائے جا سکتے۔ اس جگہ احترام مسجد جیسا ہے۔ حائضہ عورت اور جنبی آدمی کو وہاں جانا درست نہیں۔ " لو بنی فوقه بيتاً للامام لا يضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ." (درمختار مع الشامی ج۳ ص ۵۱۲ کتاب الوقف مطلب فی احکام المسجد) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک مسجد کی چٹائی۔صف۔ دوسری مسجد میں استعمال کرنی چاہئے یا نہیں :

(سوال ۷۹) گاؤں میں تبلیغی اجتماع طے ہوا ہے۔ دوسرے گاؤں کی مسجد کی صفیں، چٹائی، وغیرہ لا سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی طور پر کوئی حرج تو نہیں؟ دوسری مسجد کی چٹائی وغیرہ دو چار دن کے لئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں دوسرے گاؤں کی مسجد کی صفیں، چٹائی وغیرہ لانے کی شرعاً اجازت نہیں...... مزید اطمینان کے۔ لئے مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ پڑھئے!

(سوال) جامع مسجد کا فرش عیدگاہ میں بچھانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب) جامع مسجد کا فرش۔ چٹائی وغیرہ عیدگاہ میں بچھانا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم۔ عزیز الفتاویٰ ص ۲۹۰ ج ۵۔ ۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے وقف سے جنازہ خریدنا کیسا ہے :

(سوال ۸۰) اوقاف مسجد سے جنازہ خریدنا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ اوقاف مسجد سے نہ جنازہ بنا سکتے ہیں نہ خرید سکتے ہیں واقف نے اجازت دی ہو تب بھی درست نہیں کیونکہ ایسی باتوں کی اجازت معتبر نہیں۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے وليس لقيم المسجد ان

یشتری جنازة وان ذکر الواقف ان القیم یشتری جنازة یعنی متولی کے لئے جائز نہیں کہ مسجد کے وقف سے جنازہ خریدے اگر چہ واقف نے اس کی اجازت دی ہو۔ (فتاویٰ عالمگیری۔ ج:۲ص:۴۶۶)

مساجد میں تبلیغی تعلیم

(سوال ۸۱) ہمارے یہاں روزانہ بعد نماز عشاء جماعت خانہ میں تبلیغی تعلیم ہوتی ہے۔ وظیفہ خواں اور بعد میں آ کر نماز پڑھنے والوں کو حرج ہوتا ہے۔ جس بناء پر تعلیم کرنے والوں سے کہا گیا کہ حوض کے تخت پر بیٹھ کر تعلیم کی جائے تو کہتے ہیں کہ تخت کے قریب عوام بیٹھتے ہیں۔ جس سے تعلیم میں حرج ہوتا ہے تو اب ہم کیا کریں؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

(الجواب) نمازیوں کو حرج ہو اور وظیفہ پڑھنے والے مصلیوں کو تشویش ہو۔ اس طرح پر مسجد میں تعلیم کرنا منع اور مکروہ ہے۔ (۱) لیکن تعلیم (فضائل اعمال اور فقہی مسائل سے واقف کرنا) بھی نہایت ضروری ہے۔ لہذا ایسی صورت اختیار کی جائے کہ فریقین کو شکایت پیدا نہ ہو۔ اس کو آسان اور بہتر صورت یہ ہے کہ نماز پڑھنے کی جگہ چھوڑ کر برآمدہ یا صحن مسجد میں تعلیم کی جگہ مقرر کی جائے اگر ایسی جگہ نہ ہو تو مسجد کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر اس طرح تعلیم کرائی جائے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو۔ اس طرح دونوں کام جاری رہ سکتے ہیں اور جاری رکھنا چاہئے اور اسے غنیمت سمجھا جائے اور اس میں شرکت کریں اور قرآن اور نماز صحیح پڑھنا سیکھیں۔ اس سلسلہ کو بند کرانے کی کوشش کرنا درست نہیں۔ "تاریخ گجرات اور یاد ایام" میں ہے۔ کہ تعلیم کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ استاد مسجد میں آ کر بیٹھ جاتا اور اس کے اردگرد شاگردوں کا ایک حلقہ بن جاتا۔ الخ (ص ۳۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

متولی مسجد کیسے ہوں؟:

(سوال ۸۲) مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے؟

(الجواب) مسجد کا متولی عالم باعمل ہو، عالم نہ ہو تو دیندار اور دیانت دار تو ضرور ہو۔ غیر عالم فاسق کو متولی بنانا ناجائز ہے۔ خدا پاک فرماتے ہیں۔" **انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر واقام الصلوٰة واٰتی الزکوٰة ولم یخش الا اللہ فعسیٰ اولئک ان یکونوا من المھتدین** .(پ ۱۰ سورۂ براۃ) یعنی اللہ کی مسجدوں کو صرف وہی آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اور خدا کے سواء کسی سے نہ ڈریں تو امید ہے کہ یہ لوگ (فلاح و کامیابی کی) راہ پانیوالے ہوں گے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں۔ نیز یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ خدا پاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے۔ اور وہ ہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ (وہ یہ کہ) مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور (ترجمان القرآن)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی رہنمائی وہی کر سکتا ہے۔ جس کی زندگی پیغمبر ﷺ کے اسوۂ

(۱) اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصلی او قاری الخ شامی مطلب فی رفع الصوت بالذکر ج ۱ ص ۶۶۰

حسنہ کا نمونہ ہو۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

متولی کے ذمہ ناحق مسجد کا قرض بتلانا!:

(سوال ۸۳) ماضی متولی پر مسجد کی رقم باقی ہے اس طرح نئے متولی حضرات نے ظاہر کیا۔ حالانکہ ان پر مسجد کی کوئی رقم باقی نہیں ہے۔ چونکہ متولی انتقال کر گیا ہے۔ اس کے ورثاء کے پاس سے رقم وصول کر کے مسجد میں داخل کرنا چاہتے ہیں تو ورثاء مسجد کے قرض دار ہیں یا نہیں؟

(الجواب) اگر یہ صحیح ہے کہ سابق متولی پر رقم باقی نہیں ہے تو اس کے وارثوں سے رقم وصول کرنا صریح ظلم ہے۔ اور ایسی رقم مسجد میں لگانی یا امام، مؤذن کی تنخواہ میں ادا کرنی درست نہیں ہے۔ ناجائز اور حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ۔ "و لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل . (سورۂ بقرہ) ترجمہ:۔ نہ کھاؤ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق۔" فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی صف اور چٹائی کو ٹھوکر مارنا!:

(سوال ۸۴) مسجد کی چٹائی پیروں کے ٹھوکروں سے کھولتے ہیں اور لپیٹتے ہیں۔ یہ بے ادبی میں شامل ہے یا نہیں؟

(الجواب) مسجد کی چٹائی جس پر نماز ادا کی جاتی ہے۔ ہاتھ سے کھولنی چاہئے، پیروں سے ٹھوکر مار کر کھولنا اور بچھانا بے ادبی ہے! فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں۔ "مسجد کے کوڑے کرکٹ کو ناپاک اور بے ادبی کی جگہ میں نہ ڈالا جائے کیونکہ وہ قابل تعظیم ہے۔" ولا ترمی برایة القلم المستعمل لا حترامه کحشیش المسجد و کناسته لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم." (درمختار مع الشامی ص ۱۲۵ ج ۱ کتاب الطهارة) فقط واللہ اعلم بالصواب .

مسجد کے پتھروں کو پیشاب خانہ میں لگانا:

(سوال ۸۵) مسجد شہید کی ہے جدید تعمیر ہو رہی ہے۔ جماعت خانہ میں جو پتھر بچھے ہوئے تھے اسے نکال لئے ہیں اور بے کار پڑے ہیں۔ اگر انہیں بیت الخلاء اور پیشاب خانوں میں لگا دیا جاوے تو کیا کوئی حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیت الخلاء اور پیشاب خانوں وغیرہ ناپاک جگہ میں اور جہاں بے ادبی ہوتی ہو ایسے کام میں لگانا خلاف ادب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کو مسجد ہی کے کام میں لایا جاوے۔" ولا ترمی برایة القلم المستعمل لا حترامه کحشیش المسجد و کناسته لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم." ترجمہ:۔ یعنی استعمال قلم کا تراشہ قابل تعظیم ہے اس کو پھینکا نہ جائے جیسے مسجد کی پرال جو نیچے بچھائی جاتی ہے اور اس کا کوڑا جو جھاڑو میں آتا ہے وہ ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جس میں اس کی بے ادبی ہوتی ہو (درمختار مع الشامی ص ۱۲۵ ج ۱ کتاب الطہارۃ) واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) اس کے علاوہ اسی باب میں مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے۔ عنوان سے سوال گذرا ہے اسے ملاحظہ کیا جائے۔

مدرسہ کے پیسوں سے مہمان نوازی:

(سوال ۸۶) مدارس میں کبھی کبھی کسی عالم کو بلایا جاتا ہے، یا وہ خود تشریف لے آتے ہیں، اسی طرح کبھی مدرسہ کے کسی ہمدرد کو مدرسہ کے مفاد کے پیش نظر دعوت دے کر بلایا جاتا ہے، تو ان مہمانوں پر مدرسہ کے خزانے میں سے خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کبھی آنے والے بزرگ سے لوگ استفادہ کی نیت سے مدرسہ آجاتے ہیں تو آنے والوں کو مدرسہ کا کھانا کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) امداد الفتاویٰ میں ہے۔ مدارس کا روپیہ وقف نہیں مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال معطیین اور آخذین کی طرف سے وکلاء ہیں، لہٰذا نہ اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ معطین واپس لے سکتے ہیں (امداد الفتاوی ج۶ ص ۲۷۳)

دوسری جگہ ہے۔

(سوال) دروازۂ مدرسۂ سنبھل پر ایک تختہ پر مدرسہ کا نام لکھ دیا گیا ہے (الی قولہ) بعض صاحبان کی رائے ہے کہ یہ کام مدرسہ کا نہیں ہے اس واسطے اس کی قیمت مدرسہ کی آمدنی سے دینا جائز نہیں، جناب والا کا کیا ارشاد ہے؟

(الجواب) فقہاء نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ مسجد کا نقش ونگار مال وقف سے جائز نہیں لیکن استحکام جائز ہے، پس اسی نظیر پر صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس تختہ کی تعلیق سے مدرسہ کو کوئی بین نفع ہو تو مال مدرسہ کا لگانا اس میں جائز ہے اور اگر کوئی معتد بہ مصلحت نہیں ہے محض احتمال ہی کا درجہ ہے تو اپنے پاس سے اس کا دینا چاہئے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۳۲)

ان عبارات سے مستفاد ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں اگر چندہ دہندگان کی اجازت اور رضا مندی صراحۃً یا دلالۃً ہو تو ان مخصوص لوگوں کی مہمان نوازی جن کی ذات سے مدرسہ کو معتد بہ نفع کی توقع ہو درست ہے ورنہ مہتمم اور اہل شوریٰ اپنے پاس سے خرچ کریں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ۔

مدرسہ کے غسل خانے استعمال کرنا:

(سوال ۸۷) ہمارے گاؤں کے کچھ طلباء دوسری جگہ پڑھتے ہیں، جب تعطیلات میں گھر آتے ہیں تو گاؤں میں جو مدرسہ ہے اس کے غسل خانے استعمال کرتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدرسہ کی اشیاء کا استعمال انہی طلباء کے لئے جائز ہے جو مدرسہ میں داخل ہوں یا ایک دو دن کے لئے بطور مہمان آئے ہوں، مسافر خانہ کے طور پر ہر ایک استعمال کرے یہ جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سالانہ اجلاس میں مہمانوں کے طعام کا مسئلہ:

(سوال ۸۸) مدارس میں سالانہ انعامی جلسہ ہوتا ہے اس میں شریک ہونے والے مہمانوں کو مدرسہ کے پیسوں سے کھلایا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) واقف کی تصریح اور چندہ دہندگان کی اجازت کے بغیر مدرسہ کے پیسوں سے مہمانوں کو کھلانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، اس کے لئے ضرورت ہی ہو تو چندہ کر لیا جائے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے

ہیں۔

''ایک خصوصیت اس مدرسہ کی اسی جلسہ میں یہ معلوم ہوئی کہ اس مرتبہ جو جلسہ کی وجہ سے مہمانوں کا مجمع ہوا ہے، تو ان کی دعوت وغیرہ کے لئے اور اس طرح جلسہ کے جملہ اخراجات کے لئے خاص احباب سے چندہ کیا گیا ہے، عام چندوں کی رقم میں سے جلسہ کے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا گیا، یہ بات بڑی خوشی کی ہے میری ہمیشہ سے یہی رائے ہے کہ اول تو مہمانوں کو مدرسہ کی طرف سے کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں، یہ کسی کے بیٹے کی تقریب تھوڑا ہی ہے جو آنے والوں کو کھانا دیا جائے، یہ ایک قومی اور دینی کام ہے جو آئے اس کو اپنے پاس سے خرچ کر کے بازار میں کھانا چاہئے جیسے عام قومی جلسوں میں کھانے پینے کا خرچ ہر شخص خود برداشت کرتا ہے، اور اگر یہ نہ ہو اور مہمانوں کو کھانا کھلایا ہی جاوے تو اس کے لئے خاص چندہ کرنا چاہئے جس میں سب شریک ہونے والوں کو اس بات کی صریحاً اطلاع ہو کہ یہ رقم مہمانوں کے کھانے وغیرہ میں صرف ہوگی، عام چندہ سے یہ اخراجات نہ کرنے چاہئیں، کیونکہ عام چندہ دینے والے زیادہ تر یہ سمجھ کر مدارس میں چندہ دیتے ہیں کہ ہماری رقم تعلیمی کام میں صرف ہوگی اس سے طلبہ کو کھانا کپڑا دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ، اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہیں اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ اس سے جلسہ کے مہمانوں کو کھانا کھلایا جائے گا جن میں بہت سے امراء وخوش حال بھی ہوتے ہیں تو شاید بعض لوگ اس اطلاع کے بعد چندہ نہ دیتے، اس لئے میرے نزدیک عام رقوم چندہ سے جلسہ کے اخراجات میں صرف کرنا شبہ سے خالی نہیں، اور شبہ بھی قوی۔'' الخ (وعظ المسمیٰ به الهدی و المغفرة ص ۳۹، ص ۴۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کا نقشہ مکمل ہونے کے بعد مسجد کے نیچے دکان بنانا:

(سوال ۸۹) ایک شخص نے زمین کا کچھ حصہ مسجد بنانے کے لئے دیا اور اسی کے خاندان والوں نے مسجد کا پلان ونقشہ وغیرہ کاغذات تیار کر کے زمین پر مسجد کے حدود کے نشانات لگا کر شہر کے علماء سے بعد عصر مسجد کے مغربی حصہ میں سنگ بنیاد رکھوایا اور مغرب کی نماز باجماعت پڑھی گئی، دوسرے دن پہلے روز والا نقشہ (پلان) منسوخ کر کے دوسرا نقشہ اس طرح بنایا گیا کہ مسجد کی زمین نشیب میں ہے اس کو سڑک سے اونچا کرنے کے لئے کرسی اس طرح بنائی جائے کہ نیچے گودام یا دکان بنا کر مسجد کی آمدنی کے لئے کرایہ پر دے دیا جائے اور اوپر جماعت خانہ میں نماز پڑھی جائے، سوال یہ ہے کہ جب صرف مسجد کی بوڈر بنائی ہو اور ایک مرتبہ نماز پڑھی ہو اور تعمیری کام کھدائی وغیرہ نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں گودام یا دکان بنا کر کرایہ پر دینا اور اوپر شرعی مسجد تعمیر کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب نقشہ کے مطابق مسجد کی تعمیر کا کھدائی کا کام (سنگ بنیاد کے لئے) شروع ہو گیا ہے اور ایک وقت کی نماز بھی باجماعت پڑھی گئی تو وہ جگہ نقشہ کے مطابق مسجد ہوگئی اب اس کا کوئی حصہ خارج نہیں ہوسکتا، مسجد میں پانی آجانے کا اندیشہ ہے تو اس بنا پر کرسی بلند کی جاسکتی ہے لیکن نیچے کے حصہ میں گودام یا دوکان بنا کر کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا۔ اگر کام شروع ہونے سے پہلے پلان میں نیچے کا حصہ خارج مسجد ہوتا اور دوکان بنائی جاتی تو اس صورت میں اس کی گنجائش تھی اب اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لو بنی فوقه بيتاً للامام لا يضر لا نه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع (درمختار مع الشامی ج۳ ص ۵۱۲ مطلب فی احکام

المسجد)فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۴ ربیع الاول ص ۱۳۹۴ء

عیدگاہ کومسجد بنانا:

(سوال ۹۰) محترم ومکرم جناب مفتی صاحب مدظلہ، بعد سلام مسنون! مندرجہ ذیل مسئلہ کا جواب مرحمت فرمائیں۔

ہمارے ملک سے قریب ایک اور ملک ہے جس کا نام ''سورینام'' ہے اس ملک میں مسلمانوں کی بہت سی جماعتیں ہیں، ان میں سے ایک جماعت والوں نے اپنے علاقہ میں ایک مسجد اور ایک عیدگاہ بنائی ہے، اس کے بعد جماعت والوں میں ایسی نااتفاقی ہوگئی کہ ایک دوسرے سے ملنا چھوڑ دیا اور اتفاق کی کوئی صورت نہ رہی حتی کہ مسجد اور عید گاہ بھی تقسیم ہوئی: بعض لوگوں کے حصہ میں مسجد آئی اور بعض کے حصہ میں عیدگاہ، جن لوگوں کے حصے میں عیدگاہ آئی ہے وہ اس کو مسجد بنانا چاہتے ہیں۔ یہ عیدگاہ پہلے سے مسجد ہی کی شکل میں ہے مگر اس میں صرف عید کی نماز ہوتی تھی اب اس میں پنجوقتہ نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، تو اس میں مسجد کی نیت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس طرح نیت کرنے سے یہ شرعی مسجد کے حکم میں شامل ہوگی یا نہیں؟ جن بانی حضرات نے مل کر مسجد بنائی تھی ان میں بھی اختلاف ہے بعض اس پارٹی میں ہیں تو بعض دوسری پارٹی میں، جو مخالف پارٹی میں ہیں وہ اس عیدگاہ کو مسجد بنانے پر بھی رضامند نہ ہوں گے تو بقیہ بانی حضرات کی نیت معتبر اور کافی ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (ویسٹ انڈیز۔ بارباڈوز)۔

(الجواب) ہر شہر سے متعلق آبادی کے باہر (فنائے شہر میں) عیدگاہ کا ہونا ضروری ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے اس لئے عیدگاہ کو قائم اور باقی رکھتے ہوئے کسی اور جگہ مسجد بنائی جائے، اگر عیدگاہ آبادی کے اندر آ گئی ہو تو پوری جماعت متفقہ طور پر مسجد بنانے کی نیت کر لے تو مسجد شرعی بن جائے گی مگر عیدگاہ بنانے کی ذمہ داری باقی رہے گی، بانی سے مراد وہ شخص ہے جس نے مسجد کے لئے زمین وقف کی ہو، اور اگر چند اشخاص چندہ کر کے زمین خریدیں اور وقف کر کے مسجد بنالیں تو پوری جماعت کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اگر چند آدمی الگ ہوگئے اور مسجد وعیدگاہ تقسیم کر لی تو جن کے حصے میں عیدگاہ آئی ہے انکی نیت کافی ہوگی، لیکن اگر باقاعدہ عیدگاہ ہو یعنی شہر سے باہر ہو تو پھر اس کو قائم رکھتے ہوئے مسجد کے لئے دوسری جگہ تجویز کر لی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے اندر پائیدان رکھنا اور اس سے پیر صاف کرنا:

(سوال ۹۱) کتاب ''شریعت یا جہالت'' کے صفحہ نمبر ۵۰۲ پر یہ مسئلہ مرقوم ہے ''مسجد میں بوریہ یا ٹاٹ یا گھاس وغیرہ اس واسطے رکھنا کہ لوگ اس سے پاؤں رگڑ لیا کریں تو یہ ائمہ مشائخ کے نزدیک مکروہ ہے'' ''عین الہدایہ ج ۴ ص ۳۲۳'' ہمارے یہاں مساجد کے فرش، دری وغیرہ بڑے پر تکلف اور قیمتی ہوتے ہیں انہیں گرد وغبار اور پاؤں کی مٹی، سے بچانے کے لئے پائیدان رکھا جاتا ہے اور کبھی بوریہ بچھایا جاتا ہے اور اس سے مقصود یہی ہوتا ہے کہ اس سے پیر پونچھ کر فرش پر قدم رکھا جائے، آیا یہ مکروہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وان مسح بتراب فی المسجد فان کان التراب مجموعاً لاباس بہ وان کان منسبطاً یکرہ وھو المختار وان مسح بخشبۃ موضوعۃ فی المسجد لاباس بہ کذا فی المحیط السرخسی ۔فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۷۰ قبیل الباب الثامن فی صلاۃ الوتر ۔ اس

عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے فرش کی حفاظت کے لئے مسجد میں پائیدان گوڈری اور بوریہ بچھانا اور اس سے پیر پونچھنا درست ہے کہ کبھی پیر بھیگا ہوا ہوتا ہے اور اس سے مسجد کی دری وغیرہ پر دھبہ پڑ جاتا ہے لہذا مسجد میں پائیدان رکھ دیا جائے تو ممنوع نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی توسیع کے لئے قبریں ہموار کر کے وہ جگہ مسجد میں داخل کرنا:

(سوال ۹۲) ہمارے گاؤں میں پرانی مسجد ہے اس کو شہید کر کے نئی بنائی جارہی ہے، جماعت خانہ کے متصل مغربی سمت کی جانب میں سیدوں کی دو پرانی قبریں ہیں اور نئی تعمیر میں مغربی سمت کی جانب جماعت خانہ میں اضافہ کرنے کا ارادہ ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ دو قبریں جماعت خانہ کے اندر آجائیں گی تو اب کیا کیا جائے؟ قبر زمین کے ہموار کر دی جائے یا قبریں باقی رکھ کر قبر کے اردگرد چھوٹی سی دیوار بنادی جائے؟ وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی توسیع کے لئے پرانی قبریں اگر جماعت خانہ (مسجد شرعی) میں لینا ضروری ہو تو لے سکتے ہیں اس میں قبروں کی توہین نہ ہوگی بلکہ صاحب قبر کی خوش نصیبی اور سعادت مندی ہے، حرم شریف میں مطاف (طواف کی جگہ) میں بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبریں ہیں، جماعت خانہ میں جو قبریں شامل کی جائیں ان پر نشان بنانے کی ضرورت نہیں، ہموار کردی جائیں۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ویران شدہ مسجد کی جگہ پر مدرسہ بنانا:

(سوال ۹۳) ہمارے محلّہ میں ایک مسجد بہت پرانی ہے اس کی مرمت اور حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے بالکل مسمار ہوگئی ہے، اب صرف زمین باقی ہے۔ دوسری کوئی علامت باقی نہیں ہے، لوگ اس زمین کی بے حرمتی کرتے ہیں، پیشاب پاخانہ تک کر دیتے ہیں، اس جگہ مدرسہ بنا دیا جائے تو کچھ حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی زمین پر عمارت رہے یا نہ رہے وہ جگہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہے گی، درمختار میں ہے (ولو خرب ما حوله واستغنیٰ عنه یبقیٰ مسجداً عند الا مام والثانی) ابداً الی قیام الساعة (وبه یفتی) (درمختار مع الشامی ج ۳ ص ۵۱۳ احکام المساجد) لہذا اس کا ادب واحترام تعظیم وتکریم واجب ہے اور بے حرمتی حرام ہے اور جب تک مدرسہ کا انتظام نہ ہو جماعت خانہ چھوڑ کر کسی اور جگہ بچوں کو تعلیم دی جاسکتی ہے، اگر مسجد تعمیر نہ کر سکتے ہوں تو کم از کم چہار دیواری بنا کر اس کا احاطہ کرلیا جائے تا کہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو، ورنہ آس پاس کے تمام مسلمان گنہگار ہوں گے اور اس کی وجہ سے کسی آفت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے مسجد کی جگہ میں مدرسہ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر آباد میدان میں مسجد کا صرف سنگ بنیاد رکھا تو وہ جگہ مسجد ہوگی:

(سوال ۹۴) آج سے تقریباً دس سال پہلے سورت شہر کے قریب ایک گاؤں کے جوار میں مسلمانوں کی رہائش گاہیں تعمیر کرنے کے لئے ایک قطعہ زمین (جو تقریباً سولہ ہزار مربع گز کا ہے) خریدا اور اس کے پلاٹ بنائے جو

---

(۱) وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه ...... ان مسجد النبی صلی الله علیه وسلم کان قبل مقبرة للمشرکین فنبشت شامی مطلب فی دفن المیت ج ۲ ص ۲۳۳.

خریداروں کے نام کر دیئے گئے اس میں دو پلاٹ مسجد و مدرسہ کے لئے رکھے گئے، جب اس جگہ مکانوں کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا تو اس وقت ایک بزرگ کے دست مبارک سے تبرکاً مسجد کا صرف سنگ بنیاد رکھا گیا، اس کے بعد ممبروں سے رقوم کی عدم فراہمی کی وجہ سے تعمیری کام رک گیا اور بہت کوششوں کے باوجود بھی کام آگے نہ بڑھ سکا بالآخر مجبور ہو کر فیصلہ کرنا پڑا کہ یہ پوری زمین بیچ دی جائے اس زمین کا جائے وقوع ایسا ہے کہ دور دور تک مسلمانوں کے مکانات نہیں ہیں اور نہ مستقبل قریب میں ہونے کا امکان ہے اس لئے مسلم خریدار ملنا بھی دشوار ہو رہا ہے، ایک غیر مسلم پارٹی وہ زمین خریدنے کے لئے تیار ہوئی ہے لیکن مسئلہ ان دو پلاٹوں کا ہے جو مسجد و مدرسہ کے لئے نامزد کئے ہیں۔ واضح رہے کہ اس جگہ صرف مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اس وقت تک نہ اذان دی گئی ہے اور نہ نماز پڑھی گئی ہے، اور ابھی یہ میدان بالکل غیر آباد جنگل کی طرح ہے، جب وہ جگہ غیر مسلم خریدیں گے تو وہ لوگ یقیناً مسجد و مدرسہ کے لئے جو جگہ متعین کی گئی ہے اس جگہ مکانات بنائیں گے، مندرجہ بالا امور کے پیش نظر ان دو سوالات کا جواب عنایت فرمائیں۔

(۱) کیا یہ مسجد والی زمین کسی غیر مسلم کو رہائش گاہ بنانے کے لئے یا کسی اور کام کے لئے بیچی جا سکتی ہے۔

(۲) مسجد والی جگہ اگر بیچی نہ جائے اور اسے کھلی زمین چھوڑ دی جائے اور اس کے اطراف غیر مسلم بستی ہو جائے تو اس صورت میں اس زمین کی حفاظت کس طرح کی جائے؟ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! غیر آباد میدان اور جنگل و بیابان میں مسلم آبادی قائم کرنے اور مسلمانوں کو وہاں بسانے کی غرض سے وسیع قطعۂ زمین خریدی گئی اور مسجد و مدرسہ قائم کرنے کی غرض سے جگہ بھی متعین کر دی گئی اور مکانات و رہائش گاہوں کی تعمیرات کا کام بھی شروع ہونے والا تھا اس لئے تبرکاً مسجد کے سنگ بنیاد کی رسم ادا کی گئی اس کو دس سال کا عرصہ گذر جاتا ہے مگر رہائش گاہیں بنانے اور مسلمانوں کو وہاں بسانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور نہ اس کی توقع ہے ان حالات میں صرف سنگ بنیاد رکھنے پر جب کہ وہاں نہ اذان ہوئی نہ نماز پڑھی گئی اور نہ مسجد بننے اور اس کے آباد ہونے کے اسباب و قرائن پائے جاتے ہیں نہ قرب و جوار میں چھوٹی بڑی کوئی مسلم آبادی ہے نہ اس کی مسلمانوں کو حاجت ہے لہذا شرعی مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے **من بنی مسجداً لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ بطریقہ و یأذن بالصلوۃ فیہ، اماالا فراز فلانہ لا یخلص للہ تعالیٰ الا بہ کذافی الھدایہ .الیٰ قولہ. واما الصلوۃ فلانہ لا بد من التسلیم عندابی حنیفۃ و محمد ھکذا فی البحر الرائق. التسلیم فی المسجد ان یصلی فیہ بالجماعۃ باذنہ وعن ابی حنیفۃ فیہ روایتان . وفی روایۃ الحسن عنہ یشترط اداء الصلوۃ بالجماعۃ باذنہ اثنان فصا عداً کما قال محمد والصحیح روایۃ الحسن کذافی فتاویٰ قاضی خان ویشترط مع ذلک ان یکون الصلوۃ باذان واقامۃ جھراً لا سراحتی لو صلی جماعۃ بغیر اذان واقامۃ سراً لا جھراً لا یصیر مسجداً عندھما کذا فی المحیط والکفایۃ** (فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۲۳۸ کتاب الوقف الباب الحادی عشر) اور دوسری جگہ ہے۔ **رجل بنی مسجداً فی مفازۃ بحیث لا یسکنھا احدو قل ما یمر بہ انسان لم یصر مسجداً لعدم الحاجۃ الی صیرورتہ مسجداً کذافی الغرائب** (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۴ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس)

زمین کے قحط کے زمانہ میں مسلمانوں کے مفاد اور ضرورت کی چیز قبضہ میں آئی ہے اسے چھوڑنا نہیں چاہئے خود مایوس ہوں تو دوسرے مسلمانوں کو تیار کیا جائے تا کہ پلان اور نقشہ کے مطابق عمل ہو اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو بمجبوراً غیر مسلم کو فروخت کی جاسکتی ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۹ھ۔

مسجد کی زمین کی فضا میں چھجہ بنانا کیسا ہے:

(سوال ۹۵) ہمارے یہاں مسجد و مدرسہ دونوں بالکل متصل ہے، مدرسہ کی نئی تعمیر ہو رہی ہے، مدرسہ کی ایک دیوار مسجد کے صحن کی جانب ہے مدرسہ کی دیوار کے بعد مسجد کے صحن کی طرف مدرسہ کی ایک انچ بھی زمین نہیں ہے لیکن لوگوں کی خواہش ہے کہ اس دیوار میں دریچہ لگایا جائے اور دریچہ کی حفاظت کے لئے صحن کے اوپر دریچہ کا چھجہ تعمیر کیا جائے یہ پورا کا پورا چھجہ مسجد کی زمین کے اوپر ہوگا لیکن مسجد کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ یہ مسجد اور مدرسہ دونوں ایک ہی محلہ کی ہیں اور ایک ہی کمیٹی کی نگرانی میں ہے، جب چاہیں اس چھجہ کو توڑ کر مسجد کا کام کیا جاسکتا ہے سوال یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں دریچہ بنانا اور دریچہ پر چھجہ تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (راجستھان)

(الجواب) مسجد کی جانب جب کہ نمازیوں کے حق میں خلل انداز نہ ہوتا ہو مدرسہ کی دیوار میں دریچہ بنانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن چونکہ چھجہ مسجد کی زمین اور اس کی فضا پر واقع ہوگا، اور نمازیوں کے لئے تکلیف دہ اور آگے چل کر نزاع کا سبب بھی بن سکتا ہے لہذا اس کی اجازت نہ ہوگی، شامی میں ہے۔ (قوله ولو علی جدار المسجد) مع انه لم یأخذ من هواء المسجد شیئا اه ونقل فی البحر قبله ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقافه (شامی ج۳ ص ۵۱۲ کتاب الوقف) قبیل مطلب فیما لو خرب المسجد او غیره) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

مسجد میں فرقۂ اثنا عشریہ والے شخص کا چندہ لینا:

(سوال ۹۶) ایک شخص جو فرقۂ اثنا عشریہ سے ہے اس نے مسجد میں کچھ رقم دی ہے کیا وہ رقم مسجد یا مسجد کی ملکیت کے مکان میں خرچ کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اہل سنت والجماعت اور فرقۂ اثنا عشریہ کے عقائد میں بین فرق ہے، لہذا خالص دینی اور مذہبی معاملہ میں ان سے چندہ نہ لیا جائے اگر وہ خود دینا چاہے تو وہ کسی سنی مسلمان کو ہبہ کر دے اور وہ مسلمان اپنی طرف سے مسجد میں دے دے تو لے سکتے ہیں۔

صورت مسئولہ میں تو وہ شخص رقم دے چکا ہے تو اگر واپس کرنا نامناسب ہو تو بادل ناخواستہ بیت الخلاء، پیشاب خانہ، غسل خانہ میں استعمال کر لی جائے یا پھر مسجد کا مکان بنانے میں استعمال کی جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صورت مسئولہ میں مسجد کی زمین کسے کرایہ پر دی جائے:

(سوال ۹۷) ہماری مسجد کی ایک کھلی جگہ ہے مسجد کے متولی صاحب نے وہ جگہ ایک شخص کو کرایہ پر دینے کا عہد و پیمان کرلیا اور کرایہ بھی طے ہوگیا، اس کے بعد محلّہ کے ایک شخص نے مطالبہ کیا کہ یہ جگہ مجھے کرایہ پر دی جائے اور یہ شخص کرایہ بھی زیادہ دینے کی پیش کش کرر ہا ہے اس صورت میں دوسرے شخص کو وہ زمین کرایہ پر دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وعدہ اور عہد و پیمان کے بعد بلا وجہ شرعی خلاف کرنا درست نہیں، صورت مذکورہ میں متولی نے جماعت (برادری کے ذمہ داری حضرات) کے مشورہ سے یا پہلے سے حاصل شدہ اختیار کی بنا پر یہ کام کیا ہے تو اب اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر متولی نے محض اپنی رائے سے کیا ہے اور جماعت نے اس کام سے اتفاق نہیں کیا ہے تو متولی کا کیا ہوا معاملہ معتبر نہ ہوگا۔[1]. فقط واللہ اعلم بالصواب.

محلّہ والے مسجد کی ٹنکی سے پانی بھر سکتے ہیں یا نہیں:

(سوال ۹۸) ہماری مسجد میں وضو اور استنجا کے واسطے پانی کی تکلیف تھی چند اہل خیر نے مل کر بورنگ کروا کر بجلی کا مشین لگوادیا ہے اس مشین کو چلا کر مسجد کی ٹنکی بھری جاتی ہے اور مشین (موٹر) کا لائٹ بل مسجد کی آمدنی سے ادا کیا جاتا ہے محلّہ والے مسجد کی اس ٹنکی سے اپنے گھروں کے استعمال کے لئے پانی بھر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ٹنکی کا پانی مسجد کے لئے مخصوص ہے، محلّہ والوں کو پانی بھرنے کی اجازت دینا صحیح نہیں ہے، باعث نزاع بھی ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد شہید کر کے راستہ بنانا:

(سوال ۹۹) خدمت گرامی میں عرض ہے کہ ایک سوال درپیش ہے اس کا جواب آپ تفصیل سے عنایت فرمادیں ......سوال یہ ہے کہ سنگاپور میں ایک شہر کے درمیان میں کئی مساجد ہیں، حکومت سنگاپور اس کو ایک خوبصورت شہر بنا رہی ہے، اس بنا پر سڑکیں کشادہ کر رہی ہے ان راستوں پر مسجدیں گرجا گھر مندر اور مکانات ہیں حکومت ان کو منہدم کر کے اس کے عوض دوسری جگہ دیتی ہے، ایک جگہ دو مسجدیں شہید کر کے دوسری جگہ صرف ایک مسجد کی جگہ دی ہے تو کیا مسجد کو توڑنا اور اس کے عوض دوسری جگہ لینا شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو جگہ ایک دفعہ مسجد کے حکم میں آجائے پھر اس کی عمارت رہے یا نہ رہے اس میں نماز پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو وہ جگہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہے گی اس کو بجز عبادت کے کسی اور کام میں استعمال کرنا درست نہیں، اس کے کسی حصہ کو بیچنا، کرایہ پر دینا، رہن رکھنا یا اس کے ورثاء کو واپس کر دینا جائز نہیں، لہذا صورت مسئولہ میں

---

(۱) اگر محل وقوع کے مطابق متولی نے زمین کرایہ پر دیا ہو اب دوسرا زیادہ دینے کی پیش کش کر رہا ہے تو ایسی صورت میں پہلے والے کرایہ دار کے ساتھ معاملہ ختم کرنا جائز نہیں اگر محل وقوع کے مطابق کرایہ ہے وقف کے لئے نقصان دہ ہے تو پہلے کے ساتھ معاملہ ختم کر کے دوسرے کو دینا جائز ہوگا۔ ویؤجر بأجر المثل فلا یجوز بالأقل ولو هو مستحق قاری الهدية الا بنقصان يسير قال في الشامية تحت قوله' فلايجوز بالاقل اى لا يصح اذا كان بغبن فاحش ، درمختار مع الشامی کتاب الوقف مطلب لا يصح ايجار الوقف بأقل من اجرة المثل. الخ. ۳ ص ۴۰۲

مسجد کے کسی حصہ کو راستہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا، شامی میں ہے **لا یجوز ان یتخذ المسجد طریقاً** مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانا جائز نہیں، **لان المسجد لایخرج عن المسجدیة ابداً** کیوں کہ مسجد کبھی بھی مسجد ہونے کے حکم سے نہیں نکلتی۔ (**شامی ج ۳ ص ۵۳۰ ۔ ۵۳۱ کتاب الوقف مطلب فی جعل شئی من المسجد طریقاً**) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ اردو ج ۲ ص ۱۷۷ ج ۲ ص ۱۸۲ (اسی باب میں، بعنوان مسجد دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے یا نہیں اس کی قیمت لی جا سکتی ہے یا نہیں، اور بعنوان، مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانا، سے دیکھ لیا جائے۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے اوپر منزلہ بنا کر اس کو جماعت خانہ اور نیچے والے حصہ کو مدرسہ بنانا:

(سوال ۱۰۰) ہمارے یہاں ایک مسجد ہے کمیٹی والوں کا ارادہ ہے کہ اسے دو منزلہ بنا کر اوپر والی منزل کو جماعت خانہ اور نیچے والی منزل کو مدرسہ بنا دیا جائے، یہاں شادی کے وقت یہ رواج ہے کہ جب لڑکا نکاح خوانی کے لئے مسجد آتا ہے تو اس کے ہمراہ عورتیں بھی آتی ہیں، اور عورتوں کی محفل مدرسہ میں ہوتی ہے نکاح کے بعد لڑکا عورتوں کی محفل میں جاتا ہے جہاں اسے سلامی دی جاتی ہے جب نیچے والا حصہ مدرسہ بنے گا تو اس میں یہ سب خرافات ہوں گے تو کمیٹی والوں کا یہ خیال درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جماعت خانہ کو مدرسہ اور شادی کا حال بنانا قطعاً جائز نہیں ہے، مسجد کی سخت بے حرمتی ہوگی، لہذا کمیٹی والوں کا خیال درست نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۰ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

''مسجد غرباء'' نام رکھنا جائز ہے یا نہیں:

(سوال ۱۰۱) سورت میں ایک مسجد تقریباً چار سو سال پرانی ویران تھی، ایک دو ماہ سے اس کو مرمت کر کے آباد کی گئی ہے اور اس کا نام ''مسجد غرباء'' رکھا گیا ہے آس پاس کے لوگ اکثر خستہ حال ہیں اس نام پر بہت سے لوگوں کو اعتراض ہے، اس لئے یہ نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) تعارف کی غرض سے نام رکھا جاتا ہے لہذا اس وجہ سے کہ اس جگہ کے اکثر لوگ غریب ہیں یا غرباء نے مسجد تعمیر کی ہے اور غریب لوگوں کی مسجد ہے ''مسجد غرباء'' نام رکھنے میں شرعی قباحت نہیں ہے، ایسا نام رکھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کمرہ میں جانے کے لئے مسجد کی چھت کو راستہ بنانا:

(سوال ۱۰۲) مسجد کی دیوار کے متصل کمرہ ہے اور یہ کمرہ مسجد کی ملکیت ہے اس میں جانے کے لئے مستقل راستہ نہیں ہے، مسجد کی چھت پر سے گذرنا پڑتا ہے ایسے کمرہ میں مدرسہ کے مدرس کے لئے قیام کا انتظام کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) لو بنی فوقه بيتا للأم لا يضر لأ نه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق ، درمختار مع الشامی کتاب الوقف مطلب فی احکام المسجد

(الجواب) مسجد کا کمرہ مسجد کے خادم استعمال کر سکتے ہیں، دوسرے لوگ استعمال نہیں کر سکتے، ہاں اگر مسجد کے متعلق مدرسہ ہو تو پھر مدرسین بھی استعمال کر سکتے ہیں جب کہ مسجد کے خدام کو اس کی ضرورت نہ ہو اور خالی پڑا ہو، مسجد کے اوپر بلا عذر شرعی چڑھنا ممنوع اور مکروہ ہے، لہذا کمرہ میں جانے کے لئے دوسرا راستہ بنانا چاہئے، جب تک دوسرا انتظام نہ ہو یہاں سے جانے کی گنجائش ہے۔ درمختار میں ہے (و کرہ تحریماً الوطء فوقه والبول والتغوط) لانه مسجد الیٰ عنان السماء (واتخاذه طریقاً بغیر عذر) الخ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۶۱۴ فی احکام المساجد) فقط واللہ اعلم بالصواب.

قبروں کی جگہ کو مسجد میں شامل کرنا:

(سوال ۱۰۳) ہمارے محلہ کی مسجد میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے توسیع مسجد کی ضرورت ہوئی، اس لئے اس کا ایک حصہ جہاں چند پرانی قبریں ایک کمرہ اور باغیچہ تھا، یہ تمام جگہ جدید تعمیر کے وقت مسجد میں شامل کی گئی ہے، فی الحال نماز پرانی مسجد میں ہوتی ہے، لیکن جمعہ و رمضان المبارک میں تراویح میں نئی مسجد میں بھی نمازی ہوتے ہیں، اب جو قبریں زمین کے برابر کردی گئی تھیں ان کے متعلق ہمارے شہر کے قاضی صاحب کہتے ہیں کہ وہ قبریں دوبارہ بنادی جائیں اس لئے کہ یہ قبریں ان کے خاندان کی چند عورتوں کی ہیں تو ان کا یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور جہاں پکی مسجد بن گئی ہے اس میں قبروں کا نشان بنانا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے احاطہ میں مسجد کی وقف زمین میں میت کو دفنانا درست نہیں ہے اور توسیع مسجد کے وقت ان پرانی قبروں کو زمین کے برابر کر کے مسجد میں شامل کر لینا بلا کراہت جائز ہے اس سے قبروں کی بے حرمتی نہ ہوگی بلکہ مردوں کی روحیں خوش ہوں گی کہ نماز پڑھی جاتی ہے، ''کفایت المفتی'' میں ہے جو زمین مسجد کے لئے وقف ہو اس پر سوائے مصالح مسجد کے اور کوئی تصرف جائز نہیں ہے، پس اس قطعۂ زمین میں جو مسجد کا ہے اموات کو دفن کرنا ناجائز تھا اور اس حکم میں نیک و بد کا کوئی فرق نہیں ہے۔ (حضرت مولانا مفتی) کفایت اللہ کان اللہ له (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۰۸)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

(سوال) اگر بوجہ اشد ضرورت قبروں کو مسجد کے صحن میں ڈال دیا جائے تو درست ہے یا نہیں۔

(الجواب) قبروں کو برابر کر کے فرش مسجد میں لیا جائے اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور کچھ کراہت نماز میں نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم قدیم ج ۵۔۶ ص ۳۰۱)

لہذا قاضی صاحب کا یہ مطالبہ صحیح نہیں ہے اور قبروں کے نشانات باقی رکھنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے استعمال کرنا:

(سوال ۱۰۴) ہمارے گاؤں میں مسجد تعمیر ہو رہی ہے رقم کی فراہمی کے لئے دوسری بستیوں میں جانا ہوا، چندہ میں کچھ رقم زکوٰۃ کی وصولی ہوئی ہے، حیلہ کر کے ان پیسوں کو مسجد کی تعمیری کام میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگوں

کا خیال ہے کہ یہ رقم مدارس میں دے دی جائے ، ہم لوگ کیا کریں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی تعمیر میں یا امام ومؤذن ومسجد کے خدام کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا درست نہیں ہے مسجد کی تعمیر کے لئے للہ رقم دینے والے اہل خیر سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اس لئے تعمیر مسجد میں زکوٰۃ کی رقم ہرگز استعمال نہ کی جائے ،(۱) حیلہ کر کے بھی نہ لینا چاہئے ۔صورت مذکورہ میں دینے والوں کی رقم واپس کردی جائے یا ان کی اجازت سے مدارس میں دے دی جائے اگر مسجد کو اس رقم کی از حد ضرورت ہو اور دوسری للہ رقم ملنے کی امید نہ ہو تو کسی مستند عالم کو صورت حال سے واقف کر کے ان کے مشورے کے مطابق عمل کیا جائے ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام کا مع اہل وعیال احاطہ مسجد میں رہنا:

(سوال ۱۰۵) امام مسجد اپنے اہل وعیال کے ساتھ احاطہ مسجد میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کا کوئی دوسرا حجرہ نہیں ہے ،صرف ایک ہی حجرہ ہے اس مجبوری کی حالت میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) احاطۂ مسجد میں امام ومؤذن کے لئے حجرہ بنا ہو تو اس میں امام وموذن کا رہنا درست ہے ،لیکن بچوں کے ساتھ رہنے میں عموماً بے پردگی ہوتی ہے ، استنجاء کی جگہ الگ نہیں ہوتی اور بچوں کے شور وشغب کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف اور حرج بھی ہوگا اس لئے ممنوع ہوگا ،اگر یہ خرابیاں نہ ہوں تو جائز ہے ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی وقف جگہ پر مدرسہ تعمیر کرنا یا امام ومؤذن کے لئے کمرہ بنانا:

(سوال ۱۰۶) ہمارے یہاں مسجد کے احاطہ میں شرعی مسجد سے علیحدہ ایک صاحب خیر نے مدرسہ کی نیت سے دو بڑے کمرے تعمیر کرا دیئے ہیں جس میں بفضلہ تعالیٰ کئی سال سے دینی تعلیم ہو رہی ہے کہ بچے فراغت کے ساتھ بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور آئندہ بھی جگہ تنگ ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اس صورت میں مدرسہ کے اوپر امام اور مدرسین کے لئے ایک دو منزلہ عمارت تعمیر کرا دیں تا کہ ہمیشہ کے لئے امام ومدرسین کے لئے قیام کی سہولت پیدا ہو جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں ، بینوا توجروا۔

(الجواب) احاطۂ مسجد کی تمام جگہ مصالح مسجد کے لئے مسجد پر وقف ہوتی ہے اس جگہ مدرسہ کی عمارت بنانے کے لئے اجازت دینا درست نہیں ہے ، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بیکار اور کھلی جگہ پر مسجد کے پیسوں سے یا چندہ کر کے عمارت بنائی جائے اور وہ جگہ دینی مدرسہ چلانے کے لئے کرایہ پر دی جائے اور کرایہ مسجد کے مفاد میں صرف ہوتا رہے یا امام ومؤذن کو رہنے کے لئے دے دیا جائے تو یہ صورت جائز ہے ،صورت مسئولہ میں مسجد کی جگہ پر برائے مدرسہ عمارت بن چکی ہے تو مسجد والوں کو چاہئے کہ وہ لوگ رقم ادا کر کے یہ عمارت لے لیں زمین تو پہلے سے مسجد کی ملک ہے اس عمل سے عمارت بھی مسجد کی ملک ہو جائے گی اور پھر وہ جگہ مدرسہ کو کرایہ پر دے دی جائے ،فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد شرعی کی بالائی منزل پر مدارس کے سفراء کا قیام کرنا:

(سوال ۱۰۷) ہر سال رمضان المبارک میں مختلف مدارس کے سفراء چندہ کی غرض سے بمبئی آتے ہیں اور ایک

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکالا اباحة کمامر لا یصرف الی بنآء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضآء دینه، درمختار مع الشامی ، باب المصرف

مسجد کے بالائی حصہ میں قیام پذیر ہوتے ہیں اس بالائی حصہ میں جمعہ کی نماز بھی لوگ ادا کرتے ہیں اور بارش کے دنوں میں جمعہ کے علاوہ اور نمازیوں میں بھی یہاں لوگ نماز ادا کرتے ہیں، ایسی جگہ پر ان سفراء کو قیام کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ سفراء اس حصہ کو بالکل مسافر خانہ کی طرح استعمال کرتے ہیں، دیوار پر اپنے لباس لٹکاتے ہیں بے تکلف باتیں کرتے ہیں، بعض تو سگریٹ تک پیتے ہیں، اخبار بینی کرتے ہیں اور اپنے بستر کھلے پڑے رہنے دیتے ہیں اس بارے میں شرعی حکم تحریر فرمائیں کہ ان کو ٹھہرانے کی اجازت دی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد شرعی اور اس کے اوپر کا حصہ بھی مسجد شرعی کے حکم میں ہے اس کو مسافر خانہ کے طور پر استعمال کرنا درست نہیں ہے، مسجد کی حرمت باقی نہیں رہے گی، سفیروں کے لئے مسجد کے علاوہ کوئی قیام گاہ نہ ہو تو ان سفراء کو ٹھہرایا جاسکتا ہے، جو مسجد کا کما حقہ ادب واحترام کرسکتے ہوں۔ جو احتیاط نہیں کرتے ان کو اجازت نہ دی جائے۔ (۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد یا صحن یا اطراف صحن میں سونا

(سوال ۱۰۸) مسجد یا اس کے اطراف کے صحن میں مقتدیوں کو سونے کی اجازت دینی چاہئے یا نہیں؟ بہت سے لوگ دن کے وقت مسجد میں سونے کے لئے بضد ہیں اور اس کو وہ اپنا واجبی حق سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا گھر ہے ان متولیوں کا گھر نہیں ہے، آپ شرعی مسئلہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(نوٹ) اس صحن میں لوگ، جمعہ اور ماہ رمضان المبارک میں پنجگانہ نماز ادا کرتے ہیں۔

(الجواب) مسجد میں معتکف اور مسافر کے علاوہ اوروں کو سونے کی اجازت نہیں ہے، فقہاء کرام رحمہم اللہ نے مکروہ لکھا ہے واکل ونوم الا لمعتکف وغریب (درمختار مع الشامی مطلب فی احکام المسجد ج ۱ ص ۶۱۹) خارج میں جگہ نہ ہو تو مسافر یا امام ومؤذن خادم مسجد ونگران مسجد، مسجد میں سوسکتا ہے، دوسروں کو کبھی کبھی مسجد میں سونے کی ضرورت پیش آجائے تو بہ نیت اعتکاف مسجد میں داخل ہوں اور تھوڑی دیر نوافل وذکر اللہ میں مشغول رہ کر سوسکتے ہیں. ویکرہ النوم والاکل فیہ لغیر المعتکف فیدخل ویذکر اللہ بقدر مانویٰ ویصلی ثم یفعل ما یشاء (ایضاً فتاویٰ سراجیہ ص ۷۲) (فتاویٰ عالمگیری کتاب الکراھیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ والمصحف، الخ واللفظ لہ) (شامی ج ۱ ص ۶۱۹ حوالہ بالا) لیکن دوامی طور پر مسجد میں یا صحن مسجد میں یا اطراف صحن میں سونے کی عادت کرلینا اور مسجد کو خواب گاہ بنالینا مکروہ اور ممنوع ہوگا۔

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

(جواب ۱) نمازیوں کا مسجد میں اوقات نماز کے علاوہ لیٹ جانا اور سوجانا اگر اتفاقی طور پر ہو تو مباح ہے، لیکن مسجد کو ایک خواب گاہ بنالینا ان کے لئے درست نہیں (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۱۴)

(جواب ۲) مسجد کا وارانڈہ (برآمدہ) اگر مسجد سے خارج ہو تو اس میں کسی نیک متقی کے اتفاقاً سوجانے کا مضائقہ

(۱) ویکرہ تحریماً الوطء فوقہ والبول والتغوط، لأنہ مسجد الی عنان السمآء قال فی الشامیۃ تحت قولہ لأنہ، مسجد علۃ لکراھۃ ماذکر فوقہ علی السطح لمن فیہ اذا لم یتقدم علی الامام ولا یبطل اعتکافہ بالصعود الیہ ولا یحل للجنب والحائض والنفسآء الوقوف علیہ الخ درمختار مع الشامی مطلب فی احکام المسجد ج ۱ ص ۳۵۶

نہیں اگر یہ شخص مسجد کے متعلقین میں سے ہے مثلاً امام ہے یا مؤذن یا نگران ،تو اس کو ورانڈہ میں (جب کہ ورانڈہ مسجد سے خارج ہو) سونا روانہ بھی جائز ہے لیکن اگر مسجد کے متعلقین میں سے نہیں ہے اور اکثر یا دوامی طور پر مسجد میں سونے کی عادت ڈال رکھی ہے تو یہ مکروہ ہے (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۱۴) **فقط واللہ اعلم بالصواب .۵ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ**

جس مسجد میں مؤذن نہ ہو وہ مسجد محلّہ کے حکم میں ہو سکتی ہے یا نہیں :

(سوال ۱۰۹) ہمارے یہاں ایک مسجد ہے اور وہ محلّہ سے باہر ہے مگر پوری ذمہ داری اہل محلّہ پر ہے وہاں نماز پنجگانہ ، جمعہ ، تراویح وغیرہ ہوتی ہے ،لیکن اس مسجد میں مؤذن متعین نہیں ہے وقت ہونے پر کوئی بھی اذان دے دیتا ہے ،اور جماعت ہو جاتی ہے ،تو کیا مؤذن کی تعیین کے بغیر یہ مسجد ''مسجد محلّہ'' شمار ہوگی ؟ یا شارع عام کی ؟ اگر محلّہ کی مسجد ہے تو جماعت ثانیہ کا کیا حکم ہے ؟ اور اگر عام شاہراہ کی ہے تو جماعت ثانیہ کا کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مؤذن مقرر نہیں ہے ،مگر وقت مقررہ پر اذان ہو جاتی ہے اور پانچوں وقت جماعت وقت پر ہوتی ہے تو یہ ''مسجد محلّہ'' کے حکم میں ہے اور سب احکام مسجد محلّہ کے جاری ہوں گے اور جماعت ثانیہ مکروہ ہوگی ، خارج مسجد یا کسی کے مکان میں دوسری جماعت کی جا سکتی ہے مگر بلا وجہ شرعی اس کی عادت کر لینا مکروہ ہوگا۔[1] **واللہ اعلم بالصواب .**

مسجد کی زمین میں اکھاڑہ بنانا:

(سوال ۱۱۰) مسجد کے قریب ایک جگہ ہے جہاں پہلے مدرسہ تھا اس کے بعد وہ جگہ کرایہ پر دی گئی تھی ،اب وہ جگہ خالی ہے محلّہ والے کشتی کھیلنے کے لئے بلا کرایہ (مفت) طلب کرتے ہیں تو اس جگہ کو بلا کرایہ اکھاڑے کے لئے دے سکتے ہیں یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی جگہ اکھاڑے کے لئے مفت دینا جائز نہیں ،کرایہ پر دی جا سکتی ہے ،بشرطیکہ مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو اور مسجد کی بے حرمتی نہ ہوتی ہو ورنہ کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں ۔[2] **فقط واللہ اعلم بالصواب .**

مسجد کے احاطہ کے کمرے کرایہ پر دینا:

(سوال ۱۱۱) ہمارے یہاں شاہی مسجد کے احاطہ میں جماعت خانہ سے تقریباً پچاس فٹ دور کچھ کمرے ہیں ،ان کمروں میں پہلے زمانہ اسکول تھا اب وہ خالی پڑے ہیں وہ جگہ مسلمان کرایہ پر طلب کرتے ہیں ، مسجد کے احترام کی تحریری گارنٹی دیتے ہیں تو اس شرط پر وہ کمرے ان کو کرایہ پر دینا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے احاطہ میں جو حجرے ہوتے ہیں وہ عموماً امام مسجد اور خدام مسجد کے لئے ہوتے ہیں لہذا ان کو اسی کام میں لیا جائے ،کرایہ پر نہیں دے سکتے ،اگر زائد کمرے ہوں تو تعلیم کے کام میں لئے جائیں ، ہاں اگر بانی اور

---

(۱) والمراد لمسجد المحلة ماله امام وجماعة معلومون كما في الدر وغيرها شامي باب الا مامة مطلب في تكرار الجماعة ج ۱ ص ۵۵۳ .فقط

(۲) يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه أو اتلافها كما لو سكن بالا اذن او اسكنه المتولى بلاأجر كان على الساكن أجر المثل ، درمختار مع الشامي مطلب مسكن المشترى دار الوقف ج ۴ ص ۴۰۸ .

واقف نے کرایہ کے لئے اور مسجد کی آمدنی کے لئے بنائے ہوں تو کرایہ پر دے سکتے ہیں، بشرطیکہ مسجد کو ضرورت نہ ہو اور اس میں مسجد کی بے حرمتی نہ ہوتی ہو اور نمازیوں کو حرج و تشویش نہ ہوتی ہو اور کرایہ دار کے لئے آمد و رفت کا راستہ الگ ہو ورنہ کرایہ پر نہیں دے سکتے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حرام اور مشتبہ مال مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا:

(سوال ۱۱۲) مسجد کی تعمیر اور درستگی کے لئے کوئی "فلم ایکٹر" رقم دے تو وہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ ان کی آمدنی یقیناً مشتبہ ہوتی ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد خدا کا مقدس اور پاکیزہ گھر ہے اس کی تعمیر درستگی میں حلال اور پاکیزہ مال استعمال کیا جائے، حرام کمائی مسجد میں استعمال کرنا منع اور مکروہ ہے، حدیث شریف میں ہے، خدا تعالیٰ پاکیزہ مال قبول فرماتے ہیں، لہذا حرام اور مشتبہ مال سے مسجد بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے،[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب**۔

مسجد پر قبضہ کر کے گھر بنالینا:

(سوال ۱۱۳) ایک مسجد جہاں پنجگانہ نماز تراویح وغیرہ پڑھنے کی لوگ شہادت دیتے ہیں، اس جگہ پر ایک آدمی نے دعویٰ کر کے گھر بنالیا ہے، اس میں کھاتا پیتا ہے اور مسجد کے نشانات، محراب، حوض وغیرہ سب مٹادیئے ہیں تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ بعض لوگ خود غرضی اور اپنے مفاد کے خاطر اس کی حمایت کرتے ہیں حتی کہ اس مسجد کے خلاف لڑنے کو تیار ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس جگہ کے وقف اور مسجد ہونے کا ثبوت ہو جائے پھر چاہے وہ مدت دراز تک ویران غیر آباد اور خستہ حال میں پڑی رہی ہو تو بھی وہ جگہ مسجد ہے اور تاقیامت وہ مسجد کے حکم میں رہے گی اس جگہ کو مسجد کے علاوہ کھانے پینے سونے اور رہنے کے کام میں لینا ناجائز اور حرام ہے، غاصب کی حمایت کرنے والے بھی گنہگار ہوں گے، درمختار میں ہے **ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقىٰ مسجداً عند الامام والثانى (اى عندابى يوسف رحمه الله) ابداً الى قيام الساعة وبه يفتى (درمختار مع الشامى ج۳ ص ۵۱۲ كتاب الوقف مطلب فيما لوخرب المسجد اوغيره) فقط والله اعلم بالصواب**۔

مسجد میں تبلیغی تعلیم کہاں کی جائے:

(سوال ۱۱۴) ہمارے یہاں مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد جماعت خانہ میں تبلیغی جماعت والے دس پندرہ منٹ کتابی تعلیم کرتے ہیں جو لوگ سنت اور وتر پڑھنے میں مشغول ہوتے ہیں یا بعد میں آنے والے فرض نماز پڑھتے ہیں تو ان کو خلل ہوتا ہے اس لئے ان کو کہا جاتا ہے کہ جماعت خانہ کے باہر برآمدہ میں تعلیم کیا کرو، تعلیم والے کہتے ہیں کہ اس کے قریب نشست گاہ ہے وہاں لوگ بیٹھ کر گپ شپ کرتے رہتے ہیں اس لئے تعلیم میں خلل ہوتا ہے، اس

[1] عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب ولا يقبل الله الا الطيب. الخ. مشكوٰة باب فضل الصدقة ص ۱۶۷

حالت میں تعلیم کہاں کی جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز اور وظیفہ پڑھنے میں خلل آئے اس طرح تعلیم کرنا منع ہے مگر تعلیمی سلسلہ بھی بہت اہم اور مفید ہے اس لئے دونوں سلسلے جاری رہ سکیں ایسی صورت اختیار کی جائے مسجد بڑی ہو تو اس کے کسی گوشہ میں یا برامدہ یا صحن میں تعلیم ہو تو دونوں سلسلے جاری رہ سکتے ہیں، دنیوی باتوں میں مشغول رہنے والوں کو چاہئے کہ تعلیم میں شرکت کریں، دس پندرہ منٹ کا وقت کوئی زیادہ طویل نہیں ہے، مسجد خدا کی یاد کے لئے ہے دنیوی باتوں کے لئے نہیں ہے خصوصاً جب کہ اس سے تعلیم میں حرج ہوتا ہو، تعلیمی سلسلہ کو غنیمت سمجھا جائے اور اس میں شرکت کی جائے اس سے ایمان تازہ اور قوی ہوتا ہے، تعلیم جس میں فضائل کے ساتھ طہارت، وضو، نماز، روزہ وغیرہ کے احکام و ضروری مسائل بھی ہوں، محض فضائل پر اکتفا نہ کیا جائے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں اعلم ان کل قاعد فی بیتہ اینما کان فلیس خالیاً فی ھذا الزمان عن منکر من حیث التقاعد عن ارشاد الناس...... الخ.

ترجمہ:۔ جان لو کہ اس دور میں ہر وہ شخص جو گھر میں بیٹھا ہوا ہے، تعلیم و تبلیغ رشد و ہدایت اور عمل صالح کے بارے میں لوگوں کو آمادہ کرنے میں قاصر ہے جس بنا پر وہ سب گنہگار ہیں کہ شہر میں اکثر لوگ نماز کے شرائط و احکام سے ناواقف ہیں تو پھر گاؤں کے باشندوں کی نماز اور دین کی کیا حالت ہوگی؟ لہٰذا شہر کی ہر ایک مسجد اور محلّہ میں ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے الخ (احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۳۶ المنکرات العامۃ)

اس بناء پر تعلیم کو غنیمت سمجھیں اور ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ نماز و تعلیم دونوں جاری رہیں اور کسی کو شکایت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی جگہ محفوظ رکھنے کے لئے مال وقف صرف کرنا:

(سوال ۱۱۵) ہمارے محلّہ کی مسجد کے ٹرسٹ کے ماتحت دو مسجدیں ہیں ان میں سے ایک مسجد غیر مسلم علاقہ میں ہے اور وہ بالکل غیر آباد ہے عمارت بھی منہدم ہوگئی ہے، حکومت وہ جگہ لینا چاہتی ہے تو ہم کیا کریں، قانونی کارروائی کر کے اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں یا وہ جگہ حکومت کو دے دیں؟ اس مسجد کی مستقل آمدنی نہیں ہے تو ہماری مسجد کے ٹرسٹ میں سے کورٹ اور وکیل کا خرچ لینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ''جائے مسجد'' پر کوئی عمارت ہو یا نہ ہو وہاں نماز پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو، آبادی ہو یا نہ ہو وہ جگہ ہر حال میں مسجد ہی کے حکم میں ہے، درمختار میں ہے:۔ ولو خرب ماحولہ واستغنیٰ عنہ یبقیٰ مسجداً عند الامام والثانی ابداً الیٰ قیام الساعۃ وبہ یفتی (درمختار مع الشامی ج ۳ ص ۵۱۳ کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد اوغیرہ)

یہ جگہ مہمان خانہ، مسافر خانہ یا یتیم خانہ کے طور پر بھی استعمال نہیں کی جا سکتی مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کو آباد کریں، پنجگانہ نماز ادا نہ کر سکیں تو کم از کم جمعہ کی نماز پڑھ کر آباد کرنے کی کوشش کریں، ایک آدمی رکھ لیا جائے جو پانچوں وقت اذان دے کر نماز ادا کرے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو مسجد کے چاروں طرف دیوار بنا دی جائے کہ گندگی اور

بے ادبی سے محفوظ رہے، اس سلسلہ میں اور کوئی انتظام نہ ہوسکتا ہو تو آپ کی مسجد کے ٹرسٹ میں سے اس ویران مسجد کے حصہ میں جتنی رقم آئے وہ قانونی کارروائی میں صرف کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جماعت خانہ کے نیچے حوض بنانا:

(سوال ۱۱۶) ہماری مسجد کی توسیع کی جارہی ہے جو جگہ جماعت خانہ میں شامل کی جائے گی وہ تنگ ہے اس لئے پلان اس طرح بنایا جارہا ہے کہ جونئی جگہ جماعت خانہ میں شامل کی جائے گی اس کے نیچے حوض بنایا جائے، وضو کرنے کے لئے بیٹھک جماعت خانہ سے باہر ہوگی تو اس طرح حوض بناسکتے ہیں یا نہیں اور اس جگہ صفیں قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا مسجد کا ثواب ملے گا؟ اور کیا معتکفین وہاں آسکیں گے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جونئی جگہ جماعت خانہ میں داخل کی ہے اس کے لئے نیچے کا حصہ پہلے سے حوض بنانے کی نیت ہونے کی وجہ سے بطور حوض رکھا جاسکتا ہے (پرانی مسجد کا حصہ حوض میں نہ آنے پائے) اور حوض کے اوپر کا حصہ جو جماعت خانہ میں شامل ہے اس میں صفیں قائم کی جاسکتی ہیں، مسجد کا ثواب ملے گا اور وہاں اعتکاف بھی درست ہے[1]۔ فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

نماز کے وقت مسجد کا دروازہ بلاضرورت بند رکھنا:

(سوال ۱۱۷) ہماری مسجد کے دو دروازے ہیں، ایک محلّہ کی جانب اور دوسرا شارع عام (روڈ) کی جانب، ان میں سے ایک دروازہ نماز کے وقت بند رکھا جاتا ہے حالانکہ اس طرح بھی مسلمانوں کے کچھ گھر ہیں اس دروازہ کے بند رکھنے کی وجہ سے اس طرف کے رہنے والے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ دروازہ بند رکھنا کیسا ہے؟ یہ دروازہ دس پندرہ روز سے بند ہونا شروع ہوا ہے۔ مدلل جواب مرحمت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کا سامان چوری ہوجانے یا مسجد میں جانور وغیرہ کے گھس جانے کا اندیشہ ہو تو دروازہ بند کیا جاسکتا ہے، لیکن نماز کے وقت کھولنا ضروری ہے جب دونوں دروازوں کی طرف مسلمان آباد ہیں تو نماز کے وقت دونوں دروازے کھلے رہنے چاہئیں بند کر کے نمازیوں کو پریشان کرنا درست نہیں ہے ہاں اگر جانوروں کے اندر آجانے کا ڈر ہو تو اس طرح بند رکھا جاسکتا ہے کہ نمازی خود کھول کر مسجد میں آسکیں اور نمازیوں کی شکایت باقی نہ رہے درمختار میں ہے ۔ وکما کرہ غلق باب المسجد الا لخوف علی متاعه به یفتی (قوله غلق باب المسجد) قال فی البحر وانما کره لانه یشبه المنع من الصلوٰة قال اللہ تعالیٰ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیها اسمه اه (قوله الا لخوف علیٰ متاعه) هذا اولیٰ من التقید فی زماننا فی جمیع الاوقات ثبت کذلک الا فی اوقات الصلوٰة اولا فلا او فی بعضها ففی بعضها کذافی الفتح (درمختار والشامی ج ۱ ص ۶۱۳، ۶۱۴ تحت مطلب فی احکام المساجد) فقط واللہ اعلم بالصواب.

(۱) واذا جعل تحته سرداباً لمصالحه ای المسجد جاز کمسجد القدس ، درمختار مع الشامی کتاب الوقف مطلب فی احکام المسجد ج ۳ ص ۵۱۲

جماعت خانے کے پرانے پتھر بیچنا:

(سوال ۱۱۸) مسجد کے جماعت خانہ کے پرانے پتھر بیکار پڑے ہیں ان کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مسجد کی آمدنی کے لئے ایک مکان بنایا جا رہا ہے اس میں وہ پتھر استعمال کرا سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے پتھر بیکار پڑے ہیں تو ان کو جماعت اور اہل محلّہ کی اجازت سے متولی فروخت کرے اور اس کی قیمت مسجد کے وقف میں شامل کر لی جائے یا اس رقم سے کوئی چیز جو مسجد کے لئے کار آمد ہو خریدنے کی اجازت ہے، اسی طرح مسجد کے مکان میں استعمال کر سکتے ہیں لیکن پلیدی سے بچایا جائے، یعنی بیت الخلاء پیشاب خانہ غسل خانہ وغیرہ میں نہ لگایا جائے، درمختار میں ہے **ولا ترمی براية القلم المستعمل لا حترامه كحشيش المسجد وكناسة لايلقى في موضع يخل بالتعظيم (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۱۶۵ کتاب الطهارة)فقط والله اعلم بالصواب.**

مسجد میں سیاسی جلسہ کرنا:

(سوال ۱۱۹) مسجد میں سیاسی جلسہ اور میٹنگ کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے ادب واحترام کے بارے میں لوگ بہت زیادہ بے پرواہی برتتے ہیں، یہ کام مسجد میں کرنے کے لائق نہیں لہٰذا خالص دینی مجالس کے سوا دوسری آج کل کی سیاسی میٹنگیں شرعی مسجد سے باہر کسی اور جگہ منعقد کرنی چاہئیں حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد کے باہر کنارے پر ایک چبوترہ تعمیر کروادیا تھا اور اعلان کرا دیا تھا کہ جس کو اشعار پڑھنا ہو یا بلند آواز سے بولنا ہو یا کوئی اور کام کرنا ہو تو وہ چبوترہ پر چلا جائے، مشکوٰۃ شریف میں ہے **عن مالک قال بنى عمر رحبة فى نا حية المسجد تسمى البطيحا وقال من كان يريد ان يلغط او ينشد شعراً ويرفع صوته فليخرج الى هذه الرحبة رواه فى الموطا (مشكوٰة شريف ص ۷۱ باب المساجد ومواضع الصلوٰة)** اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے **الجلوس فى المسجد للحديث لا يباح بالا تفاق لان المسجد ما بنى لا مور الدنيا (عالمگيری ج۶ ص ۲۵۱ كتاب الكراهية الباب الخامس)فقط والله اعلم بالصواب.**

مسجد میں نکاح خوانی یا قرآن خوانی کے لئے مسجد کی بجلی استعمال کرنا:

(سوال ۱۲۰) مسجد میں نکاح خوانی کے وقت یا جب کوئی شخص اپنے کسی عزیز واقارب کے لئے ختم قرآن کراتا ہے اس وقت مسجد کی بتی (لائٹ) جلائی جاتی ہے پنکھے چلائے جاتے ہیں تو جتنی دیر مسجد کا پاور استعمال کیا جائے اس کا عوض متولی لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور متولی عوض لینے کا قانون بنا سکتا ہے یا نہیں؟ یا خود ان لوگوں کو سمجھ کر مسجد میں عوض دینا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ ان کاموں کے لئے روشنی کا انتظام خود ہی کر لیں، مسجد کی بتی اور پنکھوں کو استعمال نہ کریں حد تو یہ ہے کہ مسجد میں بتی جلانے کا جو وقت مقرر ہے اس کے علاوہ دیگر اوقات میں قرآن کی تلاوت یا دینی

کتابوں کے مطالعہ کے لئے بھی مسجد کی بتی جلانے اور پنکھے چلانے کی اجازت نہیں ہے، ممنوع ہے، عالمگیری میں ہے هل يجوز ان يدرس الكتاب بسراج المسجد؟ والجواب فيها انها ان كانت موضوعة للصلوٰة فلا بأس به وان وضع لا للصلوة بان فرغوا من الصلوة وذهبوا فان اخر الیٰ ثلث الليل لا بأس به وان اخر اكثر من ثلث الليل ليس له ذلک كذافي المضمرات (فتاویٰ عالمگیری ج۶ ص ۲۱۵ کتاب الكراهية الباب الخامس)

لیکن آج کل غلط دستور ہو جانے کی وجہ سے بتی جلانے اور پنکھے چلانے کی اجازت نہ دینے پر جھگڑے اور فساد کا اندیشہ ہو تو جتنی دیر بجلی خرچ ہو معاوضہ لے لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے یا وہ خود ہی دے دے، مسجد میں مجلس نکاح منعقد کرنا مسنون ہے حدیث سے ثابت ہے...... ایصال ثواب کے لئے رسمی مجلسیں مساجد میں منعقد کرنا ثابت نہیں، شرح سفر السعادت میں ہے۔ وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز (جنازہ) جمع شوند وقرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور ونہ غیر آں وایں مجموع بدعت است ومکروہ۔ یعنی آنحضور ﷺ اور صحابہ وغیرہ سلف صالحین کی یہ عادت نہ تھی کہ میت کے لئے بجز صلوۃ جنازہ دوسرے کسی موقع پر جمع ہوتے ہوں اور قرآن پڑھتے ہوں، نہ قبر پر اور نہ دیگر کسی مقام پر، یہ تمام رواج نہ رسوم قرآن خوانی اور مجلس وعظ بدعت اور مکروہ ہیں (شرح سفر السعادت ص۲۷۳)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءة سورة الانعام اوالاخلاص فالحاصل...... الى قوله...... اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاكل يكره (فتاویٰ بزازیہ ج ۱ ص ۸۱ کتاب الجنائز قبیل الباب السادس والعشرون فی حكم المسجد)

لہذا اس میں لائٹ اور پنکھوں کا استعمال کرنا درست نہ ہوگا جب کہ قرآن کی تلاوت اور دینی کتابوں کے مطالعہ کے لئے مسجد کی بجلی استعمال کرنے کی اجازت نہیں (حالانکہ یہ خالص دینی کام ہیں) تو رسمی قرآن خوانی کے لئے اس کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اگر کرنا ہی ہے تو اپنے گھروں میں کریں؟ مسجد ان کاموں کے لئے موضوع اور شایان شان نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رمضان کی ستائیسویں کی شیرنی کی بچی ہوئی رقم مسجد میں استعمال کرنا:

(سوال ۱۲۱) تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر شیرینی تقسیم کرنے کے لئے چندہ کیا تھا اس میں سے کچھ پیسے بچ گئے ہیں، کیا ان کو مسجد کے کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں، یا وہ پیسے امام صاحب ہی کو دے دیئے جائیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس مقصد کے لئے اور جس غرض کی خاطر چندہ کیا ہو اسی میں چندہ کی رقم استعمال کرنا چاہئے، اگر رقم بچ گئی ہو تو چندہ دہندگان کی اجازت سے دوسرے مصرف میں استعمال کر سکتے ہیں، یہ امام کا حق نہیں ہے کہ بچی ہوئی رقم ان کو دینا ضروری ہو، ختم قرآن کے وقت شیرینی تقسیم کرنے کے لئے چندہ کرنے کا طریقہ غلط ہے چندہ نہیں کرنا چاہئے، اگر کوئی شخص رسم کی پابندی کے بغیر خوشی سے شیرنی تقسیم کرے تو ممنوع نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے وقف قرآن کو اپنے قرآن سے بدلنا:

(سوال ۱۲۲) ہماری مسجد میں ایک ترجمہ والا قرآن شریف ہے، مجھے اس کی ضرورت ہے، میں اس کی جگہ ایک معریٰ قرآن (بلا ترجمہ والا) رکھ دوں اور وہ قرآن میں اپنے گھر لے جاؤں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے وقف قرآن کو دوسرے قرآن سے بدلنا جائز نہیں مسجد میں بیٹھ کر استفادہ کرنا جائز ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

مسجد کا مکان بینک کو کرایہ پر دینا:

(سوال ۱۲۳) مسجد کا مکان بینک کو کرایہ پر دینا کیسا ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) بینک کو مکان کرایہ پر دینا تعاون علی الاثم کے مترادف ہے اور قرآن کریم میں تعاون علی الاثم کی ممانعت آئی ہے، ارشاد خداوندی ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان گناہ اور زیادتی کے کاموں میں معاونت مت کرو، لہذا اس کی اجازت نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب.

مسجد کی تعمیر کے زمانہ میں نماز باجماعت موقوف کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۲۴) بمبئی میں ایک مسجد کی نئی تعمیر ہو رہی ہے مسجد کے دونوں طرف سڑک واقع ہے اور یہ تجارتی مرکز ہے اس لئے حکومت کی طرف سے نئی تعمیر کی اجازت اس شرط پر ملی ہے کہ تعمیر کا سامان سڑک پر نہ رکھا جائے اس لئے بیکار ملبہ اور تعمیری سامان مسجد میں رکھنا پڑتا ہے، جس میں بہت جگہ گھر جاتی ہے اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعمیر کے دوران مسجد میں نماز باجماعت پڑھی جائے یا نہیں؟ نماز جاری رکھتے ہیں تو چند مشکلات پیش آتی ہیں (۱) جگہ نکالنا مشکل ہے (۲) حوض کا پورا پانی تعمیر میں مستعمل ہوگا اور مزدور اکثر ہندو ہوتے ہیں ان کے ساتھ بچے بھی ہوتے ہیں ان کو پاکی ناپاکی کا کچھ خیال نہیں ہوتا (۳) ظہر عصر کے نماز کی وجہ سے روزانہ آدھا گھنٹہ کام بند کرنا پڑے گا، تو ان حالات میں نماز باجماعت جاری رکھی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مسجد کا بیکار ملبہ فروخت کر دیا جائے وقت پر اذان ہونی چاہئے اور جماعت بھی، چاہئے مختصر ہی سہی، جماعت خانہ میں یا احاطہ مسجد میں جہاں ممکن ہو جماعت کی جائے، اڑوس پڑوس کے چند نمازی اپنے گھر سے وضو اور سنت سے فارغ ہو کر آجائیں اور بعد کی سنتیں بھی گھر جا کر ادا کریں اس طرح صرف دس پندرہ منٹ کام بند رہے گا، جمعہ موقوف کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، مسجد کے احترام کا پورا خیال رکھا جائے اور گندگی کا اندیشہ ہو تو بچوں کو روکا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ای الذی تحصل من کلامه أنه اذا وقف کتبا وعین موضعهافان وقف علی اهل ذلک الموضع لم یجز نقلها منه لا لهم ولا لغیر هم وظاهره أنه لا یحل لغیر هم الا نتفاع بها وان وقفها علی طلبة العلم فکل طالب الا تفاع بها فی محلها الخ فتاویٰ شامی مطلب فی نقل کتب الوقف من محلها

مسجد کی صفیں عیدگاہ میں کب استعمال کر سکتے ہیں:

(سوال ۱۲۵) مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کی صفیں عیدگاہ میں استعمال نہیں کر سکتے مگر یہ حیلہ کرنا کہ صفیں عیدگاہ کے لئے خریدی جائیں اور عیدین کے موقع پر عیدگاہ میں استعمال کریں اور بقیہ دنوں میں مسجد میں استعمال کریں تو اس صورت میں وہ صفیں دونوں جگہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب عیدگاہ میں صفیں اس نیت سے دی جائیں کہ عیدین کے موقع پر عیدگاہ میں استعمال ہو اور بقیہ دنوں میں مسجد میں تو مضائقہ نہیں، اسی طرح مسجد میں دیتے وقت یہ کہا جائے کہ عید کے موقع پر عیدگاہ میں استعمال کی جائے تب بھی حرج نہیں۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پگڑی کی رقم مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا:

(سوال ۱۲۶) بمبئی کی ایک مسجد کی ملکیت ہے اس پر پگڑی کی رقم ملی ہے اس رقم کو مسجد کے تعمیری کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ پگڑی کی یہ رقم ہندو کرایہ دار، رافضی اور سنی مسلمانوں سے ملی ہے، مسجد شہید کر دی گئی ہے اس کی از سر نو تعمیر ہو رہی ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) پگڑی کی رقم بظاہر کسی شرعی عقد سے حاصل نہیں ہوتی لہذا اس کا استعمال مسجد میں درست نہیں اس لئے اس کو مسجد کے لئے قبول نہ کیا جائے اگر ان کو دینا ہی ہے اور مسجد کو ضرورت بھی ہے تو وہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر متولی کو ہبہ کر دے (اور پگڑی کی رقم سے قرض ادا کر دے) اور متولی اپنی طرف سے مسجد میں استعمال کرے تو گنجائش نکل سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جوتے پہن کر جماعت خانہ میں داخل ہونا:

(سوال ۱۲۷) بمبئی کی ایک مسجد کا تعمیری کام جاری ہے، جماعت خانہ میں سلیپ (چھت) بھر دیا گیا ہے، اس وقت جماعت خانہ میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہے، نمازی حضرات مستعمل چپل پہن کر جماعت خانہ کے اندر آجاتے ہیں کہتے ہیں کہ راستہ میں ریتی وغیرہ ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ چپل پہن کر جماعت خانہ میں جا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں مسجد کی بے ادبی ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی عمارت منہدم کرنے کے بعد مسجد کی جگہ کا احترام ویسا ہی ضروری ہے جیسے پہلے تھا، جوتے اور چپل اگر نئے اور پاک ہوں تو مضائقہ نہیں لیکن مقام ادب میں جوتے اتار دینا ادب کا مقتضی ہے آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتے پہن کر جوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اذا کنت فی مثل ھذا المکان فاخلع نعلیک تفسیر قرطبی تحت قولہ فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی، سورۃ طٰہٰ یعنی

---

(۱) ان یحصون جازھذا الشرط مبنی علی ما ذکرہ شمس الائمۃ من الضابط وھو انہ اذا ذکر للواقف مصرفا لابدان یکون فھم تنصیص علی الحاجۃ حقیقۃ کالفقراء او استعمالا بین الناس کالیتامی والزمنی لأن الغالب فیھم الفقر فیصح للاغنیاء والفقراء فان کانوا یحصون والا فللفقراھم. فقط۔ شامی کتاب الوقف مطلب متی ذکر للوقف مصرف لابد ان یکون فیھم تنصیص علی الحاجۃ ج ۳ ص ۵۱۹۔

جب تم ایسی جگہ سے گذرو جس کا احترام مطلوب ہے تو اپنے جوتے اتار دیا کرو لہذا بلا ضرورت پاک جوتے پہن کر بھی شرعی مسجد میں داخل ہونے کی عادت مناسب نہیں تو مستعمل اور مشتبہ جوتے (جو بیت الخلاء جانے میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں) پہن کر مسجد شرعی میں داخل ہونا کیسے گوارہ کیا جاسکتا ہے، متولی صاحب کو چاہئے کہ حوض سے لے کر جماعت خانہ تک گودڑی (ٹاٹ، پائیدان) بچھائے رکھیں تا کہ مسجد بے ادبی سے محفوظ رہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۰رجب المرجب ۱۴۰۰ھ۔

مسجد میں برقی پنکھے لگانا:

(سوال ۱۲۸) بعد سلام مسنون وادائے آداب گذارش ہے کہ حسب ذیل سوال کے متعلق جواب مطلوب ہے۔

ہمارے محلّہ کی مسجد کا رقبہ ۲۶ فٹ لمبا اور ۱۶ فٹ چوڑا ہے جس میں تین صفیں ہوتی ہیں، مسجد میں پانچ پنکھے لگے ہوئے ہیں۔ تکبیر اولیٰ کے وقت عموماً بارہ تیرہ مقتدی ہوتے ہیں، جماعت پوری ہوتے ہوتے ڈھائی صف ہوجاتی ہے چند بزرگوار عمر رسیدہ مقتدی پابندی سے تکبیر اولیٰ سے ہی جماعت میں شریک ہوتے ہیں، ان کو کسی بھی موسم میں پنکھے کی ہوا موافق نہیں آتی، گھٹنے اور دیگر اعضاء میں درد شروع ہوجاتا ہے اور مسجد کے متولی صاحب ان کی تکلیف دور کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے نہ پنکھا بند کرواتے ہیں اور نہ ہی آہستہ چلانے کی ہدایت کرتے ہیں اور جب ان کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں دو تین افراد کی رعایت کی جائے یا زیادہ کی؟ آپ جواب عنایت فرمائیں کہ مسجد میں پنکھا لگانا کیسا ہے؟ اور ان معذورین کی رعایت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وھوالموفق للصواب:۔ مسجد میں پنکھے لگانے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، آٹھویں صدی کے علمائے کرام وصلحائے عظام کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی اور اس کے بدعت شرعی ہونے کا حکم لگایا، چنانچہ علامہ ابن الحاج متوفی ۷۳۷ھ تحریر فرماتے ہیں۔

وقد منع علماء رحمهم الله المراويح ان اتخاذها فى المساجد بدعة یعنی ہمارے زمانہ (آٹھویں صدی ہجری) کے علماء مساجد میں پنکھا لگانے کو ایک قسم کی بدعت فرماتے ہیں اور منع کرتے ہیں (کتاب المدخل ج ا ص ۷۹ ج ص ۴۹)

حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۰۴ھ ارشاد فرماتے ہیں۔ ''مسجد میں پنکھا فرشی لگانا فی نفسہ مباح ہے کوئی ممانعت شرعیہ اس میں نہیں ہے اور نہ کوئی روایت فقہیہ معتبرہ اس میں نظر سے گذری...... الی قولہ...... البتہ بدعت لغویہ اور بدعت مباحہ ہے، پس بلحاظ کمال اتباع سلف صالحین ترک اس کا اولیٰ ہوگا اور ارتکاب اس کا موجب ضلالت یا کراہت نہیں ہوسکتا (مجموعہ فتاویٰ ج ا ص ۱۱۳)

مولانا موصوف کے نزدیک بدعت شرعیہ تو نہیں ہے مگر خلاف اولیٰ ہونا مصرح ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتیٔ اعظم پاکستان فرماتے ہیں:۔

مسجد میں برقی (الیکٹرک) پنکھا لگانا جائز ہے لیکن ابن الحاج نے مدخل میں اس کو بھی ایک درجہ کی بدعت

فرمایا ہے کیونکہ زمانہ سلف صالحین میں اس کا دستور نہ تھا، انتہی ...... مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اپنے فتاوی میں فرمایا ہے کہ اگرچہ اس کے بدعت شرعیہ ہونے میں تامل ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ترک ہی افضل ہے اور اس میں سلف کا پورا اتباع ہے۔ (منیۃ الساجد فی اداب المساجد ص ۲۰)

مندرجہ بالا بزرگوں کی عبارات سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مسجد میں پنکھا لگانا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے (مگر نہ ہونا اولی ہے) یہ حکم بھی اس صورت میں ہے کہ پنکھا ایسا آہستہ چلایا جائے کہ کسی نمازی کو تکلیف نہ پہنچے، آہستہ چلانا بھی مضر اور باعث تکلیف ہو اور ضعفاء ومعذورین ادھر ادھر بھاگتے پھریں اور صف چھوڑ کر الگ کھڑے ہونے پر مجبور ہوں اور فضیلت کی جگہ (قرب امام) سے محروم رہیں تو پنکھا لگانا اور چلانا کسی کے نزدیک بھی پسندیدہ نہیں ہوسکتا، بلکہ ممنوع قرار پائے گا۔

شریعت نے ہمیشہ مریضوں، ضعفاء، معذورین اور حاجت مند حضرات کا پورا لحاظ رکھا ہے اگرچہ وہ کم ہوں، چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول مقبول ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ فلاں امام صاحب کی نماز میں طویل قرأت پڑھتے ہیں اس لئے میں جماعت سے محروم رہتا ہوں، راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بہت خفا ہوئے، نصیحت کرتے وقت کبھی میں نے آپ کو اس قدر غضب ناک نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا ان منکم منفرین فایکم ماصلی بالناس فلیتجوز فان فیھم الضعیف والکبیر وذاالحاجۃ. یعنی تم میں سے بعض نفرت دلانے والے ہیں، جو بھی نماز پڑھائے تو وہ مختصر پڑھائے اس لئے کہ نمازیوں میں ضعیف، بوڑھے اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں (اور ان کی رعایت ضروری ہے (بخاری شریف ج اص ۹۷ پ۳ باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۱)

ظاہر ہے کہ جماعت میں بیمار، ضعیف اور حاجت مند نسبۃً کم ہی ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی رعایت کرنے کا حکم ہو رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کم یا زیادہ کا سوال نہیں ہے، کمزوروں، بیماروں اور معذوروں کی رعایت ضروری اور مقدم ہے، خواہ وہ کم ہی ہوں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے اپنی قوم کو عشاء کی نماز پڑھائی اور قرأت لمبی پڑھی ایک مقتدی نے نماز توڑ دی اور تنہا پڑھ کر چلے گئے۔ لوگوں نے کہا وہ منافق تو نہیں ہوگئے؟ اس شخص نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ہم مزدور پیشہ لوگ ہیں دن میں محنت کا کام کرتے ہیں حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا" یا معاذ افتان انت "اے معاذ کیا تم فتنہ انگیزی کرتے ہو؟ والشمس وضحھا والضحی. واللیل اذا یغشی. سبح اسم ربک الاعلیٰ (جیسی) سورتیں پڑھا کرو، متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۷۹ باب القراۃ)

غور کیجئے! مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں صرف ایک شخص کی شکایت تھی اور بقیہ سب نمازی مطمئن تھے، لیکن صرف ایک شخص کی تکلیف کا خیال فرما کر عام حکم صادر فرمایا کہ ضعیفوں، کمزوروں اور معذوروں کی رعایت کی جائے، لہذا پنکھے کی ہوا جن کو مضر ہے وہ خواہ کتنے ہی کم ہوں ان کی تکلیف کا خیال کیا جائے ...... مزید یہ حدیث ملاحظہ

کیجئے ۔حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ جب رسول مقبول ﷺ نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو نماز مختصر کردیتے (اس خیال سے کہ) اس کی ماں نماز میں ہوگی تو اس کا دل نماز میں نہ لگے گا اور پریشانی ہوگی (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶ باب ما علی الامام) غور کیجئے ،صرف احتمال ہے کہ بچہ کی ماں نماز میں ہوگی مگر پھر بھی رسول اللہ ﷺ ایک نمازی کے خاطر نماز مختصر فرمادیتے ہیں اس کے برخلاف ہمارے زمانہ کی حالت یہ ہے کہ جوانوں اور پنکھے کے شائقین لوگوں کا خیال تو کیا جاتا ہے مگر بوڑھوں و بیماروں کی شکایت کو خاطر میں نہیں لاتے ۔یہ بات بعید از انصاف ہے۔

مسجد خالص عبادات اور خصوصاً نماز با جماعت کے لئے ہے لہذا جو چیز اس کی ادائیگی میں اور خشوع و خضوع کے لئے مخل ہو اس کا تدارک کرنا ضروری ہے ،جن حضرات کو پنکھا مضر ہے وہ اطمینان اور سکون ،خشوع و خضوع سے محروم ہوں گے ،بعض لوگوں نے پنکھے کو گویا مدار فضلیت سمجھ رکھا ہے ، جہاں پنکھا ہو اس جگہ نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں چاہے امام سے دور ہی ہو جائیں حالانکہ حدیث میں ہے کہ جو نمازی امام کے پیچھے محاذ میں (مقابل میں) کھڑا ہو اس کے لئے سو ۱۰۰ نمازیں لکھی جاتی ہیں اور جو نمازی اس کے داہنے جانب کھڑا ہو اس کے لئے پچھتر ۷۵ نمازیں لکھی جاتی ہیں اور جو اس کے بائیں جانب کھڑا ہو اس کے لئے پچاس نمازیں لکھی جاتی ہیں ،اور باقی نمازیوں کے لئے پچیس ۲۵ نمازیں لکھی جاتی ہیں ۔(مجالس الابرار ص ۳۱۹ مجلس نمبر ۴۷)

اس فضیلت کے حصول سے معذورین محروم رہتے ہیں اور اگر اس جگہ پنکھا نہ چلتا ہو تو پنکھے کے دلدادہ اس جگہ کھڑے نہیں رہتے بلکہ پنکھے کی جگہ کو پسند کرتے ہیں اور پنکھے کے نیچے کھڑے رہنے کے لئے تکبیر اولیٰ کو بھی چھوڑ دیتے ہیں ......افسوس......

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔''بدعت دفعۃً نہیں آتی اسی طرح آہستہ آہستہ آتی ہے اہل فہم پہلے سے سمجھ جاتے ہیں اور روک دیتے ہیں دوسرے لوگ بعد میں متنبہ ہوتے ہیں (**الورد الشذی علی جامع الترمذی ص ۷۰**)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے **اتقوا فراسۃ المومن فانه ینظر بنور الله** ۔یعنی مومن کی فراست سے چوکنے رہو بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھ لیتے ہیں۔

الحاصل :۔مسجد میں پنکھا لگانا اور اس سے نمازیوں کا متمتع ہونا فی نفسہ جائز ہے لیکن اس میں چند خرابیاں پیدا کر لی گئی ہیں۔

(۱) بہت تیز چلایا جاتا ہے اور اس کی آواز کی گونج پوری مسجد میں پھیل جاتی ہے حتی کہ امام کی قرأت اور خطبہ پر دباؤ پڑتا ہے ،صاف طور پر سنا نہیں جاتا۔

(۲) معذورین کی رعایت نہیں کی جاتی وہ بھاگتے پھرتے ہیں ۔اور کہا جاتا ہے کہ معذورین اقل (کم) ہیں اور پسند کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اس وجہ سے معذورین صف سے الگ کھڑے ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

(۳) پنکھے کی وجہ سے معذورین فضیلت کی جگہ حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں یا عوام پنکھے کے دلدادہ فضیلت کی جگہ قصداً چھوڑ دیتے ہیں ۔ان وجوہات شرعیہ کی بنا پر **بفحوائے اثمهما اکبر من نفعهما** اس سے

احتراز چاہئے، یا پھر معذورین کی شکایت کا تدارک کرنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرد کے ہوتے ہوئے عورت مسجد کی صفائی کرسکتی ہے یا نہیں

(سوال ۱۲۹) مسجد کی صفائی مرد کرے یا عورت؟ مرد کے ہوتے ہوئے عورت کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بے پردگی وغیرہ کوئی قباحت نہ ہو تو عورت مسجد کی صفائی کی سعادت حاصل کرسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۵ شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ۔

مسجد، عیدگاہ اور دیگر کار خیر میں استعمال کی نیت سے مسجد میں صفیں دینا:

(سوال ۱۳۰) ایک شخص اس نیت سے صفیں مسجد میں دیتا ہے کہ یہ صفیں مسجد میں استعمال کی جائیں اور بوقت ضرورت عیدگاہ اور دوسرے کار خیر میں بھی استعمال کی جائیں تو اس طرح نیت کر کے مسجد میں صفیں دینا کیسا ہے؟ اور اس نیت سے دینے کے بعد وہ صفیں مسجد اور عیدگاہ دیگر امور خیر میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) واقف کی نیت کے بموجب وہ صفیں مسجد اور عیدگاہ اور تبلیغی اجتماعات کے موقع پر نماز پڑھنے کے لئے استعمال کرسکتے ہیں، بالکل ہی عام کردینا مناسب نہیں ہے، نماز کے لئے محدود رکھا جائے۔ (حوالہ اسی باب میں مسجد کی صفیں عیدگاہ میں کب استعمال کرسکتے ہیں کے عنوان کے تحت دیکھیں۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ۔

صحن مسجد میں اور مسجد کے شمالی وجنوبی حصہ میں دوکانیں بنانا:

(سوال ۱۳۱) ہماری مسجد بہت پرانی ہے اس کو شہید کر کے دوبارہ تعمیر کرانا چاہتے ہیں، مسجد میں ایک جماعت خانہ اور اس کے متصل ایک صحن ہے پنجوقتہ نماز میں صرف جماعت خانہ میں مقتدی ہوتے ہیں، مگر جمعہ میں اور بڑی راتوں میں صحن میں بھی نمازی ہوتے ہیں۔ مسجد کے شمالی حصہ میں کنواں اور غسل خانے ہیں اور جنوب میں حوض اور پیشاب خانے ہیں، اب جدید تعمیر میں مسجد کی آمدنی کی نیت سے کچھ دوکانیں بنانے کا پروگرام اس کی نوعیت اس طرح ہوگی۔

جماعت خانہ اپنی اصلی حالت پر رہے گا، صحن کو مختصر کر کے اس میں دو دو کانیں اور شمالی حصہ میں کنواں اور غسل خانے ختم کر کے وہاں دو دکانیں اور جانب جنوب میں پیشاب خانوں کی جگہ تین دکانیں بنانے کا پلان ہے، حوض کافی وسیع ہے اسے پر کر کے اس کی کچھ جگہ میں غسل خانے اور پیشاب خانے اور کچھ جگہ میں وضو خانہ بنانے کا پلان ہے، اب دریافت طلب امور یہ ہے۔

(۱) اس میں دوکانیں بنانا کیسا ہے؟ (۲) کنواں اور غسلخانہ کی جگہ میں جو خارج مسجد ہے دوکانیں بنانا کیسا ہے (۳) حوض کو پر کر کے اس جگہ پر غسل خانے پیشاب خانہ۔ اور وضو خانہ بنانا کیسا ہے؟ (۴) یہ مسجد غیر مسلم علاقہ میں ہے تو یہ دوکانیں مسجد کی آمدنی کی نیت سے غیر مسلموں کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صحن میں دو احتمال ہیں (۱) داخل مسجد ہے (۲) خارج مسجد ہے اور جب یہ قطعی اور یقینی طور پر معلوم نہ ہو کہ یہ صحن خارج مسجد ہے تو اس کو احتیاطاً داخل مسجد ہی سمجھا جائے گا اور اس کا داخل مسجد جیسا احترام کرنا ہوگا۔ اگر ثابت

ہو جائے کہ یہ صحن خارج مسجد ہے یعنی شرعی مسجد میں شامل نہیں ہے تو اس کا حکم فناء مسجد کا ہوگا اور فناء مسجد میں دکان بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، بلکہ ممنوع ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے قیم المسجد لا یجوز لہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتاً ومسکناً تسقط حرمتہ وھذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی (فتاویٰ عالمگیری ج۳ ص ۴۶۱ الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد الخ) اور بحر الرائق میں ہے وفی المجتبی لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فنائہ (البحر الرائق ج۵ ص ۲۴۹ کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد تحت قولہ ومن بنی مسجد الخ)

(۲) نمازیوں کو تکلیف نہ ہو (کیونکہ کنواں اور غسلخانہ ضروری چیزیں ہیں) اور دوکان بننے سے احترام مسجد میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو بنانا درست ہے ورنہ ممنوع ہوگا۔

(۳) وضو خانہ کا انتظام خاطر خواہ طریقہ پر ہو جائے تو اس جگہ غسل خانے اور پیشاب خانے بنانے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مسجد کے احترام میں خلل نہ آئے۔

(۴) غیر مسلم کرایہ دار ہوں گے تو نمازیوں کو بہت کچھ برداشت کرنا پڑے گا اور مسجد کا احترام بھی خطرہ میں پڑے گا، زور زور سے ریڈیو بجے گا، گانا ہوگا، اور محلّہ میں مسلمان آباد نہیں ہیں تو یہ مسجد سادگی کے ساتھ کم خرچ سے بنالی جائے تاکہ بے ادبی سے محفوظ ہو جائے اور بوقت ضرورت، جمعہ وغیرہ میں استعمال کی جائے پانچوں وقت اذان اور نماز باجماعت کم از کم تین نمازیوں کی ہو جایا کرے ایسا انتظام کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

منارہ بنانا کیسا ہے:

(سوال ۱۳۲) مسجد تعمیر ہو رہی ہے منارہ بنانے کا بھی ارادہ ہے۔ منارہ بنانا کیسا ہے؟ کیا آنحضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں منارہ تھا؟ یہ بدعت تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بے شک آنحضور ﷺ کے مبارک زمانہ مسجد کے منارہ کی یہ شکل نہ تھی جو آج ہے، لیکن اذان بلند جگہ سے دی جاتی تھی ابوداؤد شریف میں بنونجار کی ایک صحابیہ عورت رضی اللہ عنہا کا بیان منقول ہے کان بیتی من اطول بیت کان حول المسجد فکان بلال یوذن علیہ الفجر ... الخ یعنی میرا مکان مسجد نبوی سے قریب تھا اور دوسرے مکانوں کی بہ نسبت طویل اور بلند تھا جس پر چڑھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے تھے، (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۸۴ باب الاذان فوق المنارۃ) اس سے ثابت ہوا کہ اذان کے لئے بلند جگہ شرعاً مطلوب ہے لہٰذا جہاں ضرورت ہو منارہ کے بغیر محلّہ میں اذان کی آواز پہنچتی ہو تو اس کا بنانا جائز ہے، بدعت نہیں ہے، مگر منارہ بنانے میں نام ونمود مقصود نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ بلند نہ ہو، فتاویٰ عالمگیری میں ہے واما بناء منارۃ المسجد من غلات المسجد بان یکون اسمع للقوم فلا بأس بہ وان لم یکن مصلحتہ لا یجوز بان یسمع کل اھل المسجد الاذان بغیر منارۃ کذا فی التمرتاشی۔ یعنی منارہ بنانے میں شرعی مصلحت ہو اور منارہ کے بغیر محلّہ میں اذان کی آواز نہ پہنچتی ہو تو منارہ مسجد کے وقف سے بنا سکتے ہیں اور اگر مصلحت نہ ہو اور منارہ کے بغیر آواز

پہنچتی ہوتو جائز نہیں (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵ کتاب الکراہیۃ ،الباب الخامس) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

جماعت خانہ میں لعاب دانی رکھنا کیسا ہے :

(سوال ۱۳۳) ہماری مسجد میں لعاب دانی (تھوک دانی) رکھی جاتی ہے اور نمازی اس کا استعمال کرتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) لعاب دانی (اگالدان) صبح وشام وقتاً فوقتاً صاف کی جاتی ہو بد بودار نہ رہتی ہو تو مسجد میں رکھ سکتے ہیں ،ورنہ اجازت نہ ہوگی، مجبوری کے وقت ہی استعمال کی جائے ۔ مجبوری نہ ہو تو باہر جا کر تھوکنا چاہئے یا رومال میں تھوک لینا چاہئے ،فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

مسجد میں چھوٹے بچوں کو لانا:

(سوال ۱۳۴) ہمارے یہاں بعض مصلی اپنے ساتھ چھوٹے بچوں کو مسجد میں لاتے ہیں اور جماعت خانہ میں بٹھاتے ہیں وہ بچے کبھی روتے ہیں کبھی شرارت کرتے ہیں اور گاہے پیشاب بھی کر دیتے ہیں ان کو کہا جاتا ہے کہ بچوں کو اپنے ساتھ نہ لاؤ اس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے مگر وہ نہیں مانتے، ان کی سمجھ میں آ جائے ایسا جواب تحریر فرمائیں ۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں چھوٹے بچوں کو لانے کی اجازت نہیں، مسجد کا ادب واحترام باقی نہ رہے گا اور لانے والے کو بھی اطمینان قلب نہ رہے گا، نماز میں کھڑے ہوں گے مگر خشوع وخضوع نہ ہوگا، بچوں کی طرف دل لگا رہے گا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے **جنبوا مساجد کم صبیا نکم و مجانینکم الخ** اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ (ابن ماجہ ص ۵۵ باب ما یکرہ فی المساجد)

اسی لئے فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد میں بچوں کو داخل کرنا اگر اس سے مسجد کے نجس ہونے کا اندیشہ ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے، الاشباہ والنظائر میں ہے **و منها حرمة ادخال الصبيان و المجانين حيث غلب تنجيسهم و الا فيكره (الاشباه ص ۵۵۷ القول فى احكام المسجد)** ہاں اگر بچہ سمجھدار ہو نماز پڑھتا ہو مسجد کے ادب واحترام کا پاس ولحاظ رکھتا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، غالباً اسی بناء پر سات برس کی قید حدیث میں موجود ہے ۔ وہ نابالغ بچوں کی صف میں کھڑا ہے، اگر صرف ایک ہی بچہ ہو تو وہ بالغوں کی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے مکروہ نہیں ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں سونا اور مقامی لوگوں کا ایک رات شب باشی کرنا:

(سوال ۱۳۵) ممباسا اور ایسٹ افریقہ کے شہروں میں نو دس برس سے تبلیغی جماعت والے آتے ہیں وہ لوگ مساجد میں قیام کرتے ہیں، مسجد کے صحن اور حجرہ میں کھاتے ہیں، مسجد میں شب باشی کرتے ہیں، شہر میں ایک مسجد کو مرکز بناتے ہیں جہاں ہفتہ میں ایک رات مقامی لوگ شب باشی کرتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ تعیین بدعت نہیں کہلائے گی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تبلیغی جماعت والے اگر مسافر ہیں، اور مسجد کی صفائی ادب واحترام کا لحاظ کرتے ہیں تو سونے کی گنجائش ہے، باہر جگہ ہو تو وہاں سونا اور وہیں کھانا پینا اچھا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے **و لا بأس للغریب و لصاحب الدار ان ینام فی المسجد فی الصحیح من المذہب و الا حسن ان یتورع فلا ینام کذا فی خزانۃ الفتاویٰ**. یعنی۔ بربنائے صحیح مذہب مسافر اور مقیم کے لئے مسجد میں سونے کی گنجائش ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس سے اجتناب کرے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵ کتاب الکراہیۃ ، الباب الخامس)

اگر مسافر نہیں ہیں لیکن مسجد میں عبادت اور اعتکاف کی نیت سے کچھ وقت گزاریں تو ان کے لئے بھی کھانے پینے اور سونے کی اجازت ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے **ویکرہ النوم و الا کل فیہ لغیر المعتکف و اذا ارادان یفعل ذلک ینبغی ان ینوی الا عتکاف فید خل فیہ ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر مانویٰ اویصلی ثم یفعل ماشاء کذا فی السراجیۃ**. یعنی۔ غیر معتکف کا مسجد میں سونا اور کھانا مکروہ ہے اور جب مسجد میں ان کاموں کے کرنے کی ضرورت ہو تو مناسب یہ ہے کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہو، اور نیت کے مطابق اللہ کا ذکر کرے، نماز پڑھے پھر جس کام کا ارادہ ہو کرے (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵ حوالہ بالا)

رہا شب گذاری کا مسئلہ: تو ان کا مقصد لوگوں کو گھر کے ماحول سے نکال کر دینی فضا اور اچھے ماحول میں لا کر دینی تعلیم اور تبلیغ کے لئے تیار کرنا ہے اس کا لحاظ کر کے دن اور وقت متعین کیا جاتا ہے جیسا کہ مدرسہ میں تعلیم کے لئے، اور خانقاہوں میں تربیت کے لئے وقت مقرر ہوتا ہے، یہ تقرر یہ سہولت کے لئے ہے نہ فضیلت کے خاطر لہذا یہ منع نہیں ہے تاہم وقت اور دن میں تبدیلی کرتے رہا کریں جس سے عوام میں غلط فہمی نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گاؤں کی مسجد میں رقم دینے کا وعدہ کر کے انکار کرنا:

(سوال ۱۳۶) ایک شخص نے اپنے گاؤں کی غریب مسجد کی مرمت اور درستگی کے لئے کچھ رقم دینے کا وعدہ کیا پھر اس کا کسی سے خانگی جھگڑا ہوا اس بنا پر اس نے رقم دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور کہتا ہے کہ لوگ قدر دان نہیں ہیں، اور اب دوسرے گاؤں کی مسجد میں خرچ کرنا چاہتا ہے تو یہ کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) گاؤں کی مسجد بوسیدہ حالت میں ہے اصلاح و مرمت کے قابل ہے اور خدا کے گھر کی درستگی کا وعدہ کر چکا ہے اس بنا پر یہ مسجد زیادہ حقدار ہے لہذا وعدہ پر قائم رہ کر اسی مسجد میں رقم دینی چاہئے بستی والے قدر کریں یا نہ کریں خدا تعالیٰ تو قدر دان ہے اور وہ اجر عظیم اور ثواب جاریہ کا اجر جزیل عطا فرمانے والا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مسجد کی زمین کس کو کرایہ پر دینا بہتر ہے؟ (۲) مسجد کی آمدنی کی کوئی حد متعین ہے:

(سوال ۱۳۷) مسجد کی ایک زمین ہے جماعت والے اسے ماہانہ دوسو روپے کرایہ پر مانگ رہے ہیں اور دوسرے لوگ تین سو روپے ماہانہ دینے کے لئے تیار ہیں تو کس کو کرایہ پر دی جائے؟

(۲) مسجد کی آمدنی کس حد تک بڑھائی جا سکتی ہے؟ کیا اس کا کوئی نشانہ مقرر ہے کہ اس حد تک آمدنی کی جائے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کو زیادہ آمدنی کی ضرورت نہیں ہے، جواب عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) مسجد کی زمین کرایہ پر دینا ہے تو اس کی خوب تشہیر کی جائے اور مساجد میں اعلان لگا دیا جائے ”فلاں

زمین جو فلاں جگہ واقع ہے فلاں مسجد اس کی مالک ہے اس کو کرایہ پر دینا ہے پھر جو زیادہ کرایہ دے (بشرطیکہ زمین خطرہ میں نہ پڑے) ایسے شخص کو دی جائے، مسلمانوں کو چاہئے کہ بڑھ چڑھ کر کرایہ کا معاملہ کریں کہ مسجد کو فائدہ پہنچانا ہے جو موجب اجر وثواب ہے۔ فقط۔

(۲) مسجد کو مرمت کی ضرورت ہوتی ہے کبھی تجدید مسجد کی نوبت آجاتی ہے اس لئے جس قدر زیادہ آمدنی ہو بہتر ہے، امام اور مؤذن اور مسجد کی صفائی کے لئے جو خادم ہوں ان سب کو معقول تنخواہ دی جاسکے کہ اس زمانہ کی قاتل گرانی میں اطمینان سے گذر ہو سکے، بہر حال مسجد کا جس میں مفاد زیادہ ہو اس پر اہل محلہ کے ذمہ داران کے مشوارے اور اتفاق سے کام کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نئی تعمیر میں متولیوں نے جماعت خانہ کے کچھ حصہ میں دکان بنادی تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۳۸) ایک پرانی مسجد جس کو شہید کر کے از سرنو بنایا گیا ہے متولیوں نے مسجد کی آمدنی کے لئے جماعت خانہ کے کچھ حصہ میں دوکانیں بنادیں تعمیری کام مکمل ہو چکا ہے، اہل علم اس کی مخالفت کر رہے ہیں کہ آمدنی کے لئے جماعت خانہ کا حصہ الگ نہیں کیا جاسکتا ہے، متولی حضرات پریشان ہیں کہ اب کیا کریں اگر اس حصہ کو دوبارہ جماعت خانہ میں شامل کیا جائے تو کافی نقصان ہوگا، دیوار توڑنا ہوگی، محراب اپنی جگہ سے ہٹانی پڑے گی، شاید اس پر متولی حضرات آمادہ نہ ہوں، تحریر فرمائیں کہ ان کا یہ فعل از روئے شریعت صحیح ہوا یا نہیں؟ اگر متولیوں نے غلطی کی ہو تو اب اس حصہ کو کسی اور کام میں استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کہ جس سے دوبارہ نقصان نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب سے مسجد بنائی گئی ہے اسی وقت سے یہ جگہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، وہ جگہ تحت الثریٰ تک اور اوپر آسمان تک مسجد کے حکم میں ہے، لہٰذا مسجد کے نیچے کا حصہ بھی مسجد کے حکم میں ہے اس لئے مسجد کے نیچے کے حصہ میں بھی مسجد کی آمدنی کے لئے دکان اور مکان بنانا درست نہیں ہے تو خود مسجد کے حصہ میں جہاں سالہا سال نماز پڑھی گئی دوکان بنانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟[1] یہ فعل حرام اور کبیرہ گناہ ہے، لہٰذا دیوار توڑ کر اس حصہ کو داخل کرنا ضروری ہے، خرچ کے ذمہ دار وہ متولی ہیں جنہوں نے بلا تحقیق ایسی حرکت کی ہے۔ اگر ان کی مالی حالت اچھی نہیں ہے تو چندہ کر کے یہ کام کیا جائے خالی رکھنا بھی خلاف ادب وخلاف احترام ہے اور آگے چل کر بے حرمتی کا قوی اندیشہ ہے دوسری محراب بنانے کی ضرورت نہیں ہے، مسجد کے وسط میں محراب جیسا نقشہ بنالیا جائے اور امام وہاں کھڑا ہوتا کہ دونوں جانب نمازی برابر رہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے قریب کار پارکنگ بنانے میں سود کی رقم استعمال کرنا:

(سوال ۱۳۹) ہمارے یہاں مسجد بنانے کا پروگرام ہے یہاں کے قانون کے مطابق کار پارکنگ (موٹروں کو صحیح طریقہ سے رکھنے کی جگہ) ہونا لازمی ہے، یہ جگہ درکار ہوتی ہے اور قانون کے مطابق یہ جگہ پختہ سڑک کی طرح بنانا لازم ہوتی ہے، اس کے بغیر مسجد بنانے کی اجازت نہیں ملتی مسجد کے پیسے جو بینک میں جمع کئے جاتے ہیں اور اس پر جو سود ملتا

(۱) فرع لو بنا فوقة بيتا للامام للايضر لأنه من المصالح اما لو تمت المسجد به ثم اراد البنآء منع، درمختار مع شامی کتاب الوقف، قبیل مطلب فیما لو خرب المسجد وغیره

ہے وہ سود کی رقم یہ کار پارکنگ بنانے میں استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح دوسری ضروریات میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً قبرستان کی زمین خریدنے میں، بینوا توجروا۔ (از کنیڈا)

(الجواب) صورت مسئولہ میں نمازیوں کی کار رکھنے کی جگہ لازمی ہے تو مالدار حضرات یہ کام اپنی حلال کمائی سے کر سکتے ہیں اور کرنا چاہئے، اگر واقعی مجبوری ہو اور بلا بینک کے سود کے بنانا ممکن نہ ہو تو پھر گنجائش ہے، جس قبرستان میں اپنے مردے دفن ہوں گے خود بھی دفن ہوں گے اس کے خریدنے میں سود کی رقم استعمال کرنے کی اجازت نہیں، مجبوری ہو تو کمپاؤنڈ بنانے میں استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مساجد، مدارس عبادت گاہوں کا بیمہ اتارنا:

(سوال ۱۴۰) ہمارے یہاں مساجد و مدارس کے لائن سے جتنی بھی عمارتیں یا عبادت گاہیں ہیں وہ حکومت کے رجسٹر میں وقف کے نام سے نہیں بلکہ ہر شہر یا بستی کے باشندوں کے نمائندہ جماعت یا ٹرسٹ کے نام سے رجسٹر کرائی جاتی ہے۔ یہ ہے حقیقت ہمارے یہاں کی مساجد و مدارس کی۔ یہاں عیسائیوں کی حکومت ہے، ملک میں کئی سیاسی پارٹیاں ہیں ان میں ایک پارٹی تشدد پسند ہے، جو لوگ دیگر ممالک سے آ کر یہاں آباد ہو گئے ہیں ان کے ساتھ یہ لوگ بہت بدسلوکی کرتے ہیں جب بھی موقعہ ملتا ہے تو یہ لوگ ان لوگوں کے مکان، دوکان، مذہبی عبادت گاہوں اور مدارس کو نقصان پہنچاتے ہیں، کبھی جلا بھی ڈالتے ہیں، سیشے توڑ ڈالتے ہیں۔ ان امور کے پیش نظر۔

(۱) اگر ہم اس دیار غیر میں دینی درس گاہوں، مذہبی عبادت گاہوں اور مساجد کا بیمہ اتارنا چاہیں تو شرعی اعتبار سے یہ جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ مذکورہ بالا تحریر کے مطابق یہاں کی اکثر عبادت گاہیں شرعی مساجد کے حکم میں نہیں ہیں، عبادت گاہیں ہیں۔

(۲) ان عبادت گاہوں کے علاوہ یہاں جو چند شرعی مساجد ہیں ان مساجد کا بھی بیمہ اتار سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (از برطانیہ)

(الجواب) موجودہ اور مسطورہ پریشان حالی میں بیمہ اتارنے کی گنجائش ہے اور اس کا افشاء بھی مناسب ہے کہ مخالفین نقصان پہنچانے سے باز رہیں گے کہ ان کو معاوضہ مل جاوے گا تو نقصان پہنچانا بیکار ہوگا مگر جو رقم بیمہ کے ضمن میں ادا کی گئی ہے وہ رقم مسجد، مدرسہ اور عبادت گاہ کی ہوگی، اور زائد رقم غرباء کو تقسیم کرنا ہوگی، اگر ضرور پڑ جائے تو مسجد و مدرسہ اور عبادت گاہوں کی بیت الخلاء، پیشاب خانہ، غسل خانہ میں بھی لگا سکتے ہیں، تنخواہ وغیرہ اچھے کام میں استعمال نہیں کر سکتے۔ [1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔ یکم جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ۔

پٹے سے لی ہوئی زمین پر مسجد بنانا:

(سوال ۱۴۱) ایک قطعۂ زمین حکومت سے پٹے پر لی ہے اس پر مسجد تعمیر کی گئی ہے، متولیوں کو علم ہے کہ جس زمین پر مسجد تعمیر کی گئی ہے وہ ننانوے سال کی مدت ختم ہوتے ہی حکومت بغیر قیمت ادا کئے اپنے قبضہ میں لے سکتی ہے

(۱) یہ جواب قابل غور ہے اس بارے میں علماء سے پوچھ کر عمل کیا جائے، اگر سخت مجبوری کی وجہ سے بیمہ کی اجازت مل جائے تو اصل رقم سے زاید جو رقم ملے اسے مسجد کی تعمیر پر لگانا جائز نہیں ہوگا خواہ وضوء خانے اور لیٹرین کی تعمیر کیوں نہ ہو فقراء پر صدقہ کرنا ہوگا۔

اسی طرح اگر درمیان میں بھی حکومت چاہے تو یہ عمارت خرید سکتی ہے، کیا ایسی زمین پر مسجد بنانا جائز ہے؟ اور اگر مسجد تعمیر ہوگئی ہے تو وہ مسجد شرعی شمار ہوگی؟ گو کہ اس میں پنجوقتہ نماز ہورہی ہے۔ بینوا توجروا۔ (از برطانیہ)

(الجواب) جب کہ پٹے کی زمین پر مسجد تعمیر کی گئی ہے حکومت سے خریدی نہیں ہے نہ حکومت نے مسلمانوں کو دی ہے کہ مسلمان اسے وقف کر کے مسجد شرعی بنا لیتے، اور حکومت کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے واپس لے لے تو یہ شرعی مسجد نہیں ہے، عبادت خانہ ہے جماعت کا ثواب ملے گا البتہ مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا (لیکن چونکہ مجبوری ہے اس لئے مسجد کی ثواب کی امید رکھنی چاہئے)، درمختار میں ہے (ولا یتم) الوقف حتی یقبض ویفرز ویجعل آخره لجهة قربة لا تنقطع (درمختار مع الشامی ج۳ ص ۵۰۴ کتب الوقف مطلب فی الکلام علی اشتراط التأبید) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۳ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ۔

سو سال کے بعد حکومت مسجد توڑ دے گی اس احتمال کے ہوتے ہوئے مسجد کی نیت کرنا:

(سوال ۱۴۲) ہمارے شہر میں دس بارہ سال پہلے ایک گرجا گھر خریدا ہے اور اس کو عبادت خانہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، ایک ماہ قبل ایک صاحب نسبت مستند عالم تشریف لائے تھے انہوں نے دریافت فرمایا کہ یہ شرعی مسجد ہے؟ تو بتایا گیا کہ ابھی تک اس کو عبادت خانہ کے طور پر استعمال کررہے ہیں، تو انہوں نے لوگوں کے ذہن کو صاف کیا اور مسجد شرعی کی نیت کرنے کی رغبت دلائی، یہاں لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہے کہ حکومت کا قانون یہ ہے کہ مکانات جب سو سال کے ہوجاتے ہیں تو حکومت ان کو گرادیتی ہے اور وہاں کے رہنے والے اس شہر میں دوسری جگہ منتقل ہوجاتے ہیں تو اس وقت اس مسجد کو کون آباد کرے گا اس وجہ سے یہاں اکثر شہروں میں لوگ عبادت خانہ کی نیت کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے۔

(۱) موجودہ حالات میں ایسے مکانات میں مسجد شرعی کی نیت کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) مسجد شرعی کی نیت کرنے کے بعد خدانخواستہ اس جگہ کو اگر حکومت نے گرادی یا اس کے اطراف کی بستی منتقل ہوگئی تو مجلس شوریٰ کے اراکین عند اللہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اور لوگوں کا یہ سوچنا کہ آئندہ کون آباد کرے گا شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب عنایت فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔ (از برطانیہ)

(الجواب) شرعی مسجد کے تحقق کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد پر وقف ہو، اگر وہ جگہ کچھ مدت کے لئے پٹہ پر (کرایہ پر) لی گئی ہے (یا مالک کی اجازت کے بغیر زمین پر غاصبانہ قبضہ کر کے مسجد بنالی ہے) تو وہ شرعی مسجد نہ ہوگی درمختار میں ہے (ولا یتم) الوقف (حتی یقبض ویفرز ویجعل آخره لجهة قربة لا تنقطع (ج۳ ص ۵۰۴ ایضاً) فتاویٰ عالمگیری میں ہے اما ان وقت الامر بالیوم او الشهر او السنة ففی هذا الوجه لا تصیر مسجداً لو مات یورث عنه كذا فی الذخیرة. انتهیٰ (عالمگیری ج۳ ص ۲۳۸ الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به)

آپ کے یہاں یہ صورت ہے "حکومت کا قانون ہے کہ جب مکانات سو سال کے ہوجاتے ہیں تو اس کو حکومت گرادیتی ہے اور وہاں کے رہنے والے شہر میں دوسری جگہ منتقل ہوجاتے ہیں الخ۔" اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا

ہے کہ مسجد کی زمین نہ پٹہ پر لی ہے اور نہ ملک کی اجازت کے بغیر غصب کی ہے بلکہ باقاعدہ خریدی ہے، البتہ سو سال بعد احتمال ہے کہ حکومت اس کو توڑ ڈالے اور یہ جگہ اپنے قبضہ میں لے لے اور پورے ملک میں عام صورت یہی ہے ہر جگہ یہی احتمال ہے تو سردست اس احتمال کا خیال نہ کیا جائے اور جو جگہ نماز کی نیت سے خریدیں اس میں عبادت خانہ کے بجائے مسجد کی نیت کی جائے کہ ضرورت ہے اور اس ضرورت کی وجہ سے انشاء اللہ اس میں مسجد کا ثواب ملے گا۔

ہدایہ اولین میں ہے وعن ابی یوسف رحمہ اللہ انہ جوز فی الوجھین حین قدم بغداد ورأی ضیق المنازل فکأنہ اعتبر الضرورۃ وعن محمد رحمہ اللہ انہ حین دخل الری اجاز ذلک کلہ لما قلنا (ھدایہ اولین ص ۶۲۴، ص ۶۲۵، کتاب الوقف)

سو سال بعد یا جب بھی حکومت بستی کو منتقل کرے تو اس وقت جو لوگ ہوں وہ لوگ مسجد کو اپنے قبضہ میں رکھنے اور آباد رکھنے کی کوشش کریں اور اگر آباد نہ کر سکیں تو حکومت میں درخواست دے کر اس کا احاطہ کر کے محفوظ کرنے کی پوری سعی وکوشش کریں ولو خرب ما حولہ واستغنی عنہ یبقی مسجد اعند الا مام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ (وبہ یفتی) حاوی القدسی. یعنی اگر اطراف مسجد منہدم اور ویران ہو جائے اور مسجد کی کوئی حاجت نہ رہے تب بھی امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ جگہ ہمیشہ قیام تک مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتویٰ ہے (درمختار ج ۳ ص ۵۱۳ کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد او غیرہ) مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ (جلد نہم از صفحہ ص ۸۴ تا صفحہ ص ۸۷) (وکفایت المفتی ج ۷ ص ۴۲) فقط۔

(۲) مسجد کی نیت کرنے میں امید ہے کہ موجودہ مجلس شوریٰ کے اراکین انشاء اللہ گنہگار نہ ہوں گے (بلکہ نیت خیر کی وجہ سے انشاء اللہ ماجور ہوں گے) آئندہ خدا اس کی حفاظت کرے گا اور اس کے آباد ہونے کی شکلیں پیدا کرے گا انشاء اللہ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۵ صفر ۱۴۰۴ھ۔

جماعت خانہ کی دیوار پتلی کر کے اس جگہ اور اسی طرح صحن مسجد میں سے طاق خارج کر کے دوکان بنانا:

(سوال ۱۴۳) ہمارے یہاں مصلیوں کے کثرت کی وجہ سے مسجد کے کچھ حصہ میں نئی تعمیر کا ارادہ ہے، جماعت خانہ کی جنوبی دیوار کی موٹائی سولہ انچ ہے اس کی موٹائی کم کر کے اندر کی جانب چھ انچ رکھ کر باہر کی جانب دس انچ کی دوکان بنائی جائے اور سمنٹ کے کھمبے ڈال کر دیوار کو مضبوط بنا دیا جائے اس طرح دکان بنانا جائز ہوگا؟ اسی طرح صحن میں ایک طاق ہے جو قبلہ سے منحرف ہے لوگ اس پر بیٹھتے ہیں نئی تعمیر میں یہ ارادہ ہے کہ اس طاق کو صحن سے خارج کر کے اس میں دکان بنادیں تو کیا یہ جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب تک اس جگہ کو دیکھا نہ جائے حکم لگانا مشکل ہے لہذا آپ اپنے یہاں کسی معتبر مفتی یا مستند عالم کو جگہ دکھلا کر اس کا حکم معلوم کریں آپ نے جو نقشہ بھیجا ہے اس کو دیکھ کر میری سمجھ میں جو آیا ہے اس کے پیش نظر عرض ہے۔ مسجد کی دیوار پتلی کر کے اس کا کوئی حصہ مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس حصہ کو دکان میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ صحن اگر داخل مسجد ہے تو یہ طاق بھی داخل مسجد ہے اس لئے اس جگہ دکان بنانا جائز نہیں اور اگر صحن خارج مسجد ہے تو

یہ طاق بھی خارج مسجد ہے لیکن اس جگہ کو فنائے مسجد کہا جائے گا اور فنائے مسجد میں بھی دکان بنانا جائز نہیں، مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتاوی رحیمیہ اردو جلد دوم ص ۱۷۹ ص ۱۸۰ (اسی باب میں، بعنوان، دیس نگر کی مسجد کا معاملہ، سے دیکھ لیا جائے۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۸ رجب المرجب ۱۴۰۴ھ۔ ی

مسجد میں گھنٹہ والی گھڑی رکھنا:

(سوال ۱۴۴) ایک شخص نے مسجد میں ایک گھنٹے والی گھڑی دی ہے اس گھڑی میں ہر پندرہ منٹ کے بعد ایک دو سیکنڈ تک ٹن ٹن بجتا ہے تو ایسی آواز والی گھڑی مسجد میں وقت معلوم کرنے کے لئے لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (سورت)

(الجواب) گھڑی میں پندرہ پندرہ منٹ بعد ٹن کی آواز ہوتی ہے اس سے ان لوگوں کو جو دور ہوتے ہیں یا جن کی نگاہ کمزور ہوتی ہے وقت معلوم کرنے میں سہولت رہتی ہے اس بنا پر علماء نے ایسی آواز والی گھڑی مسجد میں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ امداد الفتاوی میں ہے۔

(سوال ۱۴۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر ایسی گھڑی رکھنا جو آواز زور سے آدھ گھنٹہ کے بعد دیتی ہے اور ہر وقت تھوڑی تھوڑی آواز بدلی وغیرہ کے دنوں میں وقت نماز پہنچانے والے کے لئے جائز ہے یا نہیں اور اگر گھڑی مذکور مسجد سے خارج ہو کر آواز مسجد کے اندر جاتی ہو تو اس صورت سے بھی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں صورتوں کی آواز سے نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) مسجد کے اندر گھنٹہ دار گھڑی بغرض اعلام وقت کے جائز ہے اور چونکہ بعض لوگ بینائی کم رکھتے ہیں، بعض نمبر نہیں پہنچاتے اور بعض دفعہ روشنی کم ہوتی ہے اس لئے ضرورت ہوتی ہے آواز دار گھڑی کی تو اس مصلحت سے یہ جرس ممنوع سے مستثنی ہے جیسا کہ عالمگیریہ میں بعض فروع اس قسم کی لکھی ہیں اور حدیث میں تصفیق کی اجازت عین صلوٰۃ میں مصلحت صلوٰۃ کے لئے مشروعیہ صوت جس میں متقارعین لمصلحۃ الاعلام المتعلق بالصلوٰۃ کی دلیل بین ہے (امداد الفتاوی ج ۳ ص ۷۴۳ احکام المساجد، مطبوعہ ادارہ تالیفات اولیاء دیو بند) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲ صفر المظفر ۱۴۰۵ھ۔

بوقت قضائے حاجت قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا بھی ممنوع ہے:

(سوال ۱۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے مکان میں نیا پائخانہ (فلش) لگایا۔ جس میں حاجت کے لئے بیٹھتے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ ہوتی ہے کرایہ دار کا اصرار ہے کہ یہ طریقہ غلط ہے اور اس کے بیٹھنے کے رخ کو بدل دیجئے لہذا گذارش ہے کہ شرعاً اگر یہ ناجائز ہے تو گنجائش کی کوئی صورت ہو تو تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) کرایہ دار کا اصرار درست ہے۔ بیت الخلاء کا رخ بدل دینا ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ "اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها." یعنی: جب پائخانہ میں جاؤ (اور حاجت کے لئے بیٹھو) تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پیٹھ (بخاری ومسلم بخاری کتاب الطہارت باب لا یستقبل القبلة

بغائط ولا بول الخ) اورفقہائے کرام فرماتے ہیں۔ویکرہ تحریماً استقبال القبلة واستدبارها ولو فی البنیان (نور الایضاح ص ۳۰ فصل فی الاستنجاء ،الدر المختار مع الشامی ص ۳۱۶ ج ۱ ایضاً) یعنی پیشاب یا پائخانہ پھرنے کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔آبادی سے باہر ہو یا آبادی اور عمارت کے اندر (نور الایضاح)لہذا جب تک رخ نہ بدلا جائے تو جہاں تک ممکن ہو قبلہ کی طرف سے مڑ کر بیٹھے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کا منتظم تنخواہ لے سکتا ہے یا نہیں:

(سوال ۱۴۶)ایک مسجد کے چار منتظمین (ٹرسٹی) ہیں ان میں ایک ناظم اعلیٰ ہے اس مسجد کی بہت ساری جائیداد ہے، مکانات ہیں جن میں تقریباً ایک سو کرایہ دار رہتے ہیں، ان کرایہ داروں سے کرایہ وصول کرنے کے لئے ایک ملازم کا تقرر کیا تھا لیکن اس نے اپنی عدیم الفرصتی کی بنا پر استعفاء دے دیا ہے، اب ان چار منتظمین میں سے ایک بطور ملازمت کرایہ وصول کرنے کا کام کرے اور مشاہرہ لے تو کیا شرعاً وہ منتظم یہ ملازمت کر سکتا ہے؟ اور اس کو تنخواہ لینا جائز رہے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وقف نامہ میں تنخواہ دینے کا ذکر ہو تو اس کے مطابق عمل کیا جائے، اگر کوئی ذکر نہ ہو اور مذکورہ خدمت مفت انجام دینے کے لئے کوئی ٹرسٹی تیار نہ ہو تو جو بھی کما حقہ خدمت انجام دے سکے اس کو مناسب مشاہرہ طے کر کے دینا درست ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے سئل الفقه ابو القاسم عن قیم مسجد جعله القاضی قیما علیٰ غلاتها وجعل له شیئا معلوماً یأ خذ کل سنة حل له الا خذ ان کان مقدار اجر مثله کذا فی المحیط (فتاویٰ عالمگیری ج۳ ص ۳۴۰)(کتاب الوقف ، الباب الحادی عشر . الفصل الثانی) فقط واللہ اعلم بالصواب .

مسجد کے قرآن کے پارے گھر لے جانا:

(سوال ۱۴۷)مسجد میں قرآن بصورت پارے رکھے جاتے ہیں انہیں گھروں میں ختم قرآن کے لئے لے جانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں پارے دینے کا مقصود یہ ہو کہ لوگ اسے اپنے مکان پر لے جائیں اور اس سے فائدہ اٹھائے تو اس صورت گھر لے جانے میں مضائقہ نہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدرسہ کے مہتمم کو رقم موصول ہوئی تو وہ اسے کس مد میں صرف کرے:

(سوال ۱۴۸)ایک شخص نے بیرون ملک سے ایک رقم زید پر (جو ایک ادارہ کا ذمہ دار ہے) بھیجی لیکن یہ نہیں لکھا کہ اسے کس مد میں خرچ کی جائے ، زید نے اس سلسلہ میں اس شخص پر خط بھی لکھا لیکن جواب موصول نہ ہوا پھر زید کا انتقال ہو گیا اس کے بعد زید کے ورثاء نے رقم بھیجنے والے پر خط لکھ کر معلوم کرنا چاہا کہ اسے کس مد میں صرف کیا جائے؟ لیکن ان کو بھی کوئی جواب موصول نہیں ہوا، اب اس رقم کو دینی امور میں اور طلباء کی امداد میں صرف کیا جا سکتا ہے؟ بینوا

تو جروا۔

(الجواب) یہ شخص ہمیشہ جس مد میں رقم بھیجا کرتا تھا اسی میں صرف کردی جائے، اگر یہ پہلا ہی موقع ہو اور مرسل الیہ (جس پر رقم بھیجی گئی ہے) کسی ادارہ کا مہتمم اور منتظم ہو تو یہ رقم ادارہ کے دینی امور میں اور طلباء کی امداد میں صرف کی جائے، عموماً ایسی رقم زکوٰۃ کی ہوا کرتی ہے اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ تملیک کا خیال رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کو سیمنٹ قرض دیا اس کی وصولی کی صورت کیا ہوگی؟:

(سوال ۱۴۹) آج سے چار سال قبل مدرسہ کی سیمنٹ مسجد کو قرض کے طور پر دی تھی مدرسہ کے پاس زائد تھی اور مسجد کو ضرورت تھی بازار میں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کو بطور قرض دی گئی، مسجد کے متولی اب وہ قرض ادا کر رہے ہیں، اس وقت سیمنٹ کی قیمت =/۲۸ روپے تھی اور آج بازار میں =/۶۵ روپے میں بکتی ہے تو =/۲۸ کے حساب سے پیسے لئے جائیں یا =/۶۵ کے حساب سے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) مدرسہ نے سیمنٹ قرض دیا ہے تو سیمنٹ وصول کیا جائے رقم نہ لی جائے، مدرسہ کو سیمنٹ کی ضرورت نہ ہو تو مناسب دام سے فروخت کردے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب . ۵ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسجد کی توسیع کے لئے صحن میں بنی ہوئی قبر کی دیوار یا پوری قبر مسمار کرنا:

(سوال ۱۵۰) مسجد میں نمازی زیادہ ہونے کی وجہ سے جماعت خانہ چھوٹا پڑتا ہے اس لئے ارادہ یہ ہے کہ پیچھے صحن کو وسیع کیا جائے، لیکن صحن میں پیچھے کی جانب ایک پرانی قبر ہے، قبلہ کی جانب سے قبر کی جو آڑ دیوار ہے اس کو نکال دیا جائے تو تین صفیں ہو جائیں گی تو کیا ایسا کرنا درست ہے اور قبر پھر درست کرلی جائے، اور اگر ساری قبر زمین کی طرح ہموار کردی جائے تو کیا ایسا کرنا بھی درست ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: صورت مسئولہ میں نمازیوں کے لئے جگہ تنگ ہونے اور صف ٹوٹنے کی وجہ سے قبر کی آڑ دیوار توڑنے کی ضرورت ہو تو توڑ سکتے ہیں، اور اگر ضرورت ہو تو پوری قبر بھی زمین کے ہموار کر کے وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں، اس میں قبر کی توہین نہیں ہے بلکہ صاحب قبر کی سعادت مندی ہے، اس کی روح خوش ہوگی کہ وہاں نماز پڑھی جاتی ہے، کعبۃ اللہ میں مطاف (طواف کی جگہ) میں انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ اردو ۹۲/۶، ۹۳، نیز ص ۸۴[2]۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والقرض شرعاً عقد مخصوص ای بلفظ القرض ونحو یرد علی دفع مال مثلی خرج القیمی لآخر لیرد مثله. درمختار مع الشامی فصل فی القرض ج۵ ص ۱۶۱.

(۲) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، قبروں کی جگہ کو مسجد میں شامل کرنا اور مسجد کی توسیع کے لئے قبریں ہموار کر کے وہ جگہ مسجد میں داخل کرنا کے عنوان سے دیکھ لیا جائے)

ایک مسجد کا زائد از ضرورت سامان (گھڑی پنکھے قرآن کے پارے دریاں وغیرہ) دوسری دور کی مسجد میں دینا:

(سوال ۱۵۱) زید ایک مسجد کا متولی ہے، کچھ عرصہ پہلے اس کی مسجد غریب تھی پھر اصحاب خیر کے تعاون سے کافی مالدار ہوگئی اور سامان بھی کافی مقدار میں جمع ہوگیا ہے مثلاً کئی گھڑیاں، پنکھے، صفیں، دریاں، چادریں اور قرآن پاک بھی اچھی خاصی زائد مقدار میں ہیں اسی طرح پاروں کی پٹیاں اور دیگر اشیاء۔

سوال یہ ہے کہ کیا زید اس زائد سامان کو کسی غریب مسجد والوں کو دے سکتا ہے اور وہ مسجد دور ہے اور حد سے زیادہ غریب ہے، حتیٰ کہ وضو کے لوٹے تک اس مسجد کے پاس نہیں ہیں، کیا یہ زائد سامان غریب مدرسہ بھی استعمال کرسکتا ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں مذکورہ مسجد کا زائد سامان جس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے یہ زائد سامان مذکورہ مسجد سے بہت دور کی مسجد کے لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مذکورہ صورت میں مناسب یہ ہے کہ ضرورت مند مسجد و مدرسہ اس زائد سامان کو مناسب دام سے خرید لیں اور دام ادا کر کے پھر ضرورت مند مسجد (جب کہ اس کی رقم سے یہ سامان خریدا گیا ہو) میں استعمال کریں یا کوئی صاحب خیر یہ زائد سامان خرید کر اس مسجد یا مدرسہ کو دیدے۔(۱)

''جماعت خانہ میں لعاب دانی رکھنا'' اس مسئلہ پر ایک بزرگ مدظلہم کا اشکال اور اس کا جواب:

(سوال ۱۵۲) فتاوی رحیمیہ جلد ششم ص۱۲۰(۲) پر جماعت خانہ میں لعاب دانی رکھنے کے متعلق آپ کا فتوی دیکھا، آپ نے چند شرائط لعاب دانی رکھنے کی اجازت دی ہے مگر تجربہ یہ ہے کہ جہاں جہاں اسے دیکھا گیا شرائط کی پابندی نہیں ہوتی بعض جگہ کافی بدبو محسوس ہوئی بعض اکابر اہل فتویٰ نے اس کو مطلقاً منع کیا ہے، احقر کا رجحان بھی اسی طرف ہے اس پر غور فرمالیں پھر جو رائے ہو مطلع کیجئے! بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں لعاب دانی (اگالدان) رکھنے کو مطلقاً ممنوع قرار دینے میں تنگی لازم آئے گی اور نمازیوں کو سہولت سے محروم رکھنا ہوگا، ضرورۃً اس شرط کے ساتھ اجازت دینا مناسب ہوگا کہ اس میں پانی ریت یا مٹی ڈالی ہوئی ہو اور صبح وشام اس کی صفائی کی جاتی ہو، اگر صفائی کا اہتمام نہ ہو سکے تو پھر اجازت نہ ہوگی، نزلہ زکام اور کھانسی کی بیماری میں انسان تھوکنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس کی ضرورت پیش آجاتی ہے، مجبوری کی وقت ہی استعمال کی جائے اور صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے، حدیث میں ہے:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قام احد كم الى الصلوة فلا يبصق امامه فانما ينا جی الله ما دام فی مصلاه و لا عن يمينه فان عن يمينه ملكاً و ليبصق

---

(۱) لكن علمت ان المفتى به قول ابى يوسف انه لا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر كما مر عن الحادى شامى مطلب فى نقل انقاض المسجد ونحوه ج ۳ ص ۵۱۳۔ (۲) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں ملاحظہ فرمائیں

عن يساره اوتحت قدمه فيدفنها ، وفي رواية ابي سعيد تحت قدمه اليسرىٰ متفق عليه (۱)(مشکوٰۃ شریف ص ۶۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتو اپنے سامنے نہ تھوکے، اس لئے کہ جب تک وہ نماز میں ہے وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اور نہ اپنی داہنی طرف تھوکے کہ اس کے داہنی طرف فرشتہ ہے اور چاہئے کہ وہ اپنے بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوکے، (حضرت ابوسعیدؓ کی روایت کے مطابق بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے) پھر اسے دفن کردے (مشکوٰۃ شریف ص ۶۹)

ترمذی شریف میں حدیث ہے: حدثنا محمد بن بشار...... عن طارق عبدالله المحاربي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كنت في الصلوة فلا تبزق عن يمينك ولكن خلفك اوتلقاء شمالك او تحت قدمك اليسرىٰ.

ترجمہ:۔ حضرت طارق بن عبداللہ محاربیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم نماز پڑھ رہے ہوتو اپنی داہنی طرف مت تھوکو (اور اگر ضرورت ہی پیش آجائے تو) اپنے پیچھے یا اپنے بائیں طرف یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکو (ترمذی شریف ص ۴۷ جلد اول ، باب في كراهية البزاق في المسجد . ابواب السفر)

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت نماز کی حالت میں بھی تھوکا جاسکتا ہے، البتہ تھوکنے کے آداب بیان فرمائے، ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے تھوکنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مطلقاً ممانعت نہیں ہے، اور یہ دونوں حدیثیں اپنے عموم کے اعتبار سے مسجد اور غیر مسجد دونوں کو شامل ہیں، دوسری حدیث کے متعلق تو الکوکب الدری میں صراحت" وهذا الحديث بعمومه شامل للمسجد وغيره فيظهره مناسبة للباب (الكوكب الدري ج ۱ ص ۲۱۸ مطبوعه سهانپور)

مسجد میں تھوکنے سے اگالدان میں اور رومال میں تھوکنا اخف ہوگا، اس میں بھی صفائی کے التزام کے ساتھ مجبوری کی بھی قید لگی ہوئی ہے، فتاوی رحیمیہ جلد ششم کے جواب میں احقر نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے، فتاوی رحیمیہ کا جواب بغور ملاحظہ فرمائیں۔

(الجواب) "لعاب دانی (اگالدان) صبح شام وقتاً فوقتاً صاف کی جاتی ہو بدبودار نہ رہتی ہوتو مسجد میں رکھ سکتے ہیں، ورنہ اجازت نہ ہوگی، مجبوری کے وقت ہی استعمال کی جائے مجبوری نہ ہوتو باہر جاکر تھوکنا چاہئے یا رومال میں تھوک لینا چاہئے۔" (فتاوی رحیمیہ ص ۱۲۰ ج ۶) جدید ترتیب کے مطابق اسی پارہ کے شروع میں ملاحظہ فرمائیں۔

مذکورہ جواب ملاحظہ فرمائیں کئی شرطوں کے ساتھ اجازت دی ہے، صفائی پر زور دیا جائے اور جہاں صفائی کا اہتمام نہ ہو اگالدان رکھنے کی اجازت نہ دی جائے۔

(۱) واضح رہے کہ احادیث میں تھوکنے کا جو آیا یہ اس وقت ہے کہ مسجد کا فرش مٹی سے کچا بنا ہوا ہو آج کل مساجد میں فرش پکا بنایا جاتا ہے لہذا تھوکنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے " التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح" میں فتح الباری کے حوالہ سے جو تحقیق نقل فرمائی ہے وہ بھی دل کو لگتی ہے۔ اہل علم کے استفادہ کے لئے عبارت نقل کی جاتی ہے۔

قولہ" البزاق فی المسجد خطیئة وکفارتها دفنها" قال القاضی عیاض رحمه الله انما یکون خطیئة اذا لم یدفنه اما من اراد دفنه فلا. ورده النووی رحمه الله فقال هو خلاف صریح الحدیث.

قلت وحاصل النزاع ان ههنا عمومین تعارضا وهما قوله " البزاق فی المسجد خطیئة" وقوله "ولیبصق عن یساره او تحت قدمه"فالنووی یجعل الاول عاماً ویخص الثانی بما اذا لم یکن فی المسجد والقاضی بخلافه یجعل الثانی عاماً ویخص الاول عن لم یرددفنها وقد وافق القاضی جماعة منهم ابن مکی فی التنقیب والقرطبی فی المفهم وغیرهما ویشهد لهم ماروواه احمد باسناد حسن من حدیث سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه مرفوعاً قال من تنخم فی المسجد فیغیب نخامته ان تصیب جلد مؤمن او ثوبه فتؤذیه واوضح منه فی المقصود ماروواه احمد ایضا والطبرانی باسناد حسن من حدیث ابی امامة مرفوعاً قال من تنخع فی المسجد فلم یدفنه فسیئة وان دفنه فحسنة فلم یجعله سیئة الا بقید عدم الدفن ونحوه حدیث ابی ذر رضی الله عنه عند مسلم وجدت فی مساوی اعمال امتی النخاعة تکون فی المسجد لا تدفن وروی سعید بن منصور عن ابی عبیدة بن الجراح انه تنخم فی المسجد لیلةً فنسی ان یدفنها حتی رجع الیٰ منزله فاخذ شعلةمن نارثم جاء فطلبها حتی دفنها ثم قال الحمد لله الذی لم یکتب علی الخطیئة اللیلة وعند ابی داؤد من حدیث عبدالله بن الشخیر انه صلی مع النبی صلی الله علیه وسلم فبصق تحت قدمه الیسری ثم دلکه بنعله اسناده صحیح فتح الباری (التعلیق الصبیح ج ۱ ص ۳۱۲ باب المساجد ومواضع الصلوٰة)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں تھوکنے کے متعلق دو قول ہیں (۱) قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسجد میں تھوکنا اس وقت گناہ ہے، جب کہ اس کو دفن نہ کرے (نہ چھپائے) اور جو شخص (ضرورت کی وجہ سے) تھوکنے کے بعد دفن کرنے (چھپانے) کا ارادہ رکھتا ہو اس کے حق میں تھوکنا گناہ نہیں (۲) امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث کے خلاف ہے۔ صاحب فتح الباری فرماتے ہیں: حاصل نزاع یہ ہے کہ یہاں دو عام حدیثیں (بظاہر) متعارض ہیں۔ ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور دوسری حدیث میں یہ فرمایا کہ (نماز میں) اپنے بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوکے، امام نوویؒ پہلی حدیث کو عمومیت پر باقی رکھتے ہوئے دوسری حدیث کا مصداق یہ قرار دیتے ہیں کہ وہ شخص مسجد میں نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ اور قاضی عیاض اس کے برعکس فرماتے ہیں وہ دوسری حدیث کو عام قرار دیتے ہیں اور پہلی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ مسجد میں تھوکنا اس شخص کے لئے گناہ ہے جو اسے دفن کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، ابن مکی اور قرطبی اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے قاضی عیاض کی موافقت

فرمائی ہے اوران کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد نے اسناد حسن کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے جو شخص مسجد میں تھوکے پس اپنا تھوک اس وجہ سے چھپاوے کہ کسی مومن کے بدن یا اس کے کپڑے پر لگے گا تو اسے تکلیف ہوگی اوراس سے زیادہ واضح روایت وہ ہے جسے احمد اور طبرانی نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مسجد میں تھوکے پھر اسے دفن نہ کرے تو یہ گناہ ہے اور اگر دفن کردے تو نیکی ہے، آپ نے تھوکنے کو اس وقت گناہ قرار دیا جب کہ دفن نہ کرے اوراسی کے مانند حضرت ابوذرؓ کی حدیث ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے اپنی امت کے برے اعمال میں یہ (بھی) پایا مسجد میں تھوکنا اوراسے دفن نہ کرنا، اور سعید بن منصور نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ سے روایت کی ہے کہ ایک رات انہوں نے مسجد میں (ضرورت کی وجہ سے) تھوک دیا اوراسے دفن کرنا بھول گئے، گھر پہنچ کر انہیں یاد آیا تو کچھ روشنی کا سامان لے کر مسجد میں تشریف لائے اور وہ جگہ تلاش کر کے تھوک کو دفن کیا پھر فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ آج رات میرے نامۂ اعمال میں یہ گناہ نہ لکھا گیا ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے (ضرورت کی وجہ سے) اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکا پھر اپنے نعل سے اسے ملا یا اس کی سند صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

حوض کے اوپر عمارت بنا کردہ عمارت درزی کلاس اور ہسپتال بنانے کے لئے کرایہ پر دینا:

(سوال ۱۵۳) مسجد کے حوض پر دومنزلہ عمارت بنائی ہے، پہلی منزل ٹیلرنگ کلاس (درزی کلاس) چلانے کے لئے کرایہ پر دینے کا پروگرام بنایا ہے وہاں بچوں کو خیاطت سکھائی جائے گی ممکن ہے کہ اس کلاس میں لڑکیاں بھی سیکھنے کے لئے آئیں گی، اور دوسری منزل آنکھ کے ہسپتال بنانے کے لئے کرایہ پر دینا طے کیا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے با حوالہ جواب مرحمت فرمائیں، بینوا تو جروا۔

(الجواب) حوض کی جگہ فناء مسجد میں سے ہے اور فناء مسجد کی جگہ مصالح مسجد کے لئے ہوتی ہے، اس جگہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے دوکان بنانے کو ممنوع لکھا ہے، اس سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی، فناء مسجد مسجد کے تابع ہے جو حکم اوراحترام مسجد کا ہے وہی حکم اور حترام فناء مسجد کا بھی ہے، لہذا حوض کے اوپر عمارت بنا کر اس کی پہلی منزل درزی کلاس اور دوسری منازل ہسپتال بنانے کے لئے کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، مسجد کی سخت بے حرمتی ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه لان المسجد اذا جعل مسکناً تسقط حرمته وهذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی. ترجمہ:۔

متولی مسجد کو حد مسجد اور فناء مسجد میں دکانیں بنانا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ دوکانوں کی وجہ سے مسجد کی حرمت باقی نہیں رہتی، فناء مسجد، مسجد کے تابع ہے جو حکم اور احترام مسجد کا ہے وہی حکم اور احترام فناء مسجد کا بھی ہے (فتاویٰ عالمگیری ص ۴۶۲ ج ۲ الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد الخ)

البحر الرائق میں لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه (البحر الرائق ۵/ ۲۴۹ فصل فی احکام المسجد تحت قوله ومن بنی مسجد الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب

مسجد کے حوض پر سلیپ بنانا اور حوض کی لمبائی و چوڑائی:

(سوال ۱۵۴) ہمارے یہاں الحمدللہ نمازی زیادہ ہوتے ہیں، گاہے مسجد تنگ ہوجاتی ہے، فی الحال ہم لوگ حوض کی نئی تعمیر کررہے ہیں، حوض کے اوپر سلیپ (تخت) بنادیا جائے تو کیا حکم ہے؟ تاکہ بوقت ضرورت اس سلیپ (تخت) پر نماز پڑھ سکیں، نیز یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ حوض کی کم سے کم لمبائی چوڑائی کتنی ہو؟ اور گہرائی کتنی ہونی چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حوض اگر مربع بنایا جائے تو کم از کم دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہونا چاہئے، آج کل کے حساب سے اس کے تقریباً ۲۲۵ا اسکویرفٹ ہوتے ہیں، اگر جگہ میں وسعت ہو تو انسب اور احوط یہ ہے کہ ۲۷۵ا اسکویرفٹ کا حوض بنایا جائے، اس سے بھی اگر کچھ وسیع رکھیں تو مزید بہتر ہوگا، حوض کے معاملہ میں احتیاط برتنا اچھا ہے، اور گہرائی اتنی ہو کہ چلو سے پانی لیا جائے تو زمین نظر نہ آئے۔

حوض پر تخت (سلیپ) بنانا نہ بنانا دونوں درست ہے، البتہ اگر حوض پر سلیپ (تخت) بنایا جائے تو اس طرح بنائیں کہ سلیپ پانی کی سطح سے اونچا رہے اور پانی کی بہاؤ میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، اگر سلیپ (تخت) پانی کی سطح سے ملا ہوا ہوگا تو وہ شرعی حوض نہ ہوگا، اور سلیپ کے ستون اگر حوض میں بنائے جائیں تو ستون کی جگہ کے علاوہ حوض کی لمبائی چوڑائی ۱۲۲۵ اسکویرفٹ رہنی چاہئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ناجائز اشیاء کا کاروبار کرنے والوں سے چندہ لینا لالچ دے کر چندہ لینا، شیعہ سے چندہ لینا:

(سوال ۱۵۵) جن لوگوں کا کاروبار ناجائز اشیاء کا ہے جیسے شراب جو مسجد کے تعمیری کام کے لئے ایسے لوگوں سے چندہ لینا کیسا ہے؟ اسی طرح کسی شخص کو شرم میں ڈال کر یا کسی چیز یا کسی عہدہ یا ووٹوں کا لالچ دے کر چندہ لیا جائے تو کیسا ہے؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ کہ شیعہ سے چندہ لینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے لئے بالکل حلال، طیب رقم وصول کی جائے جن لوگوں کا کاروبار ناجائز اشیاء کا ہو اور اسی آمدنی میں سے وہ لوگ چندہ دیں تو ایسی رقم نہ لی جائے، حدیث شریف میں ہے لا یقبل اللہ الا الطیب ...... اللہ تعالیٰ طیب اور پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۷، باب فضل الصدقۃ)

نیز اسی شخص کا چندہ وصول کیا جائے جو پوری خوش دلی اور رضاء الٰہی کے لئے ثواب کی نیت سے چندہ دے، شرم میں ڈال کر یا کسی چیز کی لالچ دے کر چندہ وصول کیا جائے گا تو وہ خوش دلی اور خالص ثواب کی نیت سے نہ ہوگا بلکہ اس میں رشوت کا شبہ بھی ہوسکتا ہے، حدیث میں ہے لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ کسی شخص کا مال اسی وقت حلال ہوتا ہے جب کہ وہ طیب نفس اور پوری خوش دلی سے دے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۵ کتاب الغصب)

اعلیٰ اور بہتر صورت یہی ہے (خاص کر اس زمانہ میں) کہ مسلمانوں ہی سے چندہ لیا جائے، غیروں کا احسان نہ لیا جائے (امداد الفتاویٰ ص ۶۸۹ و ص ۶۹۰ ج ۲) کم سے کم خرچ سے مسجد بنائے جائے اور بالکل پاکیزہ حلال

طیب غیر مشتبہ رقم استعمال کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے پرانے پتھر عام شاہراہ پر ڈالنا:

(سوال ۱۵۶) ایک مسجد کو شہید کیا ہے اس کے پرانے پتھر عام شاہراہ (جسے سب استعمال کرتے ہیں) پر ڈالنا کیسا ہے؟ یا پھر وہ پتھر بیچ کر اس کی رقم مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں بینوا تو جروا۔

(الجواب) مسجد کے پرانے پتھر قابل احترام ہیں عام راستہ میں استعمال کرنا احترام اور ادب کے خلاف ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ پرانے پتھر مسجد ہی میں کسی مناسب جگہ استعمال کر لئے جائیں، یا ایسے شخص کو بیچ دیئے جائیں جو ان کو بے ادبی اور ناپاکی کی جگہ میں استعمال نہ کرے اور جو رقم حاصل ہو اسے مسجد کے کاموں میں استعمال کریں۔

درمختار میں ہے ولا ترمی براية القلم المستعمل لا حترامه كحشيش المسجد و كناسته لا يلقى في موضع يخل بالتعظيم. مستعمل قلم کا تراشہ قابل تعظیم ہے اسے پھینکا نہ جائے جیسے مسجد کی پرال جو بچھے بچھائی جاتی ہے اور اس کا کوڑا جو جھاڑو میں آتا ہے وہ ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جس میں بے ادبی ہو۔ (درمختار مع ردالمختار ۱/۱۶۵ کتاب الطہارت) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے صحن کے ایک گوشہ میں پھول کے گملے (کونڈے) رکھنا:

(سوال ۱۵۷) ہماری مسجد میں صحن شرعی مسجد (جماعت خانہ) میں شامل نہیں ہے، اس صحن میں ایک طرف پانی کے مٹکے رکھے ہوئے ہیں مٹکے رکھنے کی جگہ ایک چھوٹا سا چھجہ بنا ہوا ہے (ہمارے یہاں اسے پانی کی پرب کہتے ہیں) اس چھجہ پر گلاب، ہوگرے کے پھول کے گملے (جسے ہمارے یہاں پھول کے کونڈے کہتے ہیں) رکھے ہیں تو اس پر یہ گملے رکھنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) اگر اس جگہ پھول کے گملے (کونڈے) رکھنے سے گرجا وغیرہ سے مشابہت پیدا ہوتی ہو تو مکروہ ہوگا ورنہ گنجائش ہے، شامی میں ہے: او كان في موضع تقع به المشابهة بين البيعة و المسجد يكره (شامی ۱/۶۱۸ مطلب فی الغرس فی المسجد) فقط و الله اعلم بالصواب .

مسجد کی رقم کا سود مسجد کے مکان کے ویرے (ٹیکس) میں استعمال کرنا:

(سوال ۱۵۸) ہماری مسجد کے پیسے بینک میں رکھے ہوئے ہیں اس پر جو سود ملا ہے اسے کس جگہ استعمال کریں؟ سنا ہے کہ مسجد کی بیت الخلاء میں استعمال کی گنجائش ہے، مگر ہمارے یہاں بیت الخلاء تیار ہے اس میں ضرورت نہیں ہے بعض متولیوں کا خیال ہے کہ مسجد کا جو مکان ہے اس کا ٹیکس (ویرا) ادا کرنا ہے، اس میں یہ رقم استعمال کریں، تو ٹیکس ادا کرنے میں یہ سودی رقم استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) مسجد کی رقم اور اس پر حاصل شدہ سود کا حساب رکھنا چونکہ ضروری ہوتا ہے، اس لئے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ سود کی رقم مسجد کے بیت الخلاء کی تعمیر یا مرمت میں استعمال کر سکتے ہیں، صورت مسئولہ میں بیت الخلاء تیار ہے اور سود کا حساب بتانا ضروری ہوتا ہے تو اس صورت میں مسجد کے مکان کے ٹیکس (ویرے) میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد میں غیر مسلم کا چندہ لینا:

(سوال ۱۵۹) ہمارے گاؤں میں ایک غیر مسلم نے مسجد کے لئے بطور دان (چندہ) کچھ پیسے دیئے ہیں، تو کیا وہ پیسے مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر غیر مسلم اپنے اعتقاد سے اسے قربت سمجھتا ہو تو اس کا چندہ لینے کی گنجائش ہے مگر فی زمانا غیر مسلم کی رقم مسجد میں استعمال کرنے سے بچنا چاہئے، غیر مسلم کا مسجد پر احسان چڑھے گا اور کسی وقت ان کے مذہبی کاموں میں چندہ دینا اور شرکت کرنا پڑے گی لہذا اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

امدادالفتاوی میں ہے: تیسری صورت یہ ہے کہ کافر مسجد میں چندہ دے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کافر اس کو قربت سمجھتا ہے تو لینا درست ہے، اور اگر قربت نہیں سمجھتا تو درست نہیں۔ ہدایہ کی کتاب الوصیۃ میں یہ تفصیل ہے مگر گفتگو اس میں ہے کہ آیا صرف دینے والے کی رائے معتبر ہے یا اس کے مذہب کا حکم مشہور اول ہے اور احقر کے نزدیک راجح ثانی ہے، یہ حکم تو نفس اعطاء کا ہے لیکن **نظراً الیٰ بعض العوارض الخارجیہ کا لا متنان علی اهل الا سلام من اهل کفر** قبول کرنا مناسب نہیں **فان الا سلام یعلو و لا یعلی و الید العلیاء المعطیة و السفلیٰ السائلة هذا ما عندی و اللہ تعالیٰ عنده علم الصواب** (امداد الفتاویٰ ص ۲۰۷، ص ۲۰۸ ج ۲، احکام المسا جد مطبوعه کراچی) ایک اور جگہ تحریر فرمایا ہے ''اور تقریر ثانی کی یہ ہے کہ بوجہ احتمال منت علی المسلمین فی امر الدین کے اس سے بچنا چاہئے۔ الخ (امداد الفتاویٰ ص ۶۰۴ ج ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حوض کی دیوار میں سود کے پیسے استعمال کئے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۶۰) ہماری مسجد کا حوض بڑا ہے اس کو چھوٹا کرنے کے لئے بیچ میں ایک دیوار بنائی گئی ہے اور اس میں سود کے پیسے استعمال کئے گئے ہیں، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر حقیقت میں حوض کے کام میں سود کی رقم استعمال کی گئی ہے تو بہت ہی غلط کام ہوا، دیوار توڑ دی جائے اور دیوار بنانے کی ضرورت ہو تو شرعی حوض کی مقدار باقی رکھ کر اچھی رقم سے دیوار بنائی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سرکاری جگہ پر مدرسہ بنانا:

(سوال ۱۶۱) سرکاری زمین پر مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدرسہ ایسی جگہ بنانا چاہئے جو کسی مسلمان کی ملک ہو اور اس نے وہ جگہ برائے مدرسہ وقف کی ہو یا برائے مدرسہ وہ جگہ خریدی ہو اگر ایسی جگہ میسر نہ ہو اور سرکاری زمین ہو تو اولاً وہ جگہ سرکار سے حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے، اگر سرکار سے باقاعدہ اجازت نہ مل سکے تو اس تاویل سے کہ سرکاری جگہ میں عوام کو بھی فائدہ حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے اور مدرسہ سے عوام کو فائدہ ہوتا ہے اور سرکار ایسے کاموں میں جس میں عوام کا فائدہ ہو دینے میں بخل نہیں کرتی اکثر منظوری دے دی جاتی ہے، تو اس امید پر وہاں مدرسہ جاری کریں کہ سرکار اجازت دے دے گی یا قیمتاً مل

جائے گی بعدہ اگر سرکار اجازت دے دے یا قیمتاً مل جائے تو اس کے بعد وہ جگہ مدرسہ کے لئے وقف کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی بالائی منزل میں مدرسہ بنانا:

(سوال ۱۶۲) مسجد کی بالائی منزل میں مدرسہ جاری کرنا کیسا ہے؟ یہ منزل اکثر خالی رہتی ہے، وضاحت فرمائیں، فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی بالائی منزل بھی بحکم مسجد ہے اس کا بھی وہی حکم ہے جو مسجد کی پہلی منزل کا حکم ہے، اس کی بے احترامی کرنا وہاں شوروغل اور دنیوی باتیں کرنا جائز نہیں ہے درمختار میں ہے **وکرہ تحریماً (الوطیٔ فوقه والبول والتغوط) لانه مسجد الی عنان السماء وکذا الی تحت الثریٰ. (درمختار مع رد المختار ص ۶۱۴ ج ۱، احکام المساجد)**

لہذا مسجد کی بالائی منزل میں مستقلاً مدرسہ جاری کرنا صحیح نہیں، البتہ مدرسہ میں تنگی ہو اور اہل مدرسہ دوسری جگہ کے انتظام کی کوشش میں ہوں اور سردست دوسری جگہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کی تعلیم خراب ہو رہی ہو تو ایسے بڑے اور سمجھدار بچوں کی کلاس عارضی طور پر محدود اور مختصر وقت کے لئے جاری کی جاسکتی ہے جو مسجد کا پورا پورا احترام کریں، شوروغل اور مستی طوفان اور دنیوی باتیں نہ کریں اور جگہ کا انتظام ہو جانے پر فوراً یہ کلاس اس جگہ منتقل کر دی جائے، ایسے چھوٹے بچے جو کپڑے اور بدن کی پاکی وناپاکی اور مسجد کے ادب واحترام کا خیال نہ کر سکیں ایسے بچوں کی کلاس جاری نہ کی جائے، مسجد میں شوروغل اور مسجد کی بے احترامی ہوگی اور تلویث مسجد کا بھی خطرہ ہے اور اس کی ذمہ داری مسجد کے منتظمین پر ہوگی، حدیث میں ایسے چھوٹے بچوں کو مسجد میں لانے سے منع بھی کیا گیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے **جنبوا مساجد کم صبیا نکم ومجا نینکم.** اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ (ابن ماجہ شریف ص ۵۵ باب ما یکرہ فی المساجد) اسی لئے فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد میں بچوں کو داخل کرنا اگر اس سے مسجد کے نجس ہونے کا اندیشہ ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے، الاشباہ والنظائر میں ہے: **ومنها حرمة ادخال الصبیان والمجانین حیث غلب تنجیسهم والا فیکره (الا شباہ والنظائر ص ۵۵۷)**

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔ مسئلہ: بچوں کو قرآن شریف وغیرہ اجرت لے کر مسجد میں پڑھانا باتفاق ناجائز ہے اور بلا اجرت محض ثواب کے لئے بعض فقہاء نے اجازت دی ہے (کذافی الاشباہ) لیکن بعض فقہاء اس کو بھی جائز نہیں سمجھتے کیونکہ بحکم حدیث مسجد میں بچوں کا داخل کرنا ہی ناجائز ہے، (کذافی حاشیہ الا شباہ عن التمر تاشی) (آداب المساجد ص ۱۴) فقط واللہ اعلم بالصواب

تعمیر کے زمانہ میں مسجد میں جماعت وجمعہ موقوف کرنا کیسا ہے:

(سوال ۱۶۳) ہماری مسجد کے جماعت خانہ کی چھت بوسیدہ ہوگئی ہے اس لئے نئی چھت سلیپ ڈال کر بنائی جارہی ہے اس زمانہ میں جماعت خانہ جماعت کرنا دشوار ہوگا تو صحن یا حوض کے تخت پر جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جمعہ ادا کریں تو جمعہ صحیح ہوگا؟ اگر جمعہ ادا کرنا چاہیں تو منبر کے طور پر کیا استعمال کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سلیپ ڈالنے کے زمانہ میں جماعت خانہ میں جماعت کرنا دشوار ہو تو مسجد کے احاطہ میں جہاں بھی جماعت کرنا ممکن ہو جماعت کی جائے، جماعت موقوف نہ کی جائے جمعہ قائم کرنے کی ضرورت ہو تو جمعہ بھی قائم کر سکتے ہیں، تخت پر بھی جماعت اور جمعہ ادا کر سکتے ہیں، اگر لکڑی کا منبر یا کوئی اونچی چیز رکھ سکتے ہوں تو رکھ لیں، اگر جگہ میں گنجائش نہ ہو یا بروقت ایسی کوئی چیز جس پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جائے مہیا نہ ہو سکے اور زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ لیا جائے تو بھی خطبہ صحیح ہو جائے گا خطبہ کی صحت کے لئے منبر شرط نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سوال میں درج شدہ طغریٰ مسجد میں آویزاں کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۶۴) ہماری مسجد میں منبر کے اوپر ایک طغریٰ لگانے پر بعض لوگ اصرار کر رہے ہیں، اس کے برعکس دوسرے مصلی شدت سے انکار کر رہے ہیں، طغریٰ اس انداز کا ہے'' طغریٰ کے وسط میں کلمہ طیبہ لکھا گیا ہے اور اس میں بیت اللہ اور مسجد نبوی کا فوٹو ہے دائیں جانب اوپر کے کونے میں اللہ جل جلالہ بائیں جانب اوپر کے کونے میں محمد ﷺ دائیں جانب نیچے کے کونے میں علیؓ وحسنؓ اور بائیں جانب نیچے کے کونے میں فاطمہؓ وحسینؓ لکھا ہوا ہے۔

جو لوگ یہ طغریٰ لگانے سے انکار کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ طغریٰ شیعی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے، اس طغریٰ میں کلمہ طیبہ کے علاوہ شیعی پنج تن کے نام ہیں شیعہ صرف ان کو پاک اور مقدس مانتے ہیں، دیگر صحابہ شیعوں کے نزدیک مقدس اور قابل احترام نہیں ہیں، پاک پنج تن کا تصور شیعہ اور روافض کی ایجاد ہے، وہ لوگ صرف ان کو معصوم مانتے ہیں، آپ ہماری رہنمائی فرمائیں، یہ طغریٰ قبلہ والی دیوار میں منبر کے اوپر لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اہل سنت والجماعت جماعت صحابہ میں تفریق کے قائل نہیں ہیں، خلفاء راشدین عشرۂ مبشرہؓ اہل بیت حضرت علیؓ حضرت فاطمۃ الزہراء، حضرات حسنین امہات المؤمنین ازواج مطہراتؓ بنات طاہراتؓ تمام مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سب ہی کو قابل صد عزت واحترام مانتے ہیں اور پوری جماعت صحابہ کے متعلق ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ امت کے افضل ترین افراد ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس مقدس جماعت کو حضور اقدس ﷺ کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا قرآن وحدیث میں پوری جماعت صحابہ کے فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد نمبر ۴ ص ۱۶ تا ص ۴۹ (۱) ان دلائل کے پیش نظر اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑا غوث، قطب اور ولی ادنیٰ درجہ کے صحابہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

ہیچ ولی بمرتبہ صحابہ نرسد اویس قرنی رحمہ اللہ با آں رفعت شان کہ بشرف والتسلیمات نرسیدہ بمرتبہ ادنی صحابی نرسید۔ شخصے از عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ پرسید کہ ایهما افضل معاوية ام عمر بن عبدالعزيز درجواب فرمود الغبار الذی دخل انف فرس معاوية مع رسول الله صلى الله عليه وسلم خير من عمر بن عبدالعزيز كذا مرة. (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ص ۲۰۵ دفتر اول مکتوب نمبر ص ۲۰۷)

---

(۱) جدید ترتیب کے مطابق کتاب الایمان میں باب ما یتعلق بالانبیاء میں، قرآن وحدیث اثار صحابہ واقوال سلف کی روشنی میں تنقید انبیاء الخ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے

ترجمہ:۔کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا،اویس قرنی اپنے تمام تر بلندی شان کے باوجود چونکہ آنحضور ﷺ کی شرف صحبت سے مشرف نہ ہو سکے اس لئے ادنی صحابی کی مرتبہ کو بھی نہ پہنچ سکے، کسی شخص نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز؟ جواب میں فرمایا آنحضرت ﷺ کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کئی گنا بہتر ہے

جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں تفرق شیعوں کی ایجاد ہے،شیعہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ حضرات حسنینؓ کو مانتے ہیں اوران کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین خاص کر حضرات شیخین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی شان میں سخت گستاخی ، بدزبانی اور لعن طعن کرتے ہیں ،اہل سنت والجماعت کی مساجد میں ایسے طغرے رکھنا شیعوں کی تائید کرنا ہے اس لئے ایسے طغرے مسجد میں نہ لگائے جائیں۔

بلکہ مناسب یہ ہے کہ مسجد میں خاص کر قبلہ رخ دیوار میں کسی قسم کے طغرے آویزاں نہ کئے جائیں نہ کچھ لکھا جائے ،دیوار بالکل سادہ رکھی جائے نقش ونگار اور طغرے وغیرہ کی وجہ سے نمازی کے خشوع خضوع میں خلل آتا ہے۔

فقہ کی مشہور کتاب البحر الرائق میں ہے۔والا ولیٰ ان تکون حیطان المسجد البیض غیر منقوشة و لا مکتوب علیھا ویکرہ ان تکون منقوشة بصور او کتباة یعنی بہتر یہ ہے کہ مسجد کے درودیوار صاف اور نقش ونگار سے پاک ہوں اوراس پر کسی قسم کی تحریر نہ ہو،دیوار پر نقش ونگار،لکھنا مکروہ ہے(البحر الرائق ص ۲۵۳ ج ۲ ،بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۷۳۔اسی باب میں،محراب میں تصویر آفتاب بنانا کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔)

درمختار میں ہے:(ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فانه یکره لا نه یلهی المصلی ویکره التکلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً فی جدار القبلة قاله الحلبی وفی حظر المجتبی وقیل یکره فی المحراب دون السقف والمؤخر انتهیٰ وظاهره ان المراد بالمحراب جدار القبلة فلیحفظ .شامی میں ہے:ولذا قال فی الفتاوی الهندیة وکره بعض مشائخنا النقش علی المحراب وحائطُ القبلة لانه یشغل قلب المصلی اه ومثله یقال فی الحائط المیمنة او المیسرة لانه یلهی القریب منه (درمختار و شامی ۱/۶۱۲،احکام المساجد)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے: دیوار قبلہ پر اور برابر کی دیواروں پر آیات قرآنی وغیرہ لکھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے مصلی کا خیال منتشر ہوتا ہے اور خشوع وخضوع میں فرق آتا ہے اور نیز اس سے بے ادبی کا بھی خیال ہے ایسا نہ ہو کہ دیوار مسجد گر جائے اور آیات قرآنی پامال و بے حرمت ہوں اس لئے جو آیات لکھی گئی ہیں بہتر یہ ہے کہ ان کو چھلوادیا جائے اوراشعار وغیرہ بھی نہ چاہئے اس کا بھی یہی حکم ہے(فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۳۳۶ ج ۵،۶ امداد المفتیین)

مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ

(سوال) کیا مسجد میں دیواروں پر ٹائل لگانا جائز ہے۔

(جواب ۲۸۷)مسجد کی دیواروں پر اور خصوصاً قبلہ کی دیوار پر رنگین ٹائل لگانا مکروہ ہے۔(کفایت المفتی ص ۱۴۰ ج ۳)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد میں اگربتی جلانا کیسا ہے:

(سوال ۱۶۵) مسجد میں اگربتی جلانا کیسا ہے؟ اس سے مقصود خوشبو ہوتی ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) مساجد کو پاک صاف اور خوشبو دار رکھنا شرعاً پسندیدہ اور مطلوب ہے، جو شخص مساجد میں سے کوڑا کرکٹ نکالتا ہے اس کے لئے بڑی فضیلت ہے، حدیث میں ہے۔ عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اخرج اذی من المسجد بنی الله له بیتاً فی الجنة. حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مسجد سے گندگی نکالے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ (ابن ماجہ ص ۵۵ باب تطہیر المساجد)

نیز حدیث میں ہے: عن عائشة رضی الله عنها قالت امر رسول الله صلی الله علیه وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف ویطیب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ گھروں میں مسجد بناؤ اور ان کو پاک اور معطر رکھا جائے (مشکوٰۃ شریف ص ۶۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے۔ اتخذوا علیٰ ابوابها المطاهر وجمروها فی الجمع، مسجدوں کے دروازے کے پاس طہارت خانہ بناؤ اور جمعہ کے دن مسجدوں میں خوشبو کی دھونی دو (ابن ماجہ شریف ص ۵۵ باب ما یکرہ فی المساجد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم جاری فرمایا کہ مدینہ کی مسجد میں ہر جمعہ کو دوپہر کے وقت دھونی دی جائے، زادالمعاد میں ہے۔ عن نعیم بن عبدالله المجمر ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه امر ان یجمر مسجد المدینة کل جمعة حین ینتصف النهار (زاد المعاد ص ۱۰۴ ج ۱)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ مساجد کو صاف ستھرا اور خوشبو دار رکھنا شرعاً مطلوب ہے، لہٰذا لوبان یا عود کی دھونی دی جائے تو بہتر ہے۔

اگربتی اگر پاک چیز سے بنائی گئی ہو تو وہ بھی لوبان اور عود کی دھونی کے حکم میں ہے، لہٰذا مسجد میں اگربتی برائے خوشبو جلا سکتے ہیں، اس کی راکھ فرش پر نہ گرے اس کا انتظام کیا جائے، اور مسجد سے باہر سلگا کر لے جائیں، مسجد میں جلانے سے ماچس کی گندھک کی بو آئے گی اس بدبو سے بھی مسجد کو بچانا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر دعوت میں مسجد کی رقم استعمال کرنا:

(سوال ۱۶۶) مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ کیا گیا، سنگ بنیاد کے لئے مسجد کے ذمہ داروں نے دعوت کی اس موقع پر کھلانے اور مہمانان خصوصی کے آمد و رفت کا کرایہ ادا کیا گیا، یہ خرچ مسجد کے چندہ کی رقم میں سے کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی تعمیر کے نام سے جو چندہ کیا گیا ہے وہ رقم تعمیری کاموں میں ہی خرچ کی جائے اس رقم میں سے مہمانوں پر خرچ کرنا جائز نہیں، (۱) ذمہ دار حضرات اگر یہ خرچ برداشت کر سکتے ہوں تو وہ اپنے جیب خاص سے

---

(۱) قوله ان یحصون جاز هذا الشرط مبنی علی ما ذکره شمس الائمة من الضابط وهو انه اذا ذکر الوقف مصرفا لا بد ان یکون فیهم تنصیص علی الحاجة الخ شامی، مطلب متی ذکر للوقف مصر فاالخ.

خرچ کریں ورنہ اس نام سے چندہ کیا جائے اور آئندہ جب موقع آئے اسی میں خرچ کرتے رہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

توسیع مسجد کے لئے، مسجد کا مکان اور دوکان کرایہ داروں سے خالی کرانا:

(سوال ۱۶۷) مسجد سے متصل مسجد کا مکان اور دوکان ہے، وہ دونوں کرایہ پر دیئے ہوئے ہیں، بیس پچیس سال سے وہ لوگ کرایہ دار ہیں اس وقت نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد میں توسیع کی سخت ضرورت ہے تو مسجد کے متولی کرایہ داروں سے مسجد کا مکان اور دوکان خالی کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ لوگ خالی کرنے سے انکار کریں تو زبردستی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد سے متصل مسجد کا مکان اور دوکان ہو جو کرایہ پر دیئے ہوئے ہیں اور اس وقت مسجد کو اس مکان اور دوکان کی ضرورت ہے تو مسجد کے متولی مسجد کا مکان اور دوکان خالی کرا سکتے ہیں اگر وہ انکار کریں تو زبردستی بھی خالی کرا سکتے ہیں، کرایہ داروں کو خوشی خوشی خالی کر دینا چاہئے، مسجد کی چیز ہے اور مسجد کو اس کی ضرورت ہے تو اس میں تنگدلی نہ کرنا چاہئے، البتہ آج کل کرایہ کی مکان کی قلت ہے جلدی کرایہ کے مکان نہیں ملتے اس کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو کچھ مہلت دی جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مسجد کی وقف زمین اور مملوکہ زمین ملا کر بیچ دی جائے تو کیا حکم ہے
(۲) مسجد کی موقوفہ زمین سے فائدہ حاصل کیا اس کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۶۸) ایک شخص کے پاس مسجد کی وقف زمین برائے زراعت تھی اسی زمین کے متصل خود اس کی مملوکہ زمین تھی اس نے اپنی مملوکہ زمین کے ساتھ ساتھ مسجد کی وقف زمین بھی بیچ دی، دوسرے شخص نے ایک دو سال بعد وہ زمین تیسرے شخص کو بیچ دی، چھ سات سال سے مسجد کی موقوفہ زمین تیسرے شخص کے قبضہ میں ہے، مسجد کی نئی کمیٹی بنی ہے، انہوں نے اس زمین کی متعلق تحقیق کر کے تیسرے شخص سے مطالبہ کیا ہے کہ یہ مسجد کی وقف زمین ہے تم کو یہ زمین واپس کرنا چاہئے، تیسرا شخص کہتا ہے میں نے خریدی ہے، اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں شرعاً کیا حکم ہے، تیسرے شخص پر وہ زمین مسجد کے حوالے کر دینا ضروری ہے یا نہیں؟ اور مسجد کی وقف زمین بیچی گئی ہے، یہ بیچنا اور خریدنا صحیح ہے یا نہیں؟ تیسرا شخص بالکل بے خبر تھا وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور پہلا دوسرا شخص جن کو اس کا علم تھا پھر بھی انہوں نے یہ معاملہ کیا، ان کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) دوسرے اور تیسرے شخص نے مسجد کی موقوفہ زمین سے زراعت کر کے نفع حاصل کیا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مملوکہ اور موقوفہ زمین دونوں کو ملا کر ایک ساتھ بیچا گیا ہے مملوکہ زمین میں تو بیع صحیح ہے مگر موقوفہ زمین میں بیع باطل ہے قبضہ کے باوجود نہ دوسرا شخص مالک ہوگا اور نہ تیسرا شخص مالک شمار ہوگا، درمختار میں ہے (وبطل بیع قن ضم الیٰ حر وذکیۃ ضمت الیٰ میتۃ ماتت حتف انفھا وان سمی ثمن

کل)...... (بخلاف بیع قن ضم الیٰ مدبر) فانه یصح (او قن غیره وملک ضم الیٰ وقف)..... (ولو محکوما به) فی الا صح، شامی میں ہے والحاصل ان ههنا مسئلتین الاولی ان بیع الوقف باطل ولو غیر مسجد خلافاً لمن أفتی بفساده لکن المسجد العامر کالحر وغیره کالمدبر المسئلة الثانیةانه اذا کان کالمدبر یکون بیع ماضم الیه صحیحاًولو کان الوقف محکوماً بلزومه الخ(درمختار ورد المختار ص ۴۰۵ وص ۴۰۶ ج۴ تحت مطلب فی بطلان بیع الوقف وصحة بیع الملک المضموم الیه ،باب البیع الفاسد)

کنز الدقائق میں ہے:ومن جمع بین حرو عبد اوبین شاة ذکیة ومیتة بطل البیع فیهما وان جمع بین عبد و مدبراو بین عبده وعبد غیره او بین ملک و وقف صح فی القن وعبد والملک.

البحرالرائق میں ہے: وفیما اذا جمع بین ملک ووقف روایتان وما ذکر المؤلف هو الصحیح لان الوقف مال ولهذا ینتفع به انتفاع الاموال غیرانه لایباع لا جل حق تعلق به وذلک لا یوجب فساد العقد فیما ضم الیه کالمدبر...... الخ (البحر الرائق ص ۹۰ ج۶، باب البیع الفاسد)

صورت مسئولہ میں چونکہ وقف زمین میں بیع باطل ہے اور تیسرا شخص اس زمین کا شرعاً مالک ہی نہیں ہے لہذا تیسرے شخص پر لازم ہے کہ مسجد کی وقف زمین فوراً مسجد کے حوالے کر کے وقف کو اصلی حالت پر لوٹا دے،اگر اس نے درحقیقت لاعلمی میں وقف زمین خریدی تھی تو وہ شخص گنہگار نہ ہوگا بلکہ واپس کر دینے میں ان شاء اللہ اسے اجر ملے گا، مگر پہلے اور دوسرے شخص نے علم ہونے کے باوجود وقف زمین بیچی تو وہ دونوں سخت گنہگار رہوں گے وقف کو باطل اور ختم کرنے کی کوشش کرنا ایمانی تقاضا کے بالکل خلاف ہے،ان دونوں کو صدق دل سے توبہ استغفار کرنا چاہئے اور آئندہ اس قسم کی حرکت نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا چاہئے۔

اسی طرح سابق متولی نے حقیقت حال اور خرید وفروخت کی خبر ہونے کے باوجود سکوت اختیار کیا ہو اور وقف کی حفاظت کی کوشش نہ کی ہوتو وہ بھی گنہگار ہوگا۔

مذکورہ صورت میں چونکہ موقوفہ زمین میں بیع باطل ہے لہذا تیسرے شخص نے دوسرے شخص کو موقوفہ زمین کی جو قیمت ادا کی ہے وہ اس سے وصول کرے اور دوسرا شخص پہلے شخص سے وصول کرلے۔

(۲)زمین بٹائی پر دینے کا عرف ہوتو عام طور پر جتنے حصے پر زمین بطور زراعت (بٹائی) دی جاتی ہے وہ حصہ اور زمین کی اجرت مثل ان دونوں میں سے جو وقف کے لئے انفع ہو وہ صورت اختیار کی جائے۔

اگر پیداوار کا حصہ انفع للوقف ہوتو مذکورہ صورت میں دوسرے اور تیسرے شخص نے جتنے سالوں تک زراعت کی ہے اتنے سالوں کا حساب کر کے پیداوار کا حصہ مسجد کو ادا کریں،اور اگر زمین کی اجرت مثل ادا کرنے میں وقف کا زیادہ نفع ہوتو اتنے سالوں کی اجرت مثل ادا کریں،تیسرے شخص کا قبضہ گو قبضہ غصب نہ ہو،مگر یہ تو حقیقت ہے کہ اس نے مسجد کی موقوفہ زمین سے نفع حاصل کیا ہے اس لئے اس کے لئے مندرجہ بالا حکم ہوگا،ہاں وہ گنہگار نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے:۔واما فی الوقف فتجب الحصة او الا جربکل حال فصولین

شامی میں ہے:۔(قوله و اما في الوقف) عبارة الفصولين الا فی الوقف فیجب فيه الحصة او الا جر بای جهة زرعها او سكنها اعدت للزراعة او لا وعلى هذا استقر فتوى عامة المتأ خرين اه الى قوله. وذكر في الا سعات انه لا زرع ارض الوقف يلزم اجر مثلها عند المتأ خرين، اه اقول والظاهر حمله على ما اذا لم يكن عرف او كان الا جر انفع للوقف تأ مل ويمكن تفسير قول الفصولين فتجب الحصة ای ان کان عرف وقوله اوالا جرای ان لم يكن عرف او كان الا جرا نفع تأمل . والحاصل ...... وان كانت وقفافان ثمه عرف وكان انفع اعتبر، والا فاجر المثل لقولهم يفتی بما هو انفع للوقف فاغتنم هذا التحرير المفرد المأ خوذ من كلامهم المبد د اھ (درمختار ورد المحتار ص ۱۷۰ ،ص ۱۷۱ ج۵ كتاب الغصب)فقط والله اعلم بالصواب .

مسجد کی جگہ طویل مدت کے لئے کرایہ پر دینا:

(سوال ۱۶۹)ایک مسجد کی قبلہ رخ زمین عرصہ سے بیکار ہےاوراس کا جائے وقوع بھی ایسا ہے کہ قبلہ رخ کوئی مسلمان نہیں رہتا، غیر مسلم آباد ہیں فی الحال مسجد کی مجلس عاملہ نے یہ طے کیا ہے کہ اس جگہ عمارت بنا کر اسکول کو کرایہ پر دے دی جائے یہ اسکول گورنمنٹ کے ماتحت ہوگی اور گورنمنٹ اس کا کرایہ ادا کرے گی مگر حکومت کی جانب سے ایک شرط ہے کہ اسکول کی کمیٹی ننانوے سال کے پٹے پر زمین حاصل کرے اور باقاعدہ اس کا معاہدہ تحریری شکل میں پیش کرے تو کیا صورت مذکورہ میں ننانوے سال کے معاہدہ پر اسکول والوں کو یہ جگہ کرایہ پر دے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ زمین مسجد سے بالکل متصل ہے مسجد کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسے مسجد میں شامل کرلیا جائے اگر اس وقت توسیع مسجد کی ضرورت نہ ہو یا مسجد میں شامل کرنے میں مالی دشواری ہو تو کم از کم احاطہ (کمپاؤنڈ) بنا لیا جائے اور مناسب ہو تو وہاں باغ جیسا بنالیا جائے ،احاطہ کر لینے میں زمین کی حفاظت بھی ہو جائے گی اور آئندہ مسجد کو اس جگہ کی ضرورت ہوگی تو آسانی مسجد کی ضرورت پوری ہو سکے گی ، یا وہاں دینی مدرسہ جاری کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ مسجد والے عمارت بنا کر اہل مدرسہ کو کرایہ پر دیں اور کرایہ مسجد کے کاموں میں خرچ کیا جائے اور اہل مدرسہ سے تحریری معاہدہ لیا جائے کہ جب مسجد کو اس جگہ کی ضرورت ہوگی آپ لوگوں کو یہ جگہ مسجد کے حوالے کرنا ہوگی ، اسکول والوں کو یہ جگہ اتنی طویل مدت کے لئے ہرگز کرایہ پر نہ دی جائے آئندہ مسجد کو اس جگہ کی ضرورت ہوگی تو اس کے حصول کا کوئی راستہ نہ ہوگا اور اس میں ضیاع وقف کا بھی قوی اندیشہ ہے۔

درمختار میں ہے:قال ابو جعفر الفتوىٰ على ابطال الا جارة الطويلة ولو بعقود شامی میں ہے:(قوله الفتوىٰ على ابطال الا جارة الطويلة ولوبعقود)ای لتحقق المحذور المارفيها وهو ان طول المدة يو دی الى ابطال الوقف كما فى الذخيرة .الى ان قال .ثم رأيت ط نقل عن الهندية ان بعض الصكالين ارادوا بهذه الا جارة ابقاء الوقف فی يدالمستاجر اكثر من سنة فقال الفقيه ابو جعفر انا نبطلها صيانة للوقف وعليه الفتوىٰ كذا فى المضمرات (درمختار ورد المحتار المعروف به شامی ص ۵۰۰ ج۳ فصل يراعى شرط الواقف فى اجارت .فقط والله اعلم بالصواب .

مسجد میں یا مسجد سے باہر کوئی چیز گم ہوئی یا گمشدہ چیز ملی ہو، مسجد میں اس کا اعلان کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۷۰) کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے مثلاً گھڑی چشمہ جماعت خانہ میں اس کا اعلان مسجد میں کرنا کیسا ہے؟ اگر مسجد ہی میں کوئی چیز گم ہوگئی ہو تو وہاں جا کر تلاش کرنا یا کسی سے تحقیق کرنا کیسا ہے؟ مسجد میں سے کسی کی کوئی چیز پڑی ہوئی ملے تو اس کا اعلان جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں گمشدہ چیز کے اعلان کرنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، لہذا جماعت خانہ میں گم شدہ چیز کا اعلان ممنوع ہے، اگر مسجد میں کوئی چیز گم ہوئی ہو اور مسجد میں اسے تلاش کرنے کی ضرورت ہو تو مسجد کے آداب واحترام کا خیال کرتے ہوئے کہ شوروغل نہ ہو، نمازیوں اور معتکفین کو خلل نہ ہو تلاش کرنے اور کسی سے اس کے متعلق تحقیق کرنے کی گنجائش ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من سمع رجلاً ينشد ضالةً فی المسجد فليقل لا ردها الله عليک فان المساجد لم تبن لهذا رواه مسلم. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہوا سنے تو وہ اسے (زجراً زبان سے، نہ کہ دل سے) کہے اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھے نہ لوٹائے اس لئے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۶۸ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے (ينشد ضالة فی المسجد) ای يطلبها برفع الصوت...... ويدخل فی هذا كل امر لم يبن له المسجد من البيع والشراء ونحو ذلک (قوله لم تبن لهذا) ای لنشد الضالة ونحوه بل لذكر الله تعالىٰ وتلاوة القرآن والوعظ حتی كره مالک رحمه الله البحث العلمی وجوزه ابو حنيفة رحمه الله وغيره لانه مما يحتاج قاله ابن حجر ويستثنی من ذلک عقد النكاح فانه سنة للامر به رواه الترمذی (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۹۹ ج ۲ ایضاً)

التعلیق الصبیح میں ہے: (نشد الضالة) اعلم ان نشد الضالة ای رفع الصوت بطلبها فلا نه صخب ولغط وتشويش على المصلين والمعتكفين يستحب ان ينكر عليه بالدعاء بخلاف مايطلبه ارغاماً له و علله النبی صلی الله عليه وسلم بان المساجد لم تبن لهذا (التعليق الصبيح شرح مشكوٰة المصابيح ص ۳۱۲ ج ۱ ايضاً)

مظاہر حق میں ہے: ف۔ ظاہر ہے کہ (لا ردها الله عليک) زبان سے کہے واسطے زجر اور منع کے۔ دل سے یہ بددعا نہ کرے...... الخ (مظاہر حق ص ۲۴۰ جلد اول ایضاً)

درمختار میں ہے۔ ويكره ...... انشاد ضالة۔ شامی میں ہے (قوله انشاد ضالة) هی الشئی الضائع وانشادها السؤال عنها وفی الحديث اذا رأيتم من ينشد ضالة فی المسجد فقولوا لاردها الله عليک (درمختار وشامی ج ۱ ص ۶۱۷ احکام المساجد)

''اسلام کا نظام مساجد'' میں ہے ۔گمشدہ چیز کی تلاش بھی مسجد میں جائز نہیں ہے کہ یہ بھی مسجد کے احترام کے خلاف ہے کیونکہ اس میں شور ہنگامہ ناگزیر ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایامن سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردھا الله علیک فان المساجد لم تبن لھذا ۔جو کسی شخص کو سنے کہ وہ مسجد میں گمشدہ کی تلاش کرتا ہے تو چاہئے کہ کہے اللہ تعالیٰ اس کو تجھ پر نہ لوٹائے کیونکہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہے (مسلم باب النھی عن نشد الضالة ص ۲۱۰ ج ۱)

اس حدیث میں صرف گمشدہ چیز کی تلاش سے روکا ہی نہیں گیا ہے بلکہ اس میں اس پر زجر وتوبیخ بھی موجود ہے اور ساتھ ہی اس کی علت بھی بیان کردی گئی ہے، اس زمانہ میں خصوصیت سے اس حدیث پر عمل کرنا چاہئے اور اس حدیث کا مفہوم عام مسلمانوں کے ذہن نشین ہونا چاہئے ،ہاں اس وقت کوئی حرج سمجھ میں نہیں آتا کہ جب چیز مسجد ہی میں گم ہوجائے تو آداب مسجد کا لحاظ کرتے ہوئے تلاش کی جائے ، باقی جو چیز مسجد سے باہر کہیں اور کھوگئی ہے اس کی جستجو ان مساجد کے ذریعہ کسی طرح مناسب نہیں ہے ،ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی کو مسجد میں گمشدہ چیز تلاش کرتے دیکھوتو کہولا وجدت انما بنیت المساجد لما بنیت. وہ تجھ کو نہ ملے مسجد جس کام کے لئے بنائی ہے اسی کے لئے ہے (مسلم شریف ص ۲۱۰ ج ۱)(اسلام کا نظام مساجد ص ۱۹۸،ص ۱۹۹)

مجمع الانہر میں ہے :(ویعرفھا) ای یجب تعریف اللقطة (فی مکان اخذھا) فانه اقرب الی الوصول (وفی المجامع) ای مجامع الناس کابواب المساجد والا سواق فانه اقرب الی وصول الخبر . یعنی جس جگہ لقطہ ملا ہو اس جگہ اعلان کرے اور اسی طرح لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ جیسے مسجد کا دروازہ اور بازار ، مالک تک خبر اور اس کی چیز پہنچانے کا یہ قریبی ذریعہ ہے (مجمع الانہر ص ۷۱۳ ج ۱، کتاب اللقطہ) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

مسجد میں دعائے مغفرت کا اعلان کرنا:

(سوال ۱۷۱)جماعت خانہ میں بآواز اعلان کرے کہ فلاں شخص کا انتقال ہوگیا ہے فلاں جگہ سے خبر آئی ہے، ان کے لئے دعاء مغفرت کی درخواست ہے، جماعت خانہ میں یہ اعلان کرنا کیسا ہے؟ بینواتوجروا

(الجواب) جماعت خانہ میں اس قسم کی چیزوں کے اعلان کے التزام اور اس کی عادت مسجد کے شایان شان نہیں ہے مسجد کے ادب واحترام کے بھی خلاف ہے، مسجد ان امور کے لئے نہیں بنائی گئی ہے، مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے :(قوله لم تبن لھذا) ای لنشد الضالة ونحوه بل لذکر الله تعالیٰ وتلاوۃ القرآن والوعظ حتی کره مالک رحمه الله البحث العلمی وجوزه ابو حنیفة رحمه الله لانه مما یحتاج قاله ابن حجر ویستثنی من ذلک عقد النکاح فانه سنة للامر به رواه الترمذی (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۱۹۹ ج ۲، مطبوعہ ملتان باب المساجد ومواضع الصلوۃ)

خارج مسجد تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ) پر لکھ کر موت کی خبر دے کر دعاء مغفرت کی درخواست کردی جائے تو گنجائش ہے۔

درمختار میں ہے۔ ولا بأس ...... وبالا علام بموته (قوله وبالا علام بموته) ای اعلام بعضهم بعضا

لیقضوا حقه و کره بعضهم ان ينادى عليه فى الازقة والاسواق لانه اشبه نعى الجاهلية والا صح انه لا يكره اذالم يكن معه تنويه بذكر وتفخيم الخ (درمختار و شامی ص ۸۴۰ ج ۱ كتاب الجنائز مطلب فى دفن الميت) (غاية الاوطار ج ۱ ص ۴۲۲) فقط والله اعلم بالصواب.

(۱) مسجد کی رقم کا سود کہاں خرچ کیا جائے غرباء کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ (۲) اس مسئلہ کے متعلق مفتیٔ اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحقیق:

(سوال ۱۷۲) مسجد کی رقم بینک میں جمع ہے اس کا سود بھی آتا ہے مسجد کو سود کی بالکل ضرورت نہیں ہے وہ سود کی رقم امام ومؤذن (دونوں غریب ہیں) اور دیگر غرباء کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) بلا مجبوری بینک میں رقم نہ رکھنا چاہئے اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے رقم رکھی ہو اور اس پر سود ملا ہو تو وہ سود مسجد کے بیت الخلاء، غسل خانہ کی مرمت یا صفائی کی چیزوں میں خرچ کیا جائے، اگر اس میں ضرورت نہ ہو تو غرباء کو دے دیا جائے رفاہ عام کے کاموں میں بھی خرچ کر سکتے ہیں، امام ومؤذن اگر مستحق ہوں تو ان کو بھی دے سکتے ہیں، مسجد پر یہ رقم خرچ نہ کی جائے کہ یہ تقدس مسجد کے خلاف ہے۔ (اس مسئلہ پر بحث آگے آرہی ہے۔ از مرتب)

اس مسئلہ کے متعلق اپنے اکابر مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحقیق پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔ کفایت المفتی میں ہے:

(سوال) مسجد کا جو روپیہ بینک میں جمع رہتا ہے اس کا سود لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ روپیہ نہ لیا جائے تو وہ لوگ اس کو مشن اسکولوں وغیرہ میں صرف کرتے ہیں، اگر جائز ہے تو اس روپے سے امور کار خیر مثلاً تبلیغی مدرسے کی امداد، غرباء کی اعانت، مسافر خانہ، کنواں اور سڑک وغیرہ کی تعمیر سڑکوں پر روشنی، مسلمان طلبہ کے لئے انگریزی کتابوں کی خریداری اور ان کی انگریزی تعلیم پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ان صورتوں میں سے جس میں صرف کرنا زیادہ افضل ہو اس سے بھی مطلع فرمایا جائے، بینواتوجروا۔

(الجواب) جو روپیہ بینکوں میں جمع کیا جائے اس کا سود بینک سے وصول کرلیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے مسیحی مذہب کی تبلیغ اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی اعانت کا گناہ نہ ہو، وصول کرنے کے بعد اس روپے کو امور خیر میں جو رفاہ عام سے تعلق رکھتے ہوں یا فقراء ومساکین کی رفع حاجات کے لئے مفید ہوں مثلاً یتامی ومساکین اور طلبائے مدارس اسلامیہ کے وظائف اور امداد کتب وغیرہ میں خرچ کرنا یا مسافر خانہ کنواں سڑک وغیرہ تعمیر کرنا، سڑکوں پر روشنی کرنا یہ سب صورتیں جائز ہیں، البتہ مسجد پر خرچ نہ کی جائے کہ یہ تقدس مسجد کے منافی ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

(الجواب) از مولانا اشرف علی تھانویؒ اول تو مسجد کا روپیہ بینک میں جمع کرنا جب دوسرا طریق حفاظت کا ہو خلاف احتیاط ہے، اور اگر غلطی سے یا غفلت سے یا مجبوری سے ایسا اتفاق ہوگیا تو اس وقت وصول کرنے میں تو وہی عمل کرے جو مجیب اول نے تحریر فرمایا ہے البتہ جزو اخیر یعنی مصارف مذکورہ میں صرف کرنا اس میں ترمیم کی ضرورت ہے وہ یہ کہ

خاص اس کا مسجد میں صرف کرنا تو تقدس مسجد کے خلاف ہے اور دوسری جگہ صرف کرنا ملک مسجد کا غیر مسجد میں صرف کرنا ہے اس لئے دونوں محذوروں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اس قدر روپیہ کسی سے قرض لے کر مسجد میں صرف کردے اور اس سود کی رقم سے وہ قرضہ ادا کردے، اور یہ ثابت ہے کہ مسجد کی نیت سے جو قرضہ لیا جاوے اس کا مسجد کی آمدنی سے ادا کرنا جائز ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔ ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ۔

الجواب الثانی صحیح۔ بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ، مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دار العلوم دیو بند ۱۴ ذی قعدہ ۵۴ء

(الجواب) از حضرت مفتی اعظم، الجواب واللہ الملھم للحق والصواب۔ بینک کے سود کو وصول کرنے کا حکم یا تو اس بنا پر ہو کہ ہندوستان دار الحرب ہے، اور دار الحرب میں عقود ربویہ جائز ہیں اس صورت میں بینک میں روپیہ جمع کرنا اور سود حاصل کرنا بھی جائز ہوگا، اور شخصی رقم یا وقفی رقم دونوں جمع کی جاسکیں گی اور رقم کا مالک خواہ کوئی شخص ہو یا مسجد، سود کی رقم کا بھی مالک ہو جائے گا اور یہ کہا جا سکے گا کہ سود کی وہ رقم جو مسجد کے جمع شدہ روپے پر ملی ہے مسجد کی رقم ہے لیکن اپنی جماعت کے علماء نے ہندوستان میں عقود ربویہ کے جواز کا ابھی تک حکم نہیں دیا ہے اور اسی نظر سے بینکوں میں روپیہ جمع کرنے سے منع کرتے ہیں، میں بھی بینک میں تا حد امکان روپیہ جمع کرنے سے اب تک منع کرتا رہا ہوں، اول اس لئے کہ سود میں ابتلاء اور بینک کی تمام سودی کاروبار کی معاونت ہے، دوم اس لئے کہ ڈاکخانہ کا سیونگ بینک اور امپیریل بینک کلیۃً اور براہ راست دوسرے بینک اکثری طور پر اور بالواسطہ حکومت کے زیر حکم اور اس کی موید و معاون ہیں اور حکومت کافرہ متسلطہ کو مالی تقویت پہنچانا اور اس کی قوت کو مستحکم کرنا مفاد اسلام کے منافی ہے، اس صورت میں سود حاصل کرنے کے جواز کا حکم محض اس بناء پر ہے کہ اگر چہ بینک کا سود، سود ہی ہے اور اخذ ربا و عقود ربویہ کی مباشرت کی اجازت نہیں، مگر بینک سے سود اس لئے وصول کر لیا جائے کہ نہ لینے کی صورت میں وہ مسیحی مشزیوں کو دے دیا جاتا ہے اور وہ اس کی ذریعہ سے مسیحیت کی تبلیغ اور مسلمانوں وغیرہم کو مرتد بنانے کا کام لیتی ہیں، اس لئے بینکوں میں اول تو روپیہ جمع نہ کرنا چاہئے اور کسی مجبوری یا غفلت سے جمع کر دیا جائے تو اس کا سود بینک سے وصول کر لیا جائے نہ اس بنا پر کہ وہ مالک رقم کا حق اور اس کی ملک ہے بلکہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے تبلیغ مسیحیت وارتداد مسلمین کا ذریعہ بننے کے گناہ عظیم سے محفوظ رہے اور ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر سود کی حاصل شدہ رقم جمع شدہ روپے کے مالک کی خواہ وہ کوئی شخص ہو یا مسجد یا اور کوئی وقف ہو مملوک نہیں ہوتی بلکہ یہ رقم ایک ایسی رقم ہے جو کسی مسلمان کے قبضہ میں شخصی حیثیت سے یا متولی کی حیثیت سے آگئی ہے اور جس کو اپنے قبضہ سے نکال دینا لازم ہے، تو اس کی صورت یہ بتائی گئی تھی کہ رفاہ عام کے کاموں میں یا فقراء ومساکین پر خرچ کر دی جائے۔

اگر اس رقم کا مسجد کو مستحق اور مالک قرار دیا جائے تو لازم ہوگا کہ تمام چھوڑی ہوئی رقم کا متولیوں کو ضامن بنایا جائے جس کی مقدار لاکھوں کروڑوں روپے تک پہنچتی ہے کیونکہ متولی کو کسی طرح یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مسجد کی مملوکہ مستحقہ رقم قصداً وصول نہ کرے اور چھوڑ دے۔ محمد کفایت اللہ۔ (کفایت المفتی جلد ہفتم ص ۱۰۴، ص ۱۰۵، ص ۱۰۶) فقط واللہ اعلم بالصواب

مسجد کے چندہ کے لئے سفر کے اخراجات کے سلسلہ کا قرض، مسجد کے چندہ میں سے وصول کرنا:

(سوال ۱۷۳) ہماری مسجد میں مصلیوں کے پیش نظر توسیع کی سخت ضرورت ہے اور اس کا خرچ بڑا ہے، اہل محلّہ اس کو پورا نہیں کر سکتے دیگر مقامات بمبئی وغیرہ کا سفر کرنا پڑے گا، سفر کے لئے بھی مسجد کے پاس رقم نہیں ہے، سر دست کچھ لوگوں سے قرض لے کر سفر کے اخراجات پورے کئے جائیں گے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ برائے تعمیر مسجد جو چندہ ہوگا اس میں سے قرض ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) محلّہ کی آبادی اور نمازیوں کا خیال کر کے مسجد میں توسیع کی جائے مسجد کی پرانی عمارت مضبوط اور مستحکم ہو اس کو باقی رکھتے ہوئے مسجد میں توسیع کی جاسکتی ہو تو کرے، پرانی عمارت کو شہید نہ کیا جائے اور کم سے کم خرچ سے توسیع کا کام کیا جائے، چندہ دینے والوں کو کہہ دیا جائے کہ مسجد والوں نے قرض لے کر ہمارے سفر کے اخراجات کا انتظام کیا ہے آپ کے چندہ میں سے وہ قرض بھی ادا کیا جائے گا تو ایسی صورت میں چندہ کی رقم میں سے قرض ادا کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد میں دوسری منزل بنا کر نیچے والا جماعت خانہ چھوڑ کر اوپر جماعت کرنا کیسا ہے:

(سوال ۱۷۴) ہماری مسجد میں دوسری منزل بنانے کا پروگرام ہے اور اس کے بعد بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جماعت اوپر والے جماعت خانہ میں کی جائے تو یہ صورت اختیار کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ صورت اختیار کرنا بالکل مناسب نہیں ہے نیچے والا جماعت خانہ جہاں برسوں سے نماز با جماعت ادا کی جارہی ہے جس جگہ لاکھوں سجدے ہوئے ہیں اس جگہ کو چھوڑ کر اوپر جماعت کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، نیچے والا جماعت خانہ کھنڈر بن کر رہ جائے اور اس کی حرمت باقی نہیں رہے گی، لہذا اصل جماعت خانہ نیچے والا ہی باقی رہنا چاہئے، امام صاحب نیچے ہی کھڑے ہوں اور جماعت کی صفت بندی نیچے سے شروع ہو، نیچے جگہ نہ رہے تو بقیہ مصلی اوپر جا کر نماز ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (اس مسئلہ کی تفصیل مکروہات صلوٰۃ میں دیکھ لیا جائے۔ مرتب)

مسجد کی چھت کا پانی باہر نکالنے کے لئے جماعت خانہ کے نیچے کے حصہ میں نالی بنانا:

(سوال ۱۷۵) مسجد کی چھت کا پانی پرنالہ کے ذریعہ جماعت خانہ میں اتارنا اور نالی کے ذریعہ جو جماعت خانہ کے اندر ہوگی خارج کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد دنیا و مافیہا سے افضل ترین اور مقدس ترین مقام ہے، مسجد کو ظاہری طور پر بھی معطر اور خوشبودار رکھنے کا حکم ہے اور مسجد تحت الثریٰ تک مسجد کے حکم میں ہے، لہذا جب کہ دھابہ (چھت) کا پانی مسجد کے اندر سے گذرے گا تو ہوسکتا ہے بلکہ قوی احتمال ہے کہ بلی چوہے اور کوے وغیرہ کی نجاست اور آلائش لئے ہوئے ہو تو ایسے پانی کا جماعت خانہ کے نیچے گذارنے کے لئے نالی بنانے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مستحکم اور مضبوط جماعت خانہ شہید کر کے نیا تعمیر کرنا
(۲) بچوں کی دینی تعلیم کی ضرورت:

(سوال ۱۷۶) ہمارے محلہ کی مسجد شہید کر کے توسیع کا پروگرام ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جماعت خانہ کی عمارت اتنی پختہ ہے کہ ایک طویل عرصہ تک بغیر کسی خطرہ اور مرمت کے استعمال میں لائی جاسکتی ہے، توسیع کے لئے جماعت خانہ سے متصل ایک بڑا صحن موجود ہے اگر اس پر پختہ چھت (سلیپ) ڈال دی جائے تو کم از کم پانچ سو مصلیوں کی جگہ اور نکل سکتی ہے اور کام چل سکتا ہے، تو ایسی حالت میں جماعت خانہ شہید کرنا کیسا ہے؟ اگر جماعت خانہ شہید کر کے پوری مسجد نئی بنائی جائے تو اس کا اندازی خرچ ساٹھ لاکھ ہے اور یہ پورا خرچ چندہ کر کے کیا جائے گا، آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔ بینواتوجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ جماعت خانہ کی عمارت مضبوط اور مستحکم ہے، اور جماعت خانہ سے متصل صحن موجود ہے جس پر پختہ چھت (سلیپ) ڈال کر مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے تو مسجد شہید کر کے بلاضرورت لوگوں سے چندہ کا سوال کرنے اور ان پر بوجھ ڈالنے کی شرعاً اجازت نہیں، اسراف اور فضول خرچی ہوگی، بقدر ضرورت سادہ طریقہ پر جماعت خانہ کی عمارت باقی رکھ کر مسجد میں توسیع کر لی جائے، آج کل لوگ ۴۰ لاکھ ۵۰ لاکھ ۸۰ لاکھ کی مسجد بنا کر فخر کرتے ہیں، فی زمانناشاندار شاندار مساجد بنانے کے بجائے بچوں کی دینی تعلیم پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے اگر بچے دین سے ناواقف اور جاہل رہے تو ان کا ایمان خطرہ

میں ہے اور اس کی پوری ذمہ داری ہم پر ہوگی، قرآن وحدیث میں بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے اور ان کو دین سے واقف کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے، قرآن مجید میں ہے:۔ **یا یھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم ناراً** اے ایمان والوں تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ (سورۂ تحریم پارہ نمبر ۲۸) اور دوزخ سے بچانے کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ ان کو دینی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کریں اور بچپن ہی سے ان کو دینی احکام پر عمل کرنے کا عادی بنائیں، ایک حدیث میں ہے **مروا اولاد کم بالصلوة وھم ابناء سبع سنین واضربو ھم علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع** (ابو داؤد شریف کتاب الصلوٰۃ باب، متی یومر الغلام بالصلوۃ) ترجمہ:۔ اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جبکہ وہ سات برس کے ہوں اور جب دس برس کے ہو جاویں تو نماز نہ پڑھنے پر اس کو مارو اور اس عمر میں پہنچ جانے کے بعد ان کے بستر الگ کردو، بچہ سات برس کا ہو یا دس برس کا وہ مکلّف نہیں ہوتا اور اس پر نماز فرض نہیں ہوتی مگر بچپن ہی سے نماز کا عادی ہو جائے اس مقصد کی پیش نظر بچپن ہی سے نماز کی عادت ڈالنے کا حکم کیا گیا اور ایک حدیث میں ہے **طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم**، مشکوٰۃ کتاب العلم ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے (ابن ماجہ) اس لئے اپنی اولاد اور قوم کے بچوں بچیوں کو علم سے آراستہ کرنے کی سخت ضرورت ہے، دینی علم ہی سے بچے صحیح عقائد سمجھ سکتے ہیں اور اپنے اعمال درست کرنے کے عادی ہوسکتے ہیں اور علم ہی سب سے بڑی دولت ہے علم کے بغیر انسان حقیقت میں یتیم ہے ایک عربی

شاعر کہتا ہے۔

لیس الیتیم الذی قدمات والدہ
ان الیتیم یتیم العلم والادب

یعنی وہ بچہ جس کے والد کا انتقال ہو گیا ہو حقیقت میں وہ یتیم نہیں ہے درحقیقت یتیم وہ بچہ ہے جو علم وادب سے محروم رہا ہو وہ دنیا وآخرت دنوں میں بڑے خیر سے محروم رہتا ہے۔ لہذا بچوں کی دینی تعلیم پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے، ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **لان یودب الرجل ولدہ' خیر لہ' من ان یتصدق بصاع**، آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع (ساڑھے تین کلو) غلہ خیرات کرنے سے بہتر ہے (ترمذی شریف) ایک اور حدیث میں ہے آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **ما نحل والد و لدہ من ادب حسن** کسی باپ نے اپنے بچے کو نیک ادب سے افضل کوئی عطیہ نہیں دیا (ترمذی شریف ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی اداب الوالد) معلوم ہوا کہ بچہ کو علم وادب سکھانے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں بچے کو علم سے آراستہ کرنا مسلمان کا اسلامی فریضہ ہے، قیامت میں اس کے متعلق بھی سوال ہوگا **ماذآ علمتہ وما ذا ادبتہ'** تم نے اس بچہ کو کیا تعلیم دی تھی اور اس کو کیا ادب سکھایا تھا (فتاوی رحیمیہ کتاب العلم میں، اولاد کو دینی علم سے جاہل رکھنے کی ذمہ داری والدین پر ہے کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب)

لہذا بچوں کی دینی تعلیم سے غفلت بہت عظیم خسران کی بات ہے، نیز ایک اور حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا **من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ** جس کے یہاں بچہ کی ولادت ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو ادب سکھائے (**مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۱ باب الولی فی النکاح واستیذان المرأۃ**) نیز حدیث میں ہے: **ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ** ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (یعنی اس کے اندر دین اسلام اور صحیح طریقہ قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہوتی ہے) مگر اس کے والدین (غلط) تعلیم وتربیت سے اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱ باب الایمان بالقدر) آج کل ہم قوم کے اعتبار سے تو مسلمان ہیں مگر عملاً ہماری صورت وسیرت بدلی ہوئی ہے اور ہر چیز میں اسلامی اور سنت طریقہ چھوڑ کر یہود ونصاری وہنود کے طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں، یہی حال ہماری اولاد کا ہے **الا ماشاء اللہ انا للہ۔ العیاذ باللہ والی اللہ المشتکی**۔ علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

خواب غفلت سے بیدار ہونے کی سخت ضرورت ہے، نئی نسل کے ایمان کی حفاظت دینی تعلیم واسلامی تربیت کے بغیر بہت مشکل ہے، دینی تعلیم وتربیت کے بغیر عصری تعلیم ایمان کے لئے نہایت خطرناک ہے، اسلامی عقائد اخلاق وعادات بگڑ جاتے ہیں، دین وشریعت کی ان کے دلوں میں وقعت اور عظمت نہیں رہتی، اسلامی احکام میں

شکوک وشبہات پیدا ہونے لگتے ہیں، الحاد زندقہ (بد دینی) تک نوبت پہنچ جاتی ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ فتاوی رحیمیہ جلد اول ص ۲۱ تا ص ۳ جلد اول جدید ترتیب کے مطابق کتاب العلم میں، بعنوان، تعلیم نسواں سے دیکھ لیا جائے نیز ص ۴۵ تا ص ۵۰ ایضا دنیوی تعلیم کے کلاس جاری کرنے کا کیا حکم ہے؟ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔از مرتب)

علامہ اقبال مرحوم ایک نظم میں جس کا عنوان ''فردوس میں ایک مکالمہ'' ہے اپنا خیال یوں ظاہر فرماتے ہیں۔

ہاتف نے کہا مجھ سے فردوس میں ایک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
کچھ کیفیت تو مسلم ہندی تو بیاں کر
درماندۂ منزل ہے کہ مصروف تگ وتاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمیٔ آواز
باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متأثر
رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز
جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا
آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدہ میں تزلزل
دنیا تو ملی طائر دیں کر گیا پرواز
دین ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمین گیر وزمین تاز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی
ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
یہ ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز
خرمانتواں یافت ازاں کار کہ کشتیم
دیبا نتواں یافت از اں پشم کہ رشتیم

آباواجداد سب کچھ تھے مگران پر فخر کرنا کافی نہیں خود بھی متبع شریعت اور سچا مسلمان بننا اور اپنی اولاد کو بھی متبع شریعت اور حقیقی مسلمان بنانا ضروری ہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے

تھے تو وہ آباء تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا کیا ہو
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

خلاصہ یہ کہ بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا انتہائی ضروری ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں جماعت خانہ کی عمارت باقی رکھ کر صحن میں پختہ چھت ڈال کر کام چلا لیا جائے اور جماعت خانہ کی مضبوط اور مستحکم عمارت کو شہید نہ کیا جائے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

(سوال ۷۴۴) ایک مسجد مقام کلتھر ضلع بلاسپور میں میرے بھائی حاجی الٰہی بخش نے پانچ چھ سال کا عرصہ ہوتا ہے تیار کی ہے مگر اب کچھ لوگ اسے شہید کر کے دوبارہ پتھر کی بنوانا چاہتے ہیں اور اس وقت مسجد میں صرف یہ شکایت ہے کہ ایام بارش میں کچھ پانی چھت کی وجہ سے آتا ہے اب حاجی صاحب شہید کرنے سے انکار کرتے ہیں اور وہ لوگ نہیں مانتے......الخ۔

(الجواب) اگر چھت کی شکایت ہے تو چھت کی مرمت کافی ہے، بلا ضرورت پرانی مسجد شہید کرنا درست نہیں......الخ
(امداد الفتاویٰ مطبوعہ کراچی ص ۶۰۸ ج ۲)

مساجد کا احترام بہت ضروری ہے، فقہاء رحمہ اللہ نے تو بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنے کو بھی مکروہ لکھا ہے، الصعود علی کل سطح مسجد مکروہ. کسی بھی مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے (فتاویٰ عالمگیری ص ۳۲۲ ج۵، کتاب الکراھیة باب ۵)

اب غور کیجئے! مسجد شہید کرنے میں جماعت خانہ کی چھت پر کتنی مرتبہ چڑھنا ہوگا؟ اور کتنے آدمیوں کا چڑھنا ہوگا؟ چڑھنے والے کیسے لوگ اور کون لوگ ہوں گے؟ کیا وہ لوگ مسجد کا احترام کریں گے؟؟؟

فی زمانا جب کہ مکانات وغیرہ مزین اور خوبصورت بنائے جارہے ہیں اگر نئی مسجدیں بھی ویسی شاندار اور خوبصورت بنیں تو فی نفسہ جائز بلکہ مستحسن ہے لیکن اگر فخر ومباہات شہرت و ناموری کے خیال سے بنائی جائے تو اسے قیامت کی علامت بتایا گیا ہے۔

حدیث میں ہے: عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اشراط الساعة ان یتباھی الناس فی المساجد رواہ ابو داؤد والنسائی والدارمی وابن ماجہ.
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تسلیما کثیراً کثیراً نے ارشاد فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے (ایک) علامت یہ بھی ہے کہ لوگ مساجد کے بارے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے (مشکوٰۃ شریف ص ۶۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: (قوله ان يتباهى الناس فى المساجد) اى فى شأنها او بنائها يعنى يتفاخر كل احد بمسجده ويقول مسجدى ارفع اوا زين او اوسع او احسن رياء وسمعة واجتلا بالمدحة (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۲ ج۲ ایضاً مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)فقط واللہ اعلم بالصواب .

مسجد کے پرانے ملبہ کا حکم:

(سوال ۱۷۷) ہماری مسجد بہت ہی بوسیدہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے اسے شہید کر کے دوبارہ تعمیر کرنا ہے مسجد کا پرانا ملبہ اینٹ وغیرہ جو نکلے گا اسے کہاں استعمال کیا جائے کسی کو بیچنا کیسا ہے؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) مسجد کا پرانا ملبہ اینٹ وغیرہ قابل احترام ہے، مناسب یہ ہے کہ مسجد ہی میں کسی مناسب جگہ استعمال کیا جائے یا کسی دوسری مسجد جسے اس ملبہ کی ضرورت ہو ان سے بیچ دیا جائے، ناپاک جگہ اور جہاں بےادبی ہو وہاں استعمال نہ کیا جائے، درمختار میں ہے: ولا ترمى براية القلم المستعمل لا حترامه كحشيش المسجد وكناسته لا يلقى فى موضع يخل بالتعظيم. ترجمہ: مستعمل قلم کا تراشہ قابل تعظیم ہے اس کو پھینکا نہ جائے جیسے مسجد کی پرال اور اس کا کوا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جس میں اس کی بےادبی ہو۔(درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۱۶۵ کتاب الطهارة)

اگر بیچنے کی ضرورت ہو تو کسی مسلمان سے بیچا جائے اور اسے ہدایت کر دی جائے کہ یہ مسجد کا ملبہ ہے اسے ایسی جگہ استعمال کیا جائے جہاں بےادبی نہ ہو، غیر مسلم سے نہ بیچا جائے اس سے بیچنے میں بےادبی کا قوی اندیشہ ہے ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد، مدرسہ، اسکول کا چندہ مشترک کیا جاتا ہو تو ہر ایک کا حساب الگ رکھنا ضروری ہے یا نہیں

(سوال ۱۷۸) ہماری مسلم ایسوشیین کی ماتحتی میں اسکول مدرسہ ساتھ چلتا ہے اور اس میں ایک مسجد بھی ہے اور اطراف کے دیہات میں کچھ مدرسے بھی اسی ایسوشیین کے ماتحت چلتے ہیں اور مسجد و مدرسہ کا تعمیری کام بھی اسی ادارہ کے ماتحت ہو رہا ہے، سوال یہ ہے کہ مذکورہ ادارہ کی طرف سے سال میں ایک مرتبہ مسجد، مدرسہ، اسکول کا ایک ساتھ ہی چندہ کیا جاتا ہے، مسجد مدرسہ وغیرہ کا الگ الگ چندہ نہیں ہوتا اور یہ طریقہ پہلے سے چلا آ رہا ہے اور جو چندہ جمع ہوتا ہے اسی میں مشترک طور پر مندرجہ بالا کاموں میں خرچ ہوتا ہے، مذکورہ صورت میں مدرسہ اور تعمیری کام ان سب کا الگ الگ حساب رکھنا ضروری ہے؟ اور چندہ مذکورہ تمام کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں؟ جواب عنایت فرمائیں، بینواتوجروا (زامبیا)

(الجواب) جب پہلے سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ سب کاموں کے لئے ایک ساتھ چندہ کیا جاتا ہے اور چندہ دینے والے بھی یہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہو کہ ہمارا چندہ ان سب کاموں میں (جن کا تذکرہ سوال میں کیا گیا ہے) مشترک طور

پر خرچ کیا جاتا ہے اور سب اس پر رضا مند بھی ہیں تو ایسی صورت میں ان کاموں میں استعمال کرنا بھی صحیح ہے اور الگ الگ حساب رکھنا بھی ضروری نہیں ہے۔[1]

یہ بات ملحوظ رہے کہ مذکورہ کاموں میں للہ رقم (امداد) ہی استعمال ہو سکتی ہے، زکوٰۃ صدقات واجبہ وغیرہ کی رقمیں ان کاموں میں استعمال نہیں کر سکتے، اگر استعمال کریں گے تو زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی آمدنی ہونے کے باوجود امام صاحب کو کم تنخواہ دینا:

(سوال ۱۷۹) ہماری مسجد کی امام صاحب ماشاء اللہ متقی صالح ہیں، برسوں سے نہایت خاموشی کے ساتھ امامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، جمعہ کے دن خطبہ و بیان بھی ان کے ذمہ ہے صاحب عیال بھی ہیں، مسجد کی آمدنی بھی بہت ہے مگر مسجد کے متولی برسوں سے جو تنخواہ دیتے ہیں وہی اب بھی دے رہے ہیں اضافہ نہیں کرتے، مقتدی متولیوں کو توجہ دلاتے ہیں مگر وہ خیال نہیں کرتے امام صاحب تو کچھ مطالبہ نہیں کرتے مگر ہم ان کی حالت سے باخبر ہیں، اقتصادی اعتبار سے پریشان رہتے ہیں، تو متولیوں کا یہ عمل کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب مسجد کی آمدنی کافی ہے اور امام وخطیب صاحب ماشاء اللہ مدت سے امامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، جمعہ کے دن بیان بھی کرتے ہیں، نیک اور متقی بھی ہیں اور صاحب عیال بھی ہیں تو مسجد کے متولیوں پر لازم ہے کہ ان کے تنخواہ میں گرانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اضافہ کریں مسجد کی آمدنی ہونے کے باوجود امام صاحب کے گھریلو اخراجات کے مطابق تنخواہ نہ دینا ظلم ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم ص ۳۵۳، ص ۳۵۴[2] نیز مذکورہ جلد میں سوال نمبر ۲۱۸۳ ملاحظہ فرمائیں۔) ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد سے متصل قبرستان میں مسجد کی ضرورت کے لئے بورنگ کرنا کیسا ہے:

(سوال ۱۸۰) مسجد میں پانی کی ضرورت ہے، جماعت خانہ سے متصل ایک چھوٹا سا قبرستان ہے، جو احاطہ مسجد ہی میں ہے، اس کے ایک کونے میں بورنگ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد سے متصل زمین کا جو ٹکڑا ہے ظاہر ہے کہ وہ مسجد ہی کی وقف زمین ہوگی اور وہاں مخصوص قبریں ہوں گی بعض بزرگان دین کی قبریں بھی ہو سکتی ہیں تو ایسی جگہ بورنگ کرائی جا سکتی ہے جہاں قبر نہ ہو، مگر یہ خیال رہے کہ قبروں کی بے احترامی نہ ہو قبروں پر چلانہ جائے وہاں شور وشغب نہ کیا جائے، قبروں کا احترام باقی رکھتے ہوئے کام کرایا جائے، احتیاطاً بورنگ اور قبروں کے درمیان مختصر سی دیوار سے احاطہ کر لیا جائے تاکہ امتیاز پیدا ہو جائے اور قبریں بے ادبی سے محفوظ رہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحن مسجد سے متصل مسجد کا مکان ہے اسے کرایہ دینا کیسا ہے:

(سوال ۱۸۱) صحن مسجد سے متصل ایک مکان کرایہ دار نے خالی کیا ہے، جو لوگ اب یہ جگہ کرایہ پر چاہتے ہیں ان

---

(۱) وقف مصحفا على اهل مسجد للقراة ان يحصون جاز وان وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه ولا يكون محصوراً على هذا المسجد الخ. درمختار مع الشامي مطلب حتى ذكر للوقف مصرفاً الخ ج ۳ ص ۵۱۹.

(۲) باب الامامۃ والجماعۃ میں امام کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور اس کی تنخواہ کتنی ہونی چاہئے کے عنوان سے دیکھ لیا جائے، جدید ترتیب کے مطابق۔

میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں، غیر مسلم زیادہ کرایہ دینے کے لئے تیار ہے تو کس شخص کو کرایہ پر دینا بہتر ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) ماشاء اللہ آج کل علماء کرام اور تبلیغی جماعت کی مساعی جمیلہ سے روز بروز نمازیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے نیز آبادی میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے، عموماً مساجد میں توسیع کی ضرورت پیش آتی ہے اگر مسجد سے متصل مسجد کی جگہ ہوتی ہے تو توسیع کا پروگرام بہت آسانی سے مکمل ہو جاتا ہے، صورت مسئولہ میں وہ مکان جو خالی ہوا ہے صحن مسجد سے متصل ہے توسیع مسجد کے لئے بہت موزوں جگہ ہے لہذا یہ جگہ کسی کو بھی کرایہ پر نہ دی جائے اور مسجد کے لئے محفوظ کر لی جائے کہ توسیع کے وقت پریشانی نہ ہو، کرایہ دار چھوڑتے نہیں ہیں اور توسیع کا پروگرام مکمل نہیں ہوتا اس لئے منتظمین کو چاہئے کہ یہ جگہ اپنے قبضہ میں رکھیں اور کسی کو بھی کرایہ پر نہ دیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تعمیر کے زمانہ میں اذان و جماعت موقوف کرنا۔ (۲) جس دوکان میں شراب اور حرام گوشت فروخت ہوتا ہو اس کی بالائی منزل میں جماعت کرنا:

(سوال ۱۸۲) (۱) ہماری مسجد شہید کر کے وسیع کرنے کی سخت ضرورت ہے چنانچہ ہم نے ارادہ کیا ہے تعمیری کام تقریباً سال دو سال چلے گا اس دوران یہاں نماز پڑھنا مشکل ہے تو دوسری جگہ نماز با جماعت پڑھنا کیسا ہے؟ جب کہ زیر تعمیر مسجد میں بالکل نماز اور اذان نہ ہوگی۔

(۲) مسجد ہذا کی تعمیر کی وجہ سے دوسری جگہ جو مکان ہے اس کے بالائی حصہ میں نماز ہوگی اور اس کے نیچے شراب کی دوکان ہے اور حرام گوشت بھی فروخت ہوتا ہے تو اس بالائی حصہ میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (ری یونین)

(الجواب) (۱) تعمیر کے زمانہ میں مسجد میں اذان اور نماز موقوف کر دینا بالکل مناسب نہیں ہے، وقت پر اذان بھی ہونی چاہئے اور جماعت بھی، چاہے مختصر ہی سہی، جماعت خانہ میں یا احاطۂ مسجد میں جہاں ممکن ہو جماعت کی جائے۔

(۲) جن نمازیوں کی اس مسجد میں گنجائش نہ ہو وہ کسی مکان کے بجائے دوسری مسجد میں جا کر نماز با جماعت ادا کریں وہاں جماعت اور مسجد دونوں کا ثواب ملے گا، البتہ اگر شہر (بستی) میں دوسری مسجد نہ ہو یا ہو مگر بہت دور ہو تو کسی مکان یا ہال میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، تنہا نہ پڑھیں، مذکورہ مکان کے بالا خانہ میں نماز پڑھ سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شرعی مسجد میں صرف عورتیں فرادی فرادی نماز پڑھیں تو مسجد کا حق ادا ہوگا یا نہیں:

(سوال ۱۸۳) احمد نے ایک جگہ بچوں کے لئے مدرسہ بنایا اور اس مدرسہ کے احاطہ میں ایک مسجد شرعی بنوائی جس میں محراب منبر منارہ سب ہیں اور پنج وقتہ نماز با جماعت مدرسہ کے طلبہ واساتذہ پڑھتے تھے اس کے بعد احمد نے بچوں کا مدرسہ دوسری جگہ منتقل کر دیا اور اس جگہ بچیوں کے مدرسہ جامعۃ الصالحات شروع کیا، اب مدرسہ کی طالبات و معلمات اس مسجد میں نماز پڑھتی ہیں، اذان و اقامت و جماعت نہیں ہوتی، تو یہ صورت جائز ہے؟ وہاں پنج وقتہ نماز با جماعت ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب یہ مسجد شرعی ہے اور مسجد شرعی کی نیت سے بنی ہے تو اس میں پنج وقتہ اذان و اقامت کے ساتھ مردوں کا نماز با جماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ عورتیں وہاں تنہا تنہا نماز پڑھتی ہیں اس سے مسجد شرعی کا حق ادا نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدرسہ کے نام سے چندہ کر کے مکان خریدا گیا اس میں مدرسہ بند کر کے اسکول جاری کرنا:

(سوال ۱۸۴) ہم نے اپنے علاقہ میں چندہ کر کے ایک مکان مدرسہ کے لئے خریدا تا کہ بچے اور بچیاں قرآن اور دینی تعلیم حاصل کر سکیں چنانچہ وہاں بہت اچھے طریقہ سے مدرسہ جاری ہو گیا، کچھ مدت کے بعد انتظامیہ بدل گئی، کچھ عرصہ کے بعد نئی انتظامیہ نے مدرسہ بالکل بند کر دیا اور صرف لڑکیوں کا اسکول چلا رہی ہے، مدرسہ بند ہونے کی وجہ سے جن لوگوں کے بچے پڑھتے تھے اور جن لوگوں نے مدرسہ بنایا تھا ان کو اپنے بچوں کی دینی تعلیم کی فکر ہوئی چنانچہ انہی لوگوں نے دوبارہ مدرسہ کے لئے جگہ خریدی اور اب وہاں مدرسہ چل رہا۔ دریافت طلب امور یہ ہیں۔

(۱) کیا مدرسہ بند کر کے اس مکان میں صرف اسکول چلانا جائز ہے؟ کیونکہ پہلے مدرسہ کے نام سے چندہ کیا گیا تھا۔

(۲) اسکول انتظامیہ مدرسہ نہیں چلاتی اور مدرسہ کو رقم بھی نہیں دیتی تو ان کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۳) پہلے مدرسہ کی جو عمارت اور بچی ہوئی رقم ہے وہ موجودہ مدرسہ کو ملنی چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ پہلا مدرسہ جن لوگوں نے قائم کیا تھا اسی نام سے دوسرا مدرسہ بھی لوگوں نے قائم کیا ہے، کچھ افراد نئے ہیں۔ بینوا توجروا

(جواب هو الموافق) (۱۔۲۔۳) جس مقصد کے لئے اور جس چیز کی وضاحت کر کے چندہ کیا گیا ہو اس کی رعایت کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہے اور ضروری ہے، اس کی خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

صورت مسئولہ میں جب اول مرتبہ مدرسہ کے نام سے چندہ کیا گیا ہے اور دینے والوں نے مدرسہ ہی کے لئے رقم دی ہے تو اس رقم کا یا اس سے حاصل شدہ مکان کا مدرسہ ہی کے لئے استعمال ہونا ضروری ہے [1] شامی، مطلب متی ذکر للوقف مصرفا الخ۔ اس مکان میں دینی تعلیم بالکل بند کر دینا جائز نہیں ہے، چندہ دہندگان کے منشاء کے خلاف کرنا ہوگا، لہذا برائے مدرسہ جو مکان ہے اس مکان کو دینی تعلیم میں استعمال کرنا چاہئے، مذکورہ صورت میں مدرسہ کے لئے دوسری جگہ خرید لی گئی ہے اور وہاں جاری ہے اگر فی الحال مدرسہ کو اس مکان کی ضرورت نہ ہو تو اگر وہ مکان با قاعدہ برائے مدرسہ وقف کر دیا گیا ہو اور وقف نامہ میں بوقت ضرورت استبدال کی وضاحت نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ عمارت اسکول والوں کو بیچ کر اس کے عوض رقم لینا صحیح نہ ہوگا بلکہ وہ عمارت برائے مدرسہ ہی وقف رہے گی اسکول والے اس عمارت کے مالک نہیں ہو سکتے، وہ مکان خالی کر کے اہل مدرسہ کے حوالے کر دینا چاہئے، اگر فی الحال مدرسہ کو اس مکان کی ضرورت نہ ہو اور اسکول والوں کو ضرورت ہو تو کرایہ کے طور پر وہ لوگ یہ مکان استعمال کر سکتے ہیں، ماہانہ (یا جو عرف ہو) اس کے مطابق کرایہ ادا کرتے رہیں اور وہ رقم مدرسہ کے مفاد میں استعمال ہوتی رہے اور آئندہ جب بھی مدرسہ کو اس مکان کی ضرورت پیش آئے تو مکان خالی کر کے حوالے کر دینا ضروری ہوگا، کرایہ پر دیتے وقت یہ بات طے کر لی جائے، اور مناسب یہ ہوگا کہ کچھ متعینہ مدت کے لئے معاہدہ کر کے کرایہ پر دیا جائے، مدت گذرنے

---

(۱) قوله ان يحصون جاز هذا الشرط مبنى على ماذكره شمس الائمة من الضابط وهو أنه اذا ذكر للواقف مصرفا لابد فيهم تنصيص على الحاجة الخ۔

کے بعد عقد اجارہ کی تجدید کرلیا کریں۔

اور اگر وہ مکان باقاعدہ برائے مدرسہ وقف نہ کیا گیا ہو یا وقف تو ہو مگر وقف نامہ میں بوقت ضرورت اسے بیچ کر دوسرا مکان خریدنے اور استبدال کی اجازت دی گئی ہو تو اس صورت میں اگر مدرسہ کو اس مکان کی ضرورت نہ ہو تو اسکول کو وہ مکان بیچ دینا اور اس کے عوض رقم لینا جائز ہوگا، اس رقم سے کوئی دوسرا مکان برائے مدرسہ خرید لیا جائے اور اس کی آمدنی مدرسہ میں استعمال ہوتی رہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ۶/۳۷۷-۳۷۲ کتاب الوقف میں، موقوفہ زمین کس صورت میں فروخت ہو سکتی ہے؟ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ جدید ترتیب کے مطابق۔ از مرتب

اسکول والوں کا مندرجہ بالا طریقہ پر عمل کرنا لازم اور ضروری ہے، اہل مدرسہ مندرجہ بالا طریقہ کے مطابق عمل کرنے کا اور مدرسہ کی بچی ہوئی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں، اگر اسکول کی کمیٹی والے اس کے مطابق عمل نہیں کریں گے تو امانت میں خیانت کے مرتکب ہوں گے اور سخت گنہگار ہوں گے کیونکہ چندہ دینے والوں نے اس نیت سے چندہ دیا تھا کہ اس سے دینی تعلیم ہو ان کے منشاء کے خلاف کرنا ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مسجد کا تقدس اور اس میں حلال مال خرچ کرنا (۲) ایک شخص کی آمدنی شراب کی ہے اس نے زمین خرید کر برائے مسجد وقف کی وہاں مسجد بن چکی ہے اور عرصہ دراز سے نماز ہو رہی ہے اس مسجد کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۸۵) ایک شخص کی آمدنی شراب کی ہے اس نے ایک زمین ادھار خرید کر اس پر قبضہ کر لیا بعد میں اس کی قیمت ادا کر دی، پھر اس نے وہ زمین برائے مسجد وقف کر دی، لوگوں کے چندہ سے وہاں مسجد تعمیر کی گئی اور عرصہ دراز سے وہاں نماز ہو رہی ہے، اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے، اب کچھ لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنے سے انکار کرتے ہیں مذکورہ صورت میں اس مسجد کے متعلق کیا حکم ہے، اسے مسجد شرعی کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہاں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً! مسجد اللہ رب العزت کا مقدس گھر ہے، روئے زمین پر سب سے بہترین، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہ ہے، دنیا میں جنت کا باغ ہے حدیث شریف میں ہے۔

(۱) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال احب البلاد الی الله تعالیٰ مساجدها وابغض البلاد الی الله تعالیٰ اسواقها (مسلم شریف ص ۲۳۶ ، فضل المساجد).

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے یہاں آبادی میں محبوب ترین مسجدیں ہیں اور مبغوض ترین بازار ہیں۔

(۲) عن ابی امامة رضی الله عنه قال ان حبرا من الیهود سأل النبی صلی الله علیه وسلم ای البقاع خیر فسکت عنه وقال اسکت حتی یجئی جبرائیل علیه السلام فسکت وجاء جبریل علیه السلام فسأل فقال ما المسئول عنها باعلم من السائل ولکن اسأل ربی تبارک وتعالیٰ ثم قال

جبرائیل یا محمد انی دنوت من اللہ دنوا ما دنوت منہ قط قال و کیف کان یا جبریل لا قال کان بینی و بینہ سبعون الف حجاب من نور فقال (الرب تعالیٰ) شر البقاع اسواقھا و خیر البقاع مساجدھا روہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ شریف ص ۷۱ باب المساجد و مواضع الصلوۃ فصل نمبر ۲)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا دنیا میں سب سے بہتر جگہ کون سی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرمایا اور فرمایا میرا یہ سکوت حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد تک ہے، آپ ساکت تھے کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے آپ ﷺ نے ان پر یہ سوال پیش فرمایا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اس سلسلہ میں میرا علم آپ سے زیادہ نہیں ہے ہاں پروردگار عالم سے معلوم کر کے بتا سکتا ہوں (پھر تھوڑی دیر میں) حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ کے پیارے رسول! میں دربار ایزدی میں حاضر ہوا اور اس قدر قریب ہوا کہ اتنی قربت نہیں ہوئی تھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا وہ نزدیکی کیسی تھی حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار نوری پردے حائل تھے، پھر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا دنیا کی بد ترین جگہ بازار ہیں اور اس کی بہترین جگہ مساجد۔

(۳) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قیل یارسول اللہ وما ریاض الجنۃ قال المساجد قیل وما الرتع یارسول اللہ قال سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر رواہ الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۷۰)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم جب جنت کی باغوں سے گذرو تو چرلیا کرو (آسودہ ہو کر کھا پی لو) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریافت فرمایا جنت کے باغ کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا "مساجد" پھر پوچھا یارسول اللہ! چرنا کس طرح؟ ارشاد فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کا ورد۔

اس لئے مساجد میں بالکل حلال اور پاکیزہ مال استعمال کرنا چاہئے، مال حرام اور مشتبہ مال سے بچنا چاہئے، حدیث میں ہے ان اللہ طیب لایقبل الا الطیب باب فضل الصدقۃ ص ۱۶۷ اللہ تعالیٰ پاک ہیں مال طیب ہی کو قبول فرماتے ہیں، شامی میں ہے قال تاج الشریعۃ اما لو انفق فی ذلک ما لاً خبیثاً او مالاً سببہ الخبث والطیب فیکرہ لان اللہ تعالیٰ لا یقبل الا الطیب فیکرہ تلویث بیتہ بما لا یقبلہ او شرنبلا لیہ یعنی اگر مسجد میں حرام مال یا ایسا مال جس کے حصول کا سبب حرام وحلال ہو خرچ کرے تو مسجد میں ایسا مال خرچ کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مال طیب (حلال) ہی کو قبول فرماتے ہیں، لہٰذا ایسا مال جسے اللہ قبول نہیں فرماتے اس سے اس کے مقدس گھر کو ملوث کرنا مکروہ ہے۔ (شامی ۱/۶۱۶ احکام المساجد)

لہٰذا مساجد کی زمین ہو یا عمارت حلال اور پاکیزہ مال ہی سے بنانا چاہئے، صورت مسئولہ میں مسجد کی زمین اس شخص نے جس کا سوال میں تذکرہ ہے ادھار خرید کر مسجد کے لئے وقف کی اس زمین پر اس شخص کی ملکیت ثابت کر کے وقف کو صحیح کہا جائے یا نہ؟ اس مسئلہ میں تفصیل بھی ہے اور اختلاف بھی۔ عام طور پر معاملہ مطلقاً کیا جاتا ہے مال

حرام متعین کر کے نہیں ہوتا (اور مشتری زندہ بھی نہیں کہ اس سے تحقیق کی جائے) اور اس صورت میں امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق (جس پر فتوی بھی ہے) مشتری کی ملکیت مبیع پر ثابت ہوجاتی ہے (گو اس پر اصل مالک حرام کا ضمان لازم ہوتا ہے) جب مبیع پر مشتری کی ملک ثابت ہوجاتی ہے تو صورت مسئولہ میں جب اس شخص نے زمین خرید کر مسجد کے لئے وقف کی اور وہاں مسجد بھی تعمیر ہوگئی ہے اور عرصۂ دراز سے نماز بھی ہورہی ہے اب مسجد کو معطل کرنا مناسب نہیں ہے اس سے غلط نتائج پیدا ہونے کا خطرہ ہے لہذا مذکورہ صورت امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس زمین پر مشتری کی ملکیت ثابت کر کے اس وقف کو صحیح کہا جائے گا اور وہ مسجد شرعی شمار ہوگی اور نماز پڑھنا صحیح ہوگا۔

ردالمحتار میں ہے۔(قولہ اکتسب مالاً حراماً) المسئلة فی التتار خانية حيث قال رجل اكتسب مالاً من حرام ثم اشترى منه على خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراهم الى البائع اولاً ثم اشترى منه بها . او اشترى قبل الدفع بها ودفعها او اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها . او اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، او اشترى بدراهم آخر ودفع تلك الدراهم الى قوله . وقال الكرخى فى الوجه الاول والثانى لا يطيب وفى الثلاث الاخيرة يطيب وقال ابو بكر لا يطيب لكن الفتوىٰ الآن على قول الكرخى دفعاً للحرج عن الناس......الخ. الى . لكن الفتوىٰ اليوم على قول الكرخى دفعاً للحرج لكثرة الحرام ......اه(رد المحتار على الدر المختار ۴/ ۳۰۴ باب المتفرقات ، مطلب اذا اكتسب مالاً حراماً ثم اشترى فهذا على خمسة اوجه . بعد باب السلم.)

فتاوی محمودیہ میں ہے:۔

(سوال ۱) شراب کی آمدنی سے خریدی ہوئی زمین کسی مدرسہ یا مسجد میں وقف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۲) نمبر۱ میں بیان کردیا اول صورت کے مطابق اگر زمین خریدی ہے تو اس پر مشتری کی ملک ہی ثابت نہیں ہوئی پھر وقف کیسے درست ہوگا اور اگر آخر کی تین صورتوں کے مطابق خریدی ہے تو کرخیؒ کے نزدیک ملک ثابت ہوگئی اور اس کا وقف بھی درست ہے (فتاوی محمودیہ ص ۳۸۷، ص ۳۸۸ ج ۹، فتاوی محمودیہ میں سات سوال وجواب ہیں وہ تمام ملاحظہ کئے جائیں) (نیز فتاوی محمودی ص ۲۱۳، ص ۲۱۴ ج ۵ ملاحظہ فرمائیں) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) نماز کا وقت مقرر کرنے اور اس میں ردوبدل کرنے کا حق دار کون ہے

(۲) وقت بدلنے پر اعلان ضروری ہے یا بلیک بورڈ پر لکھ دینا کافی ہے :

(سوال ۱۸۶) نماز کے اوقات میں تبدیلی کرنے کا حق کس کا ہے؟ متولی یا عام مقتدی اس میں دخل اندازی کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں اس کا تعلق مسجد کے نظام سے ہے لہذا یہ متولی کا حق ہے۔

(۲) نماز کا وقت بدلا ہو تو اس کے لئے اعلان ضروری ہے یا صرف مسجد کے تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ) پر لکھ دینا کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز کا وقت مقرر کرنے اور اس میں ردوبدل کا اصل حق امام کا ہے، دوسرے حضرات (متولی وغیرہ) اما

صاحب کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب مشورہ دے سکتے ہیں، زبردستی کرنا مناسب نہیں ہے، البتہ امام صاحب نماز کا وقت مقرر کرنے میں نمازیوں کی سہولت کا بھی خیال کریں، اذان اور جماعت میں اتنا فاصلہ رکھیں کہ نمازی حاجت طبعیہ سے فارغ ہوکر جماعت میں شریک ہوسکیں، اور جماعت بڑی ہو اس کا بھی خیال رکھا جائے۔ نیز آپس میں میل محبت اتفاق واتحاد برقرار رہے اس کی بھی کوشش کی جائے، امام صاحب کا ادب واحترام ضروری ہے اس سلسلہ میں ان کو اپنا امیر سمجھیں۔

نماز کا وقت مقرر کرنے کے لئے نماز کے وقت کی ابتداء اور انتہاء معلوم ہونا ضروری ہے اسی طرح صبح کاذب، صبح صادق، زوال، سایۂ اصلی، ایک مثل، دومثل، شفق احمر، شفق ابیض کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے، اہل علم ان باریکیوں کو سمجھ سکتے ہیں، لہٰذا نماز کا وقت مقرر کرنے اور اس میں ردوبدل کے لئے امام صاحب سب سے زیادہ موزوں ہیں، فی زمانناگو تقویم شائع ہوگئی ہیں اور ہر جگہ دستیاب ہوتی ہیں لیکن جو اصل چیزیں ہیں وہ تو اصل ہی ہیں ان سے مستغنی نہیں ہوا جا سکتا تقویم سے نماز کا وقت معلوم کرنے کے لئے مدد تو لی جا سکتی ہے لیکن اس کو دارومدار بنالینا اور اس میں درج شدہ منٹ منٹ کی پابندی کرنا صحیح نہیں ہے، خصوصاً بارش کے زمانہ میں۔

(۲) اعلان بھی کردیا جائے اور تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) پر بھی لکھ دیا جائے تاکہ نمازیوں کو جماعت کے وقت کا علم ہو جائے اور جماعت فوت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد تعمیر کرنے کی غرض سے چندہ کیا گیا پھر اس رقم سے مسجد کے لئے زمین ایک شخص کے نام سے خریدی گئی اور اس جگہ مسجد بن گئی تو وہ مسجد شرعی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۸۷) ایک مسلم بستی کے عام مسلمانوں نے آپس میں چندہ کرکے مسجد تعمیر کرنے کی نیت سے ایک زمین ایک غیر مسلم کے پاس سے خریدی اب چونکہ اس زمین کا بیع نامہ بہت سارے لوگوں کے نام سے کروانا ایک مشکل امر تھا اس لئے بستی کے ایک شخص کے نام اس زمین کا بیع نامہ کروایا گیا۔ بیع نامہ (قبضہ رسید) ہونے کے بعد عام مسلمانوں سے چندہ کرکے اسی زمین پر مسجد تعمیر کی گئی، تقریباً گذشتہ آٹھ یا نو سال سے مسجد میں نماز باجماعت ہو رہی ہے، اب کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ چونکہ مسجد کی زمین فرد واحد کے نام پر ہے اور ابھی تک اس نے مسجد کے لئے وقف نہیں کی لہٰذا یہ مسجد فرد واحد کی پراپرٹی ہوئی ان تنازعات کی روشنی میں یہ مسئلہ وضاحت طلب ہے کہ۔

۱:۔ کیا اس مسجد میں باجماعت نماز ہو سکتی ہے؟

۲:۔ وقف نہ کرنے کی شکل میں اس مسجد کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

۳:۔ جس شخص کے نام پر مسجد کی زمین ہے اس نے جان بوجھ کر ابھی تک اپنے نام پر رکھا تو اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟...... برائے مہربانی ان باتوں کی وضاحت شریعت کی روشنی میں تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں بستی کی جماعت کے افراد نے اپنے پیسوں سے یا چندہ کی رقم سے مسجد بنانے کی نیت سے زمین خریدی اور مصلحتاً ایک شخص کو امین بنا کر اس کے نام سے بیع نامہ کیا گیا تو شرعی طور پر تنہا وہ شخص اس زمین کا

مالک نہیں ہوسکتا اور نہ عام طور پر خود ایسا شخص اپنے کو مالک سمجھتا ہے اس جگہ مسجد بن جانے کے بعد جب سے نماز باجماعت شروع ہوئی ہے اسی وقت سے وہ جگہ شرعی مسجد بن چکی ہے اور اس جگہ کا وقف ہونا بھی صحیح ہے، زبانی وقف کرنے سے بھی وقف صحیح ہو جاتا ہے (امداد الفتاویٰ ص ۵۱۵ ج ۲ مطبوعہ کراچی) لہٰذا ابھی تک جو نمازیں باجماعت ادا کی گئی ہیں ان میں شک وشبہ نہ کیا جائے جماعت کا بھی ثواب ملے گا اور انشاء اللہ مسجد کا بھی ثواب ملے گا، البتہ آئندہ کے لئے قانون داں حضرات سے مل کر اس زمین پر سے فرد واحد کا نام منسوخ کر کے پوری جماعت کی طرف سے وقف کر کے وقف کا اعلان کر دیا جائے اور جماعت کے نام کا وقف نامہ بنا دیا جائے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

''کومن پلوٹ'' میں مسجد بنانا:

(سوال ۱۸۸) ہماری سوسائٹی کی جگہ جس کو ''کومن پلوٹ'' کہتے ہیں، اور اس کو ''سماج واڈی'' بھی کہتے ہیں اس میں پوری سوسائٹی والوں کا حق ہوتا ہے اور ہماری سوسائٹی میں مسلمان ہندو دونوں رہتے ہیں تو ایسی جگہ مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب اس سوسائٹی میں مسلمان اور ہندو دونوں رہتے ہیں اور کومن پلوٹ (سماج واڈی) میں پوری سوسائٹی والوں کا حق ہوتا ہے اگر مسلمان اپنے طور پر اس جگہ مسجد بنالیں گے تو ممکن ہے ہنود قانونی کارروائی کر کے اس وقت نہیں تو آئندہ مسجد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں لہٰذا مسجد بنانے سے پہلے مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسی کارروائی کریں کہ قیامت تک مسجد کو کسی طرح نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ رہے مسلمان اس جگہ حکومت سے مسجد بنانے کی اجازت حاصل کریں اور سوسائٹی میں جو غیر مسلم آباد ہیں ان کو کسی طرح راضی کریں اور مضبوط طریقہ پر ان سے تحریر لی جائے کہ اس جگہ مسجد بنانے پر ہم راضی اور خوش ہیں، اس جگہ مسجد بنانے سے ہم کو اور ہماری اولاد در اولاد کو قیامت تک اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، ہم اپنی مرضی سے اس جگہ سے اپنا حق ختم کرتے ہیں اس طرح کارروائی کر کے تمام مسلمان متفقہ طور وہ جگہ مسجد کے لئے وقف کر دیں اور پوری جماعت کے نام سے وقف نامہ بنا دیا جائے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے، وہ جگہ کسی ایک فرد کے نام نہ رکھی جائے اگر اس طرح کارروائی کر کے مسجد بنا سکتے ہوں تو فبہا (بہتر) ورنہ اس جگہ عبادت خانہ بنایا جائے، جماعت کا ثواب ملے گا مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔ اس صورت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ مسجد شرعی بنانے کی کوشش جاری رکھیں خاص مسجد کے لئے جگہ خرید کر مسجد کے لئے وقف کر کے اس جگہ مسجد بنائیں تاکہ مسجد کے ثواب سے محروم نہ رہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ٹی وی اور وی سی آر مرمت کرنے والے کی رقم مسجد میں استعمال کرنا:

(سوال ۱۸۹) ایک شخص ٹی وی اور وی سی آر کی مرمت کرتا ہے اور یہی اس کا ذریعہ آمدنی ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے وہ شخص اپنی اس کمائی سے مسجد میں چندہ دینا چاہتا ہے تو کیا حکم ہے؟ پہلے اس کی رقم سے مسجد کے لئے زمین خریدی گئی ہے، اس جگہ مسجد بنانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد اللہ کا مقدس گھر ہے اس میں بالکل پاک، طیب اور حلال مال استعمال کرنا چاہئے، حرام اور مشتبہ مال

سے مسجد کو بچانا چاہئے ،حدیث میں ہے ولا یقبل اللہ الا الطیب ،اللہ تعالیٰ پاکیزہ مال ہی قبول فرماتے ہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۷ باب فضل الصدقۃ ، فصل نمبر ۱)

یہ بات ظاہر ہے کہ ٹیلی ویژن وی سی آر، آلہ لہو ولعب ہیں یہ گناہ کے کام میں استعمال ہوتے ہیں اس کی مرمت اور ریپرنگ کرنا گناہ کے کام میں تعاون کرنا ہے اور قرآن مجید میں ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو(قرآن مجید، سورۂ مائدہ پارہ نمبر۶) ایسے کام سے جو آمدنی ہوگی وہ مشتبہ ہے، ایسی آمدنی کو مسجد کے لئے قبول نہ کی جائے ،اور اگر ایسی رقم سے مسجد کے لئے زمین خریدی ہو تو اتنی رقم اس شخص کو واپس کردی جائے اور پاک طیب صاف ستھری رقم سے مسجد کے لئے زمین خرید کر برائے مسجد وقف کی جائے ، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے لئے مسجد میں چندہ کرنا:

(سوال ۱۹۰) بعد سلام مسنون، ہماری مسجد میں توسیع کی بہت ضرورت ہے اس لئے مسجد شہید کر کے وسیع کرنے کا پروگرام بنایا ہے، اس لئے ہر جمعہ کو نماز کے بعد جماعت خانہ میں کپڑا پھرا کر چندہ کرتے ہیں تو برائے مسجد، مسجد میں چندہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بہتر اور مناسب صورت یہ ہے کہ مسجد سے باہر چندہ کیا جائے یا مسجد میں کسی بورڈ پر چندہ کی اپیل (درخواست) لکھ دی جائے ،البتہ اگر اس طرح چندہ کرنے سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوتی ہو اور مسجد میں جمعہ کے دن چندہ کرنے سے مسجد کا زیادہ فائدہ ہوتا ہو تو اس شرط کے ساتھ برائے مسجد، مسجد میں چندہ کرنے کی گنجائش ہے کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، ان کی گردن نہ پھاندے، نمازی کے سامنے سے نہ گذرے مسجد میں شوروشغب نہ ہو، مسجد کے احترام کے خلاف کام نہ ہو اور لوگوں کے سامنے کسی کو شرم اور غیرت میں ڈال کر زبردستی چندہ وصول نہ کیا جائے ، ان شرائط کی رعایت ضروری ہے اگر ان کی رعایت نہ ہو سکے تو مسجد میں چندہ نہ کیا جائے۔شامی میں ہے والمختار ان السائل ان کان لا یمر بین یدی المصلی ولا یتخطی الرقاب ولا یسأل الحافا بل لا مر لا بد منہ فلا بأس بالسوال والا عطاء اھ ومثلہ فی البزازیۃ ولا یجوز الا عطاء اذا لم یکونوا علی تلک الصفۃ المذکورۃ اھ (شامی ج ۱ ص ۷۷۲ باب الجمعۃ)

نیز درمختار میں ہے :ویکرہ الا عطاء مطلقا وقیل ان تخطی، شامی میں ہے(قولہ وقیل ان تخطی)...... یکرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس فی المختار لأن علیاً تصدق بخاتمہ فی الصلوٰۃ فمدحہ اللہ تعالیٰ بقولہ ویؤ تون الزکاۃ وھم راکعون اھ (درمختار ورد المحتار ص ۶۱۷ ج ۱ ، احکام المساجد) (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۸۲ ج ۱)فقط واللہ اعلم بالصواب .

مسجد کی زمین پر مدرسہ بنالیا ہو تو کیا حکم ہے

(سوال ۱۹۱)مسجد کی زمین پر کچھ لوگوں نے مدرسہ بنالیا ایک مقامی عالم نے کہا کہ یہ درست نہیں ہے،اب ذمہ داران مسجد تعمیر میں جتنی رقم استعمال ہوئی ہے اتنی رقم ارباب مدرسہ کو دے کر وہ عمارت مسجد کی تحویل میں لے لیں،

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مقامی عالم کی بات صحیح ہے یا نہیں، امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔
(الجواب) مقامی عالم نے جو بات کہی ہے وہ بالکل صحیح ہے مسجد کی وقف زمین مصالح مسجد کے لئے وقف ہے لہذا مسجد ہی کی مفاد میں وہ زمین استعمال ہونا چاہئے اس زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا درست نہیں ہے، صورت مسئولہ میں ارباب مدرسہ نے مدرسہ کی عمارت تعمیر کر لی ہے تو ذمہ داران مسجد اتنی رقم ارباب مدرسہ کو ادا کر کے وہ عمارت مسجد کی تحویل میں لے لیں، اور اس کے بعد ذمہ داران مدرسہ اس عمارت کا مسجد کو کرایہ ادا کرتے رہیں اب اہل مدرسہ اس عمارت کے کرایہ دار ہوں گے زمین اور عمارت مسجد کی ملک شمار ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدارس کے لئے مسجد میں چندہ کرنا:

(سوال ۱۹۲) مسجد کے جماعت خانہ میں مدارس کے لئے چندہ کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) عام حالات میں مسجد میں مدارس کے لئے چندہ نہ کرنا چاہئے، مسجد میں شوروغل ہوگا، نمازیوں کو خلل ہوگا، مسجد کی بے احترامی ہوگی، لہذا مسجد میں چندہ نہ کیا جائے البتہ اگر کوئی خاص حالت ہو مسجد میں شوروغل نہ ہو نمازیوں کو تکلیف اور خلل نہ ہو تو گنجائش ہے، درمختار میں ہے: ویکرہ الا عطاء مطلقا وقیل ان تخطی، شامی میں ہے: یکرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس فی المختار لان علیا تصدق بخاتمة فی الصلوة فمدحه الله تعالیٰ بقوله ویؤتون الزکوة وهم راکعون (درمختار و شامی ج ۱ ص ۶۱۷ احکام المساجد) شامی میں ہے: والمختار ان السائل ان کان لا یمر بین یدی المصلی ولا یتخطی الرقاب ولا یسأل الحافاً بل الا مر لا بد منه فلا بأس بالسوأل والا عطاء اهو مثله فی البزازیة ولا یجوز الاعطاء اذا لم یکولوا علی تلک الصفة المذکورة اھ (شامی ج ۱ ص ۷۷۳ باب الجمعة)

امداد الفتاویٰ میں ہے:
(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ یا جامع مسجد یا اور کسی مسجد میں چندہ مانگنا یا اس کی ترغیب دینا اور سائلوں کو صدقات و خیرات دینا کیسا ہے؟
(الجواب) اگر شق صفوف نہ ہو مرور بین یدی المصلی نہ ہو تشویش علی المصلین نہ ہو، حاجت ضروریہ ہو تو درست ہے (امداد الفتاویٰ ص ۶۴۱ ج ۲ مطبوعہ کراچی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدرسہ کے وقت میں کسی بزرگ کی عیادت یا زیارت کے لئے جانا:

(سوال ۱۹۳) مدرسہ کے وقت میں کوئی مدرس کسی بزرگ کی عیادت یا زیارت کے لئے جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) آپ کے سوال کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مندرجہ ذیل ملفوظ کافی ہے۔
(جواب ۹۲۲) ایک صاحب نے جو کسی مدرسہ میں مدرس تھے اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی عیادت کے بارے میں حضرت والا سے دریافت فرمایا تھا کہ جاؤں یا نہ جاؤں؟ یہ تحریر فرمایا کہ چند امور میں غور کر لیجئے اگر سب میں اطمینان ہو جاوے تو جانے میں کیا مضائقہ ہے (۱) مدرسہ کا حرج نہ ہو (۲) مہتمم کو ناگوار نہ ہو (۳) خود

مولانا رائے پوری کے قلب پر گرانی وبار نہ ہو کیونکہ بعض اوقات مریض کا دل ملنے کو نہیں چاہتا مگر لحاظ کے مارے اپنی رائے کے خلاف کرتا ہے (از وصیۃ العرفان ص ۳۶ شمارہ نمبر ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ مطابق نومبر ۹۴ء جلد نمبر ۱۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے پرانے سامان کا استعمال:

(سوال ۱۹۴) ہمارے یہاں کی مسجد بہت ہی پرانی اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے اس کو شہید کر کے از سرِ نو آر سی سی (یعنی سمنٹ) سے تعمیر کی گئی ہے، پرانا ملبہ (لکڑی پتھر وغیرہ) ایسے ہی دیوار کے توڑنے سے ناقص اینٹیں پلاسٹر کے ٹکڑے وغیرہ جو نکلے ہیں، جدید تعمیر میں استعمال کے قابل نہیں ہیں بے کار پڑے ہیں، کیا یہ ملبہ ذاتی تعمیر وضرورت میں استعمال کر سکتے ہیں یا اسے بیچ کر قیمت مسجد کی ضرورت میں صرف کر سکتے ہیں یا کوئی وقف ادارہ قیمۃً یا بلا قیمت اپنے استعمال میں لا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ تمام کاموں میں اس کا استعمال درست ہے بیچنے کی صورت میں قیمت مسجد کی ضرورت میں صرف کی جاوے بلا قیمت نہ دیا جائے **وما انهدم من بناء الوقف والته صرفه الحاكم فى عمدة الوقف ان احتاج اليه وان استغنى عنه امسكه حتى يحتاج الىٰ عمارته فيصر فه فيها (الى قوله) وان تعذر اعادة عينه الىٰ موضعه بيع وصرف ثمنه الى المرمة صرفا للبدل الى مصرف المبدل (هدايه جلد نمبر ۲، ص ۶۲۲ كتاب الوقف)**

اگر مسجد بہت ہی مالدار ہے کہ نہ تو فی الحال پیسے کی ضرورت ہے نہ مستقبل میں ضرورت پڑے گی ایسی صورت حال میں مفت بھی دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم نے صحن مسجد میں پلاسٹر کروایا اس جگہ نماز پڑھنا کیسا ہے:

(سوال ۱۹۵) ہمارے شہر میں ایک مسجد کے صحن میں ایک غیر مسلم نے اپنے پیسوں سے صحن میں پلاسٹر کروایا دیا، اب اس صحن میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فی زماننا مناسب یہی ہے کہ غیروں کا چندہ مساجد میں نہ لیا جائے ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ۲/۶۹۳۱ مطبوعہ دیوبند)

مگر صورت مسئولہ میں غیر مسلم صحن مسجد میں پلاسٹر کرا چکا ہے اگر اس نے یہ کام تقرب سمجھ کر کیا ہے تو اس صحن میں نماز پڑھ سکتے ہیں، اگر ہمت ہو اور کوئی مناسب صورت ہو تو اس شخص نے جتنی رقم خرچ کی ہے وہ اسے واپس کر دی جائے اور اچھے انداز سے اسے سمجھا دیا جائے کہ یہ مذہب اور عبادت کا معاملہ ہے ہر ایک اپنے اپنے مذہبی امور اور عبادت گاہوں کے انتظام خود کریں یہی مناسب ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحب ؒ ۴/۳۳۱ بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی رقم ہضم کرنا اور ایسے آدمی کی تولیت:

(سوال ۱۹۶) کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے متعلق کہ اگر کوئی شخص مسجد کی رقم کھا جاوے اور اس کے خلاف کارروائی نہ کی جائے، اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ وہ شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟ مسجد کی رقم ہضم کرنے والے کے متعلق حکم دنیوی اور ایسے شخص کی آخرت میں سزا کیا ہے؟ مسجد کی تولیت کا اہل کون ہے، خائن شخص کو مسجد کی تولیت سپرد کرنا کیسا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرما کر ممنون فرماویں۔

(الجواب) بسم الله الرحمن الرحيم، حامداً و مصلياً و مسلماً.

مسجد کی رقم کھانا اور اس میں خیانت کرنا سخت گناہ ہے، خدانخواستہ مسجد کا متولی رقم مسجد میں خیانت کرے اور اس کا شرعی ثبوت بھی ہو جاوے تو ایسے شخص کو تولیت مسجد سے معزول کرنا ضروری ہے، ایسا شخص تولیت مسجد کی اہلیت نہیں رکھتا مگر یہ یاد رہے کہ حکم مذکور اس وقت ہے جب کہ شرعی طور پر خیانت کا ثبوت ہو، بلا دلیل شرعی کے محض شبہ اور بدگمانی کی بنیاد پر تہمت لگانا ناجائز ہے اور متولی کے لئے لازم ہے کہ مسجد کا معاملہ (حساب وکتاب) بالکل صاف رکھے اور لوگوں کے سامنے پیش کرتا رہے تا کہ انہیں بدگمانی نہ ہو مسجد کے متولی اور مدرسہ کے مہتمم حضرات عالم باعمل ہوں، اگر ایسے میسر نہ ہوں تو صوم وصلوٰۃ کے پابند، امانت دار، احکام وقف سے واقف خوش خلق اور رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتوقیر کرنے والے وغیرہ اچھے اور بھلے اوصاف سے متصف ہوں انہیں کو متولی و مہتمم وغیرہ بنایا جائے، ایسے ہی لوگ خدا کے مقدس گھر کی خدمت گذاری کی اہلیت رکھتے ہیں۔

درمختار میں ہے (وينزع) وجوبا بزازية (لو) الواقف درر فغيره بالاولیٰ (غير مامون) اوعاجز او ظهربه فسق كشرب خمر و نحوه فتح.

شامی میں ہے: (قوله غير مامون الخ) قال في الاسعاف ولا يولى الا امين قادر بنفسه او بنائبه، لان الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لانه يخل بالمقصود (درمختار و شامی ۳/ ۵۳۲ مطلب فيما يعزل به الناظر)

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ایک فتویٰ ہے۔

(سوال) ایک شہر میں ایک مسجد کے نیچے دکانیں ہیں ان کی آمدنی جو مسجد کے اخراجات سے بچتی ہے اس کو متولی اپنے ذاتی تصرف میں اٹھاتا ہے اور خرچ کرتا ہے ایسا کرنا صحیح اور جائز ہے، کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) متولی مذکورہ کو یہ چاہئے تھا کہ تمام آمدنی مسجد کی دوکانات وغیرہ کی اس مسجد کی ضروریات میں خرچ کرے اور باقی رہے اس کو مسجد کے لئے باقی رکھے، اپنے ذاتی صرف میں لانا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ ایسا کرے تو یہ خیانت ہے اس متولی کو معزول کرنا چاہئے، اور مسلمانان اہل شہر واہل محلہ اس وجہ سے اس کو معزول کر سکتے ہیں اور دوسرے شخص کو متولی بنا سکتے ہیں بانی کی طرف سے متولی بنایا گیا ہو یا بعد میں متولی ہوا ہو، ہر دو صورت میں اس کو علیحدہ کر سکتے ہیں اور حساب وکتاب سمجھ سکتے ہیں، مسلمانوں کو ایسی حالت میں اس میں مداخلت کرنا اور حساب سمجھنا اور درصورت ثبوت خیانت اس کو معزول کرنا ضروری اور لازم ہے، درمختار میں ہے کہ اگر خود بانی بھی ایسی خیانت کرے تو اس کو معزول کرنا

چاہئے متولی مذکور تو بالا ولی مستحق عزل ہے، فقط (فتاویٰ دار العلوم قدیم ص ۲۸۷ ج ۵، ۶) (نیز فتاویٰ دار العلوم قدیم ص ۲۴۴ ج ۵، ۶ نیز ص ۲۵۱ ص ۲۵۲، ج ۵، ۶ ملاحظہ ہو) مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے اس سلسلہ میں ایک تفصیلی جواب فتاویٰ رحیمیہ اردو و گجراتی میں شائع ہوا ہے اسے ضرور دیکھ لیں ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ گجراتی جلد دوم از ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۷ نیا ایڈیشن فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد دوم از ص ۱۱۴ ص ۱۶۹ فقط ۲۶، ربیع الاول ۱۴۱۵ھ (۹۴/۵/۴) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسجد کے لئے موہوبہ مکان کی قیمت مسجد کی تعمیر میں استعمال کرنا:

(سوال ۱۹۷) ایک قدیم مسجد کی آمدنی کے لئے ایک شخص نے مکان ہبہ کیا تھا وہ مکان کرایہ پر دیا گیا، کرایہ دار مکان خالی نہیں کرتا تھا اس لئے اسے بیچ کر اس کی قیمت مبلغ (۲۶۰۰۰۰) دولاکھ ساٹھ ہزار روپے بینک میں جمع کردی، اس کا سود پچاس ساٹھ ہزار آیا ہے، فی الحال مسجد کا تعمیری کام [illegible] ہے، سوال یہ ہے کہ فروخت کردہ مکان کی اصل قیمت (۲۶۰۰۰۰) مسجد کے تعمیری کام میں استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور سود کی رقم (۵۰۔۶۰ ہزار روپے) نئے بیت الخلا اور غسل خانے بنانے میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ نیز انہی بیت الخلاء وغسل خانے کی چھت پر امام ومؤذن اور دیگر ضروریات کے لئے حجرے بنائے جائیں۔ جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامداو مصلیاً ومسلماً۔

صورت مسئولہ میں کسی غیر مسلم سے قرض لے کر بیت الخلاء بنالئے جائیں اور اس قرض کی ادائیگی سودی رقم کے ذریعہ کی جاوے، اور مکان کی اصل قیمت مسجد کے تعمیری کام میں استعمال کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۶ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ۔

دومنزلہ مسجد کے اوپر والے منزل میں عورتوں کا وعظ دعاء وغیرہ میں شرکت کے لئے بچوں کے ساتھ آنا:

(سوال ۱۹۸) یہاں دومنزلہ مسجد ہے، اس کے بالکل ہی ساتھ ملا ہوا ایک مکان جو مسجد کے لئے وقف ہے اور خالی ہے، اس مکان میں تبلیغی جماعت کے افراد ٹھہرتے ہیں اس مکان میں یہاں کے امام جو عالم ہیں مہینہ میں ایک دومرتبہ وعظ وبیان کے لئے عورتوں کو دن میں بلاتے ہیں، امام صاحب مسجد میں بیٹھ کر بیان کرتے ہیں اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ ان کی آواز مکان میں بیٹھی ہوئی عورتیں سنتی ہیں، تقریباً دوسال سے امام صاحب بڑی راتوں میں شب برات اور شب قدر کے موقعہ پر عورتوں کو دومنزلہ مسجد کے بالائی حصہ میں بلاتے ہیں، اسی طرح جب باہر سے کوئی بزرگ آتے ہیں یا مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہوتا ہے تو عورتیں چھوٹے چھوٹے چار پانچ سال کی عمر کے بچوں کو لے کر آتی ہیں، بالائی مسجد میں شوروغل ہوتا ہے، رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں جب تراویح میں قرآن مجید ختم ہوتا ہے اس وقت امام صاحب بڑے اہتمام سے یہ اعلان بھی کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے ختم کے بعد دعا ہوگی عورتیں اس میں ضرور شرکت کریں اور عورتیں یہاں آکر نماز بھی پڑھیں، عورتیں بالائی مسجد میں آتی ہیں اور نماز بھی ادا کرتی ہیں، ہم نے فتاویٰ رحیمیہ اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند جس میں عورتوں کے لئے مسجد میں جانے سے متعلق احکام ہیں امام صاحب کو

بتائے تو انہوں نے کہا کہ یہ مسائل ہمارے ملکوں کی مساجد کے لئے ہیں، چونکہ دومنزلہ مسجد ہے اس کے بالائی حصہ میں آکر وعظ و بیان اور نماز وغیرہ عورتیں سن، پڑھ سکتی ہیں اس میں کوئی قباحت نہیں، تو کیا اگر دومنزلہ مسجد ہو تو اس میں عورتیں نماز اور وعظ و بیان کے لئے آ سکتی ہیں؟ مفصل جواب مطلوب ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ مسجد ایک منزلہ ہو یا دو منزلہ یا سہ منزلہ نیچے سے اوپر آسمان تک اور زمین کی تہہ تک مسجد ہے،(۱) لہذا جس طرح پہلی منزل قابل احترام ہے، اسی طرح دوسری اور تیسری منزل بھی قابل احترام ہے، اور جو حکم مسجد کی پہلی منزل کا ہے وہی حکم دوسری اور تیسری منزل کا بھی ہے، اور جس طرح پہلی منزل (گراونڈ فلور) کی بے حرمتی اور وہاں شور وشغب اور چھوٹے بچوں کو لانا جائز نہیں ہے اسی طرح مسجد کی بالائی منزل کی بے حرمتی شور وشغب اور چھوٹے بچوں کو لانا جائز نہیں (درمختار) حدیث میں ہے **جنبوا مساجد کم صبیا نکم و مجانینکم الخ**۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ (ابن ماجہ شریف ص ۵۵ ابواب المساجد والجماعت باب ما یکرہ فی المساجد)

الاشباہ والنظائر میں ہے: **ومنها حرمة ادخال الصبيان والمجانين حيث غلب تنجيسهم والا فيكره** . چھوٹے بچوں کو مسجد میں داخل کرنے سے مسجد کے نجس ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے بچوں کو مسجد میں لانا حرام ہے ، ورنہ مکروہ ہے (الاشباہ والنظائر ص ۵۵۷ القول فی احکام المسجد)

چھوٹے بچوں کو پلاسٹک کی چڈی پہنا دینے سے ظاہراً تلویث مسجد کا اندیشہ نہیں رہتا (اگر چہ گاہے چڈی کے ہوتے ہوئے بھی نجاست باہر نکل آتی ہے) مگر اس کے اندرونی کپڑے میں تو نجاست ہوتی ہے ایسے چھوٹے بچوں کو مسجد کے بالائی حصہ میں لانا گویا مسجد میں نجاست لانا ہے، اور مسجد میں نجاست لانا ممنوع ہے بلکہ جس شخص کے بدن پر نجاست لگی ہوئی ہو اس کا بھی مسجد میں آنا ممنوع ہے۔

شامی میں ہے:۔ **(قوله وادخال نجاسة فيه)عبارة الا شباه ، وادخال نجاسة فيه يخاف منها التلويث اه ومفاده الجواز لو جافة لكن في الفتاوىٰ الهندية لا يدخل المسجد من علىٰ بدنه نجاسة (شامی ج ۱ / ۶۱۴ مطب فی احکام المساجد)**

آداب المساجد میں ہے:۔ مسئلہ: مسجد میں نجاست داخل کرنا جائز نہیں ہے، اور اسی لئے ناپاک تیل کو مسجد میں جلانا جائز نہیں ہے، اگر چہ مسجد سے باہر اس کا جلانا جائز ہے۔ (آداب المساجد ص ۱۳) وعظ و دعا کے شوق میں ہوسکتا ہے کہ حائضہ عورت بھی آ جائے اور مسجد کے بالائی منزل میں بھی حائضہ عورت کا داخل ہونا حلال نہیں ہے، شامی میں ہے **(قوله لا نه مسجد) علة لكراهة ماذكر فوقه ولا يحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف عليه (شامی ۱ / ۶۱۴ مطلب فی احکام المساجد)**

اس پرفتن دور میں نماز کے لئے عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں۔ (اس سلسلے کا تفصیلی جواب فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد پنجم از ص ۵۶ تا ص ۷۱ مکروہات صلوٰۃ میں عورتوں کا مسجد و عیدگاہ جانا کیسا ہے؟ کے عنوان سے

---

(۱) وكره تحريما الوطء فوقه والبول والتغوط لأ نه مسجد الى عنان السمآء قال فى الشامية تحت قوله الى عنان السمآء بفتح العين وكذا الى تحت الثرى كما فى البيرى عن الاسبيجابى، مطلب فى احكام المسجد ج ۱ ص ۶۵۶

ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) یہ حکم عام ہے چاہے مسجد کی پہلی منزل ہو یا دوسری منزل ممانعت کا حکم دونوں کو شامل ہے، اور اسی طرح ممانعت کا حکم کسی خط یا کسی ملک کے ساتھ خاص نہیں، ہر مقام اور ہر جگہ کے لئے یہی حکم ہے، کیا مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام سے بڑھ کر ہماری کوئی مسجد ہو سکتی ہے؟ اور مسجد نبوی کے متعلق حضور اقدس ﷺ نے حضرت ام حمید ساعدی رضی اللہ عنہا کو کیا ہدایت فرمائی ہے، وہ فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۶۱ ص ۶۲ ج ۵ پر ضرور ملاحظہ فرمائیے[1]، لہذا صورت مسئولہ میں امام صاحب عالم صاحب جو بات کہہ رہے ہیں وہ قابل توجہ نہیں ہے، اس میں بہت سارے مفاسد ہیں اس لئے اس کے مطابق عمل نہیں کیا جا سکتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ الاحقر سید عبدالرحیم لاجپوری راندیر۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ۔

مسجد میں ہونے والے نکاح پر متولی مسجد کا فیس وصول کرنا:

(سوال ۱۹۹) یہاں کی ایک مشہور مسجد ہے، ابھی اس کے متولی نے مسجد کے اندر جتنے نکاح ہوتے ہیں ان کے لئے ایک فیس طے کردی ہے، اگر دن میں نکاح ہو تو پانچ سو روپے اور رات میں ہو تو ایک ہزار روپے، اور اگر کوئی یہ فیس نہ دے تو نکاح کی اجازت نہیں، بعض لوگوں نے متولی کو سمجھایا کہ یہ خدا کا گھر ہے اس کے لئے فیس نہیں ہونی چاہئے، تو متولی نے کہا کہ لوگ شادی بیاہ میں پچیس تیس ہزار روپے خرچ کر سکتے ہیں گو پانچ سو ہزار روپے مسجد کے لئے نہیں دے سکتے ہیں تو اس طریقہ سے مسجد مدرسوں میں دینے کی عادت ڈلوا رہا ہوں تو آیا مسجد میں نکاح کے لئے فیس کا مقرر کرنا شرعاً جائز ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، ہوالموفق۔ نکاح عبادت ہے اور مسجد میں نکاح کرنا مسنون ہے، بلا وجہ شرعی اس سے روکا نہیں جا سکتا، حدیث میں ہے عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۲ باب اعلان النکاح والخطبة والشرط) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نکاح علی الاعلان کرو اور نکاح مساجد میں کرو (مشکوٰۃ شریف) لہذا بلا وجہ شرعی کسی کو مسجد میں نکاح کرنے سے روکنا اور منع کرنا صحیح نہیں ہے، البتہ بوقت نکاح مسجد کی لائٹ اور پنکھا استعمال ہوتا ہے تو اس کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے (فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۱۰۶ جلد ۶ جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، مسجد میں نکاح خوانی یا قرآن خوانی کے لئے مسجد کی بجلی استعمال کرنا، کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب) مجلس عقد نکاح پر فیس کے طور پر رقم دینے پر مجبور کرنا غلط چیز ہے، البتہ اگر کوئی مطالبہ کے بغیر بطیب خاطر دے تو اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری، ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ۔

(۱) کورٹ میں فیصلہ کی وجہ سے مسجد کی تعمیر میں محراب نہ بنانا
(۲) مسجد کی رقم پر ملے ہوئے بینک کے سود کا مصرف:

(سوال ۲۰۰) (۱) ہم لوگ اپنے گاؤں میں مسجد تعمیر کر رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم کو سرکاری اجازت صرف مدرسہ کی تعمیر کے لئے ملی ہے، تعمیر کے لئے ایک عرصہ سے کورٹ میں مقدمہ چل رہا تھا، لیکن تعمیر کے نقشے میں محراب نہ

[1] جدید ترتیب کے مطابق مکروہات صلوٰۃ میں عورتوں کا مسجد و عیدگاہ جانا کیسا ہے۔ کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں۔

ہونے کی وجہ سے ہم لوگ مقدمہ جیت گئے ہیں، اور کورٹ کا فیصلہ یہ ہے کہ پوری زمین مسجد کی تعمیر کے لئے نہیں ہے بلکہ مدرسہ کی تعمیر کے لئے ہی ہے، لیکن ابھی ہم اس نیت سے تعمیر کررہے ہیں کہ نماز بھی پڑھی جاسکے، اگر اس تعمیر میں محراب نہ لیں تو چل سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ محراب بنانے کی صورت میں پھر قانونی تکلیف کھڑی ہو جانے کا پورا پورا اندیشہ ہے، اس کے علاوہ اور کوئی راستہ ہو تو بھی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۲) ہم نے تعمیر کے لئے تحصیل چندہ کئی سالوں سے شروع کر رکھا تھا مگر تعمیر کی اجازت نہ ملنے کے سبب وہ پیسے بینک میں جمع تھے، اب اس رقم پر اگر سود ملتا ہو تو اس رقم کا استعمال کہاں اور کس طرح کیا جائے، جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً وھو الموفق۔ (۱) صورت مسئولہ میں وہ جگہ مسجد کے لئے وقف کی گئی ہو یا خریدی گئی ہو اور مسجد کے نام سے چندہ کیا گیا ہو تو اسی نیت کے مطابق بنانی چاہئے اور سوال میں مذکور مجبوری کی وجہ سے اگر محراب نہ بنائی جائے تو بھی چل سکتا ہے، امام صاحب بیچ میں کھڑے رہیں اور دونوں طرف صفیں یکساں رہیں اس کے لئے محراب کی جگہ کوئی علامت بنالی جائے۔

(۲) مسجد کی رقم کا سود ملا ہے اگر ضرورت ہو تو مسجد کے بیت الخلاء پیشاب خانہ یا اس کے صفائی میں استعمال کیا جاسکتا ہے اگر اس میں ضرورت نہ ہو تو مسجد میں آنے والے غریب مسافروں کو بطور امداد دیا جاسکتا ہے۔[۱] فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ یدعبدالرحیم لاجپوری، ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ۔

جماعت خانہ کی دیوار میں سوراخ کر کے اشتہار کا بورڈ لگانا:

(سوال ۲۰۱) ہماری مسجد شارع عام پر ہے اور جائے وقوع چوراہا ہے، بعض لوگ جماعت خانہ کی دیوار میں سوراخ کر کے لوہے کے اینگل لگا کر اشیاء کے اشتہار کے لئے بورڈ لگانا چاہتے ہیں، اس سے مسجد کو آمدنی ہوگی وہ جگہ اشتہار کا بورڈ لگانے کے لئے بہت موزوں ہے، تو جماعت خانہ کی دیوار کا سہارا لے کر ایسا بورڈ لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی دیوار میں سوراخ کر کے اینگل لگا کر اشتہار کے لئے بورڈ لگانا شرعاً جائز نہیں ہے، درمختار میں ہے۔

---

(۱) مسجد کی رقم کا سود مل جائے یا ناجائز ذرائع سے کمانے والا روپیہ لگائے حکم یہ ہے کہ مسجد اور مصالح مسجد دونوں میں سود اور دیگر ناجائز ذرائع سے جو روپیہ حاصل ہوا ہو لگانا جائز نہیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ولایقبل اللہ الا الطیب، کہ اللہ تعالیٰ پاک چیز ہی کو قبول کرتے ہیں مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ ص ۱۶۷ شامی میں ہے اما لو انفق فی ذلک مالا خبیثا وما لا سببہ الخبیث والطیب فیکرہ لان اللہ تعالیٰ لایقبل الا الطیب فیکرہ تلویث بیتہ بما لایقبلہ۔ (شامی مطلب فی احکام المساجد ج۔ا ص ۶۵۸) یہی خبث کی جو علت ہے مسجد میں لگانے سے منتقل ہوگی، وفی خطر الاشباہ الحرمۃ تتعدد مع العلم بہا الا فی حق الوارث وقیدہ فی الظھریۃ بان یعلم ارباب الاموال درمختار مع الشامی۔ کتاب البیوع مطلب الحرمۃ تتعدد ج۔۵ ص ۱۹۰ ایسے مال کا واپس کرنا لازم ہے۔ شرح السیر الکبیر میں ہے وما حصل بسبب خبیث فالسبیل ردہ۔ ج۔۴ ص ۱۷۶ البتہ واپسی ممکن نہ ہو یا واپسی میں مذکورہ رقم کا اسلام یا مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونے کا خطرہ ہو تو فقراء کو دیا جائے اسی مسئلہ سے متعلق اسی باب میں، مسجد کی رقم کا سود کہاں خرچ کیا جائے غرباء کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ عنوان کے تحت حضرت اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہؒ کے جوابات ملاحظہ کئے جائے اسی کے علاوہ خود حضرت مفتی صاحب کے جوابات اس جواب سے مطابقت نہیں رکھتے ہیں۔ دیکھئے بعنوان۔ ناجائز اشیاء کا [illegible] مار کرنے والوں سے چندہ لینا الخ حوض [illegible] وار میں سود کی پیسے استعمال کئے تو کیا حکم ہے؟

اما لو تمت المسجد ثم ارادالبناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تتارخانیة فاذا کان هذا فی الوقف فکیف بغیره،فیجب هدمه ولو علیٰ جدار المسجد ولا یجوز اخذ الا جرة منه ولا ان یجعل شیئا منه مستغلاً ولا سکنی بزازیة.

شامی میں ہے : قوله ولو علی جدار المسجد) مع انه لم یأخذ من هواء المسجد شیئا اھ ونقل فی البحر قبله ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد و ان کان من اوقافه اھ قلت وبه علم حکم ما یصعنه بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جداره فانه لا یحل ولو دفع الا جرة (درمختار و رد المحتار ص ۵۱۲ ج۳ ، کتاب الوقف ، مطلب فی احکام المسجد . فقط واللہ اعلم بالصواب.

مسجد شہید کر کے نئی تعمیر میں جماعت خانہ کے نیچے تہہ خانہ بنانا:

(سوال ۲۰۲)(ج)ایک پرانی مسجد کو شہید کر کے نئی تعمیر کرنا ہے، جماعت خانہ کے نیچے تہہ خانہ بنانا شرعاً کیسا ہے؟ اگر تہہ خانہ بنایا جائے تو امام صاحب کہاں کھڑے ہوں ،صف اول کون سی شمار ہوگی ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کسی جگہ مسجد شرعی بن جاتی ہے تو وہ جگہ تحت الثریٰ سے عنان سما تک مسجد کے حکم میں شمار ہوتی ہے، اس لئے مسجدیت کی تکمیل کے بعد مسجد کے نیچے نماز کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے تہہ خانہ بنانا یا مسجد کے اوپر کمرہ بنانا قطعاً جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے۔ وکره تحریماً (الوطء، فوقه والبول والتغوط)لانه مسجد الی عنان السماء. ردالمحتار میں ہے :(قوله الیٰ عنان السماء) بفتح العین وکذا الی تحت الثریٰ کما فی البیری الخ)(در مختار و رد المحتار المعروف به شامی ج۱ ص ۶۱۴ مطلب فی احکام المسجد)

نیز درمختار میں ہے(فرع) لوبنی فوقه بیتاً للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثما اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تتارخانیة فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد الخ (درمختار مع رد المحتار ص ۵۱۲ ج۳ کتاب الوقف مطلب وفی احکام المسجد)

لہذا صورت مسئولہ میں جب پرانی مسجد ہے تو اب اس کے نیچے نماز پڑھنے کے علاوہ کسی اور مقصد مثلاً سامان رکھنے کے لئے تہہ خانہ بنانا قطعاً جائز نہ ہوگا ،ہاں صرف نماز پڑھنے کے لئے اگر تہہ خانہ بنانے کا ارادہ ہو تو اس کی گنجائش ہے، مگر اس بات کا پورا خیال رکھنا ہوگا کہ اس تہہ خانہ کا استعمال صرف نماز ہی کے لئے ہو کسی اور کام مثلاً سامان رکھنے میں اس کا ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

جس جگہ فی الحال جماعت خانہ ہے نئی تعمیر کے بعد اسی جگہ امام صاحب کھڑے ہوں اور اسی جگہ سے صف بندی شروع ہو، زائد مقتدی اوپر یا نیچے صف بنائیں، امام صاحب سے متصل جو صف ہوگی وہ صف اول شمار ہوگی۔

صورت مسئولہ میں مناسب یہ ہے کہ فی الحال مسجد جس سطح پر ہے اسی سطح پر مسجد بنائی جائے اور بقدر ضرورت اوپر ایک منزل یا دو منزل بنالی جائیں ،تہہ خانہ نہ بنائیں ، جماعت نیچے سے شروع ہو اور زائد مقتدی پہلے منزل پر اور اس

کے بھر جانے کے بعد دوسری منزل پر صف بنائیں، تہہ خانہ بنانے میں آئندہ اس کے غلط استعمال کا اندیشہ ہے گودام کی طرح اور گرمی کے زمانہ میں ٹھنڈک کی وجہ سے مسافر خانہ کی طرح اس کا استعمال ہونے لگے گا اور بےحرمتی ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جدید تعمیر میں جماعت خانہ پہلی منزل پر رکھا اس کے متعلق چند سوالات:

(سوال ۲۰۳) ہمارے یہاں تقریباً ۲۵ سال پہلے پرانی مسجد کو شہید کر کے دو مینار والی نئی مسجد بنائی گئی مسجد قدیم کا جماعت خانہ نیچے تھا، نئی تعمیر میں اصل جماعت خانہ پہلے منزلہ پر بنایا گیا جو نیچے کے پرانے جماعت خانہ سے بڑا ہے، پھر بھی آبادی کے بڑھنے کے سبب جمعہ کی نمازوں میں نیز رمضان میں چھوٹا پڑتا ہے جس کے سبب موجودہ جماعت خانہ میں کمیٹی نے ترمیم کرنا طے کیا ہے جس میں آپ سے مشورہ لینا چاہتے ہیں، لہذا ذیل کے سوالات کے جوابات سے مطلع فرمائیں، جزاکم اللہ۔

(سوال ۱) امام اوپر کے جماعت خانہ میں ہو اس کے بھر جانے کے سبب باقی مقتدی نیچے کے جماعت خانہ میں صفیں لگا کر اقتداء کریں تو یہ اقتداء صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہو تو کچھ شرطیں ہیں؟

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً! (۱) مسجد قدیم کا جماعت خانہ نیچے تھا وہ اصل مسجد ہے وہ نیچے تحت الثریٰ تک حکم مسجد میں ہے اس کے نیچے حوض یا امام و مؤذن کے رہنے کے لئے حجرہ یا آمدنی کے لئے دکانیں وغیرہ تعمیر نہیں کیا جاسکتی، نیز اوپر آسمان تک مسجد کے حکم میں ہے، امام و موذن کی رہائش کے لئے کمرہ وغیرہ تعمیر نہیں کیا جاسکتا، البتہ مسجد تنگ ہو اور مسجد کی توسیع کے لئے آگے پیچھے دائیں بائیں جگہ نہ مل سکتی ہو تو مجبوراً اوپر نماز پڑھنے کی جگہ بنائی جاسکتی ہے اور نیچے کے جماعت خانہ اور صحن اور فناء مسجد میں نماز پڑھنے کی جگہ نہ رہے تو مجبوراً اور ضرورۃً اوپر کے حصہ میں صفیں بنا کر نماز پڑھی جاسکتی ہے، نیچے جگہ ہوتے ہوئے اوپر چڑھنا منع اور مکروہ ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ اردو ج ۳ ص ۳۰ ص ۳۱، نیز ص ۱۶۲ اور ص ۱۶۳ (مکروہات صلوٰۃ میں، نماز عشاء اور تراویح مسجد کی چھت پر ادا کی جائے الخ، کے عنوان سے اور اسی باب میں مسجد کے اوپر نیچے دوکان، کمرے بنانا کیسا ہے؟ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) لہذا صورت مسئولہ قابل ترک ہے امام نیچے کے حصہ میں ہونا چاہئے، فقط۔

(سوال ۲) اس کا برعکس کیسا ہے؟

(جواب ۲) یہ شکل بہتر ہے۔ فقط۔

(سوال ۳) اوپر کی دونوں صورتوں میں بعض مقتدی اوپر جگہ ہوتے ہوئے نیچے صف بنا کر اقتداء کریں تو یہ صحیح یا نہیں؟ یا نیچے جگہ ہوتے ہوئے (جبکہ امام نیچے ہو) اوپر صف بنا کر اقتداء کریں تو کیا حکم ہے؟

(جواب ۳) یہ صورت مکروہ شمار ہوگی، فقط۔

(سوال ۴) محراب کا درمیان میں ہونا ضروری ہے؟ یا پانچ دس فٹ دائیں بائیں کم زیادہ ہو تو گنجائش ہے؟

(جواب ۴) محراب درمیان میں ہونا ضروری ہے، پانچ دس فٹ ہٹ کر ہو تو امام کا مصلی درمیان میں ہونا ضروری ہے تاکہ دونوں طرف کی صفیں برابر ہوں بڑی چھوٹی نہ ہوں۔ فقط۔

(سوال ۵) پہلی صف چھوٹی ہو، دوسری تیسری بڑی ہوتو کیسا ہے؟
(جواب ۵) جگہ کی تنگی کے سبب پہلی صف چھوٹی ہو دوسری صفیں بڑی ہوں تو حرج نہیں، جائز ہے۔
(سوال ۶) اوپر کے جماعت خانے پر چڑھنے کے لئے سیڑھی ہے جس کا کچھ حصہ پرانے جماعت خانہ میں ہے اور کچھ حصہ باہر، اس سیڑھی پر جانے کے لئے نیچے کے جماعت خانہ میں سے گذرنا پڑتا ہے یہ کیسا ہے؟
(جواب ۶) نیچے کے جماعت خانہ اور صحن میں جگہ نہ ہوتو اوپر چڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے لہذا سیڑھی باہر ہونی چاہئے تا کہ جماعت خانہ اور صحن والے نمازیوں کو خلل نہ ہو اور ان کے سامنے سے گذرنا نہ پڑے، فقط۔
(سوال ۷) اعتکاف نیچے کے جماعت خانہ میں افضل ہے؟ یا اوپر کے جماعت خانہ میں۔
(جواب ۷) نیچے کے حصہ میں اعتکاف کرنا چاہئے، نیچے جگہ نہ ہوتو مجبوری کی حالت میں اوپر کیا جا سکتا ہے۔ فقط۔
(سوال ۸) قدیم جماعت خانہ کے منارہ کو کمرہ کی شکل دے کر اسٹور روم کی طور پر استعمال کرنا اور تالا لگا کر رکھنا کیسا ہے؟
(جواب ۸) مینارہ کا استعمال اس طرح کرنا کہ اس کا اصل مقصد فوت ہو جائز نہیں ہے۔ فقط۔
(سوال ۹) حوض کے اوپر چھت لگا کر جماعت خانے میں اضافہ کیا جائے تو اس کے نیچے کے حصہ میں مسجد کا سامان وغیرہ رکھنا کیسا ہے؟
(جواب ۹) حوض کی جگہ شرعی مسجد سے خارج فنائے مسجد میں ہوتی ہے اس کے اوپر جماعت خانے کا اضافہ کرنے میں حرج نہیں اور نیچے کے خالی حصہ میں مسجد کی صفیں وغیرہ سامان رکھا جا سکتا ہے۔ فقط۔
(سوال ۱۰) دو صفوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہوتو پیچھے کی صفوں کی اقتداء درست ہے؟
(جواب ۱۰) جماعت خانہ اور صحن میں چاہے کتنا فاصلہ ہو وہ اقتداء کے لئے مانع نہیں۔
(سوال ۱۱) نیچے کے جماعت خانہ میں پانچوں وقت کی جماعت کی نماز ترک کر کے اوپر کے جماعت خانہ میں جماعتیں کرتے رہنا کیسا ہے؟
(جواب ۱۱) غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کا نقشہ ہندو سے تیار کروانا کیسا ہے:

(سوال ۲۰۴) ہمارے محلّہ کی مسجد زیر تعمیر ہے اس کی تعمیر جدید کی ذمہ داری بڑی حد تک میرے سر ہے، پہلے مسجد کے نقشہ اور پلان کے لئے ہم نے بمبئی کے ایک ماہر تعمیرات (آرکٹیکٹ) سے رجوع کیا، انہوں نے بطور حق المحنت ایک بڑی رقم کا مطالبہ کیا جو ہماری استطاعت سے باہر تھی، اس کے بعد ہم نے ایک اور مقامی ہندو آرکٹیکٹ سے مشورہ کیا انہوں نے مسجد کا پلان تیار کرنے پر رضامندی ظاہر کی، جب ہم نے ان سے فیس کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے کچھ لینے سے انکار کر دیا، بڑے اصرار کے بعد ایک چھوٹی سی رقم بطور حق المحنت انہوں نے لینے پر آمادگی ظاہر کی، ہمارے محلے کے بعض لوگوں نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ مسجد کی تعمیر کے لئے ہندو آرکٹیکٹ کی خدمات حاصل کرنا نامناسب ہے، میں نے ان سے کہا کہ ہم یہ خدمات ان سے مفت نہیں لے رہے ہیں بلکہ ان کو معاوضہ دیا جار ہا

ہے، ہمارے یہاں مسجد میں دروازے کھڑکیاں وغیرہ کا کام عموماً ہندو بڑھئی کرتے ہیں، اس کے علاوہ تعمیر میں بیگار وغیرہ کا کام بھی ہندو کرتے ہیں۔

علامہ قسطلانی کی کتاب "المواهب اللدنيه" میں یہ روایت میری نظر سے گذری کہ عہد نبوی ﷺ میں ایک قبطی نے (جو غالباً عیسائی تھا) مسجد نبوی کا منبر بنایا تھا، میں اس سلسلہ میں دیگر شواہد کے لئے رجوع کر رہا ہوں، ازراہ کرم اس سلسلہ میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں کہ مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہندو آرکٹیکٹ یا ماہر تعمیرات کی خدمات بالمعاوضہ حاصل کرنا ازروئے شرع کیسا ہے، آیا اس میں کوئی شرعی قباحت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! مساجد سے متعلق جو خدمات ہوں وہ مسلمان سے لینا بہتر ہے، خاص کر جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ اگر غیر مسلم سے خدمات لی گئیں تو وہ آئندہ مسلمانوں پر احسان جتائیں گے یا اور کوئی دینی مفسدہ ہو چنانچہ مساجد کے لئے کفار کے چندہ کے سلسلے میں علماء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ غیر مسلم چندہ دینے والا اپنے اعتقاد کے اعتبار سے اسے قربت سمجھتا ہو تو اس کا چندہ لیا جا سکتا ہے، لیکن اگر یہ احتمال ہو کہ وہ آئندہ مسلمانوں پر احسان جتائے گا تو اس وقت بہتر یہ ہے کہ ان کا چندہ نہ لیا جائے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:۔

(سوال ۷۸۵) علماء دین وشرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟ کہ ہمارے یہاں ایک مسجد نئی تیار ہو رہی ہے اور اس میں ہندو لوگ چندہ دینا چاہتے ہیں وہ روپیہ ہندو لوگ کا مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے اس شرط سے قبول کر لینا جائز ہے (امداد الفتاویٰ ص ۶۸۸ ج ۲ مطبوعہ دیوبند) (ص ۶۰۴ ج ۲ مطبوعہ کراچی سوال ص ۷۳۹)

نیز تحریر فرماتے ہیں......الجواب......پس اس بناء پر اگر کوئی ہندو اپنے اعتقاد میں اس کو قربت سمجھتا ہے تو اس قاعدہ کلیہ کے اقتضاء سے اس کا چندہ لینا جائز ہونا چاہئے۔ الیٰ قولہ۔ اور تقریر ثانی کی یہ ہے کہ بوجہ احتمال منت علی المسلمین فی امر الدین کے اس سے بچنا چاہئے، جیسا کہ سوال میں بھی نقل کیا ہے۔ الخ (امداد الفتاویٰ ص ۶۸۹ ص ۶۹۰ ج ۲۔ سوال نمبر ۷۸۶ مطبوعہ دیوبند) (مطبوعہ پاکستان ج ۲ ص ۶۰۳، ص ۶۰۴، سوال نمبر ۷۳۸)

لیکن صورت مسئولہ میں جب کہ مسلمان آرکٹیکٹ (ماہر تعمیرات) استطاعت سے زائد حق المحنت طلب کر رہا ہے اور غیر مسلم مناسب اجرت پر کام کرنے پر تیار ہے تو چونکہ غیر مسلم کو اجرت دے کر اس سے کام لیا جا رہا ہے تو وہ بمنزلہ ایک ملازم کے ہوا جس سے یہ احتمال ختم ہو جاتا ہے کہ وہ آئندہ مسلمانوں پر احسان جتائے گا، ان حالات میں ہندو ماہر تعمیرات سے مذکورہ خدمت لی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی اندرونی دیواروں پر رنگین پتھر یا مختلف تختیاں لگوانا، محراب یا مسجد میں رنگ برنگی پیتاں لگوانا:

(سوال ۲۰۵) مسجد میں رنگین بتی لٹکانا یا محراب یا منبر پر یا جماعت خانے میں رنگین پتھر لگوانا، اور اللہ، محمد کی رنگ برنگی

تختی لٹکانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز مکہ ومدینہ منورہ کی زیارت گاہوں والا کیلنڈر لٹکانا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) نماز کی روح خشوع وخضوع ہے اور خشوع وخضوع اور خدا کی طرف دل کی توجہ کے بغیر نماز بے جان ہے، مسجد کی محراب اور قبلہ کی دیوار پر نقش ونگار (بیل بوٹے) ہوں گے تو نمازی کی توجہ اس کی طرف ہوگی اور خشوع وخضوع میں خلل انداز ہوں گے اس لئے منع ہے، بلکہ فقہاءؒ یہاں تک لکھتے ہیں کہ اردگرد کی دیوار کا نقش ونگار اس کے قریب والے نمازیوں کے خشوع وخضوع میں مخل ہوگا۔

حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے دروازے پر خوبصورت پردہ دیکھ کر فرمایا کہ اس خوبصورت اور پر تکلف پردے کو ہٹادو اس کی تصویریں نماز میں میری توجہ مبذول کراتی ہیں (بخاری شریف ص ۵۴ ج۱، جز نمبر۲ باب ان صلی فی ثوب مصلب اوتصاویر ھل تفسد صلاتہ الخ)

جب آپ ﷺ نے پھول دار رنگین چادر کے بارے میں فرمایا کہ مجھے نماز میں غافل کرتی ہے تو عام نمازیوں کا کیا؟ امام نوویؒ حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد کے محراب کی زینت اور خوبصورت (نقش ونگار بیل بوٹے) اور دیواروں کا نقش ونگار ایسی چیز ہے جو نمازیوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اس لئے محراب اور درودیوار کو خوبصورت اور منقش بنانا مکروہ ہے (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۸)[1] اس لئے جو خوبصورتی نقش ونگار، فریم اور کیلنڈر وغیرہ نمازی کو غافل کرنے والی اور خشوع اور خضوع میں مخل ہو ان سے بچنا ضروری ہے (جذب القلوب باب نمبر ۷ ص ۲۱۶)

مسجد میں رنگین بتیاں لٹکانا عبادت گاہ کو تماشہ گاہ بنانے کے مرادف ہے اس لئے کراہت سے خالی نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فاسق اور غیر پابند شرع کو متولی بنانا:

(سوال ۲۰۶) فاسق اور غیر پابند شرع کو مسجد کا متولی بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! مسجد شعائر اسلام میں سے ہے جو آدمی اسلامی شعائر کا محافظ، شریعت کا پابند ہو، جس کے دل میں خدا کے خوف اور محبت نے گھر کر لیا ہو وہی اس کا محافظ اور متولی بن سکتا ہے، جو شعائر اسلام کا محافظ نہ ہو، شریعت کا پابند نہ ہو، نماز باجماعت کا پابند نہ ہو، فاسق ہو یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا صغائر پر مصر ہو، شراب پینے کا عادی ہو، سود خوار ہو، وہ خانۂ خدا کا متولی نہیں بن سکتا، فاسق اور بے دین کو خانۂ خدا کا محافظ بنانے میں مسجد، شعائر دین امام اور مؤذن کی نیز مصلیوں کی بھی توہین وتحقیر لازم آتی ہے، ارشاد باری ہے۔

انما یعمر مسجد اللہ من امن باللہ والیوم الاخر واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ (قرآن حکیم ۔سورۂ توبہ)

ترجمہ: بے شک خانۂ خدا کو آباد کرنے کا کام ان پاک لوگوں کا ہے جو خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے،

---

(۱) ففیہ الحث علی حضور القلب فی الصلوٰۃ وتدبر ما ذکرناہ ومنع النظر من الامتداد الی ما یشغل وازالۃ ما یخاف اشتغال القلب وکراھیۃ تزویق محراب المسجد وحائطہ ونقشہ وغیرہ ذلک من الشاغلات الخ باب کراھیۃ الصلوٰۃ فی ثوب لہ اعلام)

نماز کی پابندی کرے زکوۃ ادا کرے اور سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں، قرآن میں یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ خدا کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں، یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق وفاجر آدمی مسجد کا متولی نہیں ہوسکتا، کیونکہ دونوں (خانہ خدا اور فاسق وفاجر) میں کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ متضاد باتیں جمع ہوجاتی ہیں (وہ یہ کہ مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور فاسق وفاجر متولی خدا پرستی سے نفور (تفسیر ترجمان القرآن ص۸۰ ج۲)

اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے: **ولا یجوز تولیة الفاسق مع امکان تولیة البر** ۔ ترجمہ: نیک دیندار پرہیز گار متولی ملنے کے باوجود فاسق (غیر پابندی شرع) کو متولی بنانا درست نہیں (ص۱۵۰ ج۱)

''اسلام کا نظام مساجد'' میں ہے کہ خدا کے گھر کی خدمت وہی کرے جو خدا کے دوست ہوں، جن کے دل میں اس کی محبت وخشیت گھر کرچکی ہو (ص۱۲۹) ظاہری طور پر بھی وہ ایسا ہو جس سے خدا پرستی نمایاں ہو (ایضاً)

حدیث میں ہے کہ جو آدمی کسی جماعت میں کسی اہم کام کی ذمہ داری کسی ایسے شخص کے حوالہ کرے در آں حالانکہ جماعت میں ایسا آدمی موجود ہو جو اس سے زیادہ خدا کی رضامندی چاہنے والا اور خدا کے احکام کی زیادہ پابندی کرنے والا ہو تو منتخب کرنے والے نے خدا تعالیٰ کی خیانت کی، اور اس کے رسول (ﷺ) کی خیانت کی اور تمام مسلمانوں کی خیانت کی (ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص۳۶) (فتاویٰ ابن تیمیہ ج۱ ص۱۰۰)

درمختار شامی وغیرہ میں ہے: جب متولی میں شرعی اعذار اور قباحتیں پیدا ہوجائیں تو ایسے عہدہ سے برطرف کردیا جائے جیسے کہ وہ غیر مامون ہو، عاجز ہو فاسق ہو فاجر ہو یا اسے شراب نوشی کی عادت ہوگئی ہو تو اسے تولیت سے ہٹا دینا ضروری ہے (ص۴۲۱، ص۴۲۲، ج۳) (اسلام کا نظام مساجد ص۲۲۲)

متولی ایسے شخص کو منتخب کیا جائے گا جو اس عہدہ کا خواہاں نہ ہو (ایضاً)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ متولی بنانے میں ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، دینی علم رکھتا ہو، وقف کی احکام سے واقف ہو امانتدار ہو، متقی پرہیزگار ہو یعنی اس کی زندگی پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہو، مگر افسوس! فی زمانا صرف مالداری دیکھی جاتی ہے اگرچہ وہ بے علم وعمل ہو، نماز وجماعت کا پابند نہ ہو، فاسق ہو۔ حالانکہ مسجد کا متولی حقیقت میں نائب خدا شمار ہوگا تو ایسے عظیم الشان منصب کے لئے اس کے شایان شان متولی ہونا چاہئے، مگر افسوس! آج مساجد کی حالت ''غریب کی بیوی سب کی بھابھی۔'' جیسی بنادی گئی ہے، لائق نالائق، فاجر، فاسق سب متولی بننے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں، حدیث میں ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بڑے بڑے عہدے نااہلوں کے سپرد کئے جائیں گے اور قوم کا سردار فاسق بنے گا (مشکوٰۃ ص۴۷۰ باب اشراط الساعۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۱)دومسجدوں کوایک بنانا(۲)مسجد کی نئی تعمیر میں قدیم جماعت خانہ کی جگہ پر حوض اور کمرہ بنانا،اور جماعت خانہ اوپر بنانا جائز نہیں ہے:

(سوال ۲۰۷)زمانہ قدیم میں یہاں ایک خاندان میں منافرت کی ایسی آگ پھیلی کہ دومسجدیں وجود میں لائی گئیں، دونوں کی دیواریں بالکل متصل ہیں ،اب کچھ حضرات ان دونوں مسجدوں کو ایک بنا دینا چاہتے ہیں،دونوں مسجدیں ملاکر یا شہید کرکے دونوں مسجدوں کے تینوں طرف قبرستان واقع ہے،دونوں مسجدوں کوملانے میں تھوڑا سا حصہ قبرستان کا مسجد میں آجاتا ہے۔کیااس حصہ کومسجد میں داخل کرسکتے ہیں؟

(ب)عدم اتصال کی صورت میں ایک مسجد جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے وہ مصلین کے لئے بہت تنگ ہےاور قبرستان کی وجہ سے جگہ بھی تنگ ہے ایسی صورت میں از سرنو مسجد کی تعمیر میں قدیم جماعت خانہ کی جگہ پر مسجد کا سامان رکھنے کے لئے کمرہ بنایا جائے اور وضو کے لئے حوض بھی بنایا جائے اور کنارہ میں الگ غسل خانہ اور پیشاب خانہ ہواور کمرہ وحوض سے اوپر نیا جماعت خانہ بنایا جائے ،جگہ تنگ ہےاس لئے اس طرح تعمیر کرنے کا پلان بنانا چاہتے ہیں تو مذکورہ نقشہ کے مطابق تعمیر کرسکتے ہیں؟

نوٹ:۔فی الحال مسجد کی دیواریں بہت کمزور ہیں۔

نوٹ:۔یہ قبرستان مخصوص جماعت کا ہے یعنی اسی مسجد کے مصلیوں کا۔

(الجواب) حامداًومصلیاًومسلماً!دونوں مسجدیں بالکل متصل ہیں اوراہل محلّہ دونوں مسجدوں کوایک کرناچاہتے ہیں تو ایسا کرسکتے ہیں۔

حضرت العلامہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:۔مسئلہ:۔اہل محلّہ کی لئے جائز ہے کہ وہ ایک مسجد کی دو کردیں یادومسجدوں کی ایک بنادیں(الاشباہ) (آداب المساجد ص۱۸)الاشباہ کی عبارت یہ ہے:ولا ھل المحلة جعل المسجد مسجدین والا ولیٰ ان یکون لکل طائفة مؤذن ولھم جعل المسجدین واحدا) جب قبرستان میں مردے دفن کئے جاتے ہیں،ویران نہیں ہے کہ اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتو اس کی کوئی جگہ مسجد میں شامل نہیں کی جاسکتی ،واقف نے جس مقصد سے وقف کیا ہو،اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے،شرط الواقف کنص الشارع (درمختار کتاب الوقف ۳/ ۵۷۵)

شامی میں ایک موقع پرفرمایا ہے : علی انھم صرحوفابان مراعاة غرض الواقفین واجبة......وقدمرو جوب العمل بشرط الواقف (شامی ج ۳ ص ۵۸۵) جوجگہ ایک مرتبہ مسجد بن چکی ہووہ جگہ الی عنان السماء،اورالی تحت الثریٰ تاقیامت مسجد رہے گی(و) کرہ تحریما (الوطء فوقه والبول والتغوط)لانه مسجد الی عنان السماء (درمختار)(قوله الی عنان السماء)وکذا الی تحت الثریٰ کما فی البیری (درمختار مع شامی ج ۱ /ص ۶۱۴ مطلب فی احکام المساجد) اس لئے اگر کسی جگہ ایک مرتبہ مسجد تعمیر ہوچکی ہواس کے بعد کسی وقت کسی ضرورت کی وجہ سے اسے شہد کرکے مسجد کی نئی تعمیر کی جائے تو جوجگہ داخل مسجد تھی ،اب اس کے نیچے یااوپر کمرہ یا حوض وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے،ہاں مسجد بالکل نئی بن رہی ہواور بالکل نئی تعمیر

کے پلان میں یا کوئی جگہ شرعی مسجد سے خارج ہو اور وہ جگہ نئی تعمیر کے وقت شرعی مسجد میں داخل کی جارہی ہو اور اس نئی جگہ کے پلان میں مصالح مسجد کے لئے حوض یا کمرہ بنانا شامل ہو تو ایسی صورت میں بنانے کی گنجائش ہے درمختار میں ہے:لو بنی فوقہ بیتاً للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجد یۃ ثم اراد المبناء منع (درمختار ۳/۵۱۳، کتاب الوقف) (فتاوی رحیمیہ ۶/۸۱) (اسی باب میں مسجد کا نقشہ مکمل ہونے کے بعد مسجد کے نیچے دکان بنانا، کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔از مرتب) حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس مسئلہ پر آداب المساجد کے ضمیمہ میں تسلی بخش کلام فرمایا ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔یکم صفر ۱۴۰۸ھ۔

مسجد کی اطراف میں مسجد سے اونچا مکان بنانا:

(سوال ۲۰۸) مسجد کے سامنے (قبلہ) والی دیوار کے متصل مسجد سے اونچا مکان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ بقیہ تین جہتوں میں مسجد سے اونچا مکان (قیام گاہ) بنانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداًومصلیاًومسلماً! مسجد کے اردگرد، مسجد کی عمارت سے اونچے مکانات بنانا جائز ہے اس سے مسجد کی بے حرمتی نہیں ہوتی۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ایک مسجد کے لئے وقف کیا ہوا پائپ دوسری مسجد میں دینا
(۲) مسجد کی آمدنی اس کی ضرورت سے زیادہ ہے تو کیا کرے:

(سوال ۲۰۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک پائپ یعنی نل ایک مخصوص مسجد کے کنویں کے لئے وقف کر دیا مگر اس مسجد کے لوگوں نے اس کو اپنے مکان میں نہ لیا اور ویسے ہی دوسرے ذرائع سے پانی کھینچنے کا کام لیا اور پائپ پڑے پڑے خراب ہو رہا ہے اور زید نے جب یہ معاملہ دیکھا تو اسی گاؤں میں ایک اور مسجد بھی ہے جس میں پائپ کی شدید ضرورت ہے زید کا ارادہ ہے اگر شریعت اجازت دے تو یہ پائپ اٹھا کر دوسری مسجد میں دے دیا جائے تاکہ ضائع ہونے سے بچ جائے تو کیا دوسری مسجد والوں کو اس کا استعمال جائز ہے؟ اگر نا جائز ہے تو کیا شکل اختیار کی جائے؟

(۲) ایسے ہی بہت سی مساجد میں سالانہ آمدنی کثیر ہوتی ہے، بہت سی رقم جمع ہوگئی ہے، اور اس مسجد میں مستقل آمدنی کا سلسلہ جاری ہے تو دوسری مسجد میں مال دے دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ یا لوگ اس کثیر مال کو دیکھ کر کسی ترکیب سے اپنے قبضہ میں لے کر خود کھانے لگیں گے، اب کیا شکل اختیار کی جائے جب کہ دوسری مسجد کو شدید حاجت ہے۔

(۳) ان کثیر آمدنی والی مساجد کا مال کسی مدرسہ میں یا کسی غریب پر اگر لگایا جائے تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

(الجواب) حامداًومصلیاًومسلماً! جب کہ پائپ مسجد کے لئے وقف کر دیا گیا تو واقف کا اختیار جاتا رہا، اب اگر اس مسجد میں اس کی حاجت نہیں ہے نہ آئندہ ضرورت ہوتی اور پڑا پڑا خراب ہو جائے گا یہ اندیشہ ہے تو اسے فروخت کر کے قیمت مسجد کے کام میں لے لی جائے دوسری مسجد والے یہاں سے خرید سکتے ہیں، اگر واقعی مسجد اس قدر مالدار

ہے اوراس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اس قدر رقم جمع ہے جس کی مسجد کو نہ فی الحال ضرورت ہے نہ فی المآل اور ضائع ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس صورت میں پائپ بلا قیمت قریب کی محتاج مسجد میں جماعت کے مشورہ سے دیا جاسکتا ہے، اسی طرح رقم بھی قریب کی مسجد میں دی جاسکتی ہے لا سیما فی زماننا فان المسجد او غیره من رباط او حوض اذا لم ینقل یا خذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهدو کذلک او قافه یاکل النظار او غیرهم ویلزمه من عدم النقل خراب المسجد الا خرا المحتاج الی النقل الیه الخ (شامی ج۳ ص ۵۱۴ کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد)

بہتر یہ ہے کہ زائد رقم سے اس مسجد کے متعلق دینی مدرسہ قائم کردیا جائے کہ جس سے مسجد کی آبادی میں اضافہ ہو اور رقم ضائع ہونے سے بچ جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی دیواروں پر آیات قرآنی لکھنا ممنوع ہے:

(سوال ۲۱۰) مسجد کے اندرونی اور بیرونی حصہ میں قرآن شریف کی آیتیں لکھنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو کون سی لکھنا افضل ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! مسجد کے اندرونی اور بیرونی حصہ میں قرآن شریف کی آیت اور قابل تعظیم اشیا لکھنا ممنوع ہے۔

بے ادبی کے احتمال کی وجہ سے فقہاء اجازت نہیں دیتے: ولا ینبغی الکتابة علی جدرانه (درمختار) قال فی البحر وکذا یکره کتابة الرقاع والصاقها بالا بواب لما فیه من الا هانة وفیه من النهایة لیس بمستحسن کتابة القرآن علی المحارب والجدران لما یخاف من سقوط الکتابة وان توطأ (طحطاوی علی الدر المختار ۱/ ۲۴۰) (قوله ولا ینبغی الکتابة علی جدرانه) ای خوفا من ان تسقط وتوطأ، بحر عن النهایة (شامی ۱/ ۶۲۰ مطلب فی احکام المساجد) فقط والله اعلم بالصواب .

مسجد کی وقف زمین بیکار پڑی ہے اس میں مدرسہ کے لئے مکان بنانا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۱۱) ہمارے محلہ کی مسجد کے قبضہ میں بحیثیت ملکیت (وقف) ایک زمین ہے جو برسوں سے ویسے ہی پڑی ہے، اس پر عمارت وغیرہ نہیں ہے، محلہ کا جو مدرسہ ہے اب ارکان مدرسہ کا خیال ہو رہا ہے کہ اس زمین کو مدرسہ کے پیسوں سے کرایہ کے طور پر لے لیا جائے اور ماہانہ زمین کا کرایہ جو طے ہوا سے مسجد کے صرفہ میں لے لیا جائے، اور پھر مدرسہ اس مسجد کی زمین پر اپنے پیسوں سے عمارت تعمیر کر کے اس عمارت کو کرایہ پر دے، اور جو کرایہ وصول ہوا سے مدرسہ اپنے صرفہ میں لے، اس سلسلہ میں ارباب مدرسہ کا خیال ہے کہ زمین پٹہ پر معین مدت کے لئے لکھوائی جائے اور اس پر عمارت بنا کر آمدنی کی صورت کی جائے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ مدرسہ کے ٹرسٹ سے پیسے صرف کر کے ایسی موقوفہ زمین کو پٹہ پر لکھوایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! اگرچہ مسجد کو اس موقوفہ افتادہ زمین کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن آئندہ توسیع وغیرہ موقع پر ضرورت ہوسکتی ہے اور اس پر مدرسہ کا مکان بن جانے کے بعد اس کو حاصل کرنا مشکل ہے اور قانونی

اعتبار سے بھی دشوار ہے اس لئے پٹہ پر طویل مدت کے لئے کرایہ پر دینے کی اجازت نہ ہوگی، نیز جب کہ موقوفہ زمین پر مدرسہ کی رقم سے عمارت بنے گی تو مسجد کا وقف مدرسہ کے وقف کے ساتھ مختلط ہو جائے گا، یہ بھی درست نہیں ہے، اس لئے اس قسم کا معاملہ نہ کیا جائے۔[1]

اگر فی الواقع افتادہ زمین مسجد کے کسی مصرف کی نہ ہو، نہ آئندہ اس ضرورت کی توقع ہو، کرایہ کے قابل بھی نہ ہو، بیکار محض ہو، نیز فناء مسجد (متعلقہ مسجد) کا حکم نہ رکھتی ہو تو اہل محلّہ کے اتفاق سے اسے فروخت کر کے اس کے عوض دوسری جگہ خریدی جائے بشرطیکہ دوسرے کے قبضہ میں جانے سے مسجد و نمازیوں کو ضرر اور تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ناک کی بدبو والا آدمی مسجد میں آ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے مصلی خوش ہوں تب آنا کیسا ہے:

(سوال ۲۱۲) ایک شخص کو پیدائشی طور پر ناک کی بیماری ہے جس کی وجہ سے بدبو آتی رہتی ہے، علاج و معالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہو، تو ایسے شخص کو اعتکاف میں بیٹھنا کیسا ہے؟

(۲) اور ایسا شخص نماز پنجگانہ کے لئے مسجد میں جائے یا نہیں؟ دوسرے مصلی اس کو برداشت کرنے پر خوش ہوں بلکہ عدم حاضری سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ تو بھی احترام مسجد کے خیال سے اس کو مسجد میں جانا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً! (۱) حدیث میں ہے کہ جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کہ ملائکہ ایذا پاتے ہیں جس سے انسان ایذا پاتے ہیں۔ (بخاری شریف وغیرہ)[2]

حدیث معلل ہے بایذاء انسان و ملائکہ اس لئے جس کے جسم کے کسی حصہ کی بو سے لوگوں کو ناگواری اور اذیت ہوتی ہو، ایسے مسجد میں نہیں آنا چاہئے اور اعتکاف میں نہیں بیٹھنا چاہئے، وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے: کل من وجد فیہ رائحۃ کریھۃ یتاذی بہ الانسان یلزم اخراجہ:۔ یعنی فقہاء فرماتے ہیں کہ جس شخص کے بدن میں ایسی ناگوار بدبو پائی جائے جس کی وجہ سے آدمیوں کو اذیت ہوتی ہو تو اس کو نکال دینا چاہئے (اسلام کا نظام مساجد ص ۲۱۹)

(۲) بدبو ناگواری اور تکلیف دہ حد تک پہنچی ہوئی ہو، لیکن احباب اسے برداشت کر لیتے ہو یا عادی بن گئے ہوں تاہم اسے مسجد میں آنے سے اجتناب کرنا چاہئے کہ مسجد جائے حضوری ملائکہ ہے، ان کو اور دوسرے لوگوں کو اذیت ہوگی، البتہ اگر بدبو خفیف ہو، تکلیف دہ اور ناگواری کی حد تک نہ ہو تو نماز پنجگانہ کے لئے دافع بدبو، عطر وغیرہ خوشبو لگا کر آ سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب، ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ۔

چوری کی لکڑی اور حرام رقم سے بنائی گئی مسجد کا حکم:

(سوال ۲۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ مسجد بنائی گئی ہے، متولیان اور کارکنان

---

(۱) قلت لکن قال ابو جعفر الفتوی علی ابطال الاجرۃ الطویلۃ ولو بعقود درمختار مع الشامی کتاب الوقف، مطلب فی الا جارۃ الطویلۃ بعقود (ج ۳ ص ۵۵۰)

(۲) قیل لانس ما سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الثوم فقال من اکل فلا یربن مسجد نا کتاب الا طعمۃ باب مایکرہ من الثوم و البقول الخ ج ۲ ص ۸۱۹)

مسجد نے لکڑیاں وغیرہ جنگلوں میں سے چوری کر کے لاکر بنائی ہے، اور مسجد کے لے جو چندہ ہے کیا ہے وہ بھی ایسے لوگوں سے جو کھلم کھلا اور ظاہراً چور اور ڈاکو ہیں، جن کے پاس بالکل ناجائز پیسے جمع ہیں، غرض مسجد، چوری کا مال اور ناجائز رقم سے بنائی گئی ہے تو کیا یہ مسجد، مسجد کے حکم میں ہوگی، اور اس میں اگر نیک اچھے اور بھلے لوگ نماز پڑھیں تو آیا ان کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس کا مفصل اور مع حوالہ کتب جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ فقط۔

(الجواب) چوری کے مال واسباب اور ناجائز رقوم سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم یہ ہے کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے۔ وفی شرح المنیة للحلبی بنی مسجدا فی ارض غصب لا باس بالصلوة فیه وفی الواقعات بنی مسجداً علی سور المدینة لا ینبغی ان یصلی لا نه حق العامة فلم یخلص لله تعالیٰ کالمبنی فی ارض مغصوبة (شامی ج ۱ ص ۳۵۴ مکروهات الصلوة، کبیری ص ۵۷۱) لیکن اسے بے حرمتی سے بچایا جائے، اس میں حیض والی عورت اور جنبی کا داخل ہونا جائز نہیں اس کو محفوظ کر دیا جائے، اسے بیچنا بھی درست نہیں، اگر زمین چوری اور غصب شدہ نہیں ہے جائز طریقہ سے حاصل کی گئی ہے تو ناجائز عمارت دور کر کے مال حلال سے دوسری عمارت بنالی جائے تو قابل انتفاع ہوسکتی ہے (منیۃ الساجد ص ۲۶، ۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، ۶ ربیع الآخر ۱۳۸۰ھ۔

مدرسہ میں قضائے حاجت کے لئے دیئے جانے کے وقفہ میں مدرسین کا اخبار پڑھنا اور اس پر ٹرسٹی کی بدکلامی:

(سوال ۲۱۴) ہمارے مدرسہ میں صبح ۸ سے ۱۰ تک اور دوپہر کو ۲/۱۵ سے ۴/۱۵ تک تعلیم ہوتی ہے اور دوران تعلیم ۱۵ منٹ کا وقفہ بچوں کے پیشاب یا دیگر ضروریات کے لئے رکھا گیا ہے تو دوران وقفہ ہم لوگ بھی بچوں کی عدم موجودگی کے سبب فارغ رہتے ہیں تو یہ پندرہ منٹ کے وقفہ میں ہم مدرسین اخبار منگوا کر پڑھتے ہیں، ایک نگران مدرسہ نے مدرسہ کے اندر دوران وقفہ حاضری دی اور ہم لوگوں سے بے حد سخت کلامی کی اور فرمایا کہ آپ لوگ حرام کی تنخواہ کھاتے رہیں حالانکہ ابھی وقفہ ختم ہونے میں تین منٹ باقی تھے۔ تو حضرت! ان کا یہ بولنا صحیح ہے یا غلط؟ اور مدرسہ میں اخبار پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ برائے کرم ان دونوں باتوں کا جواب دیں، خدائے پاک آپ کو دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! تعلیم کا وقت صرف دو گھنٹے ہیں اس دوران میں ۱۵ منٹ کی پیشاب پانی کی سب کو مہلت ملنا غیر ضروری ہے، بچے جائیں گے پیشاب کر کے ہاتھ دھولیں گے، نہیں دھوئیں گے بغیر وضو کے قرآن شریف پکڑنا بے ادبی سے خالی نہیں، ابھی سے باوضو قرآن پڑھنے کی عادت ڈالنا چاہئے اس لئے یہ وقفہ غیر ضروری ہے، دو گھنٹہ میں حاجت کا تقاضہ جس کو ہو وہ رخصت لے کر جائے تو تعلیم بھی جاری رہے گی، باقی رہی سرپرست کی حاجت اور سخت سست کہنا یہ زیادتی ہے اور استاذ کی توہین کرنا ہے، تعلیم کے دوران ٹرسٹی نے وقفہ رکھا اور کلاس خالی ہوئے اس درمیان اخبار دیکھا تو تعلیم چھوڑ کر نہیں دیکھا، پھر تنخواہ حرام کی کیسے ہوگئی؟ ان کو ایسا کہنا زیبا نہیں تھا، اور ان کو بھی دنیوی اخبار دیکھنا مناسب نہیں تھا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

احاطۂ مسجد میں واقع قبرستان میں امام کا رہائشی حجرہ بنانا:

(سوال ۲۱۵) مسجد کے احاطہ میں قبرستان شامل ہے جو تقریباً تین سال سے دفن کے لئے بند ہے، قبرستان کی اس حد میں امام صاحب کی رہائش کے لئے ایک کمرہ بنایا گیا ہے، جس میں غسل خانہ اور بیت الخلاء ہے اور امام صاحب اس کمرہ میں مع اپنی بیوی بچوں کے رہتے ہیں تو کیا یہ درست ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! احاطۂ مسجد میں قبرستان کا یہ قطعہ وقف ہے، کسی کا مملوک نہیں ہے، اس پر امام کی رہائش کے لئے کمرہ بنانا اور اس میں غسل خانہ و پیشاب خانہ بنانا قطعاً جائز نہیں، اس کے بنانے والی اور اس میں رہنے والے دونوں سخت گنہگار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کشادہ جماعت خانہ میں امام کا ایک دوصف چھوڑ کر کھڑا ہونا:

(سوال ۲۱۶) مسجد کافی بڑی ہے اور نمازی ایک دوصف کے بقدر ہوتے ہیں، اس صورت میں اگر امام صاحب اپنی اصل جگہ (محراب) کے بجائے ایک دوصف چھوڑ کر جماعت خانہ کے درمیان میں کھڑے رہیں تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پورا جماعت خانہ مکان واحد کے حکم میں ہے لہٰذا امام صاحب صورت مسئولہ میں ایک دوصف چھوڑ کر کھڑے رہیں تو کھڑے رہ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بیت الخلاء کی نشست گاہ قبلہ رخ ہے یا اس کی پشت قبلہ کی طرف ہے تو اس کی درستگی ضروری ہے:

(سوال ۲۱۷) ہمارے مسافر خانہ میں جو بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں ان میں سے بعض میں نشست گاہ ایسی بنی ہوئی ہے کہ قضاء حاجت کے لئے بیٹھنے کے وقت قبلہ کی طرف رخ ہوتا ہے اور بعض میں قبلہ کی طرف پشت ہوتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کی نشست گاہ کو بدلنا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ قضاء حاجت (پیشاب پاخانہ) کے وقت قبلہ کی طرف رخ اور پشت کرنا سخت ممنوع اور گناہ کا کام ہے، حدیث میں ہے۔ عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروھا (مشکوٰۃ ص ۴۲ باب آداب الخلاء)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم استنجاء کے لئے جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت۔

درمختار میں ہے (کما کرہ) تحریما (استقبال قبلة واستدبارھا) لا جل (بول او غائط) فلو للاستنجاء لم یکرہ (ولو فی بنیان لا طلاق النھی) (درمختار مع رد المختار ۱/۳۱۶ مکروھات الصلاۃ)

لہٰذا مذکورہ مسافر خانہ میں جس جس استنجاء خانہ کی نشست قبلہ کی جانب ہو بیٹھنے کے وقت چاہے چہرہ قبلہ کی طرف ہوتا ہو یا پشت، دونوں سخت ممنوع اور گناہ کا کام ہے اس لئے پہلی فرصت میں ان نشستوں کو درست کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ۔

کتاب الشرکة

شرکاء میں سے ایک کو دوسروں کی اجازت کے بغیر علیحدہ کرنا:

(سوال ۲۱۸) ہم چار آدمی ایک کمپنی میں شریک ہیں ان میں سے ایک شریک الگ ہونا چاہتا ہے اس نے ہم تین میں سے ایک سے بات چیت کی اور اپنا ارادہ ظاہر کیا اس نے ہم دو سے مشورہ لئے بغیر چار ہزار روپے اس کو دے کر الگ کر دیا بعد میں اس نے ہم کو حقیقت سے واقف کیا کہ میں نے اس کو اتنی رقم دے کر شرکت سے علیحدہ کر دیا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ یہ فیصلہ صحیح ہوا یا نہیں؟ یا چاروں کو ایک ساتھ بیٹھ کر فیصلہ کرنا چاہئے تھا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب چاروں معاملہ میں شریک ہیں تو جو بھی اہم فیصلہ کیا جائے سب کا مشورہ اور رضامندی ضروری ہے، ایک کا فیصلہ جس سے دوسرے ساتھی متفق نہ ہوں معتبر نہ ہوگا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب .

بیٹے نے زمین خریدی تو اس کا کیا حکم ہے:

(سوال ۲۱۹) زید نے کنوارے پن میں ایک زمین اپنی ذاتی کمائی سے خریدی زید اب وہ زمین فروخت کرنا چاہتا ہے اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، بیوی حیات ہے، زید کے پانچ بہنیں اور والدین حیات ہیں، زید بیوی کے ساتھ علیحدہ رہتا ہے زمین کی جو قیمت آئے گی اس میں دوسروں کا حصہ لگتا ہے یا نہیں؟ زید کا ارادہ والد اور والدہ کو حج کرانے کا ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) زید کنوارے پن میں والدین سے الگ رہتا تھا اور اس نے اپنی سمجھ اور کمائی سے زمین خریدی تھی تو اس کا خود وہ مالک ہے، زید کا ارادہ والدین کو حج کرانے کا بہت مبارک ہے۔

لیکن اگر زید والدین کے ساتھ رہتا تھا اور رہنا سہنا کھانا پینا ان کے ساتھ تھا اور ان کے ماتحت رہ کر کمائی ہوئی رقم سے زمین خریدی ہے تو وہ جگہ والد کی شمار ہوگی اور اس میں والد صاحب کے تمام ورثاء حق دار ہوں گے۔[2]
فقط واللہ اعلم بالصواب .

شریک کی عدم موجودگی میں مشترک چیز بیچنا:

(سوال ۲۲۰) تین بھائیوں نے مشترک طور پر ایک ٹریکٹر خریدا اس میں ہر ایک کے کم وبیش حصے تھے ایک عرصہ تک تینوں نے مشترکہ کا کام چلایا اور آمدنی حصوں کے مطابق تقسیم کرتے رہے بعد میں اس کو فروخت کرنے کا ارادہ

---

(۱) ولا يستطيع أحدهما الخروج من الشركة الا بمحضر من صاحبه اھ ملخصا زاد فی البحر عن الظهيرية وليس لو احد منهما ان يبيع حصة الآخر مما اشترى الا باذن صاحبه لأنهما اشتركا فی الشراء لا فی البيع ، شامی فصل فی الشركة الفاسدة تحت قوله ما اشتريت اليوم ج ۴ ص ۳۲۹.

(۲) لما فی القنية الأب وابنه يكسبان فی صنعة واحدة ولم يكن لهما شئی فالكسب كله للأب ان كان الابن فی عياله لكونه معينا له الا ترى لو غرس شجرة تكون للأب ثم ذكر خلافا فی المرأة مع زوجها اذا اجتمع بعملهما اموال كثيرة كان لها كسب علی عدة فهولها. شامی فصل فی الشركة الفاسدة مطلب اجتمعا فی دار واحدة. ج ۴ ص ۳۲۵.

ہوا تو ایک دن جب کہ تیسرا شریک حاضر نہیں تھا اس کی عدم موجودگی میں دوسرے دو شریکوں نے وہ ٹریکٹر دوسرے ایک شخص کو فروخت کر دیا، بعد میں اس شریک کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا، کیا یہ بیع معتبر ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں شریک کی اجازت کے بغیر جو معاملہ کیا گیا ہے وہ معتبر نہ ہوگا، الجوہرۃ النیرۃ میں ہے ولا یجوز لا حدھما ان یتصرف فی نصیب الآخر الاباذنہ وکل واحد منھما فی نصیب صاحبہ کالا جنبی لا ن تصرف الا نسان فی مال غیرہ لا یجو ز الا باذنہ او ولا یتہ (الجواھرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۲۸۷ اول کتاب الشرکۃ)

باپ بیٹے ساتھ کاروبار کرتے ہوں تو جو آمدنی ہو اس کا کیا حکم ہے :

(سوال ۲۲۱) عرف میں یہ مشہور ہے کہ اگر باپ بیٹے ساتھ رہتے ہوں اور کام دھندا ایک ساتھ کرتے ہوں تو جتنی آمدنی ہوگی سب کا مالک باپ ہوگا اور جب باپ کا انتقال ہو جائے تو اس وقت جو وارث ہوں گے ان سب میں شرعی اعتبار سے تقسیم ہوگا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے، برائے کرم مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) باپ بیٹے سب مل کر ایک ساتھ ایک ہی کاروبار کرتے ہوں کھانا پینا بھی ساتھ ہو تو ساری کمائی باپ کی شمار ہوگی باپ کی وفات کے بعد ترکہ تقسیم ہوگا تو للذکر مثل حظ الا نثیین کے اصول پر تقسیم ہوگا، شامی میں ہے الاب وابنہ یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لھما شئی فالکسب کلہ للاب ان کان الا بن فی عیالہ لکونہ معینالہ الا تری لو غرس شجرۃ تکون للاب (شامی ج۳ ص ۴۸۳ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ) اور جو لڑکے باپ سے الگ ہو کر اپنا مستقل کاروبار کرتے ہوں کھانے پینے کا حساب بھی ان کا الگ ہو تو ان کی کمائی کے وہی مالک ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زوجہ اپنی رقم اور اپنی محنت سے گھر میں کاروبار کرے تو شوہر اور اس کی اگلی بیوی کی اولاد اس میں حق دار ہے یا نہیں :

(سوال ۲۲۲) میں نے اپنے طور پر گھر میں ایک گھریلو کاروبار شروع کیا، اس میں صرف میری اپنی ذاتی رقم ہے اور اس کاروبار میں پوری محنت میں کرتی تھی، میرے شوہر کے نہ اس میں پیسے شامل ہیں نہ محنت، کاروبار جاری ہے، میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، ان کی اگلی بیوی کی اولاد ہے، میرے اس کاروبار میں میرے شوہر کے وارثوں یعنی ان کی اگلی بیوی کی اولاد کا حق لگتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سوال میں درج شدہ باتیں بالکل صحیح ہوں تو اس صورت میں آپ کے شوہر کی اگلی بیوی کی اولاد حق دار نہیں ہے، آپ اس کاروبار کی مالک ہیں، شامی میں ہے: ثم ذکر خلافاً فی المرأۃ مع زوجھا اذا اجتمع بعملھما اموال کثیرۃ فقیل ھی للزوج وتکون المرأۃ معینۃ لہ الا اذا کان لھا کسب علحدۃ فھو لھا وقیل بینھما نصفان (شامی ص ۴۸۳ ج۳ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

عقد شرکۃ میں ایک شریک ملازم ہو کر کام کرے اور معین تنخواہ لے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۲۳) خالد ایک دوکان میں شریک ہے اور اسی دوکان میں وہ کام کرتا ہے اور اس کی تنخواہ لیتا ہے تو کیا شریک کا کام کرنے کی وجہ سے تنخواہ لینا درست ہے؟ اگر درست نہ ہو تو جواز کی کوئی صورت تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں خالد دوکان میں شریک بھی ہو اور کام کرنے کی وجہ سے اجیر بن کر تنخواہ بھی لے، یہ صورت جائز نہیں ہے، شرکۃ اور اجارہ (ملازمت) ایک عقد میں جمع نہیں ہو سکتے، اس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے، البتہ سب شرکاء اپنی رضامندی سے زیادہ کام کرنے والے کے لئے منافع کی مقدار حصے کے اعتبار سے کچھ زیادہ مقرر کر دیں تو یہ صورت جواز کی ہو سکتی ہے۔

درمختار میں ہے: ومع التفاضل فی المال دون الربح وعکسه الخ .

شامی میں ہے: (قوله ومع التفاضل فی المال دون الربح) ای بان یکون لاحدهما الف وللآخر الفان مثلاً واشترطا التساوی فی الربح وقوله وعکسه ای بان یتساوی المالان ویتفا ضلان فی الربح لکن هذا مقید بان یشترطا الا کثر للعامل منهما او لا کثرهما عملا اما لو شرطاه للقاعد او لا قلها عملاً فلا یجوز کما فی البحر عن الزیلعی والکمال ......الخ (شامی ص ۴۷۱ ج ۳، کتاب الشرکة)

امدادالفتاویٰ میں ہے:

(سوال ۵۰۳) زید، بکر، عمرو، تین شخصوں نے مساوی روپیہ لگا کر تجارت کی اور یہ قرار پایا کہ اس تجارت کو زید کرے جو نفع ہو اس کا نصف زید کو ملے گا، اور نصف میں آدھا آدھا بکر اور عمرو کو، اور جو نقصان ہو اس کو تینوں شخص برداشت کریں، یعنی نفع ایک روپیہ ہو تو آٹھ آنے زید کو اور چار چار آنے بکر و عمرو کے۔ اور نقصان ہو تو سوا پانچ آنے ہر شخص برداشت کرے گا تو آیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

(الجواب) یہ شرکت ہے اور باوجود مساوات سرمایہ کے نفع میں تفاوت کی شرط بھی جائز ہے مگر کام ایک شریک کے ذمہ ڈالنے کی شرط ناجائز، اس لئے یہ شرط فاسد ہوئی، نفع سب کو برابر ملے گا (امدادالفتاویٰ ص ۴۴۲ ج ۳، کتاب الشرکۃ، مطبوعہ کراچی، پاکستان)

آپ کا دوسرا فتویٰ:

(سوال ۵۰۰) چار شخصوں نے مل کر تجارت کیا اور باہم یہ بات قرار پائی کہ ایک سال دو شخص مال تجارت لے کر پردیش کو جاویں، اور دو شخص اپنے وطن میں مکان پر رہیں، اور دوسرے سال دو شخص جو مکان پر وطن میں رہتے تھے وہ مال تجارت لے کر پردیش کو جاویں اور جو پردیس کو مال لے کر گئے تھے وہ وطن میں مکان پر رہیں، اب صرف دو ہی شخص مال تجارت لے کر پردیش کو جاتے ہیں اور دو شخص اپنے وطن میں مکان پر رہتے ہیں، اب تحقیق طلب بات یہ ہے کہ جو شخص پردیش کو مال تجارت لے کر جاتے ہیں وہ ان دو شخصوں سے جو مکان پر رہتے ہیں اور مال تجارت لے کر پردیش کو نہیں جاتے منافع زیادہ لینے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اگر منافع زیادہ نہیں لے سکتے تو اپنا حق المحنت پردیش جانے کا بطور تنخواہ کے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب)فی الدر المختار کتاب الشرکۃ .وشرطها کون المعقود علیه قابلاً للوکالة فلا تصح فی مباح کاحتطاب وعدم ما یقطعها کشرط دراهم مسماة من الربح لاحدهما لانه قد لا یربح غیر المسمی وحکمها الشرکة فی الربح فی رد المختار تحت قوله وحکمها الشرکة الخ ...... واشتراط الربح متفاوتاً وعندنا صحیح فیما سیذکر ج ۳ ،ص ۵۲۰ .

اس سے معلوم ہوا کہ جولوگ باہر جاتے ہیں وہ منافع زیادہ لے سکتے ہیں مگر تنخواہ معین کر کے نہیں لے سکتے اور منافع جوزیادہ لیں گے وہ نسبت سے ہونا چاہئے مثلاً دوثلث یہ لیں گے اور ایک ثلث دوسرے شرکاء جو باہر نہ جاویں گے مثلاً۔اور یہ جائز نہیں کہ بیس بیس روپے ماہور لیا کریں گے (امداد الفتاوی ص ۴۴۰ ص ۴۴۱ ، ج ۳)

مزید حضرت کا ایک اور فتوی ملاحظہ ہو۔

(سوال ۵۰۴)زید،عمر،بکر، نے مساوی روپیہ لگا کرتجارت کی اور یہ کل رقم زید کودے دی کہ تم کام کرو اور نفع میں تم چار آنے حق المحنت پاؤ گے اور بارہ آنے حصہ مساوی بلحاظ روپیہ تینوں میں تقسیم ہوں گے اور اگر نقصان ہوگا تو نقصان تینوں مساوی برداشت کریں گے نفع چار آنہ میں تم مضارب ہو،اور بارہ آنے میں شریک تو آیا یہ صورت جائز ہے کہ ایک شخص شرکاء میں مضارب بھی ہو اور شریک بھی۔

(الجواب) ایک معاملہ میں دوسرے معاملہ کی شرط مفسد عقد ہے،ایک معاملہ الگ ہو دوسرا اس طرح الگ ہو کہ وہ قبول وعدم قبول میں مختار رہے اور حساب دونوں رقموں کا الگ رہے یہ جائز ہے (امداد الفتاوی ص ۴۴۲ ص ۴۴۳ ، ج ۳ کتاب الشرکۃ)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک شخص کی دوکان اور دوسرے شخص کی زیروکس مشین ہوتو یہ شرکت صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۲۴)بمبئی میں میری ذاتی دوکان ہے،ایک شخص فوٹو کاپی بنانے کا زیروکس مشین لگا کر میرے ساتھ شرکت میں کام کرنا چاہتا ہے،ہم دونوں مل کر محنت کریں گے اور نفع ونقصان میں دونوں شریک رہیں گے،نفع کی تقسیم نصف نصف کریں گے تو یہ شرکت یعنی میری دوکان اور اس کی مشین ہو جائز ہے یا نہیں؟اور جب شرکت ختم ہوگی تو مشین کسے ملے گی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ شرکت جائز ہے،فتاوی عالمگیری میں ہے:ولان قصاراً له اداة القصارین وقصاراً له بیت اشترکا علی ان یعملا باداة هذا فی بیت هذا علی ان الکسب بینهما نصفان کان ذلک جائزاً کذا فی السراج الوهاج (فتاویٰ عالمگیری ص ۳۳۴ ج ۲ ، باب نمبر ۵ فی الشرکة الفاسدة).

شامی میں ہے:ومنها مافی البحر عن البزازیة لا حدهما آلة القصارة وللاخر بیت اشترکا علیٰ ان یعملا فی بیت هذا والکسب بینهما جازو کذا سائر الصناعات (شامی ص ۴۸۰ ج ۳، کتاب الشرکة) جب شرکۃ ختم ہوگی دوکان آپ کی رہے گی اور مشین آپ کے شریک کی رہے گی ،فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شادی شدہ بیٹے باپ کے ساتھ رہتے ہوں تو ان کی آمدنی کس کی شمار ہوگی:

(سوال ۲۲۵) ایک شخص کو چار بیٹے ہیں سب ایک ساتھ رہتے ہے اور سب شادی شدہ ہیں، چاروں بیٹے مختلف کام کرتے ہیں مشترک کاروبار نہیں ہے، البتہ سب اپنی اپنی ماہانہ تنخواہ اپنے والد کے حوالہ کر دیتے ہیں اور والد پورے گھر کا نظام چلاتے ہیں، والد صاحب نے ان پیسوں سے مختلف چیزیں بھی خریدی ہیں اور کچھ زمین اور ایک مکان بھی خریدا ہے، سوال یہ ہے کہ زمین، مکان اور جو چیزیں خریدی گئی ہیں وہ کس کی شمار ہوں گی؟ والد کی یا سب بیٹوں کی؟ جواب عنایت فرمائیں۔ بینواتوجروا۔

(الجواب) باپ بیٹے ایک ساتھ رہتے ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی ماہانہ تنخواہ اپنے والد کو حوالہ کر دیتا ہے تو اس صورت میں جمع شدہ رقم سے جو مکان، زمین وغیرہ خریدا گیا ہے وہ سب باپ کی شمار ہوں گی۔

شامی میں ہے: وفی الخانیة زوج بنیه الخمسة فی داره وکلهم فی عیاله واختلفوا فی المتاع فهو للاب، وللبنین الثیاب التی علیهم لا غیر (شامی ص ۴۸۳ ج۳، فصل فی الشرکة الفاسدة.) فقط واللہ اعلم بالصواب .

تتمة فی الشرکة

کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا اور بہنوں کو میراث سے محروم کرنا:

مسلمانوں میں ایک مرض یہ بھی عام ہو رہا ہے کہ جہاں موقع ملا دوسرے کا مال دبا لیتے ہیں صرف دنیوی مفاد پیش نظر رہتا ہے آخرت سے بے انتہاء غفلت چھائی ہوتی ہے، کسی دوسرے کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد تقی عثانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔

''حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔'' (مجمع الزوائد ص ۱۷۶ ج ۴)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے منی میں جو خطبہ دیا اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا کوئی مال حلال نہیں ہے سوائے اس مال کے جو اس نے خوش دلی سے دیا ہو (ایضاً ص ۱۷۱ ج ۴)

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کا کوئی مال ناحق طور پر لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا مال مسلمان پر حرام کیا ہے اور اس کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی بھی اس کی خوش دلی کے بغیر لے (ایضاً ص ۱۷۱ ج ۴)

کسی سے کوئی چیز لینے یا اس کو استعمال کرنے کے لئے اس کا خوشی سے راضی ہونا ضروری ہے، لہذا اگر کسی وقت حالات سے یہ معلوم ہو جائے کہ کسی شخص نے اپنی ملکیت استعمال کرنے کی اجازت کسی دباؤ کے تحت یا شرما شرمی

میں دے دی ہے اور وہ دل سے اس پر راضی نہیں ہے تو ایسی اجازت کو اجازت نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اس کا استعمال بھی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہوگا۔'' (وصیۃ العرفان ،جمادی الاولی ص ۱۴۱۶ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۵ء ص ۴۴،ص ۴۵، شمارہ نمبر ۱۰ ، جلد نمبر ۱۸)

نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا اور ان کو میراث سے جو حصہ ملتا ہے وہ لڑکوں کا آپس میں تقسیم کر لینا یہ بھی اسی حکم کے اندر داخل ہے اور سخت حرام ہے اور بہنوں پر ظلم ہے، لڑکیوں (بہنوں) کا جو شرعی حق ہو (اور ان کے علاوہ جو بھی شرعی وارث ہوں) ان کا حق ادا کرنا انتہائی ضروری اور لازم ہے، میراث کی تقسیم قانون الٰہی ہے اس کے مطابق عمل کرنا بہت بڑی فضیلت اور اجر وثواب کا باعث ہے اور اس کی خلاف ورزی پر دوزخ کی سخت وعید ہے، قرآن مجید میں میراث کے احکام بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

تلک حدود اللہ ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھر خٰلدین فیھا وذلک الفوز العظیم ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ ناراً خالداً فیھا ولہ عذاب مھین O (قرآن مجید، سورۂ نساء آیت نمبر ۱۳ ، نمبر ۱۴ پارہ نمبر ۴)

ترجمہ: یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جاوے گا اس کو آگ (جہنم) میں داخل کریں گے، اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے

لہذا بہنوں کا اور شرعی وارثوں کا حق ادا کر دینا چاہئے ،مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری دام مجدہ نے بڑی اچھی بات تحریر فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کے حصہ کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے ''للذکر مثل حظ الانثیین'' (لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے) فرمایا یعنی لڑکوں کا حصہ علیحدہ سے بتایا ہی نہیں، بلکہ لڑکیوں کا حصہ بتاتے ہوئے لڑکوں کا حصہ بتایا ہے (وصیت اور میراث کے احکام ص ۴۳)

بعض لوگ اپنے کسی وارث کو ''عاق'' قرار دے کر اس کو میراث سے محروم کر دیتے ہیں، یہ جائز نہیں، اگر کوئی لڑکا نافرمان ہے تو اس کے عمل کا وہ جواب دہ ہے مگر اس کو میراث سے محروم نہیں کیا جا سکتا، حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، بلا شبہ مرد اور عورت ساٹھ سال تک (یعنی پوری عمر) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں پھر موت کے وقت وصیت کرنے میں کسی (وارث) کو ضرر پہنچانے کا پہلو اختیار کرتے ہیں تو ان کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے، پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے (سورۂ نساء کی آیت) من بعد وصیۃ یوصیٰ بھا او دین غیر مضار ...... وذلک الفوز العظیم تلاوت فرمائی۔ (مشکوۃ شریف ص ۲۶۵ باب الوصایا)

دوسری حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے وارث کی میراث کو کاٹ دیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کا حصہ کاٹ دیں گے، عن انس رضی اللہ عنہ قال قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ،(مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۶ باب الوصایا) (فتاویٰ رحیمیہ ص۲۷۵ج۶) جدید ترتیب کے مطابق، کتاب المیراث میں بعنوان وارثوں کو محروم کرنے کا گناہ، سے دیکھ لیا جائے۔ازمرتب)

ہمارے زمانہ کی جو حالت ہے کسی شاعر نے اس کا خوب نقشہ کھینچا ہے اس کے چند اشعار یاد ہیں جو پیش کئے جاتے ہیں۔

خبر حدیثوں میں جس کی آئی
وہی زمانہ اب آرہا ہے
زمیں بھی تیور بدل رہی ہے
فلک بھی آنکھیں دکھا رہا ہے
پرائے مال کو اپنا سمجھیں
حرام کو بھی حلال سمجھیں
گناہ کریں اور کمال سمجھیں
بتاؤ دنیا میں کیا رہا ہے
بھائی کا بھائی ہے گا رہزن
حقیقی بیٹی ہے ماں کی دشمن
پسر نے چھوڑا پدر کا دامن
بہن کو بھائی ستا رہا ہے
ہاتھ باندھے کھڑے ہیں صف میں
سب اپنے اپنے خیال میں ہیں
امام مسجد سے کوئی پوچھے
نماز کس کو پڑھا رہا ہے

حاصل کلام۔دنیا میں ہر صاحب حق کا حق ادا کر کے معاملہ صاف کر لینا چاہئے، آخرت کا معاملہ بہت ہی سنگین ہے وہاں حقوق کی ادائیگی نیکیوں سے کرائی جائے گی نیکیاں نہ رہیں گی تو صاحب حق کے گناہ اس کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے، حدیث میں ہے۔

(۲۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ مظلمۃ لاخیہ من عرضہ او شئی فلیتحللہ منہ الیوم قبل ان لا یکون دینار ولا درھم ان کان لہ عمل صالح اخذ منہ بقدر مظلمتہ وان لم یکن لہ حسنات اخذ من سیات صاحبہ فحمل علیہ، روا البخاری۔(مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۵ باب الظلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس پر اس کے بھائی کا کوئی حق،

اس کی آبروریزی یا مال سے متعلق ہوتو اسے چاہئے کہ آج ہی اس سے معافی حاصل کرے اس سے پیشتر کہ (قیامت کا دن آئے) وہاں نہ اس کے پاس دینار ہوں گے نہ درہم، اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو نیکیاں لے لی جائیں گی ،اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔

(۲۱) **عن سعید بن زید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ شبراً من الارض ظلماً فانہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین متفق علیہ.(مشکوۃ شریف ص ۲۵۴ باب الغصب والعاریۃ)**

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی کی ظلماً ایک بالشت زمین لے لی تو قیامت کے دن اس ایک بالشت کے بقدر ساتوں زمین کا حصہ اس کے گلے میں طوق (ہار) بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

کسی کا مال دبا لینے اور میراث نہ دینے پر بسا اوقات خاندان میں نا اتفاقی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ قطع رحمی کا سبب بن جاتا ہے اس مناسبت سے مذکورہ مضمون شامل کیا گیا، اللہ جل شانہ ہر ایک کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ **فقط واللہ اعلم بالصواب وھوا الھادی الی الصراط المستقیم.**

کتاب الصلح

مسلمانوں کے درمیان اختلاف کے وقت ان میں صلح کرانا اور صلح کا طریقہ:

(سوال ۲۲۶) گاہے دو مسلمانوں میں یا دو فریق میں اختلاف اور جھگڑا ہو جاتا ہے اور کبھی خاندان میں یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے ایسے وقت بعض لوگ تماشائی بن کر تماشہ دیکھتے رہتے ہیں، آپس میں صلح کرانے اور اختلاف دور کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے، اور لوگ صلح کرانے کی کوشش تو کرتے ہیں مگر ان کا مطمع نظر صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ جھگڑا ختم کر دیں اصل جو وجہ اختلاف ہے اس کا حل تلاش نہیں کرتے یا جو صاحب حق ہے اس کا حق دلانے کی کوشش نہیں کرتے، اس سلسلہ میں اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ صلح کرانے کا طریقہ کیا ہے؟ امید ہے کہ ہماری رہنمائی فرمائیں گے بینوا توجروا۔

(الجواب) قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو افراد میں جھگڑا ہو جائے تو ان میں صلح کرانے کی کوشش کرنی چاہئے تماشائی بن کر تماشہ دیکھنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور صلح کرانے کا بھی صحیح طریقہ یہ ہے کہ صلح کراتے وقت صلح کرانے والے حالات کا گہرائی سے جائزہ لیں اور جھگڑے کی وجوہات تلاش کر کے ان کا حل نکال کر جھگڑے کی بنیاد ہی ختم کر کے صلح کرانے کی کوشش کریں، اسی طرح اگر مالی حق کی بنیاد پر اختلاف ہے تو جس کا حق ہے اسے حق دلوانے اور رفع نزاع کی سعی کریں، وجہ اختلاف کی اصلاح کے بغیر صرف جھگڑا ختم کرنے کی سعی کریں گے تو یہ وقتی صلح ہوگی، اختلاف کا بیج اگر باقی رہا تو مستقبل میں پھر اختلافات ہو سکتے ہیں اس لئے اس طریقہ کے بجائے ایسا پائیدار طریقہ اختیار کریں کہ حق والے کو حق بھی مل جائے اور جھگڑے کی بنیاد ختم ہو کر دائمی صلاح کی صورت نکل آئے۔

قرآن مجید میں ہے۔

وان طائفتن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓء الیٰ امر اللہ فان فآءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین O (قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت نمبر ۹ پارہ نمبر ۲۶)(معارف القرآن، خلاصہ تفسیر ص ۱۱۰ ج۸)

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کرادو (یعنی جھگڑے کی بنیاد کو رفع کر کے لڑائی موقوف کرادو) پھر اگر (اصلاح کی کوشش کے بعد) ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے (اور لڑائی بند نہ کرے) تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے (حکم خدا سے مراد لڑائی بند کرنا ہے) پھر اگر وہ زیادتی کرنے والا (فرقہ حکم خدا کی طرف) (رجوع ہو جاوے) (یعنی لڑائی بند کر دے) تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کرادو (یعنی حدود شرعیہ کے موافق اس معاملہ کو طے کر دو محض لڑائی بند کرنے پر اکتفاء نہ کرو اگر صلاح مصالحت نہ ہوئی تو پھر بھی لڑائی کا احتمال رہے گا اور

انصاف کا خیال رکھو یعنی کسی نفسانی غرض کو غالب نہ ہونے دو) بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

خلاصہ تفسیر میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے صلح کرانے کے لئے جن باتوں کی طرف نشاندہی فرمائی ہے وہ بہت ضروری اور قابل عمل ہیں، اس لئے کہ جس طرح کسی پر الزام تراشی اور ناحق بدنام کرنا جرم ہے اسی طرح کسی کی غلطی اور جرم پر چشم پوشی کرنا بھی جرم ہے اس کی صحیح ہمدردی اور مدد یہی ہے کہ اس کو اس کی غلطی پر مطلع اور متنبہ کر کے اس سے باز رہنے کی ہدایت کی جائے۔ حدیث میں ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصرا خاک ظالماً او مظلوماً فقال رجل یارسول اللہ انصرہ مظلوماً فکیف ظالماً قال تمنعہ من الظلم فذلک نصرک ایاہ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں مظلوم کی تو مدد کرتا ہوں ظالم کی کس طرح مدد کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اس کو ظلم سے روک دو یہی تمہاری طرف سے اس کی مدد ہے۔

لہذا جو غلطی پر ہو اور کسی کا حق دبا رکھا ہو اس کو اپنی غلطی سے باز رہنے اور حق ادا کرنے کی تلقین کریں، اگر مکمل کوشش کے باوجود وہ اپنی غلط حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر اس کا ساتھ نہ دیں، ارشاد خداوندی ہے **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار** اور اے مسلمانو! ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے (سورۂ ہود پارہ نمبر ۱۲ رکوع نمبر ۹) نیز ارشاد خداوندی ہے۔ **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظمین** تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھو (سورۂ انعام پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۱۳)

مذکورہ ہدایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فریقین میں صلح کرانے کی کوشش کی جائے آپس میں صلح کر لینا اور صلح کرا دینا بہت مبارک عمل ہے، قرآن مجید میں ہے۔

فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مؤمنین (سورہ انفال آیت نمبر ۱ پارہ نمبر ۹)

ترجمہ: تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو (کہ آپس میں حسد اور بغض نہ رہے) اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

تفسیر الدر المنثور میں ہے۔

اخرج ابن ابی شیبۃ والبخاری فی الادب المفرد وابن مردویہ والبیھقی فی شعب الایمان عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم قال ھذا تخریج من اللہ علی المؤمنین ان یتقو اللہ وان یصلحوا ذات بینھم (الدر المنثور ص ۱۶۱ ج ۳)

ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے اور بخاری نے الادب المفرد میں اور ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں اللہ تعالیٰ کے قول "**فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم**" کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے آپ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو مکلف بنایا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور آپس کے تعلقات کی

اصلاح کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

لوگوں کے باہمی اتفاق واتحاد کی بنیاد تقویٰ اور خوف خدا ہے:

اس آیت کے آخری جملہ میں ارشاد فرمایا" فاتقوا اللہ و اصلحوا ذات بینکم و اطیعوا اللہ و رسولہ ان کنتم مومنین" جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات کو درست رکھو...... الی قولہ...... اب ان کے دلوں کی اصلاح اور باہمی تعلقات کی خوشگواری کی تدبیر بتلائی گئی ہے جس کا مرکزی نقطہ تقویٰ اور خوف خدا ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جب تقویٰ اور خوف خدا غالب ہوتا ہے تو بڑے بڑے جھگڑے منٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں باہمی منافرت کے پہاڑ گرد بن کر اڑ جاتے ہیں۔ الی قولہ۔ اسی لئے اس آیت میں تقویٰ کی تدبیر بتلایا کر فرمایا "و اصلحوا ذات بینکم" یعنی بذریعۂ تقویٰ آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو اس کی مزید تشریح اس طرح فرمائی و اطیعوا اللہ و رسولہ ان کنتم مومنین. یعنی اللہ اور رسول کی مکمل اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو، یعنی ایمان کا تقاضا ہے اطاعت اور اطاعت کا نتیجہ ہے تقویٰ اور جب یہ چیزیں لوگوں کو حاصل ہو جائیں تو ان کے آپس کے جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے اور دشمنی کی جگہ دلوں میں محبت اور الفت پیدا ہو جائے گی (معارف القرآن ص ۱۷۶، ص ۱۷۷ جلد چہارم)

ایک حدیث میں ہے: افضل الصدقة اصلاح ذات البین . ترجمہ: افضل صدقہ آپس میں صلح کرا دینا (کتاب الشهادة فی الحکم و الامثال و الآداب مع ترجمه جو امع الکلم لیسد الامم ص ۱۴۵ حدیث نمبر ۹۷۶)

لہذا جن دو جماعتوں یا جن دو شخصوں میں اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو گیا ہے ان پر بھی لازم ہے کہ اسے طول نہ دیں اور جلد از جلد تقویٰ اور خوف خدا کی بنیاد پر اس آیت پر عمل کرتے ہوئے آپس کے تعلقات کی اصلاح کر لیں، کسی کی آبروریزی ہوئی ہو تو اس سے معافی مانگ لیں، مالی حق باقی ہو تو مالی حق ادا کر دیں دنیا میں حق ادا کر دینا بہت آسان ہے، حق ادا نہ کر سکتا ہو تو معاف کرا لے حدیث میں ہے:

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله علیه وسلم من کانت له مظلمة لا خیه من عرضه او شئی فلیتحلله منه الیوم قبل ان لا یکون دینار ولا درهم ان کان له عمل صالح اخذمنه بقدر مظلمته وان لم یکن له حسنات اخذمن سیئات صاحبه فحمل علیه رواه البخاری (مشکوٰة شریف ص ۴۳۷ باب الظلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس پر اس کے بھائی کا کوئی حق، اس کی آبروریزی یا مال سے متعلق ہو تو اسے چاہئے کہ آج ہی اس سے معافی حاصل کرے اس سے پیشتر کہ (قیامت کا دن آئے) وہاں اس کے پاس نہ دینار ہوں گے نہ درہم اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو نیکیاں لے

لی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔
لہذا دنیا ہی میں معاملہ صاف کر کے آپس کے تعلقات کی اصلاح کر لینا چاہئے اور اگر ان کے آپس میں صلح نہ ہوتی ہو تو جو لوگ ان میں صلح کرا سکتے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو صلاحیت اور مقام عطا فرمایا ہو تو ایسے بااثر لوگوں کو صلح کرانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے ، اور صلح کراتے وقت مندرجہ بالا ہدایات کو ضرور پیش نظر رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب اللقطه

ندی میں بہتی چیز کا لینا اور استعمال کرنا کیسا ہے :

(سوال ۲۲۷) ندی میں سے ناریل یا کھانے پینے استعمال کرنے کی کوئی بہتی چیز نکال کر استعمال کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور کوئی جہاز خود ٹوٹ رہا یا ڈوبنے کی وجہ سے زائد مال راستہ میں پھینکا ہے تو اس کو لا کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) ناریل یا اس قسم کی چیزیں اگر چڑھاوے کی ہیں تو وہ منذور لغیر اللہ ہیں۔ ما اھل به لغیر الله کے حکم میں داخل ہیں حرام ہیں، ان کو کھانا جائز نہیں۔ اگر چڑھاوے کی نہ ہوں تو وہ قسمیں ہیں۔ (۱) بے قیمت چیز جس کی مالک کو تلاش نہیں ہوا کرتی۔ (۲) قیمتی چیز جس کی مالک کو تلاش ہوا کرتی ہے۔

پہلی قسم کی چیز ملے تو اعلان کی ضرورت نہیں ہے کام میں لا سکتا ہے۔ مگر مالک آ کر مانگے تو دینی پڑے گی۔ دوسری قسم کی چیز ملے تو اعلان ضروری ہے اور اتنی مدت تک رکھے کہ مالک کے آنے کی امید نہ رہے بگڑنے کا اندیشہ ہو تب غریب مستحق کو صدقہ کر دے۔ اگر خود غریب ہو تو خود بھی کام میں لے سکتا ہے۔ مگر مالک آ کر لینے والے سے یا جس آدمی کو صدقہ دیا گیا ہے، اس سے مانگ سکتا ہے، چیز موجود نہ ہو تو اس کی قیمت لے سکتا ہے۔ امرود وغیرہ اشیائے خوردنی پانی میں سے نکال کر کھا سکتے ہیں۔ کہ نہ نکالیں تو بگڑ کر برباد ہو جائیں گی۔ [۱]

(۲) جہاز والے مال و سامان ڈال کر چلے جائیں تو اگر مقصد یہ ہو کہ جو چاہے وہ لے جائے، تو آپ بھی لے سکتے ہیں اور استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ لینے آ جائیں تو واپس کرنی ہوگی۔ (درمختار عالمگیری وغیرہ) [۲] فقط واللہ اعلم بالصواب .

سیلاب میں بہ آئی ہوئی چیزوں کا حکم :

(سوال ۲۲۸) سیلاب کے پانی میں سامان، کرسی، برتن وغیرہ چیزیں بہ آئے اور کسی کو ملے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سیلاب میں جو چیزیں بہ آتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں (۱) معمولی چیزیں جن کی اہمیت نہ ہو جن کی تلاش

---

(۱) حطب وجد فی المآء ان له' قیمة فلقطة والا فحلال لاخذه کسائر المباحات الاصلیة در ر قال فی الشامیة تحت قوله ان له قیمة فلقطة وقیل أنه' کالتفاح یجده فی المآء وذکر فی شرح الوهبانیه ضابطا وهو ان مالا یسرع الیه الفساد ولا یعتاد رمیةلحطب وخشب ان کانت له' قیمة ولو جمعه من اماکن متفرقة فی الصحیح کما لو وجد جوزة ثم اخری وهکذا حتی بلغ له قیمة بخلاف تفاح و کمثری فی نهر جار فإنه یجوز أخذه وان کثر لأنه مما یفسد لو ترک الخ شامی کتاب اللقطه مطلب فیمن وجد حطبا فی نهر الخ ج.۴ ص ۲۸۴ .

(۲) القی شیئا وقال من أخذه فهو له فلمن سمعه او بلغه ذلک القول ان یأخذه والا لم یملکه لأنه اخذه اعانة لمالکه لیرده ، شامی کتاب اللقطة مطب القی سینا وقال من اخذه فهو له' ج.۴ ص ۲۸۵ .

کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی ۔(۲) قیمتی چیزیں جن کی مالک تلاش کرے پہلی قسم کی چیزیں ملیں ۔تو ان کی تشہیر اور اعلان کی ضرورت نہیں وہ استعمال کر سکتے ہیں ۔لیکن مالک آ کر طلب کرے تو دینا ضروری ہوگا۔دسری قسم کی چیزیں ملیں تو ان کی تشہیر اور اعلان ضروری ہے۔ان کے لئے مالک کا انتظار کیا جائے۔اگر مالک کے آنے کی توقع نہ ہو، یا ان کے بگڑنے کا خطرہ ہوتو غریب کو دی جاسکتی ہے۔خود حاجت مند ہوتو خود بھی استعمال کرسکتا ہے۔لیکن اگر مالک آ کر طلب کرے تو دینا ضروری ہوگا۔غریب کو دی ہوتو اس سے واپس لی جائے اور اگر وہ چیز موجود نہ ہوتو اس کی قیمت دی جائے ۔(درمختار۔فتاویٰ عالمگیری حوالہ گذشتہ وغیرہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مایجوز بیعه و مالایجوز

سرخ شکر سے ناجائز فائدے اٹھائیں تو اس کا بیچنا کیسا ہے :

(سوال ۲۲۹) ''رہوڈیشیا'' میں تاجروں کو فروخت کرنے کے لئے سرخ شکر ملتی ہے اور وہ لیتے بھی ہیں، اب یہاں کے باشندے اس کو کھانے پینے میں لیتے ہیں اور شراب بنانے میں بھی اس کو استعمال کرتے ہیں تو اس کی تجارت سے ہم گنہگار ہوں گے؟ اس کی تجارت کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) سرخ شکر پاک وحلال ہے۔ منفعت کے لئے تیار کی جاتی ہے اور جائز کاموں میں استعمال کی جاتی ہے اگر کوئی ناجائز طور پر استعمال کرے تو اس کا ذمہ دار وہ ہے۔ بنانے والا اور تاجر نہیں۔ لہذا اس کو فروخت کرنا جائز اور اس کی قیمت حلال ہے درمختار وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے کہ شیرۂ انگور اس شخص کو بیچنا جائز ہے جو اس کی شراب بناتا ہے کہ شیرۂ انگور فی نفسہ گناہ نہیں یعنی انگور کے شیرہ میں نشہ نہیں بلکہ شیرہ میں تغیر وتبدل کرنے کے بعد نشہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کا ذمہ دار تغیر وتبدل اور تصرف کرنے والا ہے نہ کہ بیچنے والا لہذا انگور کے شیرہ کی بیع جائز ہے۔ لیکن چونکہ ظاہراً اعانت علی المعصیۃ کے مثل ہے لہذا ناجائز استعمال کرنے والے کو بالخصوص مسلمان کو بیچنا خلاف احتیاط اور خلاف تقویٰ اور مکروہ تنزیہی ہے۔ (شامی ص ۳۴۴ ج۵)(۱)

وبيع العصير ممن يتخذ خمراً قوله بيع العصير اعلم ان للبيع ثلثة احوال الا ولیٰ انه لا تقوم المعصية بنفسه كالحبوب والثوب ونحوها والثانی انه تقوم المعصية بنفسه لكن لا بعينه بل بعد تبديله وتغيره كعصير العنب يمكن ان يجعله مسكراً اوما فی معناها ويمكن ان لا تصير خمراً والثالث المعصية تقوم بعينه كالسلاح للكفار فانهم يقاتلون به بعينه' لا تبديل ولا تغير فيه فالا ول يجوز بيعه بالا تفاق الثالث يكره بيعه بالا تفاق والثانی جاز بيعه عنده لا عندهما فقال المصنف لبيان هذه النكتة ان بيع العصير جائز عنده لان معصية الخمر لا تقوم من نفس العصير بل بعدما تصير مسكرا والحق معه انه ملك الا نصاف والتوسيع وصا حباه سلكا مسلك الا حتياط والحذار فان كنت فقيها محتاطاً عالماً بمواقع الا فعال اختر قول ابی حنيفه والا فالا حتياط فيما قال بها صاحباه (عمدة الرعاية على شرح الوقاية ج۴ ص ۵۸ كتاب الكراهية)

نقد و ادھار کی قیمت میں فرق جائز ہے یا نہیں :

(سوال ۲۳۰) نقد بیچنے پر کم قیمت لینا اور اسی چیز کو ادھار بیچنے پر کچھ زیادہ قیمت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مدلل اور مفصل جواب مرحمت فرمائیں، بینوا توجروا۔

---

(۱) وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أ نه يتخذه حمرا لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغييره وقيل يكره لا عانته علیٰ المعصية ونقل المصنف عن السراج والمشكلات ان قوله ممن ای من كافر، اما بيعه من مسلم فيكره ومثله فی الجوهرة و الباقانی وغيرهما زاد القهستانی معزيا للخانية أنه يكره بالاتفاق قال فی الشامية تحت قوله معزيا ......وعندی ان ما فی الخانية محمول على كراهة التنزيه وهو الذی تطمئن اليه النفوس الخ كتاب الحظر والا باحة فصل فی البيع)

(الجواب) کسی چیز کو نقد بیچنے پر کم قیمت لینا اور ادھار بیچنے پر زیادہ قیمت لینا اس وقت جائز ہے جب کہ معاملہ کرنے کے وقت ایک ہی بات ہو اور قیمت بالکل متعین کرلی جائے، ہدایہ آخرین میں ہے الا تری انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل (ھدایہ اخیرین ص ۵۸ باب المرابحۃ والتولیۃ) اس طرح بات کرنا کہ نقد لوگے تو ایک سو روپے اور ادھار لوگے تو ایک سو دس روپے میں، یا اس طرح معاملہ کرنا کہ اگر ایک مہینے میں قیمت ادا کرو تو ایک سو پانچ روپے، دو مہینے میں ادا کرو تو ایک سو دس روپے میں تو یہ صورت جائز نہیں ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے:(رجل باع علی انہ بالنقد بکذا او بالنسیئۃ بکذا والیٰ شھر بکذا والیٰ شھرین بکذا لم یجز، کذا فی الخلاصۃ. یعنی کوئی شخص اس طرح بیچے کہ نقد اتنے روپے میں اور ادھار اتنے روپے میں، ایک مہینے کی ادھار پر لوگے تو اتنے روپے میں، دو مہینہ کی ادھاری پر لوگے تو اتنے روپے میں، اس طرح بیچنا جائز نہیں، کذا فی الخلاصہ، (فتاویٰ عالمگیری ص ۸۰ ج ۴، کتاب البیوع باب ۱)

آپ اپنے طور پر نقد اور ادھار کی قیمت متعین کرلیں اور معاملہ کے وقت خریدار سے پوچھ لیا جائے کہ وہ کس طرح (نقد یا ادھار) خریدنا چاہتا ہے، خریدار اپنا جو ارادہ ظاہر کرے اسی کے اعتبار ثمن بتا کر معاملہ مکمل کرلیا جائے، اگر ادھار معاملہ ہو تو ثمن (قیمت) کے تعین کے ساتھ ثمن کی ادائیگی کی مدت بھی متعین کرلی جائے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے۔

(سوال) ایک شخص اپنا مال نقد ایک روپے کو فروخت کرتا ہے اور ادھار سترہ آنے کو بیچتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ وقت بیع کے ثمن کی تعیین نہیں کی، بلکہ مشتری سے تردد کے ساتھ کہا کہ اس کی قیمت اگر اسی وقت دوگے تو ایک روپیہ لوں گا، ورنہ سترہ آنے لوں گا، یہ تو بوجہ جہالت ثمن کے جائز نہیں، دوسری شکل یہ ہے کہ اول مشتری سے طے کرلیا ہو کہ نقد لیتے ہو یا ادھار، اگر اس نے نقد لینے کو کہا تب تو ایک روپیہ قیمت ٹھہرائی، اگر ادھار لینے کو کہا تو سترہ آنے ٹھہرائے یہ جائز ہے، فی العالمگیریہ، رجل باع علی انہ بالنقد ھکذا وبالنسئۃ بکذا والی شھر بکذا والی شھرین بکذا لم یجز کذا فی الخلاصۃ، جلد ثالث ص ۱۵۴، مطبوعہ نو لکشور، فقط واللہ اعلم (امداد الفتاویٰ، نمبر ۲ ج ۳، کتاب البیوع، مطبوعہ پاکستان)

کفایت المفتی میں ہے:

(الجواب) ادھار میں نقد سے زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ مجلس عقد میں ادھار ہو اور مدت ادائے قیمت وغیرہ کی بھی تعیین کردی جائے، فی الھدایہ انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل، انتھیٰ (کفایت المفتی ص ۴۰ ج ۸)

دوسرا فتویٰ:

(الجواب) نقد اور ادھار میں قیمت کی کمی زیادتی تو جائز ہے، مثلاً کوئی تاجر ایک چیز نقد ایک روپیہ میں فروخت کرتا ہے، اور وہی چیز ادھار لینے والے کو ایک روپیہ دو آنے میں دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر اس کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد معین کرلی جائے۔ مثلاً بائع مشتری مجلس عقد میں ہی یہ کہہ

دے کہ بیع کی قیمت ایک ماہ میں ادا کی جائے گی، اور ایک روپیہ دو آنہ ہوگی، یہ احتمالی صورتیں کہ اگر مہینے کے اندر ہوتو ایک روپیہ دو آنہ اور مہینے کے بعد مگر ۴۵ دن کی اندر ہوتو ایک روپیہ تین آنہ لوں گا یہ جائز نہیں، بائع اور مشتری دونوں کولازم ہے کہ قیمت اور ادائے قیمت کا زمانہ معین کردیں، مثلاً مشتری خود اپنی حالت کا اندازہ کرکے کہ میں مہینے کے اندر ادا کر سکتا ہوں تو مہینے بھر کا وعدہ کرے اور بائع مبیع کی قیمت میں (مثلاً سات روپے فیصدی کا اضافہ لگا کر جو قیمت ہوتی ہو وہ معین کردے مثلاً سو روپے کے مال کی قیمت ایک سو سات روپے مقرر کرکے کہے کہ ایک سو سات روپے میں فروخت کرتا ہوں، تو یہ صورت جائز ہوجائے گی (کفایت المفتی ص ۴۰ و ص ۴۱ ج ۸ بتغییر یسیر)

فتاویٰ دارالعلوم (امداد المفتیین) میں ہے۔

(سوال) ایک شخص کے گھر میں ایک سو من دھان موجود تھے اس نے تین مہینے کی مہلت پر تین روپیہ فی من کے حساب سے فروخت کردیے، اس وقت بازار میں دھان دو روپیہ من بکتے تھے، اس نے ادھار کی وجہ سے ایک روپیہ من نرخ بازار سے زیادہ لیا یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس مسئلہ میں تفصیل ہے، اگر بوقت معاملہ کوئی قیمت متعین نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ اگر ادھار لوگے تو تین روپیہ من قیمت ہے اور نقد لوگے تو دو روپیہ من یا یوں کہ ایک مہینہ کے ادھار پر دو روپیہ من اور تین مہینے کے ادھار پر تین روپیہ من دوں گا۔ یہ صورت تو ناجائز ہے قال فی العالمگیریة من الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البیع شهرین بکذا لم یجز کذا فی الخلاصة. (عالمگیری، کشوری ج ۳ ص ۱۵۴) اور اگر معاملہ اس طرح نہ کرے بلکہ پہلے یہ معلوم کرکے کہ یہ شخص ادھار لے گا قیمت میں بہ نسبت نقد کے زیادہ بڑھاوے تو جائز ہے۔ کما فی الهدایة من باب المرابحة الا یری انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل ومثله من البحر والدر المختار، والشامی والفتح اور جو صورت زیادتی قیمت کی سوال میں ذکر کی گئی ہے وہ صورت ثانیہ کے اندر داخل ہے اس لئے یہ معاملہ جائز و صحیح ہے الخ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۱۳ا، ص ۱۴ اج ۸۷۷)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے۔

(سوال) زید مثلاً سینے کی مشین یا ریڈیو وغیرہ کی تجارت کرنا چاہتا ہے اور اس میں یہ رواج کہ نقد فروخت کرنے کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے اور قسط وار ادا کرنے میں قیمت نقد سے زیادہ لی جاتی ہے تو اس طرح تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا یہ صورت جواز کی ہوسکتی ہے کہ زید اپنی دوکان کے دو حصے کرلے ایک میں نقد کا بھاؤ رکھے ایک میں ادھار کا؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ اگر مجلس عقد میں ہی نقد یا ادھار کا معاملہ صاف ہوجائے۔ کہ خریداری نقد ہے یا ادھار تو اس طرح تجارت درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۵ ج ۴ کتاب البیوع) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مہوا پھل ان لوگوں کو بیچنا جو اس سے شراب کشید کرتے ہیں:

(سوال ۲۳۱) اس طرف ایک پھل ہوتا ہے جسے غریب عوام بطور غذا بھی استعمال کرتے ہیں اس کا نام مہوا ہے لیکن

زیادہ تر اس سے شراب کشید کی جاتی ہے، اس کو جمع کر کے رکھنا اور موسم کے بعد اس کو فروخت کرنا کافی نفع بخش ہوتا ہے لیکن موسم کے بعد جو لوگ خریدتے ہیں وہ عموماً شراب بنانے کے لئے ہی خریدتے ہیں، اس کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ کھنڈوہ، مدھیہ پردیش)

(الجواب) موسم کے بعد مہوا کے خریدار عموماً اس سے شراب کشید کرتے ہیں اس لئے ان لوگوں کو بیچنا جو اس سے شراب بناتے ہیں ممنوع ہے[1] کہ اس میں اعانت علی المعصیت ہے، فرمان خداوندی ہے **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** یعنی معصیت اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو (سورۂ مائدۂ پ ۶) اور جو لوگ اس کا جائز استعمال کرتے ہیں ان کو بیچنا ممنوع نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ۔

کالا گڑ جو صرف شراب بنانے میں استعمال ہوتا ہے اس کی تجارت کرنا:

(سوال ۲۳۲) گڑ کی ایک خاص قسم ہے جسے کالا گڑ کہا جاتا ہے وہ صرف شراب بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے اور کسی کام میں مستعمل نہیں ہوتا از روئے شریعت اس کی تجارت درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب اس کالے گڑ کا استعمال صرف شراب بنانے میں ہی ہوتا ہے تو **لا تعاونوا علی الاثم والعدوان** کے پیش نظر شرعاً اس کی تجارت کی اجازت نہیں[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ادھار بیچنے پر زیادہ قیمت لینا کیسا ہے؟ (۲) خریدار وقت مقررہ پر پیسے نہ دے سکے تو زیادہ رقم لینا کیسا ہے:

(سوال ۲۳۳) ہم کپڑے کا کاروبار کرتے ہیں، ہمارا طریقہ یہ ہے کہ نقد لینے پر کم قیمت اور ادھار خریدنے پر زیادہ قیمت لیتے ہیں تو اس طرح بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر خریدار مقررہ وقت پر پیسے نہ دے سکے تو کچھ زیادہ رقم لینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نقد بیچنے پر کم قیمت اور ادھار بیچنے پر زیادہ قیمت لے سکتے ہو مگر شرط یہی ہے کہ معاملہ طے کرنے کے وقت ایک ہی بات ہو اور دام بالکل متعین کر دیئے جائیں، آپ اپنے خریدار سے پوچھ لیجئے وہ کس طرح خریدنا چاہتا ہے وہ اپنا جو منشاء ظاہر کرے اسی کے موافق دام بتا کر معاملہ (سودا) طے کر لیا جائے۔

ادھار خریدنے کی صورت میں اگر خریدار معین شدہ مدت میں پیسے نہ دے سکا تو اس کی وجہ سے زیادہ رقم لینا جائز نہیں، ہدایہ اخیرین میں ہے **لان الاجل لا یقابله شیئی من الثمن** (هدایه اخیرین ص ۵۸ باب المرابحة)

الجوہرة النیرہ میں ہے: (**قوله ولو کان له الف مؤجلة جیاد فصالحه علی خمس مائة حالة لم یجز) لان المعجل خیر من المؤجل وهو غیر مستحق وذلک اعتیاض عن الاجل وهو حرام** (الجوهرة النیرة ص ۶ ج ۲، کتاب الصلح) **فقط والله اعلم بالصواب .**

---

[1]۔[2] جائز ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اسی باب کا پہلا عنوان ص ۱۹۵ پر۔

حق تعلی بیچنا:

(سوال ۲۳۴) حاجی عمر حسن صاحب کا انتقال ہو گیا، مرحوم نے اپنے پیچھے چار بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں، ترکہ میں تین منزلہ بلڈنگ بھی ہے، ایک شخص محمد جمیل نے مرحوم کے بیٹوں سے درخواست کی کہ میں آپ لوگوں کی بلڈنگ کے تیسرے منزلہ کی چھت پر مکان تعمیر کرنا چاہتا ہوں اور اس کے بدل میں تم کو ۵۰ ہزار روپے دوں گا، اس پر مرحوم کے بیٹے تیار ہو گئے اور مجلس برخواست ہو گئی، صبح کو مرحوم کے چاروں بیٹوں نے اس پر غور وخوض کیا تو ان کو اندازہ ہوا کہ اگر ہم خود اس جگہ مکان بنائیں تو اس کی قیمت لاکھوں روپے آسکتی ہے تو ان کو بہت افسوس ہوا کہ ہم نے بغیر غور وفکر کئے یہ معاملہ کر لیا، جب اس کی اطلاع بہنوں کو دی گئی تو انہوں نے فوراً اعتراض کیا کہ ہماری اجازت کے بغیر تم لوگوں نے ہمارے حصہ میں کیوں سودا کیا، ہمیں یہ سودا منظور نہیں، اس کی اطلاع جب محمد جمیل کو دی اور معاملہ فسخ کرنے کا ہم نے مطالبہ کیا تو وہ اس پر راضی نہیں اور تیسرے منزلہ کی چھت پر چوتھی منزل بنانے پر مصر ہیں، آپ اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں، اس صورت کا کیا حکم ہے؟ بیع فسخ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جو بیع ہوئی ہے وہ صحیح نہیں ہے، یہ حق تعلیٰ کی بیع ہے اور حق تعلیٰ کی بیع شرعاً جائز نہیں ہے، ہدایہ اخیرین میں ہے: واذا کان السفل لرجل وعلوه لآخر فسقطا او سقط العلو وحده فباع صاحب العلو علوه لم یجز لان حق التعلی لیس بمال لان المال ما یمکن احرازه والمال هو المحل للبیع (هدایه اخیرین ص ۴۰، باب البیع الفاسد)

لہٰذا مذکورہ معاملہ صحیح نہیں ہے اور محمد جمیل کا اصرار شرعاً قابل قبول نہیں، نیز مذکورہ صورت میں بہنوں کا بھی حق ہے اگر یہ معاملہ صحیح بھی ہوتا تب بھی بہنوں کے حصہ میں ان کی اجازت پر موقوف رہتا اگر وہ اجازت دیتیں تو معاملہ صحیح ہو جاتا اور اگر انکار کر دیتی تو ان کے حصے میں معاملہ ختم ہو جاتا خلاصہ یہ کہ صورت مسئولہ میں معاملہ بھی صحیح نہیں اور بہنیں بھی راضی نہیں، لہٰذا محمد جمیل کو مکان بنانے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے، شرعاً ان کو مکان بنانے کا حق نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اخبارات خریدنے کے بارے میں:

(سوال ۲۳۵) روزنامہ، ہفتہ وار، ماہنامہ وغیرہ رسائل کی خریداری کا کیا حکم ہے وجہ شبہ یہ ہے کہ پرچوں کی تعداد غیر متعین ہے، صفحات کتنے وہ بھی غیر متعین ہوتے ہیں۔ نیز رسالہ کا طول وعرض اور سائز کا تعین نہیں اور یہ بھی تفصیل نہیں کہ مضامین اور اخبار کتنے صفحات میں ہوں گے اور اشتہارات کتنے صفحات میں آئیں گے؟ خصوصی نمبرات کتنے ہوں گے اور تعطیلات کی بنا پر کتنے نمبرات بند رہیں گے وغیرہ یہ باتیں غیر معلوم ہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اخبارات اور ماہنامہ کی یہ خریداری جائز ہے۔ اس قسم کی جہالت سے بیع فاسد اور معاملہ ناجائز نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ اس قسم کی جہالت مفضی الی المنازعة نہیں بنتی بیع کو فاسد کرنے والی جہالت وہ ہے جس سے جھگڑا پیدا ہو (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۲۵ (حوالہ آنے والے جواب میں دیکھ لیا جائے۔ از مرتب) ● فیض الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۲۵۹) شامی وغیرہ میں بالتفصیل مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فقط۔

اخبارات ورسائل کی خریداری کا کیا حکم ہے

(سوال ۲۳۶) روزنامے، ہفتہ وار اور ماہنامے وغیرہ رسائل کی خریداری کا کیا حکم ہے؟ وجہ اشکال یہ ہے کہ شماروں کی تعداد متعین نہیں اوپر سے صفحات کتنے وہ بھی غیر متعین، نیز اخبار کا طول وعرض اور تقطیع بھی متعین نہیں اور یہ بھی کہ مضامین اور خبریں کتنے صفحات میں ہوں گے اور مالک کے لئے نفع بخش اشتہارات کتنے صفحات میں ہوں گے؟ مخصوص نمبر کتنے ہوں گے؟ تعطیلات کی وجہ سے کتنے شمارے بند رہیں گے؟ وغیرہ چیزیں مجھول ہوتی ہیں؟

(الجواب) اخبارات اور ماہناموں کی یہ خریداری جائز ہے اس قسم کی جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے مفسد بیع وہ جہالت ہے جو مفضی الی النزاع ہو۔ (فیض الباری علی صحیح البخاری ج ۳ ص ۲۵۹ ،شامی وغیرہ) **وما کل جهالة تفسد البیع فان کثیر امن الا مور یترک مهملاً فی البیع واشتراط الا ستقصاء ضرر ولکن المفسد هو المفضی الی المنازعة (حجة الله البالغه ج ۲ ص ۳۲۵ البیوع المنهی عنها النهی بعض البیوع والمکاسب) فقط والله اعلم بالصواب .**

ماہنامہ وغیرہ کی لائف ممبری:

(سوال ۲۳۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر موقر اخبارات ورسائل اور بعض وہ ادارے جو اپنے اراکین اور ممبروں سے سالانہ چندہ وصول کرتے ہیں ان میں لائف ممبری کا طریقہ عام طور پر جاری ہے یعنی جو کچھ چندہ سالانہ ہوتا ہے اس سے کافی زیادہ رقم یکمشت وصول کر لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تک یہ ادارہ ہے وہ اس کے مستقل ممبر اور رکن ہیں اور جب تک رسالہ یا اخبار جاری رہے گا ان کی خدمت میں جزاء احسان کے طور پر اعزازی حیثیت سے پہنچتا رہے گا اب ان سے سالانہ چندہ نہیں لیا جائے گا نیز ممبر بننے والے اور بنانے والے اس کو ایک مخصوص عطیہ تصور فرماتے ہیں۔ عنوان چندہ کا ہوتا ہے مگر حقیقت عطیہ کی ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر رسالہ بند ہو جائے تو لائف ممبر اس سے واپسی رقم کا مطالبہ نہیں کرتا ادھر عطیہ لینے والے بھی پابند نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات لائف ممبران سے اور عطیات بھی وصول کرتے رہتے ہیں۔ سوال یہ کہ ایسا ممبر بننا اور اس عنوان سے عطیہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بعض اخبار والے ان ممبروں کا عنوان بھی بدل دیتے ہیں۔ مثلاً محسن اعظم مربی معاون۔ بینوا توجروا۔ بتاریخ ۳۱ جولائی ۵۸ء علی بھائی اسمٰعیل پان والا کاوی ضلع بھروچ۔

(الجواب) یہ لائف ممبری ایک اعزازی واحترامی ہے اور جو کچھ وہ ممبر دیتا ہے وہ عطیہ اور بخشش اور اعانت وامداد ادارے کی مقصود ہوتی ہے۔ اس لئے جائز ہے۔ پرچہ اور رسالہ یا اخبار ان کے پاس پہنچایا جاتا ہے وہ بھی خریداری کے سلسلہ میں بھیجا نہیں جاتا بلکہ اعزازی طریقہ پر ہدیہ ہی ہوتا ہے یہ بیع وشرا نہیں ہے تا کہ بیع وثمن کسی درجہ میں جا کر مجہول ہو جائیں اور بیع ناجائز ہو۔ الحاصل یہ صورت جائز ہے۔ اس عنوان سے عطیہ وصول کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۸/۱ ۱۵ھ

صورت مسئولہ میں جب کہ لائف ممبر اور معاون ومربی بننے اور بنانے اور چندۂ فیس لینے اور دینے والوں کی نیت امداد واستمداد اور عطیہ کی ہوتی ہے مبادلہ اور نفع خوری مقصد نہیں ہوتا! اور پرچہ بطور جزاء احسان اور اعزازی

حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے تو یہ صورت بلاشبہ جائز ہے۔ یہ صورت قمار بازی یا بیع فاسد کی نہیں ہے۔ قمار بازی میں لوگوں سے ان کے مالوں کو چھین لینا ہے جس کا مدار اتباع جہل وحرص، باطل آرزو اور فریب پر ہے اور اس کو تمدن اور تعاون میں کچھ دخل نہیں ہے۔ خسارہ پانے والا اگر سکوت کرتا ہے تو غصہ اور ناامیدی کی حالت میں کرتا ہے اور جیتنے والے کو خوشی اور لذت حاصل ہوتی ہے۔

اعلم ان المیسر سحت باطل لانه اختطاف لا موال الناس عنهم معتمد علی جهل وحرص ومنية باطلة وركوب غرر تبعثه هذه علی الشرط وليس له دخل في التمدن والتعاون الخ (حجة الله البالغه ج ۲ ص ۱۶۷ من ابواب ابتغآء الرزق البيوع المنهي عنها)

یہاں نہ نقصان کا مظنہ ہے نہ خسارہ کا اندیشہ! نہ باطل آرزو کارفرما ہے نہ فریب کا ادنیٰ شائبہ! یہاں تو امداد اور عطیہ کا قبول کر لینا اور کار خیر میں لگ جانا اور بقاوترقی ادارہ کا ذریعہ بن جانا ہی اصل کامیابی ہے۔ یہاں کسی کی ہار نہیں ہوتی جب یہ صورت قمار نہیں ہے اور نہ نیت قمار بلکہ عطیہ ہے تو اسے قمار بازی کیسے کہا جا سکتا ہے؟

حدیث میں ''بیع مزابنہ'' کو بوجہ لزوم ربوا ناجائز قرار دیا گیا ہے اور ''عریہ'' کو اس نہی سے مستثنیٰ فرمادیا۔ اس کی وجہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک نیت قمار نہ ہونا ہے! فرماتے ہیں۔ ورخص في العرايا بخرصها من التمر فيما دون خمسة او سق لانه عرف انهم لا يقصدون في ذالك القدر الميسر وانما يقصدون اكلا رطباً یعنی عریہ میں جب کہ پھل پانچ وسق سے کم ہوں نبی کریم ﷺ نے چھواروں کے ساتھ اندازہ کر کے بیع کرنے کی رخصت دی کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے تھے کہ اتنی مقدار میں لوگ قمار کا قصد نہیں رکھتے بلکہ تازہ کھجوریں کھانا چاہتے ہیں الخ (حجۃ اللہ البالغہ ایضاً ج ۲ ص ۱۲۲) اور یہ صورت مبادلة المال بالمال بطريق الا كتساب کی بھی نہیں ہے کہ معاملۂ بیع وشرا ٹھہرا کر بیع فاسد اور معاملہ ناجائز قرار دیا جائے۔ بیع کی تعریف میں کہا گیا ہے۔

هو مبادلة شيئ بمثله علی وجه مخصوص ای بایجاب او تعاط مخر التبرع من الجانبين والهبة بشرط العوض (درمختار كتاب البيوع ج ۴ ص ۵۰۲) ويقال هو في الشرع عبارة عن ايجاب وقبول في مالين ليس فيهما معنى التبرع وهو قول العراقيين كالشيخ واصحابه وقيل هو عبارة عن مبادلة مال بمال لا علیٰ وجه التبرع وهو قول الخراسيين كصاحب الهدايه و اصحابه الخ (الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۱۸۷ ايضاً) وينبغي ان يزاد قيد بطريق الا كتساب كما وقع في الكتب لاخراج مبادلة لوازم مالهما بطريق الهبة بشرط العوض فانه ليس ببيع ابتداءً وان كان في حكمه بقاء انتهیٰ (مجمع الانهر ايضاً ج ۲ ص ۴)

ممبری فیس، رسائل کا لوازم (چندہ) اور قیمت نہیں ہے، عطیہ ہے، دونوں میں بین فرق ہے اور لوازم وثمن رسالہ بند ہو جانے پر واپس لیا جاتا ہے، ممبری فیس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا کہ عطیہ ہے۔ اگر کسی نے مطالبہ کیا تو وہ غیر دستوری، غیر اخلاقی اور رجوع عن الہبہ کی قسم ہوگا۔ لائف ممبری ایک عنوان ہے، مقصد امداد واستمداد ہے، معاملات میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے الفاظ اور عنوان کا اعتبار نہیں ہوتا۔ العبرة للمعاني لا للالفاظ (در المنتقی) العبرة في العقود للمعاني (هداية)

لائف ممبری ایک اعزازی چیز ہے اس سے مراد دائمی سرپرستی ہے، قومی مذہبی واصلاحی اداروں انجمن سلام، محفل اسلام کے بھی لائف ممبران ہوتے ہیں ان سے بڑی رقم وصول کی جاتی ہے ان کے لئے عام ممبران کی طرح سالانہ ممبری فیس کا چندہ دینے اور تجدید ممبری کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ حضرات اداروں کے دائمی ممبر اور معاون وسرپرست مانے جاتے ہیں ان کے لئے اعزاز ہے ان کے حقوق بھی نسبۃً کچھ زیادہ ہوتے ہیں۔ اس طریقہ عمل سے ادارہ کے لئے مدد اور چندہ حاصل کیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ بعض دینی، علمی، اصلاحی ماہناموں نے بھی اختیار کیا ہے وہی لوگ لائف ممبر اور معاون ومربی وغیرہ خصوصی ممبران بنتے ہیں جن کو ادارہ سے ہمدردی ہوتی ہے، یا صاحب ادارہ سے خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ یہ ممبران اہل خیر دیندار، اہل علم اور علم دوست، حضرات ہوتے ہیں، ان کی خدمت میں تاحیات یا تابقاء ادارہ بطور جزاء احسان اور تحفۃً رسالہ پیش کیا جاتا ہے اور یہ اہل ادارہ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ جس کی ہدایت حدیث شریف میں بھی آئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ: جس کو کوئی چیز عطا کی جائے اور اس کے پاس کوئی چیز دینے کے قابل موجود ہو تو اس کا بدلہ دے اور جس کے پاس کچھ دینے کے قابل (چیز) نہ ہو تو وہ اس کی مدح کرے الخ۔ **من اعطی عطاءً فوجد فلیجزبہ ومن لم یجد فلیثن فان من اثنیٰ فقد شکر ومن کتم فقد کفر (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۱ باب العطایا)**

یہ صورت ہبہ اور تبرع من الجانبین کی ہے یعنی ایک دوسرے کو بلا شرط عوض بطریق احسان وجزاء احسان عطیہ دینے اور امداد کرنے کی ایک مفید اور مستحسن تمدنی وتعاونی صورت ہے ہبہ کی تعریف یہ ہے۔ **تملیک عین مجاناً ای بلا عوض لا ان عدم العوض شرط فیہ درمختار مع الشامی کتاب الھبۃ ج۵ ص ۶۸۷** یعنی کسی چیز کا کسی کو مفت اور بلا شرط عوض مالک بنا دینا ہے نہ یہ کہ عدم عوض ہبہ میں شرط ہے (درمختار)

ہر عوض اور ہر بدلہ بیع کو مستلزم نہیں ہے۔ چنانچہ دینی اور علمی اداروں، انجمن اور محفل وغیرہ کے لائف ممبر اور دائمی سرپرست کو کچھ نہ کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں جو ظاہراً ممبری فیس ہی کی بدولت حاصل ہوتے ہیں۔

مضمون نگار اور فتاویٰ نویس کی خدمت میں بھی بالالتزام پرچہ پیش کیا جاتا ہے یہ بھی ظاہراً مضمون اور فتاویٰ کی برکت ہے۔

مجلس استقبالیہ کے خصوصی ممبران کے لئے جنہوں نے بطور چندہ فیس بڑی رقمیں (مثلا / ۵۰، ۱۰۰/ ۲۰۰/، = /۲۵۰، = /۵۰۰، = /۱۰۰۰) عطا کی ہیں۔ طعام وقیام کا انتظام مجلس استقبالیہ کی جانب سے کیا جاتا ہے وہ بھی بظاہر چندہ دینے ہی کی بدولت ہے۔ تاہم یہ صورتیں عقد بیع وشرا میں داخل نہیں کی جاتی تبرع من الجانبین میں شمار ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کا مطالبہ نہیں ہوتا۔ یہی حقیقت لائف ممبری وغیرہ کی سمجھنا چاہئے۔

تبرع کی چند قسمیں ہیں۔ ایک تو صدقہ ہے جب کہ اس سے حق تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہو اور دوسرا ہدیہ ہے جب کہ اس کے ساتھ اس شخص کو خوش کرنا مقصود ہو جس کو وہ شے دی گئی ہے۔

الحاصل لائف ممبری کی صورت سوداباز ی اور تجارتی نہیں ہے جیسا کہ مذکور ہوا، مزید اطمینان کے لئے عرض ہے کہ رسالوں کا سالانہ لوازم (چندہ) معمولی دو روپے، چار روپے اور پانچ روپے ہوتا ہے اور لائف ممبری اور معاون مربی کی فیس (چندہ) = /۵۰، = /۱۰۰ روپے، = /۲۵۰ روپے، = /۵۰۰ روپے اور اس سے بھی زیادہ! اگر تجارتی

معاملہ ہے تو ایک تاجر یہ بھی غور کرے گا کہ یہ رقم کب وصول ہو سکے گی؟ اور یہ بھی غور کرے گا کہ اتنی رقم اتنے سال رکے رہنے سے فائدہ کیا اور کتنا ہوگا؟ اور پرچہ کی زندگی ہی آج کل کیا ہوتی ہے۔ ان باتوں کو سوچنے کے بعد ضرور وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس میں تو سراسر نقصان ہے۔ اس سے بہتر تو یہ ہی ہر سال لوازم ادا کرتے رہیں، اب اگر وہ اس نقصان کو دیکھتے ہوئے ممبر بنتا ہے تو ظاہر ہے معاوضہ مقصود نہیں بلکہ امداد مقصود ہے۔ بعض نے ممبری کے درجات مقرر کئے ہیں تاکہ حسب حیثیت حصہ لیا جاسکے۔ ۵۰/ روپیہ اور اس سے زائد عطا کرنے والا معاون شمار ہوگا اور ۱۰۰/ روپے یا اس سے زائد دینے والا مربی شمار ہوگا۔ مگر جزائے حساب کے طور پر پرچہ بلا فرق مراتب سب کو ایک ہی دیا جاتا ہے۔ حالانکہ تجارتی اصول سے ۵۰/ والے کو اگر ایک دیا جاتا ہے تو ۱۰۰/ والے کو دو بلکہ زیادہ پرچہ دینے چاہئیں اور ۱۵۰/ والے کو تین پرچے بلکہ زیادہ۔ اسی طرح ۲۰۰/ دینے والے کو چار پرچے یا پانچ، چھ اور ۲۵۰/ والے کو اس سے زیادہ دیا جانا چاہئے...... !علی ہذا رقم دینے والے کا مقصد تجارت اور پرچہ ہی حاصل کرنا ہوتا تو ادنیٰ فیس پچاس روپے سے بھی حاصل کر سکتا تھا پھر ۵۷/ روپے، ۱۰۰/ روپے، ۳۰۰/ اور اس سے بھی زیادہ رقمیں کیوں دیتا ہے۔ اس لئے کہ مقصد امداد ہے، تجارت مقصد نہیں۔

علاوہ ازیں اتنی بڑی رقمیں ادا کرنے والے حضرات اور لینے والے کے درمیان کوئی قول وقرار اور عہد تحریر عمل میں بھی نہیں آتا۔ حالانکہ سرکاری کاغذات پر باقاعدہ تحریر عمل میں لانا چاہئے تھا تاکہ پرچہ بھیجنے پر پابند رہے۔ مگر یہاں نہ کوئی بیع ہے نہ کوئی معقود علیہ ہے جس کے بارے میں تحریر عمل میں لائی جائے۔

البتہ جس طرح رسالہ کا خریدار سالانہ لوازم ادا کر کے اپنے نام ایک سال کے لئے رسالہ جاری کراتا ہے اسی طرح لائف ممبر وغیرہ بھی ایک مقررہ رقم بطور لوازم وقیمت ادا کر کے عمر بھر کے واسطے اپنے نام رسالہ جاری کراتا ہو اور اصل مقصد رسالہ ہو تو بے شک یہ صورت عقد بیع وشرا کی تھی اور بیع مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہوتی جیسا کہ امداد الفتاویٰ میں ہے۔ لیکن مذکور الصدر صورت ایسی نہیں ہے۔

نیز یہ صورت ہبہ بشرط العوض کی بھی نہیں ہے جس کے لئے شرط ہے۔ عقد ہبہ میں عوض کی شرط لگی ہو جس کا حکم ابتداً ہبہ اور انتہاءً بیع کا ہے اگر المعروف کالمشروط کے قاعدہ سے ہبہ بشرط عوض کی صورت بھی مان لی جائے تب بھی یہ معاملہ جائز اور ہبہ صحیح ہے کیونکہ جہالت عوض کی وجہ سے شرط عوض باطل اور ہبہ صحیح ہو جاتا ہے۔

وقيد العوض بكونه معينا لانه لو كان مجهولاً بطل اشتراطه فيكون هبة ابتداءً وانتهاءً

(درمختار مع الشامي ج ۴ ص ۷۱۵ كتاب الهبة مسائل متفرقه).

بہر حال! لائف ممبر اور معاون ومربی اور محسن کے عنوان سے ممبر بننا اور بنانا اور عطیہ اور امداد دینا اور لینا شرعاً جائز ہے۔ ہاں اگر کسی کی نیت قمار یا تجارت وتبادلہ کی ہے یا کسی جگہ کا عرف ہی ایسا ہو تو اس کا حکم اس کے مطابق ہوگا۔ مگر ان تمام لائف ممبران کو (جن میں علماء بھی شامل ہیں) جن کی نیت امداد اور عطیہ کی ہے اور ان کی رقم اور امداد سے مسلمانوں کو اور دین و مذہب کو فائدہ پہنچتا ہو۔ قمار باز اور فعل حرام کا مرتکب قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ **هذا ما ظهر الى الآن والله اعلم بالصواب .**

ہڈی کی تجارت کا حکم:

(سوال ۲۳۸) ہڈی کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کون سی ہڈی میں جائز اور کون سی میں نا جائز ہے؟ تشریح فرماویں۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ انسان اور خنزیر کے سوا باقی حیوانات کی ہڈی کی تجارت درست ہے، خواہ مردار جانور کی ہڈی ہو۔ ولا یجوز بیع شعرا لخنزیر لا نہ نجس العین ...... الی قولہ ...... ولا یجوز بیع شعور الانسان ولا الا نتفاع بہ ...... الی قولہ ...... ولا بأس ببیع عظام المیتۃ الخ (ھدایہ ج۳ ص ۳۹ باب البیع الفاسد) فقط واللہ اعلم بالصواب، ۲۵ شعبان ۱۳۸۲ھ۔

آتشبازی کی تجارت کرنا کیسا ہے:

(سوال ۲۳۹) آتشبازی (داروخانہ) پٹاخے کی تجارت کرنا کیسا ہے؟ اس کے یہاں کوئی ملازمت کرے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آتشبازی میں اپنے مال کو ضائع کرنا ہے جو یقیناً فضول خرچی ہے اور قرآن مجید میں فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین، وکان الشیطن لربہ کفوراً۔ بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے (قران مجید، پ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل)

لہذا آتشبازی گناہ کا کام ہے اس کی تجارت کرنا گناہ کے کاموں میں مدد کرنا ہے اور قرآن میں ہے ولاتعاونوا علی الا ثم والعدوان۔ (گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو، پارہ نمبر۶ سورۂ مائدہ) لہذا اس آیت مبارکہ کے پیش نظر اس کی اجازت نہیں ہوسکتی، نیز اس میں کافروں کی مذہبی رسم اور ان کے شعار میں تعاون کرنا بھی ہے، اور جو شخص آتشبازی کی تجارت کرتا ہو، اس کے یہاں ملازمت نہ کی جائے، تعاون علی الاثم بھی ہے اور ظاہر یہی ہے کہ ایسی مشتبہ کمائی ہی میں سے اسے تنخواہ دی جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گڑیوں کی خرید وفروخت:

(سوال ۲۴۰) گڑیوں کو بیچنا، گھر میں بچوں کے کھیل کے لئے رکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو گڑیا جاندار کی شکل کی ہو اس کو گھر میں رکھنا اور اس کو بیچنا جائز نہیں ہے، موجب لعنت ہے، حدیث میں جاندار کی تصویر رکھنے پر بڑی سخت وعید آئی ہے، بچوں کے لئے بھی اس قسم کی چیز گھر میں نہ لائی جائے، ہاں ایسے کھلونے جو جاندار کی شکل پر نہ ہوں بچوں کے لئے لا سکتے ہیں۔[1]

---

(۱) وظاھر کلام النووی فی شرح الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان، وقال، وسوآء صنعہ لما یمتھن او لغیرہ فصنعتہ حرام بکل حال لأن فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ تعالی ز سواء کان فی ثوب اوبساط او درھم وانآ ء وحائط وغیرھا ...... قولہ او لغیر ذی روح لقول ابن عباس للسائل، فان کنت لا بد فا علافاصنع الشکر وما لا نفس لہٗ رواہ الشیخان ولا فرق فی الشجر بین المثمر وغیرہ، شامی. مکروھات الصلوٰۃ ج۱ ص ۶۴۷، ۶۴۹.

فتاوی محمودیہ میں ہے۔
(سوال) مسلمانوں کے گھروں میں بچوں کے لئے جو کھلونے ہوتے ہیں ان میں گڑیا وغیرہ اکثر و بیشتر ہوا کرتے ہیں، بچوں کو ایسے کھلونے کے ساتھ کھلانا کیسا ہے؟ مسلمانوں کے گھروں میں ان کا رکھنا کیسا ہے، مسلمانوں کو ان کی تجارت کرنا کیسا ہے؟
(الجواب) حامداً ومصلیاً! گڑیا کی یا کسی اور کھلونے کی شکل وصورت جاندار کی نہ ہوتو کچھ مضائقہ نہیں، جاندار کی صورت بنانا اور گھر میں رکھنا منع ہے بچوں کے لئے بھی نہ رکھیں، ایسی صورتوں کی تجارت بھی نہ کریں فقط واللہ اعلم (فتاوی محمودیہ ج ۱۲ص ۳۷۷) (بہشتی زیور ص ۱۷ حصہ نمبر ۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ناخن پالش بیچنا:

(سوال ۲۴۱) عورتیں ناخن پالش استعمال کرتی ہیں وہ بیچنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) ایسا ناخن پالش جو ناخن پر جم جاتا ہو اور اس کے نیچے پانی پہنچنے کے لئے آڑ بن جاتا ہو تو ایسا ناخن پالش استعمال کرنا جائز نہیں، گناہ ہے، وضو اور غسل جنابت درست نہ ہوگا، ایسا ناخن پالش نہ بیچا جائے گناہ پر تعاون ہوگا اور قرآن میں ہے ولا تعاونوا علی الا ثم والعدوان گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو (قرآن مجید پارہ نمبر ۶ سورۂ مائدہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نرودھ بیچنا:

(سوال ۲۴۲) نرودھ (کونڈوم) بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) جائز طور پر اس کا استعمال کم ہے اور ناجائز طور پر اس کا استعمال زیادہ ہے اس لئے اس کی تجارت اختیار کرنا مناسب نہیں، اعانت علی المعصیۃ ہوسکتا ہے اور بدنامی سے بھی خالی نہیں اور بے حیائی کا بھی ذریعہ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرغیوں کی بیٹ اور گائے بھینس کا گوبر بیچنا:

(سوال ۲۴۳) ہمارا مرغیوں کا فارم ہے، مرغیوں کی بیٹ بڑی مقدار میں جمع ہوتی ہے، یہ بیٹ بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح گائے بھینس کا گوبر بیچنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) جائز ہے (کره بيع العذرة) رجيع الا دمى (خالصة لا) يكره بل يصح بيع (السرقين) الزبل خلافاً للشافعي (قوله الزبل) وفى الشرنبلا لية هو رجيع ما سوى الا نسان (درمختار مع رد المختار ۵/ ۳۳۹،فصل في البيع ، كتاب الحظر والا باحة)فقط والله تعالىٰ اعلم بالصواب .

تصاویر پر مشتمل اخبارات کی تجارت:

(سوال ۲۴۴) رسائل ومجلّات واخبارات میں لوگوں کی تصاویر شائع ہوتی ہیں جیسے آج کل لیڈران ہندرج کی، تو

آیا ان کا دیکھنا اور خریدنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) جن کا مقصد صرف مضامین ہے ان کی نظر اگر اتفاقاً تصاویر پر پڑ جائے تو معافی کی امید ہے اور جن کا مقصد ہی تصویر دیکھنا ہو تو یہ قابل مواخذہ ہو سکتا ہے خاص کر عورتوں کی تصویریں کہ جن میں بعض عریاں یا نیم عریاں تصویر ہوں ۔(فتاویٰ محمودہ ۵/ ۱۰۷ بھی ملاحظہ فرمائیں) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

راکھی بیچنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۴۵) ہندؤں کا ایک تہوار ''رکھشا بندھن'' آتا ہے جس میں بہن اپنے بھائی کو راکھی باندھتی ہے تو اس تہوار کے موقعہ پر راکھی بیچنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) راکھی بیچنا گویا کافروں کی مذہبی رسم میں تعاون کرنا ہے اس سے بچنا ہی چاہئے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیع الصرف

برٹیس پوسٹل آرڈر میں تبادلہ کرنے کے بارے میں:

(سوال ۲۴۶) افریقہ وغیرہ ممالک سے ہندوستان میں رقم آتی ہے یہ رقم برٹیس پوسٹل آرڈر مثل کاغذ کے نوٹ کے ذریعہ آتی ہے۔نوٹ پر پاؤنڈ اسی طرح اس کی قیمت لکھی ہوئی ہوتی ہے، مذکورہ نوٹ پر رقم لینے والے کا نام وگاؤں لکھا ہوتا ہے ۔ برٹیس پوسٹل کو یہاں تبادلہ کرنے میں سرکاری راہ سے ایک پاؤنڈ کی قیمت ۱۳ روپے ۲۵ پیسے دیئے جاتے ہیں۔ اگر وہ بلاکسی تحریر نام وگاؤں کے ہوتو خانگی تجار اس کی قیمت اس سے زائد دیتے ہیں۔ یہاں پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس پاؤنڈ کے خانگی تجاروں سے زیادہ رقم لینا جائز نہیں ہے، سود ہے نیز اس میں سرکاری جرم بھی ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاؤنڈ مالک کو اختیار ہے جہاں چاہے اس کا تبادلہ کرے چاہے پوسٹ آفس۔ بینک وغیرہ میں جہاں سوا تیرہ روپے ملتے ہیں یا خانگی میں جہاں زائد رقم ملتی ہے۔تو اب حضرت والا سے جواب شافی مطلوب ہے۔خانگی میں زائد رقم سے پاؤنڈ کو بٹوانا جائز ہے یا نہیں۔

(الجواب) سرکاری مقرر و متعین قیمت تیرہ روپے پچیس پیسے سے زائد رقم لینا بعض علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے اور بعضے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔لہذا زیادہ لینے کی گنجائش ہے۔مگر نہ لینا اولیٰ اور بہتر ہے۔سرکاری جرم ہونے کی وجہ سے کبھی مستحق سزا ہونے کا اور ذلیل و رسوا ہونے کا اندیشہ ہے۔ جس سے خود کو بچانا ضروری ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پھٹے ہوئے نوٹ کو اچھے نوٹ سے کمی بیشی کے ساتھ بدلنا:

(سوال ۲۴۷) پھٹے ہوئے نوٹوں کو اگر اچھے نوٹوں سے بدلنا ہوتو کمی بیشی کے ساتھ بدل سکتے ہیں یا نہیں امید ہے کہ جواب مرحمت فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) پھٹے ہوئے نوٹوں اور اچھے نوٹوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، جتنے پھٹے ہوئے نوٹ ہوں اتنے ہی اچھے نوٹ اس کا بدلہ میں ہونے ضروری ہیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اسی مجلس میں لین دین ہو جائے، ادھار معاملہ نہ ہو۔

ہدایہ اخیرین میں ہے وان کان الغالب علیھما (الدراھم والدنانیر) الغش فلیسا فی حکم الدراھم والدنانیر. الی . وان بیعت بجنسھا متفاضلا جاز صرفاً للجنس الی خلاف الجنس فھی فی حکم شیأ ین فضة وصفر لکنه صرف حتی یشترط القبض .الی. قال رضی اللہ عنه ومشائخنا لم یفتوا بجواز ذلک فی العدالی والغطار فة فانھا اعز الا موال فی دیار نا فلوا بیح التفاضل فیه ینتفع باب الربو ا (خط کشیدہ عبارت قابل غور ہے) (ھدایه اخیرین ص ۹۳ کتاب الصرف)

عصر حاضر کے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ اب نوٹ ثمن حقیقی کے مشابہ ہے۔فتاویٰ محمودیہ میں ہے ”یہ اس وقت کا حکم ہے جب چاندی کا روپیہ عام طور پر ملتا تھا اب روپیہ عام طور پر زیادہ مقدار میں نہیں ملتا سب جگہ نوٹ ہی چالو

ہے، لہذا اب نوٹ ہی بمنزلہ سکہ کے ہے اوراس کے ذریعہ سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جاتی ہے۔ فقط (فتاوی محمودیہ حاشیہ نمبرا ص ۵۹ ج ۳، کتاب الزکوٰۃ)

''اہم فقہی فیصلے'' میں ہے۔

(۱) کرنسی نوٹ سند وحوالہ نہیں بلکہ ثمن ہے اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹ کی حیثیت زر اصطلاحی وقانونی کی ہے۔

(۲) عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعۂ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر ثمن خلقی (سونا چاندی) کی جگہ لے لی ہے اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے لہذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار (اہم فقہی فیصلے ص ۱۷، دوسرا فقہی سمینار، ناشر اسلامک فقہ اکیڈمی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ۔

بیع کو موسم میں ادا کرنے کے وعدہ پر قیمت پہلے لینا کیسا ہے:

(سوال ۲۴۸) کاشت کار تاجروں سے روپے اس شرط پر لیتے ہیں کہ موسم میں غلہ وغیرہ فلاں قیمت سے ادا کریں گے۔ تاجر بھی اپنی مرضی کی قیمت سے غلہ وصول کرنے سے پہلے روپے دے دیتے ہیں جسے بیع سلم کہتے ہیں تو کیا یہ بیع جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ معاملہ اس طرح درست نہیں ہے کہ اناج اوراس کی ادائیگی کی تاریخ وغیرہ کوئی چیز متعین ومقرر نہیں۔[1]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وشرطه ای شروط صحته التی تذکر فی العقد سبعة بیان جنس، کبر او تمر وبیان نوع کمسقی وبعلی وصفة کجید او ردئ وقدر ککذا کیلا لاینقبض ولا ینحفط واجل واقله فی المسلم، شهر به یفتی. درمختار مع الشامی باب المسلم ج ۵ ص ۲۱۴.

بیع باطل وفاسد ومکروہ

گندا انڈا خریدنے کے بعد واپس دینا:

(سوال ۲۴۹) انڈا خریدنے کے بعد توڑا تو وہ گندا نکلا۔ اب واپس دے کر پیسے لینا کیسا ہے؟

(الجواب) جائز ہے! یہ انڈا کسی کام کا نہیں تھا تو اس کی بیع باطل ہوئی۔ لہذا جو قیمت دی تھی وہ واپس لے سکتا۔ ''ہدایہ آخرین'' میں ہے۔ من اشتری بیضا او بطیخا او قثاء او خیاراً او جوزاً فکسرہ فوجدہ فاسداً فان لم ینتفع بہ رجع بالثمن لانہ لیس بما ل فکان البیع باطلاً.اھ (باب البیع الفاسد ص ۲۷)ھدایۃ آخرین مجتبائی۔

مردار کے چمڑے کی بیع درست ہے یا نہیں :

(سوال ۲۵۰) مردار جانور کی کھال اتار کر اس کو فروخت کرنا اور اس کی قیمت استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مردار جانور کی کھال دباغت کے بعد بیچ سکتے ہیں اور اس کی قیمت استعمال کر سکتے ہیں۔ دباغت سے پہلے مردار کی کھال ناپاک ہے اس کو فروخت نہیں کر سکتے۔ فروخت کرے تو قیمت اپنے استعمال میں نہ لے، غریب محتاجوں کو صدقہ کردے۔ ھدایہ میں ہے۔ ولا بیع جلود المیتۃ قبل ان تدبغ لانہ غیر منتفع بہ قال علیہ السلام لا تنتفعوا من المیتۃ باھاب وھو اسم لغیر المدبوغ علی ما مر فی کتاب الصلوٰۃ ولا باس ببیعھا والانتفاع بھا بعد الدباغ لا نھا طھرت بالدباغ (ھدایہ ج۳ ص ۳۹ باب البیع الفاسد)

مردار کی خرید وفروخت جائز نہیں:

(سوال ۲۵۱) بمبئی میں بھینسوں کے جائے قیام میں مردہ بھینسیں اور ان کے بچوں کو اٹھانے اور نکالنے کے لئے ایسا بندوبست کیا گیا ہے کہ مردار بردار (مردہ جانور اٹھالے جانے والے) کچھ رقم جائے قیام کے شرکاء یا مالک کو دے دیتے ہیں اور پورے سال کا کانٹراک کر لیتے ہیں۔ یہ رام غیر مسلم تو لیتے ہیں مگر مسلمانوں کے لئے چونکہ مردار کی بیع حرام ہے یہ لوگ یہ رقم نہیں لے سکتے ہیں۔ بنابریں مسلم پیشہ ور اپنی بھینسوں کو بلا عوض کنٹراکٹر کو دے دیتے ہیں اور اپنی فرصت سے مردار اٹھواتے ہیں تاخیر ہونے کی وجہ سے تعفن زیادہ ہوجاتا ہے۔ لہذا اس کے بارے میں حضرت والا رہنمائی فرماتے ہیں۔ کہ یہ رقم لے کر غرباء کو دے سکتے ہیں؟ پیشاب خانہ یا چوراہا، اوٹا، جو عام لوگوں کے استعمال کے لئے ہو یا راستہ بنانے وغیرہ رفاء عام کے کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں۔

(الجواب) بےشک مردہ جانوروں کی بیع کرنا یا خورد نوش کے لئے کسی کو دینا جائز نہیں ہے، حرام ہے۔ مردار کی بیع باطل ہے واذا کان باحد العوضین او کلا ھما محر ما فا لبیع فاسد کالبیع بالمیتۃ (وقولہ بیع المیتۃ والدم والخمر باطل لانھا لیست اموالا (ھدایہ ج ۳ ص ۳۳ ایضاً)

صورت مسئولہ میں مزدوری دے کر مزدوروں سے مردار اٹھانے کا الگ بندوبست ہوسکتا ہو تو ایسا کرنا لازم

ہے۔ مگر جب یہ ممکن نہ ہو اور مجبوراً قیام گاہ کے شرکاء کے ساتھ شریک ہونا ہی پڑے تو وہ رقم کسی غریب مجبور محتاج کو دے دینی ضروری ہے، رفاہ عام کے طام میں بھی لسا سکتے ہیں، مردار جانوروں کے چمڑے دباغت کے بعد بیچ سکتے ہیں اور کام میں لے سکتے ہیں۔ قبل از دباغت ناجائز ہے۔ **ولا بیع جلود المیتة بل ان تدبغ لانه غیر منتفع به قال علیه السلام ولا تنتفعوا من المیتة باهاب هو اسم لغیر المدبوغ الخ (هدایه ج۳ ص۳۹ باب البیع الفاسد فقط واللہ اعلم بالصواب .**

سور کے بال کے برش بیچنا:

(سوال ۲۵۲) ہمارا برش بنانے کا کارخانہ ہے برش سور کے بال سے بنتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بال بیچنے والے زندہ سور کے بال کاٹتے ہیں اور ان کو پانی اور دوا سے پانچ مرتبہ دھوتے ہیں، ہم ان بالوں کو خرید کر دوبارہ گرم پانی میں رنگتے ہیں اور پھر اس سے برش بناتے ہیں، وہ برش گھر کی دیواریں، کھڑکیاں، دروازے وغیرہ رنگنے کے کام میں استعمال ہوتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ سور کے بال کے برش بنا کر بیچنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر ہم دوسروں سے تیار برش خرید کر دوسروں کو بیچیں تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱،۲) ظاہری روایت اور صحیح قول کے مطابق سور کے بال بیچنا جائز نہیں ہے، اس کو بیچ کر جو ثمن حاصل ہوگا وہ ثمن بائع (بیچنے والے) کے لئے حلال اور طیب نہ ہوگا چاہے اپنے کارخانہ میں سور کے بال کے برش بنا کر بیچیں یا کسی اور جگہ سے تیار برش خرید کر بیچیں، ہدایہ اخیرین میں ہے **(ولا یجوز بیع شعر الخنزیر لانه نجس العین فلا یجوز بیعه اهانة له ویجوز الانتفاع به للخرازین للضرورة فان ذلک العمل لا یتأتی بدونه ویوجد مباح الاصل فلا ضرورة الی البیع .....الخ (هدایه آخرین ص ۳۹ باب البیع الفاسد)**

درمختار میں ہے **(وشعر الخنزیر) لنجاسة عینه فیبطل بیعه ابن کمال وان جاز الانتفاع به ضرورة الخرز حتی لو لم یوجد بلا ثمن جاز الشراء للضرورة وکره البیع فلا یطیب ثمنه الخ (درمختار مع شامی ص ۱۵۶ ،ص۱۵۷ ج۴ کتاب البیوع باب البیع الفاسد)**

بدائع الصنائع میں ہے **واما عظم الخنزیر وعصبه فلا یجوز بیعه لانه نجس العین واما شعره فقدروی انه طاهر والصحیح انه نجس لا یجوز بیعه لان جزء منه الا انه رخص فی استعماله للخرازین للضرورة (بدائع الصنائع ص ۱۴۲ ج۵، کتاب البیوع فصل واما الذی یرجع الی المعقود علیه فانواع)**

اس لئے اگر کوئی شخص اس میں مبتلا ہے تو وہ اس کی تجارت ترک کردے، اگر یکلخت ترک کرنا دشوار ہو تو بتدریج جتنا ہو سکے جلد سے جلد اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے اور دوسری حلال روزی کا انتظام کرے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔

(۸۳۱) فرمایا کہ شیوخ مباحات میں قلیل قلیل چھڑاتے ہیں مگر معاصی میں قلیل قلیل کسی نے نہیں چھڑایا

لیکن میں تو وعظ میں یہ کہہ دیتا ہوں (اللہ تعالیٰ معاف کرے نیت بری نہیں) کہ ایک گناہ تو وہ ہیں کہ جن کو اگر چھوڑ دیا جائے تو آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے مثلاً داڑھی منڈانا، ٹخنہ ڈھکنا اگر ان کو چھوڑ دے تو کوئی کام تو نہیں اٹکتا ایسوں کو تو فوراً چھوڑ دینا چاہئے، اور بعضے ایسے ہیں کہ جن کے چھوڑنے کے بعد کچھ کلفت و تنگی ہو مثلاً رشوت لینا کہ صاحب بال بچے بہت ہیں اتنی تنخواہ میں گذر ہو نہیں سکتی تو ایسے گناہوں کے بارے میں تو کہہ دیتا ہوں کہ رفتہ رفتہ ہی چھوڑ دو، نیت یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح تو چھوڑ دیں، جن سے ایک دم چھوڑنے کی امید نہیں بلکہ اگر ان پر اس کا زور ڈالا جائے تو وہ تمام عمر بھی نہ چھوڑیں، اور ایک طریقہ گناہ ہوں کے چھوڑنے کا یہ بتلایا کرتا ہوں کہ مکان میں کیواڑ بند کر کے سوتے وقت روز حق تعالیٰ سے دعا کیا کرو، یا اللہ میں بڑا کم بخت ہوں، نالائق اور پاجی ہوں، غرض خوب سخت سخت اپنے لئے استعمال کر کے کہو کہ یا اللہ میری ہمت تو ان کے ترک کے لئے کافی نہیں آپ ہی مدد فرمائیں دیکھو انشاء اللہ ایک ہی دو ہفتہ میں سب گناہ ختم، مگر کوئی کرتا ہی نہیں جیسے کوئی سبق یاد نہ کرے اور میاں جی سے کہے تمہیں سبق یاد کرلیا کرو۔ (از وصیۃ العرفان، کمالات اشرفیہ ص ۳۶ شمارہ نمبر ۸ صفر ۱۴۱۵ھ مطابق اگست ۱۹۹۴ء جلد نمبر ۱۷) فقط۔

(۱) ادھار معاملہ میں ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین نہ کی تو کیا حکم ہے؟
(۲) بیع فاسد کو فسخ کرنے کا اختیار کس کو ہے؟:

(سوال ۲۵۳) ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین کا سودا ایک شخص کے ساتھ کیا اور یہ طے کیا کہ نصف رقم مشتری (خریدار) اس وقت ادا کرے اور نصف رقم اس وقت ادا کرے گا جب کہ یہ زمین منجانب حکومت نا قابل کاشت (یعنی N.A.) قرار دی جائے گی نا قابل کاشت کتنی مدت میں قرار پائے گی اس کا تعین مشکل ہے، اس طرح معاملہ طے ہو گیا مشتری نے نصف رقم وعدہ کے مطابق ادا نہیں کی اور زمین ابھی تک N.A. نہیں ہوئی ہے، اس حالات میں بائع اگر یہ سودا فسخ کرے تو گنہگار ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ادھار معاملہ کرنا جائز تو ہے لیکن ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین ہونا ضروری ہے، اگر مدت مقرر نہ کی جائے تو بیع فاسد ہو جاتی ہے، درمختار میں ہے (وصح بثمن حال) وهو الاصل (ومؤجل الى معلوم) لئلا يفضى الى النزاع (درمختار مع رد المحتار ص ۳۰، ص ۳۱، كتاب البيوع.

ہدایہ اخیرین میں ہے۔ ويجوز البيع بثمن حال و مؤجل اذا كان الاجل معلوماً...... ولا بدان يكون الاجل معلوماً لان الجهالة فيه مانعة عن التسليم الواجب بالعقد فهذا يطالبه به فى قريب المدة وهذا يسلم فى بعيدها (هدايه اخيرين ص ۴ كتاب البيوع)

عالمگیری میں ہے: فمنها معلومية الاجل فى البيع بثمن مؤجل فيفسد ان كان مجهولا (عالمگیری ص ۲ ج ۴ كتاب البيوع، باب ۱.)

صورت مسئولہ میں نصف ثمن کی ادائیگی کے لئے جو مدت مقرر کی گئی ہے وہ مدت متعینہ نہیں ہے، مجہول ہے کہ زیادہ ہو سکتی ہے، لہٰذا مذکورہ معاملہ فاسد ہے، ولا يجوز البيع الى قدوم الحاج و كذلك الى الحصاد والدياس والقطاف والجزاز لانها تتقدم وتتأخر (هدايه اخيرين ص ۴۵ باب البيع فاسد) (بهشتى

زیور حصہ پنجم ص ۷، ص ۸)

سوال میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ زمین فی الحال کس کے قبضہ میں ہے، اگر زمین بائع (مالک زمین) کے قبضہ میں ہے تو بائع مشتری دونوں میں سے ہر ایک کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے، اور بیع فاسد چونکہ شرعاً واجب الفسخ ہوتی ہے، لہذا اس صورت میں اگر بائع فسخ کردے گا تو وہ گنہگار نہ ہوگا، اور اگر زمین مشتری (خریدار) کے قبضہ میں ہو، اور زمین علیٰ حالہ موجود ہو اس پر نہ عمارت بنائی ہو، نہ درخت لگائے ہوں تو اس صورت میں بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق ہر ایک کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے، کہ بیع فاسد واجب الفسخ ہوتی ہے، لہذا بیع فسخ کرنے کا ہر ایک کو اختیار ملنا چاہئے، بائع اگر بیع فسخ کرے تو مشتری کو اس کی اطلاع دے دے۔

عینی شرح کنز میں ہے: (ولکل واحد منهما) ای من المتبا یعین فی البیع الفاسد (فسخه) ای فسخ البیع قبل القبض بعلم صاحبه لان البیع الفاسد لا یفید الملک قبل القبض فکان بمنزلة البیع الذی فیه اخیار فکان کل منهما بسبیل من فسخه من غیر رضا الا خر لکنه یتو قف علی علمه لا ن فیه الزام الفسخ له فلا یلزمه بدون علمه ، واما بعد القبض فان کان الفساد فی صلاة العقد بان کان راجعاً الی احد البدلین کا لبیع بالخمر و الخنزیر فکذٰلک ینفرد احد هما بالفسخ لقوة الفساد، وان کان بشرط زائد بان با ع الی اجل مجهول اوغیره مما فیه منفعة لاحد هما یکون لمن له منفعة الشرط الفسخ دون الآخر عند محمد وعند هما لکل منهما فسخه فیفسخه بعلم صاحبه فی الکل وعند ابی یوسف رحمه الله لا یشترط علمه قال الشارح رحمه الله معنی قوله ولکل منهما فسخه لا ن رفع الفاسد واجب علیهما الخ (عینی شرح کنز، ص ۲۶ ج ۲ فصل فی بیان احکام البیع الفاسد)(عنایه شرح هدایه ص ۴۶۵، ص ۴۶۶ مع فتح القدیر ج ۶)

درمختار میں ہے:۔ ویجب (علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض) ویکون امتنا عاً عنه ابن ملک (او بعده مادام) المبیع بحاله جو هرة (فی ید المشتری) اعداما للفساد لانه معصیة فیجب رفعها بحر ولذا (لا یشترط فیه قضاء قاض) لان الواجب شرعاً لا یحتاج للقضاء (درمختار مع رد المحتار ص ۱۷۳ ج ۴ باب البیع الفاسد)

الاختیار شرح المختار میں ہے: (لکل واحد من المتعا قدین فسخه) ازالة للخبث ورفعاً للفساد (ویشترط قیام المبیع حالة الفسخ) لان الفسخ بدونه محال الخ (الاختیار لتحلیل المختار ص ۲۲ ج ۲ قبیل مطلب رد المشتری فاسدا الی بائعه فلم یقبله)

کنز الدقائق میں ہے: ولکل منهما فسخه الا ان یبیع المشتری او یهب او یحرر او یبنی.

بحر میں ہے (قوله ولکل منهما فسخه) ای یجوز لکل من البائع والمشتری فی البیع الفاسد فسخه رفعاً للفساد ...... الخ (بحر الرائق ص ۹۴ فصل فی بیان احکام البیع الفاسد ج ۶)فقط والله اعلم بالصواب .

دودھ ڈیری میں دودھ کی فروخت کا طریق کار اور اس کا حکم:

(سوال ۲۵۴) ہمارے علاقہ میں دودھ کی ڈیریوں والے چاہے سرکاری ڈیریاں ہوں یا پرائیویٹ سب ہی کا یہ عمل ہے کہ گاہک کے پاس سے دودھ لیتے وقت ایک شیشی اس دودھ میں سے بھر لیتے ہیں، پھر گاہک سے لیا ہوا دودھ ناپ کر کین (CAN) میں ڈال دیتے ہیں، اس کے بعد شیشی والے دودھ کو مشین میں ڈال کر جائزہ لیتے ہیں اس میں گھی (کریم) کا تناسب کتنا ہے، اس کو گجراتی زبان میں فیٹ نکالنا کہتے ہیں غرض دریافت طلب امر یہ ہے کہ دودھ کا فیٹ، دودھ ناپ کر کین میں ڈال دینے اور مالک دودھ کے چلے جانے کے بعد نکالا جاتا ہے، کسی بھی گاہک کو دودھ دیتے وقت اپنے دودھ کی قیمت معلوم نہیں ہوتی، بعد میں جب فیٹ نکالا جائے تو رجسٹر میں ہر گاہک کے کھاتہ میں اس سے خریدے ہوئے دودھ کی قیمت لکھ دی جاتی ہے۔

صورت مذکورہ بالا میں دودھ دیتے وقت گاہک کو معلوم نہیں ہوتا کہ میرا دودھ کس قیمت سے خریدا جارہا ہے، ثمن میں یقیناً جہالت ہوتی ہے، لیکن یہ جہالت مفضی الی لنزاع نہیں ہوتی، گاہک کو فیٹ نکالنے کے بعد اپنے دودھ کی جو بھی قیمت طے ہو وہ منظور ہوتی ہے...... کیا یہ شکل درست ہے؟ اگر نہیں تو جواز کی کیا شکل ہے؟ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً! اصل حکم تو یہی ہے کہ بیع کے وقت ثمن متعین ہو جانا چاہئے، جہالت ثمن کو فقہاء رحمہم اللہ نے مفسد بیع قرار دیا ہے لہذا صورت مسئولہ میں ایسی صورت اختیار کریں کہ جہالت ثمن نہ رہے ڈیری والے اگر اس پر آمادہ نہ ہوں تو اپنے طور پر دودھ بیچنے کا انتظام کریں، یہی اصل حکم ہے، اور شک وشبہ سے بالکل پاک ہے، البتہ اگر اس طرح عمل کرنے میں ناقابل برداشت خسارہ ہوتا ہو، دودھ خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو اور ابتلاء بالکل عام ہو اور اس کے علاوہ کوئی صحیح صورت نہ ہو اور دودھ دینے والوں کو ڈیری والوں پر اطمینان ہو کہ وہ مال کے مطابق صحیح ثمن متعین کریں گے خیانت نہیں کریں گے اور دودھ دینے والوں کو ان کے مقرر کردہ ثمن پر مکمل اعتماد ہو اور ثمن کی جہالت مفضی الی النزاع نہ ہو تو بالکل آخری درجہ میں اس کو گوارہ کیا جاسکتا ہے، مگر صحیح طریقہ کی تلاش اور اس پر عمل کرنے کی نیت رہے اور اس کے لئے کوشش بھی جاری رہے...... آج کل ایسے آلات دستیاب ہیں جن سے بہت جلد دودھ کی صحیح نوعیت معلوم کی جاسکتی ہے، ڈیری والوں کو مسئلہ سے واقف کر کے صحیح طریقہ پر عقد کرنے کی کوشش جاری رکھنا چاہئے، جب تک صحیح طریقہ جاری نہ ہو بوجہ مجبوری موجودہ طریقہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

۲۷ جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ۔

---

(۱) قوله والا ثمان المطلقة لا يصح الا ان تكون معروفة القدر والصفة صورة المطلقة ان يقول اشتريت منك بفضة او بحنطة او بذرة ولم يعين قدر او لا صفة وفي الينا بيع صورته ان يقول بعت هذا منك بثمن او بما يساوى فيقول اشتربت فهذا لا يجوز حتى يبين قد الثمن وصفته فالقدر مثل عشرة او عشرين والصفة مثل بخارى الخ حوالے کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جائے گا کہ بیع فاسد ہے البتہ اگر ڈیری والے اور مالکان قیمت متعین کردے اور اس شرط پر بیع کرلے کہ اگر دودھ کو اسی صفت پر پایا جس کے ہم خواں ہیں تو سودہ کو نافذ کردیں گے ورنہ واپس کرنے کا اختیار ہوگا، تو یہ جواز کی صورت ہے ڈیری والے کو دودھ چیک کرنے کا موقع مل جائے گا اور قیمت کی تعیین بھی ہو جائے گی۔ از مرتب۔

دودھ سے بالائی نکال کر بیچنا کیسا ہے :

(سوال ۲۵۵) دودھ سے بالائی نکال کر دودھ کو علیحدہ فروخت کرے تو کیا حکم ہے ۔؟

(الجواب) دودھ خدائے پاک کی بڑی عمدہ نعمت ہے ۔خالص دودھ میں جو لذت ہے وہ اس میں نہیں رہتی ۔لہذا اس کو اس طرح بگاڑ کر بیچنا مخلوق خدا کو خالص چیز سے محروم کرنے اور کفران نعمت کے برابر ہے ۔ہاں اگر ظاہر کردے اور اس بنا پر قیمت بھی کم کردے اور دھوکا نہ دے تو جائز ہے ۔ فقط ۔ واللہ اعلم بالصواب

متفرقات فی البیوع

عورتوں کا دکان پر بیٹھ کر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں :

(سوال ۲۵۶) تبلیغی جماعت میں باہر جانا ہوتا ہے۔ یا کسی وجہ سے باہر جانا ہوتا ہے تو مرد کی عدم موجودگی میں عورتیں تجارت کرتی ہیں تو شرعی حکم کیا ہے؟ عورتیں تجارت کرسکتی ہیں؟ اسلامی حکم کیا ہے؟ ان کے تجارت کے منافع میں کوئی حرج تو نہیں؟

(الجواب) عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ بے حجاب ہو کر دکان پر بیٹھ کر غیر محرم کے ساتھ تجارت کریں۔ ان کے مرد تبلیغی جماعت میں جائیں یا حج کو یا کسی اور مقصد سے سفر کریں، یا کسی بھی وجہ سے غائب رہیں بے حجابی اور بے پردگی کسی بھی حالت میں جائز نہیں۔

قرآن پاک کی آیات اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور خود سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا عمل، حضرات صحابۂ کرامؓ تابعین اور اتباع تابعین یعنی جملہ حضرات سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ عورتوں پر پردہ فرض ہے۔ بے پردگی حرام ہے۔ اس طرح کی بے حجابانہ دوکانداری میں دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔

قرآن پاک کی آیات:

لا تبرجن تبرج الجاهلية الاولیٰ.(سورۂ احزاب) بے پردہ سامنے نہ آؤ۔ جیسا کہ پہلی جاہلیت میں (عورتیں) سامنے آتی تھیں! یعنی۔ یہ بے حجابی اور بے پردگی صرف دور حاضر کا فیشن نہیں ہے بلکہ اسلام سے پہلے یہ فیشن رائج تھا اور بہت دلکش اور بہت مقبول تھا۔ اور اس جاہلیت کو اولیٰ (پہلی) فرما کر اشارہ اشارہ میں یہ پشینگوئی فرمادی گئی کہ ایک اور جاہلیت (جاہلیت اخریٰ) آئے گی۔ یعنی اس طبقہ کا بے حجابانہ فیشن پھر بھی رواج پائے گا (آج یہ جاہلیت اخریٰ ہی ہے)

بہر حال عورتیں دکان پر بیٹھیں" یا کسی کلب میں یا تفریح گاہ میں جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا پر ہیبت اور بارعب ارشاد سب جگہ کے لئے یکساں۔"" لاتبرجن۔" دکھاتی نہ پھر و سامنے نہ آؤ۔

(۲) حکم یہ ہے۔" **وقرن فی بیوتکن** " (گھروں میں قرار سے ہو) (سورۂ احزاب ع ۴)

(۳) کوئی چیز یعنی دینی ہو تو اس کے متعلق ارشاد خداوندی یہ ہے۔ **اذا سئالتمو هن متاعاً فاسئلو هن من وراء حجاب** (سورۂ احزاب . ع) ان سے کوئی چیز مانگو تو مانگو پردہ کی آڑ سے۔ (یہ صورت تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔)

(۴) بے شک ضرورت کے وقت عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ مگر اس طرح کہ بڑی چادر میں وہ تمام لپٹی ہوئی ہوں۔ اور چہروں پر چادریں لٹکی ہوئی ہوں۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔" **یدنین علیهن من جلابیبهن**" (سورۂ احزب ع ۸) لٹکائے رکھیں اپنے اوپر (چہروں پر) اپنی چادروں کا کچھ حصہ۔

اسی ضرورت کے سلسلہ میں حالت احرام میں عورتوں کے چہرے کا مسئلہ ہے۔ حالت احرام میں عورتوں کو

چہرہ کھلا رکھنا ہوگا۔لیکن اگر کوئی غیر مرد سامنے آجائے گا تو گھونگھٹ کر لینا ضروری ہوگا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے۔" کان الرکبان یمرون بنا ونحن محرمات مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبابها من رأسها علیٰ وجهها فاذا جاوزوا فکشفناه" (ابو داؤد شریف کتاب الحج باب فی المرأة تغطی وجهها ص ۲۶۱ ج ۱ مجتبائی) ترجمہ۔قافلے ہمارے سامنے سے گذرا کرتے تھے۔اور ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ احرام باندھے ہوئے ہوتیں جب وہ قافلے والے ہمارے سامنے آتے تھے۔تو ہر ایک عورت اپنی بڑی چادر کے کنارے کو اوپر سے سر کا کر نیچے کر لیا کرتی تھی اور جب سامنا ختم ہو جاتا اور قافلے والے گذر جاتے تو چہرہ کھول لیا کرتی تھی۔

آیات کا خطاب:

ان آیات کا براہ راست خطاب حضرت اُمہات المؤمنین (یعنی) آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات) سے ہے۔لیکن ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کو کہ جن کو مسلمانوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے کہ ان کا احترام فرض اور واجب اور ان سے نکاح کرنا حرام۔ان کو یہ حکم ہے تو عام عورتوں کا یہ حکم کیوں نہ ہوگا؟ وہ دوکانوں پر بیٹھ کر مردوں سے گفتگو کرنے کے لئے کس طرح مستثنیٰ ہوسکتی ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ پردہ تقاضا ،حیا ہے۔اور حیاء فطرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں داخل ہے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ الا خمس من سنن الا نبیاء (المرسلین) الحیاء ، والتعطر ،الحدیث .نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔" الحیاء شعبة من الا یمان ."حیاء ایمان کی شاخ ہے۔پس بے پردگی ان لوگوں میں ہے جو نور نبوت سے محروم ہیں اور جو مؤمن نور نبوت سے بہرہ اندوز ہیں،ان کے یہاں پردہ لازم ہے۔......آیات کے بعد احادیث کا مطالعہ کیجئے۔

ارشادات رسول اللہ ﷺ:

(۱) المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان (ترمذی شریف کتاب النکاح ص ۱۴۰ ج ۱) یعنی عورت سراسر پردہ ہے۔(ایک ایسی شے ہے کہ اس کو چھپانا ضروری ہے) کیونکہ جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔(اور اس کو تاکتا رہتا ہے کہ کس طرح اس کو پھنسائے)

(۲)اسی بناء پر ارشاد ہوا۔" لعن اللہ الناظر ، والمنظور ، الیه " (عن الحسن مرسلاً مشکوٰة ص ۲۷۰ باب النظر الی المخطوبة) یعنی اللہ تعالیٰ کی لعن ہے۔نظر ڈالنے والے پر اور اس پر جس کی طرف نظر دوڑائی جائے۔

(۳)اور یہ لعنت اس لئے ہے کہ" نظر ڈالنا" ایک طرح کا زناء ہے۔ارشاد گرامی ہے۔العینان زناهما النظر (مسلم شریف ص ۳۳۶ ج ۲ باب قدر علی ابن آدم حفظه من الزنا وغیره)(ابو داؤد شریف ص ۲۹۹) آنکھوں کا زنا نظر ہوتا ہے۔

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ ان المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان۔" (مسلم شریف بحوالہ مشکوۃ شریف باب النظر الی المخطوبة) عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت میں پیٹھ پھیر کر جاتی ہے۔ یعنی ہر ایک رخ میں شیطانی جذبات ابھرتے ہیں۔ اور براخیالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۵) انہی فتنوں کی بناء پر حکم یہ ہے۔" لیس لنساء نصیب فی الخروج الا مضطرة (طبرانی) یعنی: صرف مجبوری اور اضطرار کی صورت مستثنیٰ ہے۔ مجبوری اور اضطرار نہ ہوتو عورتوں کو باہر نکلنے کا کوئی حق نہیں۔

یہ ہیں آنحضرت ﷺ کے ارشادات۔ جہاں تک عمل کا تعلق ہے۔ تو مشہور واقعہ ہے۔ جو صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو ان کے سوتیلے بھائی (جو باندی کے بطن سے تھے) سے پردہ کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ سوتیلے بھائی سے پردہ نہیں ہوتا یہ حکم صرف اس بناء پر دیا تھا کہ شبہ ہو گیا تھا کہ وہ نطفہ غیر سے ہے (بخاری شریف ص ۹۹۹ باب الولد للفراش الحرة کانت او امة باب من ادعیٰ اخا او ابن أخت ص ۱۰۰۱) وکان الحسن یقول اتدعون نسائکم لیز احمن العلوج فی الاسواق قبح اللہ من الا بغا ر (احیاء العلوم ص ۴۸ ج ۲) ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کیا تم عورتوں کو چھوڑ دیتے ہو کہ وہ بازاروں میں ذمیوں کے ہجوم میں گھسیں۔ اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جس میں غیرت نہ ہو۔

مجالس الابرار میں ہے۔ عورت جب تک مردوں سے چھپی رہے اس کا دین محفوظ رہے گا۔ جب کہ سرور کائنات ﷺ نے اپنی لخت جگر پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ عورت کے لئے خوبی کی کیا بات ہے لاڈلی بیٹی نے (جو سیدۃ نساء اہل الجنۃ تھیں) جواب دیا کہ نہ وہ کسی مرد کو دیکھے اور نہ اسے کوئی مرد دیکھے۔

فالمرأة کلما کانت مخفیة من الرجال کان دینها اسلم .لما روی انه علیه السلام قال لا بنته فاطمة رضی اللہ عنه ای شئ خیر للمرأة قالت رضی اللہ عنه ان لا تری رجلاً ولا یرها رجل. (مجلس ص ۹۸. ۵۶۳)

خلاصہ یہ کہ تبلیغی کام کی وجہ سے بھی عورتوں کو دکان پر بیٹھنے کی، بے پردہ ہونے کی، اور غیر محرم سے باتیں کرنے کی، اسلامی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ عورت نماز میں قراءت بالجہر نہیں کر سکتی۔ عورت حج میں "لبیک" زور سے نہیں کہہ سکتے، تو دکان پر بیٹھ کر غیر محرم کے ساتھ آزادی کے ساتھ باتیں کرنے کی اجازت کیوں کر ہو سکتی ہے اگرچہ کمائی ہوئی رقم حرام نہیں ہے۔ لیکن کمائی کا طریقہ ناجائز اور گناہ کا باعث ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خریدتے وقت چیزیں چکھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۵۷) تاجر کے پاس کھانے کی چیزیں آم، خربوزہ، تربوز، وغیرہ کا چکھنا کیسا ہے

(الجواب) اس کی تین صورتیں ہیں (۱) خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو منع اور مکروہ ہے۔ نقصان کا بدلہ دے (۲) خریدنے کا عزم تھا، چکھنے کے بعد پسند آئی ہے پھر ارادہ بدل گیا تو نقصان کا بدلہ دے یا مالک سے معافی چاہے۔ (۳) چکھنے کے بعد

پسند نہ آیا۔ تو نہ خریدنے میں کوئی حرج نہیں۔ [1] . فقط و اللہ اعلم بالصواب .

فروخت کردہ دکان میں خریدار شراب فروشی کرے تو کیا حکم ہے۔

(سوال ۲۵۸) (۱) ایک مسلمان نے اپنی دکان ہندو کو فروخت کردی۔ ہندو خریدار نے شراب کا کاروبار شروع کیا ہے تو کیا اس حالت میں بیچنے والا مسلمان مجرم اور گنہگار ہوگا؟

(۲) میرے ایک عزیز نے جو پابند شرع، ہیں، پاسپورٹ کی ایجنسی کرتا ہے۔ فی پنجر دس، پندرہ ہزار روپے لیتا ہے۔ حالانکہ اس کا صرفہ پانچ سو، ہزار ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں معتدبہ منافع سے زائد نفع لینا کیسا ہے؟ اور اس طرح زیادہ رقم لینا حلال ہے؟

(۳) ایک آدمی اسمگلنگ کر کے غیر ممالک سے چیزیں حاصل کرتا ہے۔ اور اسے فروخت کر کے نفع حاصل کرتا ہے ایسا شخص خیرات کر کے مسجد و مدرسہ میں کوئی رقم دے۔ یا کوئی چیز خرید کر کے دے وے تو کیا یہ حلال ہے؟ اور وہ شخص اجر و ثواب کا حق دار ہے یا نہیں؟

(الجواب) (۱) مسلمان نے جب دکان شراب فروشی کے لئے نہیں دی، شراب فروشی ہندو کا فعل اور پیشہ ہے۔ مسلمان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ لہذا یہ گنہگار نہیں ہے۔

(۲) جب فریب بازی سے یہ روپے حاصل نہیں کئے ہیں تو یہ مال حرام نہیں ہے البتہ زیادہ منافع لینا خلاف مروت ہے اور ایک قسم کی زیادتی اور ظلم ہے۔

(۳) جائز طریقہ سے کمایا ہوا مال حلال ہے اور اسے مدرسہ اور مسجد میں دینا موجب ثواب ہے مگر سرکاری قانون کی خلاف ورزی کر کے اپنے کو حکومت کا مجرم بنانے اور اس طور پر خود کو ذلیل کرنے کی بھی شرعاً اجازت نہیں لہذا یہ پیشہ قابل ترک ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دکان کی پگڑی:

(سوال ۲۵۹) میں نے پگڑی دے کر دکان رکھی تھی، اب میں دکان دوسرے کو پگڑی لے کر دے سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس نے آپ کے پاس سے پگڑی لے کر دکان دی تھی۔ وہ ہی شخص آپ سے دکان لینا چاہے تو اس سے اتنی رقم آپ لے سکتے ہیں جتنی آپ نے دی ہے۔ دوسروں سے لینا جائز نہیں ہے۔ جو لوگ ہندوستان کو دارالحرب مانتے ہیں اور غیر مسلموں سے سود وغیرہ کے ذریعہ رقم لینا مباح سمجھتے ہیں وہ لوگ غیر مسلموں سے اس قسم کی رقم لینے کی گنجائش بتاتے ہیں۔ لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے بھی بچا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) اوکان المبیع طعاما فأکله او بعضه اوا طعمه عبده او مد بره اوام و لده او لبس الثوب حتی تخرق فأنه یرجع بالنقصان استحسانا عندهما وعلیه الفتویٰ وعنهما یرد ما بقی ویرجع بنقصان ما اکل وعلیه الفتویٰ درمختار مع الشامی باب خیار العیب مطب فیما لو اکل بعض الطعام

حق تصنیف اور حقوق طبع کے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات

از حضرت مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ سابق مفتی مدرسہ امینیہ۔ دہلی

(استفتاء ۲۶۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید بہت بڑا عالم دین ہے اس نے ایک ابتدائی مذہبی کتاب لکھی۔ جس میں بچوں کو سوال جواب کے طور پر عقائد واعمال کے ضروری مسائل سکھائے ہیں پھر وہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ بہت سے دینی مدارس میں داخل نصاب کر لی گئی اور بہت سے لوگوں (اہل علم وتجارت) نے اس کو چھپوا کر شائع کیا۔ مگر زید نے کبھی کسی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ زید کے انتقال کے بعد کچھ مدت گذرنے پر عمر نے اس کتاب کو بغرض اشاعت علم وتجارت چھپوایا۔ اس پر زید کے ورثاء مطالبہ کرتے ہیں کہ تمہاری اس کتاب کو چھپوانے سے ہماری تجارت کو نقصان پہنچا۔ تم نے بلا اجازت اس کو چھپوایا ہے۔ لہذا ہمارے نقصان کا ہرجانہ اتنے ہزار روپیہ ادا کرو۔ ورنہ ہم عدالت میں مقدمہ دائر کرتے ہیں کہ تم نے ہماری کتاب کو بلا اجازت چھپوالیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) کیا زید کے لئے خود یہ بات جائز تھی کہ وہ اپنی لکھی ہوئی دینی ضروری کتاب کی طباعت کے حقوق کو قانوناً محفوظ کرائے کہ کوئی دوسرا شخص نہ چھاپ سکے؟

(۲) کیا زید کے ورثاء کے لئے خود یہ بات جائز ہے کہ انتقال زید کے بعد دوسرے لوگوں کو اس کے چھاپنے سے منع کریں؟

(۳) کیا زید یا زید کے ورثاء کے لئے یہ بات درست ہے۔ کہ وہ حقوق طبع کسی پریس یا تاجر کے ہاتھ فروخت کردیں اور کیا شرعاً ایسی بیع درست ہوگی؟ اور اس بیع سے حاصل شدہ روپیہ جائز ہوگا؟ حق طبع مال متقوم ہے یا غیر متقوم؟ (والسلام فقیر محمد غلام مصطفیٰ وارثی)

(الجواب) اقول باللہ التوفیق ۔ یہ اجتہادی اور قیاسی مسئلہ ہے۔ قرون اولیٰ میں فن طباعت کا وجود نہ تھا اور نہ طباعت کے ساتھ مالی منفعت کے متعلق ہونے کا تصور تھا۔ لہذا اس کے بارے میں صراحۃً کوئی حکم مذکور نہیں ہے۔ لیکن اگر حق طباعت کو غیر متقوم اور مباح الاصل مان لیا جائے تب بھی ایسی کتاب جس کے ساتھ منصب کی مالی منفعت یا تجارتی مفاد وابستہ ہو۔ تو اس کو ہر کس وناکس کا بلا اجازت مصنف طبع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ بعض افعال ایسے ہیں کہ اصل کے لحاظ سے مباح ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ان کے کرنے میں دوسرے شخص کی حق تلفی اور ضرر کا امکان ہو تو ان کی اباحت ساقط ہوجاتی ہے۔ اور وہ ممنوع شرعی بن جاتے ہیں۔ مثلاً:۔

ایک مسلمان عورت کو نکاح کا پیغام دینے کی ہر مسلمان مرد ہم کفو کو اجازت ہے۔ لیکن پیغام پر پیغام دینا ممنوع ہے۔ یعنی اگر ایک مسلمان مرد نے ایک ہم کفو مسلمان عورت کو اپنے نکاح کا پیغام دے دیا ہو اور اولیاء کا نکاح کا کچھ رجحان بھی پایا جائے تو جب تک وہ عورت انکار نہ کردے دوسرے کسی مسلمان کے لئے یہ مباح فعل جائز نہ ہوگا۔ نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يخطب الرجل على خطبة اخيه. مشکوٰۃ باب اعلان النكاح والخطبة والشرط ص ۲۷۲.

ایک شخص کسی سے بھاؤ طے کرلے تو تیسرے شخص کو دام لگانے کا حق نہیں رہا۔ اپنے مکان کی چھت پر

پڑھنے اور ہوا کھانے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے۔ مگر جب دوسرے ...... لوگوں کے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہو۔ تو اس مباح کی اباحت نہیں رہے گی۔ (کفایۃ المفتی کتاب المضاربۃ الشرکۃ)۔

مسجد میں ہر جگہ بیٹھنا ہر نمازی کے لئے مباح ہے۔ کوئی مقام کسی شخص واحد کے لئے مخصوص نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی جگہ پر آ کر بیٹھ جائے اور اپنا کپڑا وغیرہ رکھ کر کسی ضرورت کے لئے اٹھے تو اس جگہ بیٹھنا دوسروں کے لئے ممنوع ہے۔ یعنی اس جگہ کو جب شخص واحد نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے تو دوسروں کے لئے اس کی اباحت نہ رہی۔ علامہ شامیؒ نے **باب مایفسد** میں **مطلب فیمن سبقت یدہ الی مباح** کے تحت مفصل طور پر بیان کیا ہے کہ کسی مباح کے ساتھ جب کسی شخص کا حق متعلق ہو جائے تو وہ دوسروں کے لئے مباح نہیں رہتا۔

کسی مصنف کی کتاب جو اس کی شب و روز کی شدید محنت کے بعد معرض وجود میں آتی ہے اس کو طبع کرنے کا سب سے پہلا حق خود مصنف کو حاصل ہے۔ اور اس کا مقصد علم کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ہی مصنف کے لئے مالی منفعت کا حصول بھی ہے۔ تو جب تک مصنف کا حق اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ دوسروں کا حق اس کے ساتھ متعلق نہ ہوگا۔ ایسے تاجران کتب جو مصنف کی طرف سے کتاب کی معتد بہ تعداد کی اشاعت کے باوجود اس کی کتاب کو بلا اجازت چھاپ لیتے ہیں وہ اس کتاب کی مقبولیت سے مالی اور تجارتی فائدہ حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ عذر نا مسموع ہے کہ انہوں نے علم کی اشاعت کے لئے ایسا کیا ہے۔ کیونکہ اگر ان کے دل میں علم کی وقعت اور اشاعت علم کا جذبہ ہوتا تو وہ بڑی تعداد میں مصنف سے کتاب خرید کر غریبوں میں مفت تقسیم کرتے اور ثواب حاصل کرتے۔

اب رہا یہ سوال کہ حق طباعت کا معاوضہ لینا مصنف کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ حقوق مجردہ میں سے وہ حقوق جن میں کوئی مالی منفعت نہیں پائی جاتی یا وہ تحصیل مال کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ بلکہ محض دفع ضرر کے لئے اثبات حق ہوتا ہے۔ مثلاً حق شفعہ کہ سوء جار سے مامون رہنے کے لئے یہ حق دیا گیا ہے۔ بے شک ایسے حقوق کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔ لیکن بعض حقوق ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ صاحب حق کی مالی منفعت حال میں یا مستقبل میں متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً حق وظائف یعنی شاہی مناصب، تو ان کا معاوضہ مال کی صورت میں لینا یا مال کی معاوضہ میں حق سے دست بردار ہونا جائز ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے حق خلافت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری دے کر معاوضہ قبول فرمالیا تھا۔ (**الاشباہ والنظائر للحموی . شامی کتاب البیوع مطلب فی العرف الخاص والعام غایۃ الاوطار**)

اپنے کاروبار کے کوئی نام رکھنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے (جس کو آج کل کی اصطلاح میں گڈول کہتے ہیں) لیکن اگر ایک شخص نے اپنے کاروبار کا نام "عطرستان یا گلشن ادب" رکھ لیا۔ اور اس سے اس کا تجارتی مفاد وابستہ ہو گیا تو دوسرے شخص کو وہ نام رکھنے کا حق نہیں رہا۔ اور جب کہ ایک خاص نام کے ساتھ مستقبل میں تحصیل مالی اور تجارتی منفعت مقصود ہے تو گڈول کا معاوضہ لینا جائز ہے (حوادث الفتاویٰ حصہ چہارم سوال نمبر ۳۴)

اسی طرح کتاب کا حق طباعت جب کہ اس کے ساتھ مصنف کی مالی منفعت حال میں یا مستقبل میں متعلق ہے وہ حق ثابت بالاصالۃ ہے اور مصنف اس حق کو معاوضہ لے کر منتقل بھی کر سکتا ہے۔ اور عہد حاضر میں ذرائع نقل و

حمل اور وسائل نشر واشاعت کی بے پناہ وسعت کے ہوتے ہوئے اور مصنفین کے لئے اسباب قدر دانی و ہمت افزائی نیز وجہ کفاف کے فقدان کی وجہ سے حق طباعت کا مصنف کے لئے محفوظ رہنا علمی بخل نہیں ہے۔ بلکہ اسی میں صالح لٹریچر کی بقاء وترقی مضمر ہے۔

صورت مسئولہ میں نقصان چونکہ نقصان منفعت ہے اور وہ بھی غیر متعین اور مجہول اس لئے موجب ضمان نہیں۔(شامی کتاب الغصب) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم۔

(الجواب صحیح) حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ کا حق تصنیف وحقوق طبع سے متعلق فتویٰ صحیح ہے۔ دفع مضرت کے لئے ودیگر مصالح کی بنا پر حقوق محفوظ کرالینا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب. کتبہ الا حقر السید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ ، ولو الدیہ۔

تجارت کا اشتہار سینما کے ذریعہ:

(سوال ۲۶۱) ایک آدمی اپنی تجارتی چیز کو مشہور کرنے کے لئے سینما میں سلائڈ (جو پکچر شروع ہونے سے پہلے بتائی جاتی ہے) دے سکتا ہے یا نہیں؟ جو شخص اشتہار دینا چاہتا ہے وہ دیندار پابند صوم وصلوۃ ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اپنی تجارتی چیز کو مشہور کرنے کے لئے سینما کا ذریعہ (جو شیطانی گھر ہے) اختیار کرنا اور اس طرح سینما کی مدد کرنا درست نہیں ہے، دیندار اور دینی منصب والے کے لئے زیادہ برا اور بدنامی کی چیز ہے، حدیث میں ہے اتقوا مواضع التھمة. یعنی تہمت کے موقعوں سے بچو۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے ایاک وما یسبق الی العقول انکارہ وان کان عندک اعتذارہ یعنی ایسی چیز سے بچو جس سے دوسروں کی عقلوں میں انکار پیدا ہو اگر چہ تمہارے پاس عذر موجود ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۶ جمادی الاول ۱۴۰۲ھ۔

چوری کے کپڑوں سے بنائی ہوئی ٹوپیاں اور جزدان خریدنا:

(سوال ۲۶۲) ایک درزی کپڑا چوری کرتا ہے اور اس سے ٹوپیاں اور قرآن مجید کے جزدان بنا کر بیچتا ہے تو ان چیزوں کا خریدنا اور استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ ایسی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) چوری کے کپڑے سے بنائی ہوئی ٹوپی اور جزدان خریدنا درست نہیں حرام ہے بلا علم خرید لیا ہو تو گناہ نہیں نماز بھی درست ہے لیکن جب علم ہو گیا تو ایسا لباس ترک کر دینا ضروری ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب. ۱۵ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

سرکاری قانون کے مطابق ملی ہوئی زمین کے متعلق:

(سوال ۲۶۳) ایک غیر مسلم نے ایک مسلمان کو اپنی زمین کرایہ پر دی، پھر حکومت کے قانون کے مطابق وہ زمین

---

(۱) الحرام ینتقل فلو دخل بأمان وأخذ مال حربی بلا رضاه وأ جرجه الینا ملکه، وصح بیعه لکن لا یطیب له، ولا للمشتری منه قلا فی الشامیة تحت قوله الحرام ینتقل ای تنتقل حرمته، وان تداولته، الا یدی وتبدلت الا ملاک یاتی تما مه، قریباً قوله ولا للمشتری منه، فیکون بشرائه منه مسیئا لأنه ملکه بکسب خبیث وفی شرائه تقریر للخبث باب البیع الفاسد قبیل مطلب البیع الفاسد لا یطیب له ویطیب للمشتری ج. ۵ ص ۹۸.

مسلمان کو مل گئی ،اور حکومت نے اس کی قیمت بہت کم لگائی ،تھوڑی مدت کے بعد اس مسلمان کا انتقال ہو گیا اب اسکے ورثاء وہ زمین اپنے درمیان تقسیم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شک کی وجہ سے کہ حکومت نے بہت کم قیمت دلوائی تھی۔ بینوا تو جروا۔

(الجواب) مرحوم نے جس قیمت پر زمین لی ہے وہ اصل قیمت سے بہت کم ہے اس وقت اس کو لازم تھا کہ بقیہ رقم ادا کر کے مالک زمین کو رضا مند کر لیتا مگر ایسا نہیں ہوا ہے لہذا اتنی رقم مالک زمین کو ادا کر دی جائے ،پھر ورثاء میں تقسیم ہو۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ جمادی الاولی ۱۳۹۹ھ۔

بلیک مارکیٹ کرنا کیسا ہے

(سوال ۲۶۴) حکومت سے چوری چھپے بیرون ممالک کا سامان بیچنا جس کو ہمارے یہاں ''بلیک مارکیٹ'' اور ''دو نمبر کا دھندھا'' کہتے ہیں ،یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) اگر وہ مال نجس ،ممنوع الاستعمال اور ممنوع البیع نہ ہو اور مالک سے خریدا ہو تو اس کی تجارت فی نفسہ حلال ہے ،لیکن چونکہ حکومت کے قانون کے خلاف ہے اور مجرم سزا کا مستحق اور ذلیل ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے اس لئے ایسا معاملہ اختیار نہ کیا جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودا نہ ہونے پر بیعانہ کی رقم لے لینا:

(سوال ۲۶۵) ایک گاہک دوکان پر آیا وہ ایک مال پر بیعانہ دے جاتا ہے اس شرط پر کہ تین ماہ تک نہ آؤں اور مال نہ لے جاؤں تو مجھے بیعانہ پر کوئی اختیار نہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) مشتری (گاہک) اگر مال نہ لے تو ہر حال میں بیعانہ کی رقم واپس کرنا ضروری ہے ،شرط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا وہ رقم مشتری کی امانت ہے اس کا لے لینا شرعاً جائز نہیں ،اگر سودا ہو تو وہ رقم حساب میں لے لی جائے اور اگر سودا نہ ہو تو رقم واپس کر دی جائے تاجر کو روک لینے کا حق نہیں ہے ،گاہک کا نام و پتہ معلوم ہو تو اسے خبر کر کے رقم واپس لوٹانے کا انتظام کریں اور اگر نام و پتہ معلوم نہ ہو اگر رقم پہنچانا دشوار ہو تو اس کی طرف سے غریبوں کو دے دی جائے اگر وہ کسی وقت آ جائے اور تقسیم کر دینے پر رضا مندی کا اظہار کرے تو فبہا ورنہ وہ رقم واپس کرنا ہوگی اور اس صورت میں ثواب تاجر کو ملے گا ،فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کیا احتکار تجار کے ساتھ مخصوص ہے:

(سوال ۲۶۶) احتکار کا مسئلہ تاجروں سے متعلق ہے یا کاشتکاروں کو بھی؟ یعنی فی الحال غلہ کی تجارت نہیں۔ سرکاری وصولات کے بعد بقیہ اناج کاشتکار کے پاس رہتا ہے سرکار کے پاس غلہ ختم ہو جاتا ہے اور لوگ پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں ایسے موقع پر جس کاشتکار کے پاس ضرورت سے زائد اناج ہو اور وہ فروخت نہ کرے تو کیا یہ احتکار ہے؟ اس کو بیچے گا ضرور۔ اگر ابھی زیادہ قیمت ملے تو بیچتا ہے کہ غلہ اپنی ضرورت سے زائد ہے اگر یہ احتکار ہے تو کتاب میں تحریر ہے کہ کاشتکار کو اپنا اناج روکنا احتکار نہیں اس کا کیا مطلب؟ اگر یہ احتکار نہیں تو تنگی کی وجہ تو دونوں میں ہے۔ پھر

دونوں میں تفاوت کیوں؟

(الجواب) تاجر غلہ اور چارہ وغیرہ شہر ہی سے یا جہاں سے شہر میں آتا ہے، وہاں سے خرید کر اپنی دکان کے لئے یا گرانی کی وقت نفع خوری کے لئے روکتے ہیں۔ اور لوگوں کو اس کی حاجت کے باوجود اس کو فروخت نہیں کرتے۔ حالانکہ اس مال میں تمام حاجت مندوں کا حق ہوتا ہے۔ اگر تاجر اس کو نہ خریدتا تو سب لوگ خریدتے اور اپنی حاجت پوری کرتے۔ یہ تاجر لوگوں کے درمیان آڑ بنتے ہیں اور اس طرح انسانوں کو تکلیف پہنچا کر ظالم ٹھہرتے ہیں، شرعی اصطلاح میں ایسے تاجر کو "محتکر" کہتے ہیں۔ ان کے لئے سخت وعیدیں وارد ہیں۔ رہا کاشتکار تو وہ اپنی زمین کی پیداوار کا حق دار ہے۔ اس میں عوام کا حق متعلق نہیں۔ جس طرح کاشتکار کو اپنی زمین کی کاشت کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح اس کی پیداوار کو بیچنے نہ بیچنے کا بھی اس کو اختیار و حق حاصل ہے۔ نیز کاشتکار عوام کی حق تلفی نہیں کرتا اس لئے اس کو "محتکر" نہیں کہا جاتا۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ بدنیتی اور بے رحمی اور لوگوں کی تکلیف پر نظر نہ کرنے کا گناہ اس کو بھی ہوتا ہے۔ اور عوام کی ضرورت کا لحاظ سے اگر گورنمنٹ اس کو ضرورت سے زائد غلہ کی فروخت کرنے پر مجبور کرے تو گنجائش ہے۔ درمختار اور شامی میں ہے۔

ولا یکون محتکر ابحبس غلاۃ ارضہ (قولہ ولا یکون محتکراً الخ) لانہ خالص حقہ لم یتعلق بہ حق العامۃ الا تری ان لہ ان لا یزرع فکذا لہ ان لا یبیع ھدایہ قال ط والظاھر ان المراد انہ لا یاثم اثم المحتکروان اثم بانتظار الغلاء او القحط لنیۃ السوء للمسلمین الخ وھل یجبر علی بیعہ الظاھر نعم اذا اضطر الناس الیہ تأمل (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۵۲ کتاب الحضر و باحۃ فصل فی البیع) واللہ اعلم۔

بائع سے ساز باز کر کے وکیل شراء کا بل کی رقم زیادہ لکھوانا اور خود وہ رقم رکھ لینا:

(سوال ۲۶۷) زید کسی کمپنی میں ملازم ہے کمپنی نے اس کے ذمہ یہ کام سپرد کیا ہے کہ دوسرے کارخانوں میں جا کر کمپنی کے لئے ضرورت کی چیزوں کو خرید کر لائے، زید چیزیں خرید تو لاتا ہے یا چیزوں کے تیار کرنے کا آرڈر دے کر آتا ہے مگر زید کارخانہ والوں سے یہ ساز باز کرتا ہے کہ تم اپنے مقررہ دام سے اس قدر زائد دام کا بل بنا دو، اور کمپنی سے بل کا روپیہ وصول ہونے پر وہ زائد دام کی رقم مجھے دے دو، تو کیا زید کا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اور یہ روپیہ کیا اس کے لئے حلال و جائز ہے؟ اور کارخانہ والوں کو اس قسم کا بل بنا دینا اور زید کے ساتھ اس طرح کا توافق و تعاون کرنا روا ہے، کیا یہ تعاون علی الاثم والعدوان کا مصداق ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! زید کا یہ طریقہ قطعاً غلط اور ناجائز ہے، زید اور کارخانے والے گنہگار ہوں گے اور قولہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کی خلاف ورزی کرنے والے قرار پائیں گے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فسخ البیع

بیع (سودا) مکمل ہوجانے کے بعد بائع صرف اپنی مرضی سے بیع فسخ نہیں کرسکتا:

(سوال ۲۶۸) میں مکان زمین کی دلالی کا کام کرتا ہوں، ایک مکان کے چار بھائی اور چار بہنیں وارث ہیں ان سب نے اپنا مکان بیچنے کے لئے مجھ سے کہا، ان کے کہنے کی وجہ سے میں نے خریدار تلاش کیا اور مکان بیچنے کے سلسلہ میں اس سے بات چیت کی اور مزید اطمینان کے لئے براہ راست ان تمام وارثوں سے گفتگو کروائی، اس سلسلہ میں ایک دو مجلسیں بھی ہوئیں، خریدار کی بتلائی ہوئی قیمت پر وہ لوگ مطمین نہیں تھے، گفت وشنید کے بعد خریدار نے ان کی مرضی کے مطابق قیمت منظور کرلی، آخری مجلس میں تمام بھائی بہنوں نے تنہائی میں بھی مشورہ کیا اور سب نے متفقہ طور پر سودا منظور کرلیا اور خریدار کو بہت وثوق کے ساتھ اطمینان دلایا، خریدار نے بطور بیعانہ گیارہ ہزار روپے اسی مجلس میں دیئے دی اور بقیہ قیمت دینے کے لئے ایک معینہ مدت مقرر کرلی گئی اس کے بعد خریدار نے دستاویز بنانے کی کارروائی شروع کردی اور اس پر کافی خرچ بھی کرچکا ہے، ان تمام باتوں کے بعد اب دو بھائی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ سودا منظور نہیں، میں نے ان سے اگلی تمام باتیں کہیں اور کہا کہ سودا مکمل ہوچکا ہے، خریدار نے دستاویز بنانا بھی شروع کردیا ہے اور خود تم لوگوں نے بڑی اطمینان سے سودا منظور کیا تھا، اب تم انکار کرتے ہو، مگر وہ دونوں بیع رد کرنا چاہتے ہیں، خریدار تیار نہیں ہے تو کیا یہ دونوں اپنی مرضی سے یہ سودا ختم کرسکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب سب بھائی بہنوں کی رضامندی سے سودا کیا گیا کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا اور مشتری کو پورا اطمینان بھی دلایا اور گیارہ ہزار روپے بیعانہ کے بھی لے لئے تو مذکورہ سودا مکمل ہوگیا، اب مشتری (خریدار) کی رضامندی کے بغیر اس بیع کو فسخ نہیں کرسکتے، ہدایہ اخیرین میں ہے: **واذا حصل الایجاب القبول لزم البیع ولا خیار لواحد منهما الا من عیب او عدم روية (هدايه اخيرين ص ۴ کتاب البیوع)** (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۸۲، ص ۱۸۳ ج ۴) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

بیع فاسد ہوجائے تو بیع فسخ کرنے کا کس کو حق ہے؟:

(سوال ۲۶۹) اگر کوئی معاملہ کسی شرط فاسد کی وجہ سے بیع فاسد قرار پائے تو ایسی بیع فاسد کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس کو فسخ کردینا ضروری ہے؟ اور فسخ کرنے کا کس کو حق ہے؟ اور فسخ کی صورت میں بائع کیا واپس کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیع کسی شرط فاسد کی وجہ سے فاسد ہوجائے اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا اور مبیع اپنی اصلی حالت پر مشتری کے پاس موجود ہو تو ایسی بیع فاسد کا فسخ کردینا شرعاً واجب ہے، اس لئے کہ یہ معصیت ہے اور معصیت کو باقی رکھنا صحیح نہیں اسے تو ختم ہی کردینا ضروری ہے، اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بائع مشتری دونوں میں سے ہر ایک کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا، البتہ جو کوئی فسخ کرے اپنے ساتھی کی موجودگی میں فسخ کرے یا فسخ کرکے اپنے ساتھی کو اس کی فوراً اطلاع دے دے درمختار میں ہے (**ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض) ویکون امتناعاً عنه ابن ملک (او بعده مادام) المبیع بحاله جوهرة (فی ید المشتری)**

اعداما للفساد لانہ معصیۃ فیجب رفعھا بحر(و) لذا (لا یشترط فیہ تضاء قاض)لان الواجب شرعا لا یحتاج للقضاء ،درر، (درمختار مع رد المحتار ۴/۱۷۳ ، باب البیع الفاسد)

غایۃ الأوطار میں ہے:ویجب علی کل واحد منھما فسخہ ...... ابن ملک اور واجب ہے ہر ایک پر،بائع اور مشتری سے،فسخ کرنا بیع فاسد کا قبل قبض مبیع کے اور بیع فسخ کرنا بار رہنا ہوگا بیع سے، کذا ذکر ابن ملک . او بعدہ مادام المبیع بحالہ جوہرۃ......یا بعد قبض (یعنی مشتری کے مبیع پر قبضہ کر لینے کے بعد) فسخ واجب ہے جب تک کہ مبیع بحال خود بلا تصرف مشتری کے ہاتھ میں ہے، یہ وجوب فسخ فساد مٹانے کے واسطے ہے،اس واسطے کہ بیع فاسد گناہ ہے تو اس کا دور کرنا واجب ہے کذا فی البحر،اور اگر مبیع میں کچھ تصرف مانند بیع اور اعتاق کے ہوگا تو فسخ ممتنع ہوگا،چنانچہ اس کا ذکر عنقریب آوے گا ولذا......اور چونکہ اعدام فساد (فساد دور کرنا) ہر ایک عاقد پر واجب ہے لہذا فسخ کرنے میں حکم قاضی شرط نہیں اس واسطے کہ جو چیز شرعاً واجب ہے وہ حکم قاضی کی محتاج نہیں،کذا فی الدرر (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ۳/۸۹)

عینی شرح کنز میں ہے۔(ولکل واحد منھما) ای من المتبایعین فی البیع الفاسد (فسخہ) ای فسخ البیع قبل القبض بعلم صاحبہ لان البیع الفاسد لا یفید الملک قبل القبض فکان بمنزلۃ البیع الذی فیہ الخیار فکان کل منھما بسبیل من فسخ من غیر رضا الآخر لکنہ یتوقف علی علمہ لان فیہ الزام الفسخ لہ فلا یلزمہ بدون علمہ، واما بعد القبض فان کان الفساد فی صلب العقد بان کان راجعاً الی احدالبدلین کالبیع بالخمر او الخنزیر فکذلک ینفرد احدھما بالفسخ لقوۃ الفساد، ان کان بشرط زائد بان باع الی اجل مجھول اوغیرہ مما فیہ منفعۃ لا حدھما یکون لمن لہ منفعۃ الشرط الفسخ دون الاخر عند محمد رحمہ اللہ وعندھما لکل منھما فسخہ فیفسخہ بعلم صاحبہ فی الکل وعند ابی یوسف رحمہ اللہ لا یشترط علمہ قال الشارح رحمہ اللہ معنی قولہ ولکل منھما " علی کل منھما " لان رفع الفاسد واجب علیھما الخ (عینی شرح کنز ۲/۲۶ (فصل) فی بیان احکام بیع الفاسد)

فسخ کا مطلب ظاہر ہے کہ مشتری نے جو چیز خریدی ہے وہ چیز بائع (بیچنے والے) کو واپس کردے اور جتنا ثمن (دام) ادا کیا ہو وہ ثمن بائع سے واپس لے لے، جتنا ثمن ادا کیا ہو اتنا ہی وصول کرنے کا حق ہوگا،کم وبیش لینا دینا صحیح نہ ہوگا وبعد الفسخ (لا یأ خذہ')بائعہ (حتی یردثمنہ) المنقود (درمختار) شامی میں ہے(قولہ حتی یردثمنہ) ای ماقبضہ البائع من ثمن اوقیمۃ کما فی الفتح (قولہ المنقود)لان المبیع مقابل بہ فیصیر محبوساً بہ کالرھن فتح (شامی ۴/۱۷۷)

مشتری اگر مبیع کسی اور کو بیچ دے یا کسی کو ہبہ کردے اور اس کا قبضہ بھی کرادے یا وقف کردے تو ان صورتوں میں فسخ کرنا متعذر ہو جائے گا اور بیع فاسد نافذ ہو جائے گی۔درمختار میں ہے (فان باعہ) ای باع المشتری فاسداً (بیعاً صحیحاً باتاً) ...... (لغیربائعہ) ...... او وھبہ وسلم او اعتقہ)......(بعد قبضہ)...... (اووقفہ')وقفا صحیحاً...... (او رھنہ او اوصیٰ) او تصدق (بہ نفذ) البیع الفاسد فی جمیع ما مروا متنع الفسخ لتعلق حق العبد بہ(درمختار مع رد المحتار ص ۱۷۴ ،ص ۱۷۵ ج ۴ باب بیع الفاسد مطلب یملک المامور ما یملکہ' الا مر)فقط واللہ اعلم بالصواب .

باب القرض

کن حالات میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہے :

(سوال ۲۷۰) بمبئی شہر میں کرایہ کے مکانات ملنا اب دشوار ہوگیا ہے، جھونپڑ پٹی میں نہ تو موافق زندگی میسر ہیں، نہ تعلیم کا معقول انتظام ہے، پھر کسی بھی وقت جھونپڑے اکھاڑے جاسکتے ہیں۔ نیز مخلوط آبادی کی وجہ سے مسلم بچے غیر اسلامی اثرات سے محفوظ بھی نہیں رہ سکتے، اس لئے مسلمانوں کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ وہ سوسائٹی بنا کر رہیں، چنانچہ مومن گجرات ایسوی ایشن ۸۳۰ ممبران کی سوسائٹی بنا کر بمبئی شہر میں ایک کالونی بنائی جارہی ہے۔

شہری قوانین کی سختی اور احکام کی رشوت ستانی کی وجہ سے سوسائٹی کو قدم قدم پر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلے ۱۹۷۹ء میں ۵۵ لاکھ روپے میں زمین خریدی گئی، پھر اینوسی (اجازت) حاصل کرنے کے لئے مرکز تک سعی کی گئی اور لاکھوں روپے ضائع کئے گئے تب ۱۹۸۴ء میں جا کر اجازت ملی۔

اب تعمیر کا سلسلہ شروع ہوگا، قانون کے مطابق اینوسی ملنے کے بعد ایک سال میں تعمیر شروع ہونی چاہئے اور پانچ سال میں مکمل ہونی چاہئے۔ ادھر میونسپلٹی سے پلان منظور کرانے کے چکر میں کافی وقت ضائع ہو چکا ہے اور صرف ساڑھے تین سال تعمیر کے باقی رہ گئے ہیں۔

سوسائٹی کے ممبروں میں مندرجہ ذیل قسم کے لوگ ہیں۔

(۱) تاجر۔ جن کے پاس دو نمبر کی رقم ہے (یعنی سرکاری ٹیکس نہ دی ہوئی) ایک نمبر کی رقم نہیں ہے (یعنی ٹیکس ادا کی ہوئی)...... دو نمبر کی رقم استعمال کرنے سے ٹیکس چوری کی بھاری پینلٹی لگتی ہے، اور ٹیکس بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔

(۲) مالی حیثیت سے کمزور افراد۔

(۳) چھوٹا کاروبار کرنے والے..... یہ لوگ اگر اپنا کاروبار محفوظ رکھنا چاہیں تو سوسائٹی کے مکان کے بغیر رہنا ہوگا اور مکان بنانا چاہیں تو کاروبار سے ہاتھ دھونا پڑے گا (ان کے اہل وعیال وطن میں رہتے ہے اور وہ سال میں ایک مرتبہ وطن جاتے ہیں)

(۴) وہ لوگ جن کے پاس وطن میں گھر اور کاشتکاری کے لئے کچھ زمین بھی ہے، مگر وہ گذر بسر کے لئے ناکافی ہے، شہری کاروبار کے بغیر وہ عزت کی زندگی بسر نہیں کرسکتے۔

(۵) وہ لوگ جو اپنی کوئی جائیداد بیچ کر کالونی میں مکان بنانے کے لئے رقم مہیا کرسکتے ہیں، مگر ایسے ہر شخص کو انکم ٹیکس فارم نمبر 37EE بھرنا پڑتا ہے اور ٹیکس دینا پڑتا ہے (رقم کا اندراج غلط کیا جائے تو سرکار ۱۵ فیصد نفع دے کر مکان خود خرید لیتی ہے) ایسے لوگ اگر بینک سے لون لے لیں تو وہ ٹیکس سے بچ جاتے ہیں اور ان کی جائیداد بھی محفوظ رہتی ہے۔

الغرض اینوسی کی مدت کم رہ گئی ہے، اس مختصر مدت میں کمزور لوگ اپنے مکان کی پوری رقم ادا نہیں کرسکتے، ادھر مرکزی سرکار کا شعبہ (HUDCO) کم فیصد سود سے بیس سال کی قسطوں پر لون (سودی قرض) دیتا ہے، تو کس قسم

کے لوگوں کے لئے اس کی گنجائش ہوسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(نوٹ) لون لینے میں ایک فائدہ یہ بھی ممکن ہے کہ ماسٹر پلان کے شہری ضوابط کی رو سے حکومت کالونی کے تیار شدہ مکانات میں سے دس فیصد مکانات سرکاری شرح سے خرید لیتی ہے سرکاری قیمت تعمیر کے مصارف سے کم ہوتی ہے جس کا نقصان تمام ممبران کو برداشت کرنا پڑتا ہے، لون لینے کی صورت میں ہم سرکار سے درخواست کرسکتے ہیں کہ یہ غرباء کی کالونی ہے، قرض لے کر بنائی گئی ہے، ان کو سہولت دی جائے اور دس فیصد مکانات نہ لئے جائیں ممکن ہے درخواست منظور ہوجائے اور معافی مل جائے، اور مسلم قوم کا اصل راس المال محفوظ رہ جائے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ سودی معاملہ اور سودی لین دین بنص قطعی حرام ہے، قرآن واحادیث میں اس پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں، ارشاد خداوندی ہے۔

احل الله البيع وحرم الربوا (سورهٔ بقره پاره نمبر ۳)

اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوا۔ (سود) کو حرام کیا۔

يمحق الله الربوا ويربي الصدقات (سوره بقره پاره نمبر ۳)

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

تو جس چیز کو اللہ مٹاتا ہے اس کو اختیار کرنا کیا یہ اللہ سے بغاوت اور مقابلہ نہیں ہے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ کا ارشاد ہے۔

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله (سورهٔ بقره پاره نمبر ۳)

اگر سودی معاملہ سے باز نہ آؤ گے تو اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو۔

جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ جنگ کا اعلان دیں اور وہ باز نہ آئے تو اس کا خاتمہ بخیر ہوسکتا ہے؟

احادیث میں بھی سودی لین دین پر بہت ہی سخت وعیدیں آئی ہیں، ایک حدیث میں ہے۔

عن جابر رضي الله عنه لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء (مسلم شريف ج۲ ص ۲۷) (مشكوٰة شريف ص ۲۴۴ باب الربوا)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے اور سودی معاملہ لینے والے اور سودی معاملہ کے گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا یہ سب برابر کے گنہگار اور ملعون ہیں۔

دوسری حدیث ہے:

عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اجتنبوا السبع الموبقات قالوا يارسول الله وما هن قال الشرك بالله والسحر وقتل النفس التى حرم الله الا بالحق واكل الربوا واكل مال اليتيم والتولى يوم الزحف وقذف المحصنت المومنات الغافلات متفق عليه.

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو، عرض کیا یارسول اللہ وہ (سات چیزیں) کون سی ہیں؟ فرمایا شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی کا قتل کرنا، سودی معاملہ کرنا یتیم کا مال ناحق کھانا، جہاد سے بھاگنا، پاک دامن خواتین پر زنا کی تہمت لگانا (مشکوٰۃ ص ۱۷ باب الکبائر)

نیز حدیث میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربوا سبعون جزء ا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب المنھی عنھا من البیوع)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں ان میں سے ادنیٰ درجہ کا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرے۔

نیز حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ (غسیل الملائکہ) سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھم ربوا یا کلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ و ثلثین زینۃ. (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا)

آنحضور ﷺ نے فرمایا ایک سودی درہم کا کھانا (یعنی اپنے استعمال میں لانا) جانتے ہوئے کہ یہ سود کا ہے اللہ کے یہاں چھتیس مرتبہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے۔

نیز حدیث میں ہے: رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ چار آدمی ایسے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کریں گے اور جنت کی نعمت ان کو نہ چکھائیں گے، وہ چار یہ ہیں، شراب پینے کا عادی، اور سود کھانے والا، اور یتیم کا مال ناحق کھانے والا، اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا (یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے۔)

(بحوالہ معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ص ۶۸۰، ۶۹۱ سورہ بقرہ)

نیز حدیث میں ہے: رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں سودی لین دین کا رواج ہو جاتا ہے تو اللہ ان پر ضروریات زندگی کی گرانی مسلط کر دیتے ہیں، اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جاتی ہے تو ان پر دشمنوں کا رعب وغلبہ چھا جاتا ہے (یہ روایت مسند احمد میں ہے) (بحوالہ معارف القرآن ج ۱ ص ۶۸۱)

نیز حدیث میں ہے: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس بستی میں زنا اور سودی لین دین پھیل جاتا ہے اس بستی والوں نے اللہ عذاب کو اپنے اوپر دعوت دے دی (یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے) (بحوالہ معارف القرآن ج ۱ ص ۶۸۱)

مندرجہ بالا ارشادات خداوندی اور احادیث نبوی (ﷺ) سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ سودی معاملہ قطعاً حرام ہے، اس کا مرتکب سخت گنہگار فاسق، باغی و سرکش ہے اور اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

ان نصوص کے پیش نظر شرعاً سودی معاملہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے، دارالحرب میں بھی امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلثہ کا مذہب عدم جواز کا ہے)، اور علماء محققین اور محتاط حضرات نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(۱)

البتہ اضطرار اور حد درجہ کی مجبوری کی حالت میں جب کہ ہلاکت نفس کا خوف ہو جس طرح بقدر ضرورت مردار کھا کر اپنی جان بچانے کی اجازت ہے، اسی طرح فقہاء نے اضطرار اور حد درجہ کی احتیاط اور شدید مجبوری کی

(۱) اختلاف دارالحرب میں ربوی معاملات کر کے سود سے فائدہ اٹھانے میں ہے مگر وہاں بھی حربی کو سود دینا بالاتفاق مباح نہیں ہے (کفایت المفتی ج ۸ ص ۱۰۳) وفتاویٰ دارالعلوم قدیم ج ۷ ص ۱۰۳ / ۱۲ سعید احمد پالنپوری۔

صورت میں جب کہ قرض وغیرہ ملنے کی بھی امید نہ ہو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے۔ضرورت سے زیادہ لینادرست نہیں ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے وفی القنیة والبغیة یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر ص ۱۱۱۵)(البحر الرائق ج۶ ص ۱۲۶ باب الربوا)

اس موقعہ پر یہ بات مکمل طور پر پیش نظر رہنا چاہئے کہ سودی قرض لینے کی اجازت حد درجہ کی مجبوری اور شدید احتیاج کی صورت میں ہے، زیب وزینت اور اپنی خواہش پوری کرنے کو" ضرورت اور احتیاج" کا عنوان دینا سخت دھوکہ دہی اور بے ہودہ تاویل ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ" ضرورت" اور" حاجت" وغیرہ کی شرعی تعریف نقل کردی جائے۔

جواہر الفقہ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ میں ہے۔

یہاں پانچ درجے ہیں۔ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول۔

(۱) ضرورت:

کی تعریف یہ ہے۔کہ اگر ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو یہ شخص ہلاک یا قریب الموت ہو جائے گا، یہی صورت اضطراری ہے اسی حالت میں حرام وممنوع چیز کا استعمال (بچند شرائط) جائز ہو جاتا ہے۔

(۲) حاجت:

کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو ہلاک تو نہیں ہوگا مگر مشقت اور تکلیف شدید ہوگی، یہ صورت اضطرار کی نہیں اس لئے اس کے واسطے روزے، نماز، طہارت وغیرہ کے بہت سے احکام میں رعایت اور سہولتیں تو دی گئی ہیں مگر ایسی حالت میں حرام چیزیں نص قرآنی کے تحت حلال نہیں ہوں گی۔

(۳) منفعت:

یہ ہے کہ کسی چیز کے استعمال کرنے سے اس کے بدن کو فائدہ پہنچے گا لیکن نہ کرنے سے کوئی سخت تکلیف یا ہلاکت کا خطرہ نہیں جیسے عمدہ قسم کے کھانے اور مقوی غذائیں، اس حالت کے لئے نہ کوئی حرام حلال ہوتا ہے، نہ روزہ کا افطار جائز ہوتا ہے، مباح اور جائز طریقوں سے یہ چیزیں حاصل ہو سکیں تو استعمال کرے اور نہ حاصل ہو سکیں تو صبر کرے۔

(۴) زینت:

جس سے بدن کی کوئی خاص تقویت بھی نہیں، محض تفریح خواہش ہے، ظاہر ہے اس کام کے لئے کسی ناجائز چیز کے جائز ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) فضول:

وہ ہے جو زینت مباح کے دائرہ سے بھی آگے محض ہو گئیں ہو اس کا حکم بھی ظاہر ہے کہ اس کے لئے احکام

میں کوئی رعایت ہونے کے بجائے اس فضول کی مخالفت احادیث صحیح میں وارد ہے۔ (جواہر الفقہ ص ۲۷، ص ۲۸ جلد دوم)

لغات القرآن میں ہے المضطر اسم فاعل واحد مذکر (اس کے معنی) بے قرار بے کس بے بس (ج ۵ ص ۴۰۲ مؤلف مولانا محمد عبدالرشید نعمانی)

مندرجہ بالا ضرورت وحاجت وغیرہ کی تعریف سے یہ ثابت ہوا کہ حرام چیز ضرورت اور اضطرار ہی کی حالت میں بقدر ضرورت جائز الاستعمال ہوتی ہے لہذا سود جو بنص قطعی حرام ہے اضطرار اور مجبوری ہی کی حالت میں بقدر ضرورت جائز الاستعمال ہوگا۔ اور یہ بھی شخص وانفرادی حالت میں، اس لئے کہ انفرادی صورت میں ضرورت متحقق ہونا سہل ہے کہ جو شخص اضطرار اور ضرورت میں مبتلا ہو وہ اپنی شخصی حالت کسی مفتی یا ماہر عالم کے سامنے پیش کرے اور اجازت ملنے پر بقدر ضرورت استعمال کرے، لیکن اجتماعی صورت میں اضطرار واحتیاج کا تحقق مشکل ہے۔

جس جماعت نے اتنا بڑا کام اٹھایا ہے، کیا وہ سب مساکین ہیں اور زکوٰۃ کے مستحق ہیں؟ کیا اس جماعت میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو رمضان میں زکوٰۃ دینے والے، صدقہ، فطرا ادا کرنے والے، قیمتی جانوروں کی قربانی کرنے والے اور ولیمہ میں عمدہ اور لذیذ کھانا کھلانے والے نہیں ہیں؟ ضرور ہوں گے، اگر وہ اپنے کو مضطر، ضرورت مند اور محتاج سمجھتے ہیں تو کیا ان کو زکوٰۃ وفطرہ کی رقم دی جائے تو وہ قبول کریں گے؟ ظاہر ہے کہ وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں گے تو ان کے لئے سودی قرض لینا کس طرح جائز ہو جائے گا؟

یہ بھی پیش نظر رہے کہ ایک انفرادی عمل ہے اور ایک اجتماعی، انفرادی عمل اس قدر مشہور نہیں ہوتا جتنا اجتماعی عمل شہرت حاصل کر لیتا ہے، اور متعدی بن جاتا ہے، انفرادی عمل کو چھپانا آسان ہے اجتماعی عمل چھپایا نہیں جا سکتا اور جب اتنی بڑی جماعت سودی قرض میں مبتلا ہوگی، تو لوگوں کے دلوں میں سود کی حرمت اور نفرت باقی نہیں رہے گی، خصوصاً آپ حضرات کی جماعت اور برادری جو تعلیم میں تبلیغ میں، دینداری میں اتحاد اتفاق میں، اور ایک دوسرے کی ہمدردی وخیر خواہی میں اس حدیث کی مصداق سمجھی جاتی ہے **المؤمن للمؤمن کالبنیان المشید یشد بعضه بعضاً** (ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے مثل عمارت کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے) ایسی جماعت اجتماعی حیثیت سے معاملہ میں ملوث ہو جائے کس قدر افسوس کی بات ہے۔

سودی معاملہ میں بچنے میں ہی مسلمانوں کی ترقی ہے گو بظاہر تنزلی ہو جو قوم بے ہودہ اور نامعقول تاویلوں سے حرام کو حلال اور ناجائز کو جائز کرنے میں کوشاں ہو وہ کسی صورت میں ترقی نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں کی عزت اور بلندی عمدہ معیار زندگی میں نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیز گاری میں ہے۔ خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے جس وقت سرزمین بیت المقدس پر پیوند ار لباس کے ساتھ اپنا قدم رکھا تو عمال کو شرم محسوس ہوئی اور ایک قیمتی پوشاک زیب تن کرنے کے لئے پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہم کو جو عزت عطا کی ہے وہ اسلام کی وجہ سے ہے اور یہی ہمارے لئے کافی ہے، لہذا ہماری عزت اور ترقی اسلامی احکام پر عمل کرنے پر موقوف ہے۔

اسلامی احکام میں سے ایک یہ ہے کہ ہم سود سے اور جس میں سود کا شبہ ہو اس سے بھی اپنے آپ کو بچائے رکھیں، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں **دعوا الربوا والریبة** ربوا اور شبۂ ربوا کو بھی چھوڑ دو (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا) نیز فرمایا **ترکنا تسعة اعشار الحلال خشیة الربوا** یعنی حلال کے دس حصوں میں

سے محض ایک کو ہی لیتے ہیں جس میں سود کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہو اسے ہم چھوڑ دیتے ہیں۔

دنیا فانی ہے یہاں جو کچھ کرنا ہے حلال اور جائز طریقہ سے کرنا چاہئے اور اپنی عاقبت درست کرنے کی فکر ہنی چاہئے، دنیا کی فکر کرنا، اور آخرت سے غافل رہنا مسلمان کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔

ان معروضات کے بعد عرض ہے کہ سوال میں سودی قرض لینے کی جو ضرورتیں اور مجبوریاں بتائی گئی ہیں وہ اضطرار اور احتیاج شدید کی نہیں ہیں، صحیح اور جائز طریقہ سے ان کا حل نکالا جاسکتا ہے اور اگر اس میں کچھ خسارہ ہو تو شریعت کے پیش نظر برداشت کریں انشاء اللہ اسی میں فلاح ہے، لہذا آپ حضرات جس چیز کی اجازت چاہتے ہیں اس کی جرأت اپنے اندر نہیں پاتا...... بے شک آپ حضرات کا یہ خیال کہ ہم سب مل کر ایک جگہ رہیں بہت مبارک اور اچھا خیال ہے مگر اس کی وجہ سے پوری قوم کو سود کی نحوست میں مبتلا کر دینا کسی طرح مناسب نہیں، اس لئے یہ کام جائز اور صحیح طریقہ سے شریعت کے حدود کے اندر رہ کر ہی کیا جائے۔ انشاء اللہ غیبی مدد آپ کے شامل حال رہے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں میں شریعت کی عظمت پیدا فرمائے، اور آپ حضرات کی بھی مدد فرمائے۔ حرام سے بچ کر حلال طریقہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین بحرمة النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم تسلیماً کثیرا کثیرا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری غفرلہٗ راندیر مورخہ ۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ یوم عاشوراء۔

الجواب صحیح والمجیب مصیب ناچیز۔ اسمعیل وادی والا غفرلہ خادم افتاء جامع حسینیہ راندیر گیارہ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ۔

قد اصاب من اجاب العبد اسمعیل کچھولوی غفرلہ خادم دار الافتاء جامعہ ڈابھیل سملک

الجواب صحیح محمد ابو الحسن علی غفرلہ (دار العلوم ماٹلی والا بھروچ) ۱۲ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۸۵ء

اصاب المجیب وللہ درہ عبدالغنی کادی کان باللہ لہ خادم اشرفیہ راندیر

باسمہ تعالیٰ. قد اصاب من اجاب احقر عبداللہ ولی کاوی عفی عنہ دار الافتاء کنتھاریہ ضلع بھروچ ۱۲. ۱۴۰۶/۱/ھ۔ باسمہ الکرایم.

سود کی حرمت پر جس کثرۃ کے ساتھ محکم دلائل موجود ہیں اس کے مقابل چند جزوی حالات میں فقہاء کرام نے جو رخصت دی ہے اس کا سہارا نہ لینا ہی ہمارے ایمان کا تقاضہ ہے۔ العبد محمد ابراہیم پٹنی عفی عنہ (دار العلوم ماٹلی والا شہر بھروچ) ۱۲ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ۔

مرکز العلوم، دار العلوم دیوبند کا جواب

الجواب وباللہ التوفیق

سود لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے، بلکہ دینے کا معاملہ زیادہ سنگین ہے، دار الحرب میں ربوی معاملات کر کے مسلمانوں کو سود سے فائدہ اٹھانا مباح ہے مگر وہاں بھی کفار کو سود دینا مباح نہیں ہے (کفایت المفتی ج ۸ ص ۱۰۳ فتاوی دار العلوم قدیم ج ۷ ص ۳۷) البتہ سخت مجبوری اور اضطرار کی حالت میں جب کہ نوبت ہلاکت نفس یا

عزت وآبرو تک پہنچ جائے تو بقدر حاجت سود پر قرض لینے کی گنجائش ہے، جب کہ اور کوئی صورت ممکن نہ ہو۔

مثلاً قرض حسنہ بھی نہ مل سکتا ہو اور زکوۃ وصدقات کی رقم سے بھی کوئی تعاون نہ مل سکتا ہو، الاشباہ والنظائر میں ہے یجوز للمحتاج الا ستقراض بالربح ،حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے احتیاج کی تفسیر اضطرار سے فرمائی ہے (کفایت المفتی ج ۸ ص ۱۰۵۔۱۰۶) اور نظام الفتاوی میں احتیاج کی تعبیر ''شدید مجبوری اور ضرورت شدید'' سے کی ہے (نظام الفتاوی ج ۱ ص ۲۷۲)

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ مسلمانوں کی علیحدہ بستی بسانا تو امر مستحسن ہے مگر سوال میں اس مقصد کے لئے لون لینے کی جو مجبوریاں بیان کی گئی ہیں وہ ایسی نہیں ہیں کہ سوسائٹی کے تمام افراد کے لئے اضطرار اور شدید مجبوری کی حالت پیدا ہو جاتی ہو، جو سوسائٹی ۵۵ لاکھ کی خطیر رقم سے زمین خرید سکتی ہے اس کے لئے مکانات کی تعمیر کا مسئلہ کچھ زیادہ دشوار نہیں رہ جاتا۔ اور ایک نمبر کی رقم کا مسئلہ تو کسی طرح بھی ضرورت کے دائرہ میں نہیں آتا جس طرح لوگ اپنے دوسرے کاروبار کے لئے مختلف عنوانات سے ایک نمبر کی رقم کا مظاہرہ کرتے ہیں اسی طرح مکانات بنانے کے لئے بھی وہ ایسا مظاہرہ آسانی سے کر سکتے ہیں، پس اس کو ضرورت کیسے کہا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ سوسائٹی کے کچھ ممبران واقعی مجبور ہوں مگر چونکہ مسئلہ اجتماعی ہے اس لئے سوسائٹی کو ایسے افراد کے لئے تعاون کی جائز شکلیں سوچنی چاہئیں، تاکہ پوری سوسائٹی کا دامن سود کی لعنت سے پاک رہے اور سوسائٹی بنانے کا فائدہ بھی یہی ہے، ورنہ پھر سوسائٹی کا حاصل کیا رہ جاتا ہے؟

اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ناداروں کی آڑ میں باحیثیت لوگ بھی اس گندگی میں ملوث ہو جائیں......اور ماسٹر پلان کے شہری قوانین کے بموجب جو دس فیصد مکانات گورنمنٹ کو دینے ہوتے ہیں اس سے گلوخلاصی اول تو محتمل ہے کیونکہ معافی کی کوشش میں کامیابی بھی ہو سکتی ہے اور ناکامی بھی ہو سکتی ہے پھر حکومت وہ مکانات قیمۃً لیتی ہے۔ اگرچہ قیمت کم دیتی ہے۔ اس لئے اس سے بھی اضطراری حالت پیدا نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ سب کو نیک سمجھ عطا فرمائیں اور احکامات اسلامی کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

الجواب صحیح حبیب الرحمٰن خیرآبادی عفا اللہ عنہ مفتی دارالعلوم دیو بند ۳ محرم ۱۴۰۶ھ۔

کتبہ العبد نظام الدین مفتی دارالعلوم دیو بند ۳۔۱۴۰۶/۱ھ۔ الجواب صحیح کفیل الرحمٰن نشاط، نائب مفتی دارالعلوم دیو بند ۳۔۱۴۱۶/۱ھ۔

جوابات سب صحیح اور درست ہیں، قرآن پاک میں سود لینے اور دینے کی حرمت صراحۃً مذکور ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ کیا گیا ہے، احادیث شریفہ میں سود لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت کی گئی ہے بلکہ گواہوں اور محرروں پر بھی لعنت فرمائی گئی ہے لعن اللہ آکل الربوا وموکلہ وشاھدیہ وکاتبہ (ترمذی) حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ سود میں بہت قسم کے گناہ ہیں جن میں سے ادنیٰ گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے (مشکوۃ شریف باب الربوا) اس لئے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام اور ائمہ اسلام نے اس بارے میں ہمیشہ احتیاط کی جانب کو اختیار کیا ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے فدعوا الربوا والریبۃ ۔ یعنی سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے شبہ کو بھی، البتہ مجبوری کی حالت میں جس طرح

جان بچانے کے لئے مردار کھانے کی گنجائش ہے سودی قرض لینے کی بھی گنجائش ہے، مگر یہ گنجائش اسی صورت میں ہے کہ جائز صورت کوئی ممکن نہ ہو اور معاملہ ہلاکت نفس یا عزت و آبرو تک کا آپڑے، ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں ایسی مجبوری نہیں ہے۔ فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم ص ۱۹۳ میں درج ذیل سوال و جواب ہیں۔

(سوال) زید کے پاس اپنی ملکیت کی زمین ہے اس پر ایک مکان باندھنا چاہتا ہے لیکن تعمیر کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں تو ایسے وقت میں حکومت یا بینک سے لون (سودی قرض) لے کر یہ مکان باندھ سکتا ہے؟

(الجواب) سودی رقم لے کر مکان بنانا ناجائز ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ العبد سعید احمد عفا اللہ عنہ پالنپوری خادم دارالعلوم دیوبند ۳ محرم ۱۴۰۶ھ جوابات صحیح ہیں عبدالرحمٰن غفرلہ مفتی مدرسہ امینیہ دہلی ۴ محرم ۱۴۰۶ھ۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا جواب اور مفتی سعید احمد سلمہ کی تصویب بالکل صحیح ہے۔ ہمارے دارالافتاء سے ایسے سوال کا یہی جواب لکھا جاتا ہے العبد یحیٰ غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

سبسیڈی والی لون (قرض) کا حکم:

(سوال ۱۷۲) آج کل حکومت کی جانب سے لوگوں کی بھلائی اور فائدہ کے لئے بہت سے پلان پیش کئے جا رہے ہیں، منجملہ ان کے ایک پلان مچھلی پالنے کا ہے جس کے لئے حکومت کی جانب سے قرض دیا جاتا ہے، اور اس پر خاصی رقم چھوٹ کی ہوتی ہے، جسے ''سب، سی، ڈی'' کہتے ہیں، مثلاً حکومت نے یہ قانون بنایا کہ جس کے پاس ڈھائی ایکڑ زمین ہو اور وہ اس میں تالاب کھود کر مچھلی پالنا چاہتا ہے تو حکومت اس کو بیس ہزار کی رقم بطور قرض دے گی، ابتداءً کاغذات مچھلی پالن آفس میں جمع ہوں گے پھر وہ آفس اسے منظور کر کے کسی بینک کو بھیج دے گی بینک بیس ہزار قرض دے گی اور اس پر پچیس فیصد چھوٹ ہوگی، اور بقیہ رقم یعنی پندرہ ہزار دس فیصد سود کے ساتھ وصول کیا جائے گا، اب سوال یہ ہے کہ حکومت کے اس پلان سے کسی مسلمان کو فائدہ اٹھانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے، اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا اور غریب رعایا کو فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرنا ہے اسی لئے حکومت کچھ رقم چھوٹ بھی دیتی ہے (جسے سب سیڈی کہا جاتا ہے) اس قسم کے پلان (اسکیم) سے حکومت کا مقصد سود خوری نہیں ہے اس لئے اگر کوئی شخص، حکمت سے اس قسم کے اسکیم کے تحت قرض لے اور حکومت کی طرف سے اس پر کچھ رقم چھوٹ ملے اور بقیہ رقم حکومت مع سود وصول کرے اگر وہ سود، چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سب سیڈی) سے ادا ہو جاتی ہو، اپنے پاس سے زائد رقم نہ دینا پڑتی ہو تو اس تاویل سے کہ ''حکومت نے بطور تعاون جو رقم دی تھی اس شخص نے اسی تعاون والی رقم میں سے کچھ رقم واپس کردی'' مذکورہ اسکیم کے تحت قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور اگر سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سب سیڈی) سے زیادہ دینی پڑیں تو پھر یہ معاملہ سودی کہلائے گا اور جائز نہ ہوگا۔

موجودہ صورت میں یہ بھی پیش نظر رہے کہ عام طور پر تالاب کی مچھلیوں کی بیع شرعی اصول کے خلاف ہوتی ہے اور بیع فاسد کی صورت ہو جاتی ہے (مثلاً عام طور پر قبل القبض مچھلیوں کو بیچ دیا جاتا ہے، نہ مبیع کی تعین ہوتی ہے نہ بیع مقدور التسلیم ہوتی ہے وغیر ذلک) لہٰذا جو شخص یہ کاروبار شروع کرنا چاہتا ہو پہلے اس کو بیع کے مسائل بتلائے جائیں،

اوراس سے تحقیق کرلی جائے کہ وہ شرعی اصولوں کے مطابق کام کرسکے گا؟ اوراس پر قابو پا سکے گا؟ اگر اس پر عمل کرنے کی یقین دہانی کرے تو ایسے شخص کے لئے اس قسم کا قرض لے کر کاروبار کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

نوٹ:

یہ جواب لکھا جا چکا تھا، اتفاق سے ماہنامہ ''الرشاد'' جنوری ۱۹۹۰ء کا شمارہ موصول ہوا جس میں ''فقہ اسلامی سیمینار کے چند اہم فیصلے'' کے عنوان کے تحت ''سود سے متعلق مسائل'' کے ذیلی عنوان میں سود سے متعلق چند تجاویز درج ہیں، اس میں سے ایک تجویز یہ بھی ہے۔

(۳) ہندوستان میں بعض سرکاری قرضے ایسے ہیں جس میں سرکار کی طرف سے چھوٹ (SUBSIDY) دی جاتی ہے، اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگر سود کے نام سے لی جانے والی یہ اضافی رقم چھوٹ (SUBSIDY) کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں ہے۔ (ماہنامہ ''الرشاد'' جنوری ۱۹۹۰ء، مطابق جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ) جلد نمبر ۱۸، شمارہ نمبر ۲۱ (مولانا مجیب اللہ ندوی، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ)

اضطراری حالت کے بغیر سودی قرض لینا جائز نہیں:

(سوال ۲۷۲) میرے پاس اپنا ذاتی کارخانہ ہے اس میں کپڑے بننے کی مشینیں ہیں، کارخانہ کی جگہ بھی میری اپنی ذاتی ہے اور اس میں جتنی چیزیں ہیں سب میری ملک کی ہیں، اس وقت کارخانہ جاری کرنے کے لئے رقم کی سخت ضرورت ہے اور کارخانہ جاری کرنے کے لئے جس قدر رقم کی ضرورت ہوتی ہے اتنی رقم میرے پاس نہیں ہے مجھے بینک سے لون (سودی قرض) مل سکتی ہے، لون لینے پر مجھے سود کے ساتھ قرض ادا کرنا ہوگا، میں ان حالات میں بینک سے لون لے سکتا ہوں؟ مفصل اور مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) سودی معاملہ اور سودی لین دین پر قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں، اور یہ بنص قطعی حرام ہے، ارشاد خداوندی ہے احل اللہ البیع وحرم الربوا، اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوا (سود) کو حرام کیا (سورۂ بقرہ پ۳) نیز ارشاد فرمایا یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات ۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (سورۂ بقرہ پ) نیز ارشاد فرمایا: فان لم تفعلوا فاذ نوا بحرب من اللہ ورسولہ. اگر سودی معاملہ سے باز نہ آؤ گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو۔ (سورۂ بقرہ پ۳)

حدیث میں ہے: عن جابر رضی اللہ عنہ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ھم سواء. ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور سودی معاملہ کے گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا، یہ سب برابر کے گنہگار اور ملعون ہیں (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا)

دوسری حدیث میں ہے: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربوا سبعون جزءً ایسرھا ان ینکح الرجل امہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوجاتے ہیں ان میں سے ادنیٰ درجہ کا گناہ یہ ہے کہ

انسان اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب المنہی عنہا من البیوع)

حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درهم ربوا یا کله الرجل وهو یعلم اشد من ستة وثلثین زنیة. آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک سودی درہم کا کھانا (یعنی اپنے استعمال میں لانا) یہ بات جانتے ہوئے کہ یہ سود کا ہے (اللہ کے یہاں) چھتیس ۳۶ مرتبہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا) اور بھی دیگر احادیث ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (فتاویٰ رحیمیہ ص ۴۵۷ تا ص ۴۶۰، جلد نمبر ۶ اسی باب کا پہلے سوال ملاحظہ کیا جائے جدید ترتیب کے مطابق۔

مندرجہ بالا ارشادات خداوندی اور احادیث نبوی (ﷺ) سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ سودی معاملہ قطعاً حرام ہے، اس کا مرتکب سخت گنہگار، فاسق، باغی وسرکش ہے اور اس کی سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے، ان نصوص کے پیش نظر شرعاً سودی معاملہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے، البتہ اضطرار اور حد درجہ کی مجبوری کی حالت میں جب کہ ہلاکت نفس کا خوف ہو جس طرح بقدر ضرورت مردار کھا کر اپنی جان بچانے کی اجازت ہے، اسی طرح فقہاء نے اضطرار اور حد درجہ کی احتیاج اور شدید مجبوری کی صورت میں جب کہ قرض وغیرہ ملنے کی بھی امید نہ ہو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے، ضرورت سے زیادہ لینا درست نہیں، الاشباہ والنظاء میں ہے، وفی القنیة والبغیة یجوز للمحتاج الا ستقراض بالربح (الا شباه والنظائر ص ۱۱۵ الفن الاول، القاعدة الخامسة الضرر یزال)(البحر الرائق ص ۱۲۶ ج ۶، باب الربوا)

صورت مسئولہ میں سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حالت ایسی مجبوری اور اضطرار کی نہیں ہے، آپ کے پاس کارخانہ اور مشینیں وغیرہ ہیں جو ہزاروں روپے کی مالیت کی چیزیں ہیں لہذا آپ کے لئے شرعاً لون (سودی قرض) لینے کی اجازت نہیں ہوسکتی، کارخانہ جاری کرنا ہے تو اس کے لئے کوئی جائز طریقہ اختیار کیا جائے مثلاً کسی کو شریک بنا کر شریعت کے مطابق کام کیا جائے، یا اپنی فیکٹری اور مشینوں میں سے کچھ کم کر کے اس سے جو رقم حاصل ہو اس رقم سے بقیہ کارخانہ کو مضبوط کیا جائے، اس فانی دنیا میں حلال اور صحیح طریقہ سے بقدر کفاف روزی مل جائے انسانی زندگی کے لئے یہی کافی ہے، حلال اور غیر مشتبہ روزی حاصل کرنے کی کوشش ہونی چاہئے، فتاویٰ رحیمیہ میں ہے" انسان کی سعادت مندی یہی ہے کہ وہ رزق حلال کی طلب میں رہے، حلال اور طیب روزی پیٹ میں جاتی ہے تو اس سے قلب منور ہوتا ہے، اعمال صالحہ کی توفیق ہوتی ہے، عبادات میں دل لگتا ہے اور حرام اور مشتبہ روزی پیٹ میں جاتی ہے تو قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے، عبادات میں دل نہیں لگتا، نیک کاموں کی توفیق نہیں ہوتی، نیز رزق حلال میں برکت ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۰ جلد ۶) (جدید ترتیب کے مطابق، باب الربوا میں، بعنوان، جائز ملازمت چھوڑ کر بینک یا انشورش کمپنی میں ملازمت، سے دیکھ لیا جائے۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مجبوری کی حالت میں بینک سے کتنا سودی قرض لے سکتا ہے:

(سوال ۲۷۳) ایک شخص اسکول میں ماسٹر ہے اور وہی امام بھی ہے۔ غیر شادی شدہ ہے مالی حیثیت اتنی نہیں ہے کہ شادی کر سکے، بلا سود قرض ملنے کی بھی امید نہیں ہے ایسی مجبوری کی حالت میں بینک سے سودی لون لے سکتا ہے یا

نہیں؟ جس کی شرح سود سالانہ فی ہزار پندرہ روپے ہے، شادی اور ذاتی کاروبار کے لئے ایسا لون لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جبکہ اضطرار اور انتہائی مجبوری کی حالت ہے تو سودی لون لینے کی گنجائش ہے کم سے کم رقم سے کام نکالا جائے، شادی کرنے میں جتنی رقم کی ضرورت ہے اتنی ہی لی جائے فضول اخراجات اور مہمان نوازی حتی کہ ولیمہ کی دعوت کے لئے بھی ایسی رقم لینے کی اجازت نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی قرض کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۷۴) ہمارے گاؤں میں مسلم گھانچی (''تیلی'') برادروں کی حالت غربت کی ہے ان کا پیشہ اور تجارت زوال پذیر ہے لہذا انہیں کسب نیز ان کے پیشہ کو فروغ دے کر بیکاری دور کرنے کے لئے حکومت بمبئی نے تجارت پیشہ بورڈ کی معرفت مسلم برادروں کو کم قیمت کی ''شیئر'' خرید اکر سوسائٹیوں کو رجسٹرڈ بنوا کر گورنمنٹ کے زیر نگرانی سوسائٹیوں کو قائم و جاری کیا ہے شیروں کی فروخت کے مطابق بورڈ ساڑھے چار فیصد سود کے اعتبار سے تین برس کی قسطوں سے مال خریدنے کے لئے سوسائٹی کو سودی قرض (LONE) دیتے ہیں، سوسائٹیوں کی رقم کی لین دین، بینکوں کے ساتھ ہوتی ہے، سوسائٹی کا نفع تمام شیئر ہولڈروں (خریداران شیئر) کو پورا ملتا ہے، مسلم بھائیوں کو مال کی دھنکن کی یومیہ اجرت کام کے مطابق دی جاتی ہے، سوسائٹیوں کے شیئر ہولڈر تمام مسلمان ہیں تو سوال یہ ہوتا ہے کہ:۔(۱) سودی قرض (LONE) کے سود کی لین دین کا شرعاً کیا حکم ہے؟ (۲) سوسائٹی کے سود کی آمدورفت (بینک کا حساب) الگ بنوا کر نفع فنڈ میں سودی رقم نہ لیوے تو نفع لے سکتا ہے یا نہیں؟ (۳) بینک کے سود کی لین دین میں سوسائٹی کے ذمہ دار اشخاص گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ (۴) سوسائٹی ''لون'' (LONE) کے روپئے ایک سال کی مدت میں گورنمنٹ کو ادا کر دے تو اس کا سود نہیں لیا جاتا تو اس طرح سے سوسائٹی ''لون'' لیوے یا نہیں؟ اور لون کی رقم سے سوسائٹی قائم کرے یا نہیں؟

(الجواب) مجموعی حیثیت سے مذکورہ معاملہ سودی ہے، اس لئے جائز نہیں ہے، روزی کے جائز ذرائع چھوٹے بڑے میسر ہو سکتے ہیں، لہذا سودی معاملہ جس کی حرمت نص قرآنی اور متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور گناہ کبیرہ اور اشد زنا ہے، اس کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ حدیث شریف میں ہے:۔ **عن عبداللہ بن حنظلة غسیل الملائکه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم درهم ربوا یاکله الرجل هو یعلم اشد من ستة و ثلثین زینة** .(رواہ احمد) ایک درہم سود کھانا چھتیس زنا سے سخت گناہ کا کام ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا) دوسری حدیث میں ہے:۔ **عن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أكل الربوا وموكله و كاتبه وشاهديه وقال هم سواء** (رواہ مسلم) آنحضرت ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب (اصل گناہ) اور لعنت میں) برابر شریک ہیں (مشکوٰۃ ص ۲۴۴ ایضاً) ایک حدیث میں ہے:۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه**

---

(۱) یہ حالت، اضطرار کی نہیں ہے کہ سود پر قرض لینے کی اجازت دی جائے نکاح اگر نہ کیا جائے تو جان تلف ہونے کا خطرہ نہیں بلکہ نکاح ایک مسنون عمل ہے، سنت پر عمل کرنے کے لئے حرام کا ارتکاب شرعاً وعقلاً قابل مواخذہ ہے۔ از مرتب

وسلم الربوا سبعون جزء ًایسر ھا ان ینکح الرجل امہ (سود کھانے کے ۷۳ گناہ ہیں، ان میں سے ادنیٰ گناہ کی مثال ایسی ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے) (مشکوٰۃ ص ۲۴۶ باب الربوا

صادق مصدوق ﷺ کے یہ فرامین اور وعیدیں جس کے پیش نظر ہوں گی وہ کبھی بھی سودی معاملہ اختیار کرنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔ عن عمر بن الخطاب ان اخر ما انزلت اية الربوا وان رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض ولم يفسرها لنا فدعوا الربوا والريبة ۔ حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے کہ (معاملات میں) آخری آیت جو نازل ہوئی وہ سود کے متعلق ہے۔ آنحضرت ﷺ اس کی پوری تفصیل کرنے سے پہلے وفات پا گئے لہذا ربوا اور ریبہ دونوں چھوڑ دو یعنی سود اور جس میں سود کا شبہ ہو وہ بھی سود کے حکم میں ہے اس کو بھی چھوڑ دو۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۷ باب الربوا۔

افسوس اب وہ وقت آ گیا ہے جس کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی کہ ضرور ایک وقت ایسا آئے گا کہ کوئی آدمی بھی بغیر سود کھائے نہیں رہے گا، یعنی سودی معاملے میں وکیل، شاہد اور کاتب وغیرہ سب معین بنیں گے تو سود کھانے کا گناہ ان پر بھی ہوگا (مشکوٰۃ) خدا پاک محفوظ رکھے (آمین) اگر سوسائٹی سودی معاملہ سے احتراز کرے اور لون (LONE) کا ساڑھے چار فیصد جو سود دینا پڑتا ہے وہ نہ دینا پڑے اور بینک کے سود کو بھی شامل نہ کیا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں، جائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی قرض لینا کب جائز ہے :

(سوال ۲۷۵) جب کوئی آدمی کاروبار شروع کرتا ہے تو سرکاری آفس سے اسے مدد کے طور پر کچھ رقم جس کو سب، سی، ڈی کہتے ہیں ملتی ہے، اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) آدمی اپنے ذاتی چند ہزار روپے لگا کر کاروبار شروع کرتا ہے اس کے بعد سرکاری آفس چند حصے مدد کے طور پر اسے دیتا ہے اور اس کا بینک سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تو یہ مدد لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اپنے پاس بقدر حاجت وضرورت روپے فراہم نہ ہونے کی وجہ سے سرکاری آفس میں جاتا ہے اور آفس والے بینک کی معرفت کاروبار کے لئے روپے دلاتے ہیں اس صورت میں بینک کو سود دینا پڑتا ہے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) اگر یہ صحیح ہے کہ بطور امداد وہ رقم دی جاتی ہے اور اس پر کوئی سود نہیں لیا جاتا تو یہ سودی معاملہ نہیں ہے اس لئے درست ہے۔

(۲) بینک سے سودی معاملہ کرنا درست نہیں اگر اضطراری اور حد درجہ کی مجبوری ہو تو جتنی رقم سے ضرورت پوری ہو جائے اتنی ہی مقدار میں سودی قرضہ لینے کی اجازت ہے اس سے زیادہ لینا درست نہیں۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ وفي القنية والبغية يجوز للمحتاج الا ستقراض بالربح انتهى . وفي الحموي قوله يجوز للمحتاج الا ستقراض بالربح وذلك تنجوا ان يقترض عشرة دنا نير مثلاً ويجعل لربها شيئا معلوماً في كل يوم ربحاً معلوماً (الا شباه والنظائر ص ۱۱۵ الفن الاول القاعدة الخامسة الضرر يزال) البحر الرائق ج۶ ص ۱۲۶ باب الربوا) فقط والله اعلم بالصواب .

باب الربوا

مکان کی تعمیر کے لئے لون (قرض) لے سکتے ہیں یا نہیں :

(سوال ۲۷۶) زید کے پاس اپنی ملکیت کی زمین ہے، اس پر ایک مکان (پرو پائیتی) باندھنا چاہتا ہے۔ لیکن تعمیر کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں تو ایسے وقت میں حکومت یا بینک سے (لون) سود سے رقم لے کر یہ (پرو پائتی) مکان باندھ سکتا ہے؟

(الجواب) سودی رقم لے کر مکان بنانا ناجائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سود سے بچنے کے لئے کوئی حیلہ کرنا کیسا ہے :

(سوال ۲۷۷) ایک تاجر نے دوسرے تاجر کے پاس سے لون کے طور پر پانچ سو پاؤنڈ مانگے تو جواب ملا کہ دس فیصد کے حساب سے سود لوں گا۔ لینے والے نے انکار کر دیا کہ میں نہ سود دیتا ہوں نہ سود لیتا ہوں، لیکن ایک صورت بتاتا ہوں کہ تم مجھے پانچ سو پاؤنڈ کا مال (کپڑے) دس فیصد کے نفع سے دو۔ اور وہ میں لے جاؤں اور وہی مال بدوں نفع کے یعنی اصل قیمت پانچ سو پاؤنڈ میرے پاس سے نقد انقد کے لو اور تم اپنے پانچ سو پچاس کا بل مجھے دو اور میرا نام لکھ لو۔ ایک سال بعد پیسے ادا کر دوں گا۔ کیا سود سے بچنے کی یہ تدابیر اور صورتیں جائز ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس اینچ پیچ سے حرام چیز (سود) حلال نہ ہوگی۔ صوت مذکورہ میں پانچ سو سے زائد رقم سود شمار ہوگی اور دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہوں گے۔ (۱) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

سودی رقم پر نفع لینا کیسا ہے :

(سوال ۲۷۸) ایک تاجر نے ایک ہندو کے پاس سے غلہ خریدنے کے لئے پانچ سو پاؤنڈ لئے اور لیتے وقت کہا کہ میں تم کو پندرہ فی صد کے حساب سے سود نہ دوں گا لیکن جب اصل رقم واپس کر دوں گا تو پندرہ فی صد نفع کے حساب سے پچھتر پاؤنڈ دوں گا۔ غلہ خریدنے والا نفع کے متعلق شرط لگاتا ہے کہ خود کو جو نفع ہو اس میں سے نفع نہیں کیونکہ رقم دینے والے کو یہ بات منظور نہیں وہ کہتا ہے کہ تجھے جتنا بھی نفع ہو مجھے تو پندرہ فیصد چاہئے اس رقم سے اناج ہی لیا جاتا ہے دوسرا کچھ نہیں صرف الفاظ میں تغیر ہے تو جائز ہے؟

(الجواب) یہ طریقہ بھی ناجائز ہے سود میں شامل ہے قرض کی رقم پر نفع لینا سود ہے۔ تجارت کے لئے رقم دے کر نفع میں دونوں کی شرکت رکھنا یہ عقد مضاربت کہلاتا ہے جو چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ نفع کی مقدار (مثلاً پندرہ فیصد) معین نہ ہو بلکہ نفع کا کوئی حصہ مثلاً (تہائی۔ چوتھائی یا نصف) مقرر کیا جائے۔ (۲)

---

(۱) قوله وشراء ما باع بالاقل قبل النقد ای لم یجز شرء البائع ما باع باقل مما باع قبل نقد الثمن ...... وانما منعناه خوارز استدلالا بقول عائشة رضی الله تعالی عنها لتلک المرأة وقد باعت ستمائة بعد ما اشترت بثما نمائة بئسما شریت واشتریت ابلغی زید بن ارقم الله تعالیٰ قد ابطل حجه وجهاده مع رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لم یتب. بحرالرائق باب البیع الفاسد ج. ۶ ص ۸۲.

(۲) وکون الربح بینهما شائعا فلو عین قدرا فسدت (درمختار مع الشامی کتاب المضاربة ج. ۵ ص ۶۴۸)

باقی یہ صورت کہ نفع ہو یا نہ ہو رقم دینے والے کو کچھ زائد رقم مل جائے تو یہ ناجائز ہے یہ سودی معاملہ ہے۔

بینک کے سود کے متعلق بحث :

(سوال ۲۷۹) ہم سان فرانسسکو (Sonfransisco) میں تقریباً سو مسلمان ہیں۔ ان میں لبنان، ترکی، شام، مصر، ہندوستان اور پاکستان والے سب ہی شامل ہیں۔ یہاں پر مسجد نہیں لیکن ہم ایک مکان میں جمع ہوکر عید الفطر و عید الاضحی وغیرہ کی نماز پڑھتے ہیں اور یہ کام ''اسلامک سنٹر آف سانفرانسسکو'' کے نام سے چلا رہے ہیں ہم تعمیر مسجد کی کوشش میں ہیں مگر ہماری جماعت (سوسائٹی) میں قریباً پانچ ہزار ڈالر جمع ہوئی ہیں۔ مسجد و مدرسہ کی تعمیر کے لئے تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ کی ضرورت ہے کیونکہ یہاں پر ہر شئی بہت گراں قیمت پر ملتی ہیں مگر یہ سب روپے کیسے اور کب تک جمع ہوں اس کی خبر نہیں یہ پانچ ہزار ڈالر بینک میں رکھے ہیں۔ اب وہ بینک تین روپے سود دیتا ہے جس سے سوالات ذیل وارد ہوتے ہیں :۔

(سوال ۱) پانچ ہزار ڈالر جو بینک میں ہیں ان کا سود لینا جائز ہے یا نہیں ؟۔

(الجواب) بینک میں رکھی ہوئی رقم امانت کے طور پر نہیں رکھی جاتی، کام میں لگائی جاتی ہے اور اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ لہذا بینک میں رقم رکھنا اعانت علی المعصیت ہے یعنی گناہ کے کام میں مدد کرنا ہے۔ سخت لاچاری کے بغیر بینک میں رقم خصوصاً وقف رقم رکھنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے (وقف کی رقم انکم کے لئے بینک میں رکھی جاتی ہے یہ بالکل جائز نہیں ہے، گناہ کا کام ہے) اگر ناواقفی سے رقم بینک میں رکھ دی ہے یا قانونی مجبوری کی بنا پر رکھنی پڑی ہو تو اس کے سود کی کوئی رقم بینک میں نہ چھوڑے، چھوڑ دی گئی ہے تو اسلام کی خلاف استعمال ہوگی۔ لہذا وہ رقم لے کر غریب محتاجوں کو دے دی جائے۔ مسجد کے بیت الخلا، غسلخانہ، پیشاب خانہ میں یہ رقم استعمال کی جاسکتی ہے۔ (بیت الخلاء میں استعمال کے عدم جواز پر، احکام مساجد و مدارس میں بحث کر چکے ہیں۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۲) سود لینا اور دینا شرع میں جائز نہیں ہے مگر یہاں کے بینک تاجروں اور چھوٹے بڑے کارخانوں اور مال ملکیت والوں کو سود سے رقم دیتے ہیں۔ یہاں کے رسم و رواج کے مطابق بزنس انٹریسٹ شمار ہوتا ہے تو اگر بینک سود دے اس کو اپنی جماعت (سوسائٹی) کے خرچ میں لگانا چاہئے یا نہیں؟ اس کو مسجد کے خرچ میں لگایا جائے یا نہیں؟

(الجواب) سودی رقم جماعت (سوسائٹی) چلانے میں یا مسجد و مدرسہ کے ملازمین کی تنخواہ اور کرایہ وغیرہ ادا کرنے کے کام میں نہیں لا سکتے۔ (۱)

(سوال ۳) بینک کا سود لے کر اس جماعت (سوسائٹی) اور مسجد و مدرسہ کے کاروبار میں استعمال کرنے کی اجازت نہ ہو تو کسی غریب کو دے دیا جائے یا ایسے کام میں استعمال کیا جائے جس میں ثواب کی نیت نہ رکھتے ہوں تو ایسے امور میں استعمال کرنا جائز نہیں؟

(الجواب) اس کا حکم مذکورہ بالا جوابات سے معلوم کر سکتے ہیں۔ (۲)

(۱. ۲) والحاصل ان علم ارباب الا موال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. شامي، مطلب في ورث ما لا حراما باب البيع الفاسد ج. ۵ ص ۹۹.

(سوال ۴) فرض کیجئے کہ مسجد ومدرسہ کی کارگزاری کے لئے ایک لاکھ ڈالر کی زمین خریدی یہاں کا رواج یہ ہے کہ آپ کے پاس پوری رقم نہ ہوتو اس کا چوتھائی حصہ نقد دے کر بقیہ رقم ہر ماہ تھوڑی تھوڑی ادا کردی جائے۔ پوری قیمت جب تک ادا نہ ہوجائے بائع چھ فیصد سود طلب کرتا ہے۔ ایسی حالت میں مسجد ومدرسہ کی تعمیر کے لئے ایسی زمین وغیرہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جس تجارت اور معاملہ میں سود دینا پڑے وہ ناجائز ہے۔ چاہے وہ مسجد کے لئے ہو یا مدرسہ کے لئے۔ رقم ناکافی ہوتو حسب حیثیت مسجد ومدرسہ بنالیں یا زمین خرید کر اس میں شامیانہ ڈال کر تعلیم وتعلم اور نماز باجماعت شروع کردیں یا کسی مکان میں۔ اپنا ذاتی نہ ہوتو کرایہ کے مکان میں تعلیم ونماز باجماعت کا بندوبست کرسکتے ہیں۔ بڑی رقم جمع ہونے کا انتظار نہ کریں۔ نماز باجماعت کا فوری انتظام ہونا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ کسی بستی یا جنگل میں تین آدمی بستے ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھیں تو یقیناً ان پر شیطان سوار ہوجائے گا۔ مامن ثلاثة فی قریة ولا بدو لا تقام فیهم الصلوة الا قد استحوذ علیهم الشیطان فعلیهم بالجماعة (نسائی شریف ص ۷۴ ج ۱ باب الجماعة وفضلها (مشکوٰة ص ۹۶ .)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ فمراد الله من نصب هذه الامة ان تکون کلمة الله هی العلیا وان لا یکون فی الارض دین اعلیٰ من الاسلام ولا یتصور ذلک الا بان یکون سنتهم ان یجتمع خاصتهم وعامتهم وحاضرهم وبادیهم وصغیر هم وکبیر هم لما هوا عظم شعائره واشهر طاعته فلهذه المعنی انصرفت العنایة التشریعیة الی شرع الجمعة والجماعات والترغیب فیها وتغلیظ النهی عن ترکها.

یعنی اس امت کے قائم کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا بول بالا ہو اور روئے زمین پر دین اسلام سے اعلیٰ اور کوئی دین نہ پایا جائے اور یہ بات اس وقت متصور ہوسکتی ہے کہ ان کا یہ دستور ہو کہ اس عبادت کے لئے جو دین کا سب سے بڑا شعار اور عبادت میں سب سے مشہور عبادت ہے، ہر خاص وعام، شہری ودیہاتی، چھوٹا اور بڑا سب مجتمع ہوا کریں اسی سبب سے عنایت شرعیہ جمعہ اور جماعات کے مقرر کرنے اور ان میں رغبت دلانے اور ان کے ترک سے سخت ممانعت کرنے کی طرف متوجہ ہوئی۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۸۸ الجماعة حاصية الجماعة) (المطابع آرام باغ کراچی)

امریکہ کے ایک ماہر اجتماعیات ونفسیات مسٹر ڈینی سن (Denis on) اپنی کتاب ایموشن ایز دھی بیسز آف سویلزیشن کے صفحہ ۲۷۵ پر لکھتے ہیں کہ سب مورخین کہتے ہیں کہ اسلام کو جو حیرت انگیز کامیابی دنیا کو مسخر کرنے میں ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے دائرہ میں زبردست اتحاد واتفاق پیدا کردیا تھا لیکن خود یہ بات کس طرح پیدا ہوئی کسی نے اس کا حل نہیں کیا اس بات میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں کہ اس کی بڑی اور زیادہ موثر چیز نماز باجماعت تھی۔ روزانہ نماز میں مسلمان جہاں کہیں بھی ہو۔ چاہے جنگل ویابان میں ہو، سب ایک ساتھ جماعت نماز پڑھیں۔

محمد (ﷺ) سب سے پہلی شخصیت ہے جس نے متحد ومتفق ہونے کے لئے نماز باجماعت کی قوت کا احساس کیا اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اسلام کی طاقت پنج گانہ نماز باجماعت کی سخت پابندی کا نتیجہ (ثمرۂ بے بہا) ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۵) مذکورہ بالا سوال نمبر ۴ میں کسی آدمی کو اپنے قیام کے لئے مکان خرید۔نے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

(الجواب) دارالحرب میں بھی سود دینے کی اجازت نہیں ہے۔لہذا جائز نہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۶) دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس ہزار ڈالر بینک میں جمع ہیں۔بینک اس کا تین فیصد سود دیتا ہے۔اب یہاں بیس فیصدی انکم ٹیکس دینا پڑتا ہے۔یہ شرعاً نہیں ہے لیکن دیس اور حکومت کے قانون کی وجہ سے ادا کرنا پڑتا ہے تو بینک کی سودی رقم لے کر انکم ٹیکس ادا کرنے میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) وہ رقم لے لی جائے مگر اپنے کسی کام میں نہ لگائی جائے۔غریبوں اور حاجت مندوں کو دے دی جائے۔انکم ٹیکس ادا کرنے کی حیثیت نہ ہو تو سود کی اس رقم کو انکم ٹیکس میں ادا کرنے کی گنجائش ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے:

(سوال ۲۸۰) ذیل کے سوالات کے جوابات بالتفصیل عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

(۱) کم آمدنی والے بیمہ اس لئے کراتے ہیں کہ بالیقین کچھ نہ کچھ رقم بچ سکے۔اگر بچی ہوئی رقم خود کے پاس رہی تو خرچ ہوجانے کا اندیشہ رہتا ہے اور بیمہ کی فیس ادا کرنے کے بعد وہ رقم بیمہ کی پالیسی کی تاریخ سے پہلے ملنا مشکل ہوتی ہے اس لئے اپنے پاس رکھنے سے بچتے ہیں اور بیمہ کرا لیتے ہیں کہ یہ رقم زندگی کی آخری دور میں کام آسکے۔

(۲) کتنے آدمی زندگی کا بیمہ اس لئے کراتے ہیں کہ ان کو اپنی سالانہ آمدنی پر زیادہ ٹیکس دینا پڑتا ہے اگر زندگی کا بیمہ کرالے تو بیمہ کی فیس جو سال بھر میں دی گئی ہے اس کو وضع کر کے باقی رقم پر انکم ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے۔جن کی آمدنی سالانہ پچیس ہزار یا اس سے زیادہ کی ہے ان کو اس میں بہت نفع ہوتا ہے۔اس کے علاوہ کچھ آدمی اپنی زندگی کا بیمہ اس لئے کراتے ہیں کہ اپنی ناگہانی موت پر ورثاء کو امداد مل سکے اور اگر خود زندہ رہے تو اپنی آخری زندگی میں بیمہ کی رقم ملنے سے معاون حیات ہوسکے۔

(الجواب) زندگی کے بیمہ کا معاملہ کسی بھی نیت و مصلحت سے ہونا جائز ہے۔اس میں قمار (جوابازی) اور سود دونوں قسم کے گناہ ہیں۔اور گناہ بھی بڑے سنگین گناہ ہیں۔حدیث میں ہے۔**قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا موکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رواہ مسلم(عن جابر رضی اللہ عنہ (مشکوۃ شریف ص ۲۴۴ باب الربوا)**

دوسری حدیث میں ہے۔**عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربوا سبعون جزء ایسرھا ان ینکح الرجل امہ (مشکوۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا)**

یعنی۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں۔جن میں ادنیٰ درجہ کا گناہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔نیز حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ سے روایت ہے۔
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھم ربوا یا کلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلثین زنیۃ الخ (مشکوۃ ص ۲۴۶ باب الربوا)

یعنی ! آنحضرت ﷺ نے فرمایا سود کے ایک درہم (ساڑھے تین ماشہ چاندی) کا کھانا (اپنے خرچ میں لانا) اللہ تعالیٰ کے یہاں چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ سخت ہے۔

جس مسلمان کے دل میں آنحضرت ﷺ کے فرمان مبارک کی عظمت ووقعت ہو وہ کبھی بھی سودی معاملہ کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔ اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دس حلال اشیاء میں سے صرف وہ چیز لو جو سود کے شک وشبہ سے بالکل پاک ہو اور باقی کو چھوڑ دو۔ فد عوا الربو او الريبة (مشکوٰۃ ص ۲۴۶ باب الربوا)

آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی ہے۔ ليأتين علی الناس زمان لا يبقى احد الا اكل الربوا فان لم ياكله اصابه من بخاره ويروى من غباره. عن ابی هريرة رضي الله عنه (مشکوٰۃ ص ۲۴۵ باب الربوا) یعنی۔ لوگوں پر ایک زمانہ آنے والا ہے کہ کوئی آدمی بھی سود سے نہ بچے گا، ظاہراً نہیں لے گا تو اس کا دھواں (کوئی اثر) ضرور اس کو لگے گا۔

اگر اصل رقم جوادا کر چکے ہیں اس کو لینے کی اور سود چھوڑ دینے کی نیت سے بیمہ کیا تب بھی اجازت نہیں کیونکہ اس میں حرام کاروبار میں شرکت ہوتی ہے اور اس کو ترقی دینے کے لئے امداد واعانت ہوتی ہے۔ حالانکہ ارشاد خداوندی ہے۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان . یعنی گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مددمت کرو اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک اللہ پاک سخت عذاب دینے والا ہے۔ (سورۂ مائدہ)

انڈین ویوز کے سود والے مضمون کے متعلق اہم فتویٰ:

(سوال ۲۸۱) بعد تسلیم وبصد آداب وتعظیم مذکور کاغذ کے ساتھ انڈین ویوز کے کٹنگ (جلد ۴۷ رسالہ ۴۸، ۴۹، ۵۰) عرض خدمت ہے حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری دامت برکاتہم کی خدمت عالی میں پیش کر کے ممنون فرمائیں۔ مذکور کٹنگوں کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ''سود اور رویت ہلال'' کے مسئلوں کے متعلق کتنی بڑی ناسمجھی اور غلط فہمی لوگوں میں پھیل گئی ہے اور اس میں سود کے مسئلہ کے متعلق ایک فتنہ کھڑا ہو گیا ہے کہ ظلم نہ ہوتا ہو تو سود حرام نہیں ہے، بلکہ سود آج مبارک چیز ہے اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا، تو اس کا جواب حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے حاصل فرمائیے۔

(الجواب) بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ تیرہ سو برس پہلے ایک شرعی، قرآنی اور متفقہ ومسلمہ مسئلہ کے خلاف ایک غیر عالم اور علوم شرعیہ (نور نبوت) سے محروم انسان کے نظریہ نیز بیہودہ دلیل اور بکواس پر افریقہ کے مسلمان برادران مذبذب اور ڈانواڈول ہو گئے ہیں، تو جب دجال آئے گا تو کیا حالت ہوگی؟ دجال کے کرشمے تو نہایت ہی خطرناک اور حیرت انگیز ہوں گے، مردہ کو زندہ کرنے کا کرشمہ دکھائے گا۔ اس کے ساتھ اس کی جنت اور دوزخ بھی ہوگی۔ اپنے ماننے والوں کو اپنی جنت میں داخل کرے گا اور نہ ماننے والوں کو دوزخ میں ڈالے گا۔ سخت قحط سالی کے وقت جب کہ لوگوں کے پاس گلہ اناج نہ ہوگا، غلہ دے گا۔ بارش برسائے گا اور غلہ پیدا کرے گا۔ زمین کی مدفون خزانے اس کو حکم کے تابع ہو جائیں گے ایسے حالات میں آج کے کمزور عقیدہ والے مسلمان (اپنے) ایمان کو کیسے سنبھالیں گے؟ یہ زمانہ پر فتن ہے، جس کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی ہے:۔ يكون فی اخر الزمان دجالون، كذا بون

یاتونکم من الا حادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آبائکم فایاکم وایا ھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم رواہ مسلم . عن ابی ھریرہ (مشکوٰۃ ص ۲۸ باب الا عتصام بالکتاب والسنۃ مجتبائی دھلی)

یعنی۔آنحضرت ﷺ کا فرمان وپیشنگوئی ہے کہ: آخری زمانہ میں جھوٹے دجال بہت ہوں گے جوتم کوایسی احادیث (باتیں) سنائیں گے جو نہ تم نے کبھی سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادانے سنی ہوں گی۔ایسوں سے بچتے رہنا ورنہ تم کوگمراہ کردیں گےاورفتنہ میں ڈالیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف)

لہذاایسے گمراہ کن مضامین اورایسے مضمون نگاروں سے دوررہنا قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً. یعنی۔جب کوئی جہالت کی باتیں کرےتو خداکے نیک بندے صاحب سلامت کہہ کرالگ ہوجاتے ہیں۔(سورۃالفرقان)

غلط خیالات اورگندے دماغ والوں کی کتابیں اوران کے مضامین پڑھنے سے دل پراثر بد پڑنے کا اندیشہ ہے۔لہذااسلام نےایسی چیزوں سے دوررہنے کی تعلیم دی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:۔ عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اتاہ عمر فقال انا نسمع احادیث من یھود تعجبنا افتریٰ ان نکتب بعضھا؟ فقال امتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاریٰ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیۃ. ولو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی (مشکوٰۃ ص ۳۰ ایضاً)

حضرت جابرؓ سےروایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نےآنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہم یہود کی باتیں سنتے ہیں جو عجیب ہوتی ہیں اجازت ہوتو کچھ باتیں لکھ لیا کریں۔اس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا (ﷺ) کیاتم شک میں ہو؟ جیسے یہود ونصاریٰ شک میں تھے ۔بےشک میں تمہارے پاس روشن شریعت لےکرآیا ہوں۔اگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتےتو ان کے لئےبھی میری اتباع کےسواگنجائش نہیں تھی (لامحالہ میری پیروی کرتے)(مشکوٰۃ شریف ص۳۰)

حضرت جابرؓ کی دوسری روایت ہے۔ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنسخۃ من التورۃ فقال یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)ھذہ نسخۃ من التورٰۃ فسکت فجعل یقرأ ووجہ رسول اللہ علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر ثکلتک الثواکل ما تریٰ ما بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنظر عمر الی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ رضینا باللہ رباًوبالا سلام دیناً وبحمد نبیاً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ (مشکوٰۃ ص ۳۲ مجتبائی دھلی باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

(ترجمہ) حضرت عمرفاروقؓ نےآنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک کتاب پیش کرتے ہوئےعرض کیا۔یارسول اللہ یہ توراۃ ہے۔آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا (خاموش رہے) حضرت عمرؓ پڑھنے لگےحضرت کا چہرۂ انور متغیر ہواتو حضرت ابوبکر نے (فوراً حضرت عمر کوٹوکا اوراپنے محاورہ میں) فرمایا۔اےعمر تمہیں رونے والیاں رودیں۔تم آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک کونہیں دیکھتے کہ کیا کیفیت ہے۔حضرت عمر نے چہرۂ انورکودیکھا کہ ناگواری سے رنگ بدلا ہواہے (گھبراکر) عرض کیا۔میں پناہ مانگتا ہوں خداکےغضب سےاوراس کےرسول کےغضب سےہم

راضی ہیں اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے نبی ہونے پر الخ۔

آیت ربوا کی تشریح کرنے والے ان مقالہ نگار کی مثال اس کاتب جیسی ہے جو جہل مرکب کے مریض تھے۔قرآن شریف کی کتابت شروع کی تو یہاں بھی اصلاح کی سوجھی۔ولقد نادانا نوح (اور ہم کو پکارا نوح نے) کے بجائے دانا نوح۔لکھا کہ نوح علیہ السلام ''نادان'' نہیں تھے ''دانا'' تھے۔یہ پہلے کاتب کی غلطی ہے کہ ''نادان'' لکھ دیا۔

''عصی آدم ربہ'' (آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی باتیں نہیں مانی) لکھنے لگے تو خیال آیا کہ عصا (لاٹھی) تو آدم کی نہیں تھی۔عصا رموسیٰ مشہور ہے۔لہذا آپ نے عصا موسیٰ ربہ تحریر فرمایا۔فرعون، ابلیس، قارون، ہامان کی جگہ ان صاحب کا اور ان کے باپ دادا کا نام لکھ دیا۔جن کی فرمائش پر یہ قران شریف لکھ رہے تھے کہ ان ناپاک ناموں کا قرآن میں کیا کام یہاں پاک نام فرمائش کرنے والے اور ان کے آباواجداد کے آنے چاہئیں (معاذ اللہ)

انڈین ویوز کے مضمون نگار کے نظریہ کا خلاصہ:

انڈین ویوز کے مضمون نگار صاحب کے نظریہ کا خلاصہ تقریباً ان کے الفاظ میں یہ ہے:۔

''قرآن مجید کی آیات میں سود کا خلاصہ کر کے لینے دینے کو حرام قرار دیا ہے، وہ ایسا سود ہے جو زکوٰۃ، خیرات وغیرہ کی امداد کے حق دار ہوں، ایسے غریب حاجت مندوں کے پاس سے وصول کر کے اس پر ظلم کیا جائے جلد ۷۴ شمارہ ۴۸)

(الجواب) مذکورہ عقیدہ ونظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔اسلام میں کوئی بھی یہ نہیں مانتا کہ سود لینا غریب سے حرام ہے۔سرمایہ داروں (مالداروں) سے سود لینا حرام نہیں، حلال ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین رحمہم اللہ، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ، محدثین، علماء وفقہاء کرام رحمہم اللہ نیز مشائخ عظام رحمہم اللہ میں سے کسی کا بھی یہ مذہب اور عقیدہ نہیں ہے۔یہ قرآن کریم پر افترا اور بہتان اور آیات کلام اللہ کی من گھڑت تفسیر ہے۔یہ مضمون نگار عالم نہیں ہیں۔اگر کوئی بلند پایہ عربی داں فاضل وقت ہو تو اس کے لئے بھی گنجائش نہیں ہے کہ کلام اللہ کی کسی آیت کے معنی اپنے دل سے گھڑے۔آیات کلام اللہ کی وہی تفسیر قابل اعتبار ہوگی جس کے شواہد اور قرائن احکام شریعت کے اندر موجود ہوں اور ان شواہد اور قرائن کے بغیر اگر کوئی شخص اپنی عقل اور ذہانت سے تفسیر کرے تو اگر وہ بالفرض صحیح بھی ہو تب بھی آئین تفسیر کے لحاظ سے غلط ہے۔چنانچہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔**قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برائه فاصاب فقد اخطاء .(رواہ الترمذی)(مشکوٰۃ ص ۳۵ کتاب العلم)**

یعنی۔جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی تو اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس نے غلطی کی۔

یہ تو اہل علم کے متعلق آنحضرت ﷺ کی ہدایت ہے باقی یہ کہ کوئی عالم نہ ہو ادھر ادھر کی کچھ باتیں معلوم کر کے احکام شریعت پر بحث کرنے لگے یا کسی آیت کی تفسیر کی جرأت کرے اور مسلمان اس کی بات کی قدر کریں تو اس کو آنحضرت ﷺ نے علامات قیامت میں شمار فرمایا ہے۔**عن ابی هريرة قال بينما النبی صلی اللہ علیه سلم فی**

مجلس یحدث القوم جاء ه اعرابی فقال متی الساعة فمضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحدث فقال بعض القوم سمع ماقال فکرہ ماقال وقال بعضھم بل لم یسمع حتی اذا قضی حدیثہ قال این اراہ السائل عن الساعة . قال ھا انا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .قال فاذا ضیعت الامانة فانتظر الساعةفقال کیف اضاعتھا قال اذاوسد الا مرالی غیر اھلہ فانتظر الساعة (بخاری شریف ج ا ص ۱۴ پ ا کتاب العلم باب من سئل علما ھو مشتغل فی حدیثہ الخ .)

ترجمہ۔آنحضرت ﷺ ایک مجلس میں خطاب فرمارہے تھے کہ ایک اعرابی آیا۔اس نے سوال کیا۔قیامت کب ہوگی؟آنحضرت ﷺ نے سلسلہ خطاب جاری رکھا(اس کا جواب نہیں دیا)حاضرین میں سے کسی کوخیال ہوا کہ آپ ﷺ نے اعرابی کی بات سن لی مگرجواب دینا پسندنہیں فرمایا۔اورکسی کوخیال ہوا کہ سمع مبارک تک اعرابی کی بات پہنچی ہی نہیں ہے۔یہی خیالات تھے کہ آنحضرت ﷺ نے کلام ختم فرمایا۔تب ارشادہوا۔کہاں ہیں(راوی کہتے ہیں کہ مجھے پوری طرح الفاظ یادتونہیں رہے مگرمیراخیال ہے کہ آپ نے یہ فرمایا۔این السائل عن الساعة (وہ کہاں ہیں جوقیامت کے متعلق سوال کررہے تھے)اعرابی نے فوراًجواب دیا۔ھا انا یارسول اللہ . یارسول اللہ میں حاضرہوں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔جب وہ امانت (جونوع انسان کوسپرد کی گئی ہے وہ) برباد کی جائے۔اعرابی نے دریافت کیا۔یہ مقدس امانت برباد کیسے ہوگی؟آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایاجب یہ امر(دین کا معاملہ) نااہل کے سپرد کردیا جائے توقیامت کاانتظارکرو۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ لوگ ناواقفوں کوسردار بناکران سے دین کی باتیں پوچھیں گے وہ خودبھی گمراہ ہوں گےدوسروں کوبھی گمراہ کریں گے۔(ترمذی شریف ابواب العلم باب ماجآء فی ذھاب العلم)

حضرت ابن مسعودؓ کاارشاد ہے کہ جب تک لوگوں کے سامنے علماء کاملین کاعلم رہے گا،وہ دین میں ترقی کرتے رہیں گےاورجب ناقص اورناواقفوں کاعلم شروع ہوگاتوبربادہوں گے(جامع بیان العلم ج اص ۱۵۹)

حضرت امام اوزاعیؒ نے فرمایاہے کہ دینی باتیں جاہلوں سے پوچھی جاتی ہیں یہ بھی گمراہی کی علامت ہے (الاعتصام ج اص ۱۴۹)

واقعہ یہ ہے کہ شرعی احکام کی حقیقت اورخوبی وحکمت صحیح طریق سے وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اسلامی علوم علماء کاملین سے حاصل کئے ہوں جس کوبزرگان دین اوراولیاء کاملین کے فیض صحبت سے کچھ حصہ ملا ہو۔یعنی جن کے قلوب کوخودنبوت کے آفتاب نے ان روشن دانوں کے ذریعہ نورانیت اورحقانیت کی روشنی پہنچا کرمنور کیا ہووہی شرعی احکام کے مصالح وحکم پوری طرح سے سمجھ سکتے ہیں۔جولوگ خدائے تعالیٰ کے ان انعامات سے محروم ہیں،وہ خداوند عالم کےاس لطف وکرم سے کس طرح سرفراز ہوسکتے ہیں؟ہرایک مدعی وکالت بیرسٹرنہیں ہوتا۔آپ اپنامقدمہ اسی کے حوالے کرتے ہیں جس نے باقاعدہ وکالت یابیرسٹری کاامتحان دیا ہو۔پھرکسی بڑے وکیل یابیرسٹرکا جونیرین کرتجربہ حاصل کیاہو۔ہرشخص جانتااورسمجھتا ہے کہ نیم ملا آفت ایمان اورنیم حکیم آفت جان۔مگرافسوس۔آیات کتاب اللہ کی تفسیر کے بارے میں لوگ ان مسلمہ اورمتعارف اصول کوبھول جاتے ہیں۔انڈین ویوز کے مضمون نگارصاحب بہترین صحافی اوراچھے اخبارنویس ہوں گے مگردین کے معاملے میں ان کی تہی دامنی اورمحرومی کااندازہ اسی سے ہوسکتا

ہے کہ وہ کلام اللہ شریف کی آیت کو وہ معنی پہنا رہے ہیں جو کسی نے نہیں پہنائے جو شخص تیرہ سو برس کے مفسرین، محدثین، ائمہ کرام مجتہدین، فقہاء عظام اور علمائے ربانی کے ارشادات کو غلط کہے اس کو طالب حق کہا جائے گا یا باطل پرست۔ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست (معاذ اللہ)

حدیث شریف میں ہے۔ **ویقال للرجل ما اعقله وما اظرفه واما اجلده وما فی قلبه مثقال حبة من خردل من الایمان .بخاری شریف.**

یعنی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کی نمائشی باتوں سے لوگ یہاں تک متاثر ہوتے ہیں کہ حیرت سے کہتے ہیں۔ کتنا بڑا عقلمند ہے کیسا ذہن اور سخن شناس ہے۔ کس قدر دلیر ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ آیات قرآن اور احادیث رسول اللہ ﷺ کے یہ معنے گھڑنا کہ وہ سود حرام ہے جو ایسے غرباء سے لیا جائے جو زکوٰۃ و خیرات کے مستحق ہیں اور صاحب دولت امراء سے سود لینا حرام نہیں ہے۔ یہ سراسر آیات کلام اللہ کی تحریف معنوی اور خواہش نفسانی کی اتباع اور یہود ملعون کی تقلید ہے۔ یہودیوں پر چربی حرام کی گئی تھی تو انہوں نے یہ تاویل کر لی کہ اس کو پگھلا کر بیچا اور قیمت اپنے کام میں لائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی **قاتل الله الیهود ان الله لما حرم علیهم شحومها احملوها ثم باعوه فاکلوه بثمنه (مسلم شریف ج ۲ ص ۳ مطبع علمی دهلی)** (ترجمہ) اللہ تعالیٰ یہود کو برباد کرے جب ان پر چربی حرام کر دی گئی تو انہوں نے اس کو پگھلایا اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اسی طرح کی تاویل یہ ہے کہ جو مضمون نگار صاحب کر رہے ہیں اور اپنے عمل سے آنحضرت ﷺ کی اس پیشنگوئی کی تصدیق کر رہے ہیں۔

لتتبعن سنن من قبلکم شبراً شبراً و ذراعاً ذراعا حتی لو دخلوا حجر فی ضب تبعتموهم قلنا یارسول الله الیهود والنصاریٰ؟ قال فمن (بخاری شریف ص ۸۸۸ عن جابر بن عبدالله رضی الله عنهما) (ترجمہ) تم لامحالہ اگلوں کے طریقوں کی پیروی کرو گے۔ بالشت بالشت، ہاتھ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی گھسو گے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ! اگلوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اور کون؟

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ یہودیوں کے ملعون و مغضوب ہونے کی ایک بڑی وجہ سود خوری ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔ **فبظلم من الذین هادوا. الی قوله . واکلهم الربوا (سورہ نساء ۲۲)** یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے (کئی ایک) اچھی چیزیں ان پر حرام کر دیں (جو پہلے) حلال تھیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے۔ نیز ان کی یہ بات کہ سود لینے لگے حالانکہ اس سے روک دیئے گئے تھے۔ (الآیۃ سورہ نساء)

قرآن حکیم کی تصریحات:

ان تمہیدی مقدمات کے بعد قرآن حکیم کی طرف رجوع کیجئے۔اور غور فرمائیے کہ آیات کتاب اللہ نے جس کو حرام قرار دیا ہے جس کو چھوڑنے کی یہاں تک تاکید فرمائی ہے کہ اگر ترک نہیں کرتے ہو تو اللہ اور رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔وہ کیا ہے اور کیا اس میں اس تفصیل کی گنجائش ہے کہ غریب سے حرام ہے امیر سے نہیں۔

پوری آیت یہ ہے:۔

الذین یا کلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس . ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا . فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خلدونO (سورہ بقرہ ع ۳۹)

جو لوگ کھاتے ہیں سود نہ اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ جس کے حواس کھو دیئے جن نے لپٹ کر (جیسے کوئی مرگی کا مریض ہو یا آسیب زدہ ہو) یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے سود کے ناجائز ہونے سے انکار کیا اور کہا خرید وفروخت کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے قرض دے کر سود لینا حالانکہ خدا نے تو خرید وفروخت کو حلال فرمایا ہے اور سود (ربوا) کو حرام (دونوں باتیں ایک طرح کی کیسے ہوسکتی ہیں) سو اب جس کسی کو اس کے پروردگار کی نصیحت پہنچ گئی (اور وہ آئندہ سود لینے سے رک گیا) تو جو پہلے لے چکا ہے وہ اس کا ہو چکا ہے۔اس کا معاملہ خدا کے حوالے ہے لیکن جو کوئی باز نہ آیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے، ہمیشہ عذاب میں رہنے والا ہے۔

مذکورہ بالا نص قرآنی میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الربوا کو حرام قرار دیا ہے یعنی جس پر بھی ربوا کا اطلاق ہو وہ حرام ہے خواہ وہ غریب سے حاصل ہو یا امیر سے۔

اس کے متعلق جو اعتراض تھا قرآن حکیم نے اس کا جواب دیا ہے۔مزید برآں ربوا کے نقصانات اور مضرتیں بیان فرمائی ہیں۔آپ سب کو بغور مطالعہ فرمائیے اور دیکھئے کہیں غریب اور امیر کا فرق نکلتا ہے۔یا اس فرق کی کوئی پرچھائیں بھی کہیں نظر آتی ہے۔

اعتراض یہ تھا۔ **انما البیع مثل الربوا**۔ یعنی بیع کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ ربوا جیسی ہے۔ربوا حرام ہے تو بیع بھی حرام ہونی چاہئے۔

کلام الٰہی فہمائش کرتا ہے کہ یہ بہت بڑی ہٹ دھرمی ہے کہ بیع کو ربوا۔یا مثل ربوا کہا جائے۔ان دونوں میں نہ یگانگت ہے نہ مماثلت بلکہ ان دونوں میں وہی فرق ہے جو نفی اور اثبات میں ہوتا ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ بیع کی حقیقت تبادلہ ہے یعنی دو مماثل چیزوں میں سے ایک کو دوسرے کے عوض میں دینا۔یہاں مماثلت تبادلہ اور عوض ہوتا ہے۔اس کے برعکس ربوا۔اس زیادتی کو کہا جاتا ہے جس کے عوض میں کچھ نہ ہو۔جب ایک میں عوض کا ہونا ضروری ہے اور دوسرے میں نہ ہونا ضروری تو ان دونوں کو یعنی بیع اور ربوا کو ایک کہنا یا مثل قرار دینا سراسر ہٹ دھرمی ہے۔

آپ نے ایک موتی ایک ہزار روپیہ میں خریدا۔ دو ہزار میں بیچا۔ جس طرح ایک ہزار عوض تھا، ایسے ہی دو ہزار بھی عوض اور بدل ہے۔ یہ بائع اور خریدار کا باہمی سمجھوتہ ہے کہ وہ اپنی رضامندی سے ایک ہزار کو موتی کا عوض قرار دیں یا دو ہزار کو۔ کسی بزرگ کی ٹوپی جو پانچ پیسے کی ہو، اس کو ایک ہزار گنیوں کے بدلہ میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔ یعنی فریقین کو حق ہے کہ وہ پانچ پیسے کی چیز کا عوض دو ہزار گنیاں قرار دے لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ البتہ اگر فریقین کی رضامندی نہ ہو۔ جبر واکراہ یا دھوکہ دے کر زائد رقم وصول کی جائے تو بے شک ناجائز ہے۔ لیکن ایک شخص ایک ہزار روپیہ قرض لیتا ہے اور طے یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک سال بعد پانچ پیسے زائد ادا کرے گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ پانچ پیسے کس چیز کا عوض ہیں۔ یہاں تبادلہ اور بیع نہیں ہے اگر ہے تو استعارہ ہے استعارہ کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ بلاعوض کے کوئی چیز منگنی پر دے دی جائے۔ یہ پانچ پیسے پھر بھی زائد ہی رہے ان کے لئے جواز نہیں نکلا۔ ممکن ہے یہ کہہ دیا جائے کہ یہ استعارہ نہیں بلکہ اجارہ ہے یعنی کرایہ۔ یہ پانچ پیسے کرایہ کے ہیں تو کرایہ اس چیز کا ہوتا ہے جو خود باقی رہے۔ کرایہ دار مکان کو خرچ نہیں کرتا۔ مکان بدستور باقی رہتا ہے۔ وہ اس سے رہائش کا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اس کے معاوضہ کا نام کرایہ ہے۔ لیکن قرض دار کا تو پہلا کام یہ ہوا کہ وہ روپیہ خرچ کردے۔ اب کرایہ کس چیز کا؟ بہرحال فضل خال عن العوض یعنی وہ زیادتی جو عوض اور بدل سے خالی ہو، کوئی مماثل شے اس کے مقابلہ میں نہ کہی گئی ہو اس کا نام ربوا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

اس پورے سوال جواب پر دوبارہ توجہ فرمائیے اور تلاش کیجئے کہیں امیر یا غریب کا فرق نکلتا ہے یا اس کی کوئی پرچھائیں بھی نظر آتی ہے۔

یہ قرض کی صورت تھی جس میں ربوا ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا اور علت یہ کہ ایسی زیادتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہیں آرہا۔

احادیث مقدسہ میں قرض کے علاوہ بیع کی صورتوں پر بھی نظر ڈالی گئی ہے۔ اور خرید وفروخت کے سلسلہ میں جہاں یہ بات پائی گئی کہ زیادتی کے مقابلہ میں عوض نہیں آیا اس کو بھی ربوا قرار دے دیا۔

بے شک بیع کے سلسلہ میں فریقین کو اختیار ہے کہ وہ اپنی خوشی اور رضامندی سے پانچ پیسے کی ٹوپی کا عوض ایک ہزار پونڈ قرار دے لیں۔ لیکن یہ جب ہے کہ جب جنسیں دو ہوں لیکن اگر جنس ایک ہو مثلاً سونے کے عوض میں سونا دیا جائے جیسے دس تولے سونے کا ہار گیارہ تولے سونے کے عوض میں فروخت کریں۔ یہاں اگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فریقین نے اپنی رضامندی سے دس کو گیارہ کا عوض قرار دے لیا ہے۔ مگر یہ رضامندی مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور ایک ہی جنس کی چیزوں میں دس کو گیارہ کے مساوی تسلیم کر لینا کھلی ہوئی حقیقت کا انکار ہے۔ لامحالہ یہ ایک تولہ ایسی زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو بھی ربوا قرار دیا ہے۔

مساوات کی شرط یہ بھی ہے کہ دونوں نقد ہوں سونے جیسی ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں ایک نقد ہو۔ مثلاً زیور آپ اس وقت لے لیں اور قیمت ادھار رکھیں۔ یہ بھی مساوات کے خلاف ہے۔ نقد کی منفعت جو فوراً حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ بھی ایک طرح کی بیشی اور زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں آرہی۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے ہم جنس اور ہم وزن کے مقابلہ میں ادھار کو ربوا قرار دیا ہے۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ زیور کی گھڑائی اور بنوائی۔ یا ایک سونے کا دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ کھڑا ہونا، اس زیادتی کا عوض ہوسکتا ہے۔ مگر شریعت نے سونے کے وجود اور جوہر کے مقابلہ میں ان اضافہ اور معنوی امور کا اعتبار نہیں کیا۔ اس قسم کے اضافی اور اعتباری امور ربوا کا دروازہ کھول سکتے ہیں۔ لہذا سونے کے زیور کے عوض میں اگر سونا دیا جائے تو وہ برابر ہی دینا ہوگا اور نقد ادا کرنا ہوگا۔ آپ اگر کاریگر کی محنت یا سونے کی جودت اور عمدگی کو نظر انداز نہیں کر سکتے تو سونے کے عوض میں سونا نہ دیجئے۔ چاندی یا کوئی اور جنس بدلہ میں دے دیجئے تا کہ محنت اور عمدگی کا حق بھی ادا ہو جائے اور ربوا بھی نہ ہو۔

آنحضرت ﷺ نے چھ چیزیں شمار کرائی ہیں جن کی بیع اگر ہم جنس سے ہو۔ تو زیادتی اور ادھار دونوں ربوا ہیں۔ اور حرام ہیں۔

سونا۔ چاندی۔ گیہوں۔ جو۔ کھجور۔ نمک۔

یعنی سونے کی بیع سونے سے، چاندی کی چاندی سے، گیہوں کی گیہوں سے، جو کی جو سے، کھجور کی کھجور سے نمک کی نمک سے ہوگی تو کمی وبیشی بھی حرام ہے اور ادھار بھی حرام ہے۔

وہ خداترس وخدا پرست علماء متبحرین جن کا یقین تھا کہ قرآن حکیم کلام اللہ ہے۔ اور محمد رسول اللہ اس کے حامل صادق اور شارح کامل ہیں۔ جنہوں نے کلام اللہ اور احادیث رسول کی تحقیق وتنقید میں عمریں صرف کیں۔ اشارات کو سمجھا۔ ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی تہہ میں پہنچ کر اخذ واستنباط کا حق ادا کیا، جن کو ائمہ مجتہدین کہا جاتا ہے۔ انہوں نے ان چھ چیزوں پر یہی مجتہدانہ نظر ڈالی کہ کمی بیشی اور ادھار کی ممانعت انہیں چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا ان کے علاوہ اور چیزوں میں بھی یہ حکم جاری ہوگا۔ اب اس حد تک تو تقریباً سب ائمہ اجتہاد کا اتفاق ہے کہ یہ ممانعت صرف ان چھ میں منحصر نہیں ہے۔ ان کے علاوہ خرید وفروخت کی اور چیزوں میں بھی ممانعت جاری ہوگی۔ مگر وہ اور چیزیں کون کون سی ہیں۔ اس سوال کے جواب میں حضرت مجتہدین کی رائیں مختلف ہوگئیں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔ ان چیزوں میں مشترک بات یہ ہے کہ یہ ''وزنی ہیں یا کیلی ہیں۔'' یعنی ان کی خرید وفروخت وزن اور تول کے ذریعہ ہوتی ہے یا کیل (پیمانہ سے ناپنے) کے ذریعہ ہوتی ہے (اس میں گیہوں اور کھجور مخصوص مقدار کے ڈبوں یا پیپوں میں ناپ کر بیچے جاتے تھے۔ جن کو صاع۔ مد۔ مکوک۔ رطل وغیرہ کہا جاتا تھا۔ اس لئے گیہوں کو کیلی سمجھا جاتا تھا۔ ہمارے یہاں یہ وزنی مانا جاتا ہے) کھجور، گیہوں، جو کے علاوہ سونا چاندی تول کر بیچا جاتا تھا۔ لہذا امام صاحب نے اصول طے کر دیا۔ کہ جن دو چیزوں میں قدر وجنس کا اشتراک پایا جائے یعنی جنس متحد ہو اور وہ دونوں کیلی ہوں (پیمانہ سے ناپ کر بیچی جاتی ہوں) یا وزنی ہوں (تول کر بیچی جاتی ہوں) ان میں اگر ایک کی بیع دوسرے سے کی جائے تو ان میں بھی یہ حکم نافذ ہوگا۔ یعنی مساوات لازم ہوگی اور یہ بھی لازم ہوگا کہ بیع نقد ہو۔ ادھار حرام ہوگا۔ اس اصول کی بنا پر سونے چاندی کی طرح لوہے پتیل میں بھی یہی ہوگا۔ اگر لوہے کی بیع لوہے سے کی جائے تو ضروری ہے کہ وزن میں دونوں برابر ہوں اور دونوں نقد ہوں ہاتھ در ہاتھ۔ ادھار نہ ہو۔

بہرحال بحث بہت طویل ہے۔ حضرات ائمہ کے نظریات اور ان کے دلائل کے لئے سینکڑوں صفحات ناکافی ہیں۔ یہاں دلائل بیان کرنے مقصود نہیں ہیں۔ یہاں تو یہ عرض کرنا ہے کہ قرآن پاک کا لفظ ربوا۔ جہاں جہاں تک

وسعت رکھتا ہے اس میں مضمون نگار صاحب کا خود ساختہ فرق کہ غریب سے ناجائز اور امیر سے جائز کہیں نظر نہیں آتا۔

قرآن حکیم کی ان آیات میں جو ربوا سے متعلق ہیں۔ ربوا۔ کی دو خرابیوں اور مضرتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

(۱) پہلی خرابی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الذین یا کلون الربوا لا یقومون الا کمایقوم الذین یتخبطه الشیطان من المس.

جو کھاتے ہیں سود وہ نہیں اٹھیں گے مگر ایسے جیسے اٹھتا ہے وہ جس کے حواس کھو دیئے جن نے لپیٹ کر (جیسے کوئی مرگی کا مریض یا آسیب زدہ ہو)

اس حواس باختگی اور آسیب زدگی کا پورا ظہور تو قیامت کو ہوگا جب نتائج اعمال حقیقت بن کر سامنے آئیں گے اور جیسا کہ روایات میں ہے سودخوار کی تو ند سانپوں اور اژدھاؤں کا بند گڑھا ہوگا جو اس کو ایسا اپاہج بنادے گا کہ اٹھنا چاہے گا تو اٹھ نہیں سکے گا۔ اٹھے گا اور گرے گا۔ (معاذ اللہ)

مرگی کے مریض کی طرح اس کے اعضاء بھی بے کار ہو جائیں گے اور دماغ بھی معطل ہو جائے گا (معاذ اللہ) لیکن آج کی دنیا میں سرمایہ دار طبقہ جس بحران میں مبتلا ہے اگر اس کو لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو قرآن پاک کے الفاظ سے زیادہ بہتر اور موزوں الفاظ اس کے لئے میسر نہیں آسکے۔ یہ پورا طبقہ گویا آسیب زدہ ہے۔ اس کو جن لپٹا ہوا ہے جس نے اس کو حواس باختہ کر رکھا ہے۔

آج دنیا جس بحران میں مبتلا ہے کہ بڑی سے بڑی قوم جو ترقی کے بام عروج پر جلوہ افروز ہے وہ بھی اپنی تمام ترقیات کے باوجود دولت اطمینان سے محروم ہے۔ سراسیمگی اور بدحواسی میں مبتلا ہے۔ کہیں ہتھیاروں کی دوڑ ہے کہیں سرمایہ داروں اور مزدوروں کی جنگ ہے۔ اور سراسیمگی اور بدحواسی کی انتہا یہ ہے کہ فلسفہ اور سائینس کی تمام صلاحیتیں جو انتہائی ترقیات اور انسانیت کی سربلندی پر صرف ہونی چاہئیں وہ ایسی ایجادات پر صرف کی جارہی ہیں جو نوع انسان کو ہلاک و برباد اور دنیاوی کائنات کو زیادہ سے زیادہ اور جلد سے جلد تباہ اور نیست و نابود کرسکیں۔ کیا یہ آسیب نہیں ہے اور کیا ان ترقی پذیر قوموں کی ترقی معکوس کی کوئی مثال اس سے بہتر ہوسکتی ہے۔ حسد و بغض اور نفرت باہمی کا جن ان کو لپٹا ہوا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف آتشیں جنگ نہیں تو سرد جنگ کے ہیبت ناک دیو کھڑے کر رہا ہے۔

دنیا کے اس بحران کو چالاک سود خوار اور سرمایہ داری کے سرتھوپ رہے ہیں کہ مزدور اور سرمایہ دار کی یہ جنگ جو ہر ایک مملکت میں بھی جاری ہے اور بین الاقوامی میدان میں بھی اس نے سرد جنگ کا طویل سلسلہ جاری کر رکھا ہے اس کی علت سرمایہ داری ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ سرمایہ داری کیا ہے۔ کیا اس کی بنیادوں میں سود اور ربو انہیں بھرا جاتا اور کیا اس کی پوری تعمیر سود کے آب و گل سے تیار نہیں ہوتی۔ تعجب ہے احتکار و اکتناز ذخیرہ اندوزی کی مذمت میں پوری قابلیت اور قلم کا پورا زور صرف کر دیا جاتا ہے لیکن دوسری طرف اس ظالمانہ اور بے جا نفع اندوزی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو سود کی نفرت انگیز خصوصیت ہے۔ خدا کرے انڈین و یوز کے مصنف مدیر صاحب کو بھی یہ توفیق ہو کہ وہ ان بنیادی حقیقتوں پر غور کریں ۔ ہمیں اس وقت کلام اللہ شریف کی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ عرض کرنا ہے کہ ربوا کی اس عظیم مضرت اور سود

کے اس عظیم نقصان کے سلسلہ میں امیر اور غریب کا نہ کوئی فرق ہوسکتا ہے نہ ہو رہا ہے۔

کیا دنیا کی یہ بحرانی کیفیت اس لئے ہے کہ سود غریبوں سے لیا جاتا ہے اور سودی کاروبار جو بڑی بڑی کمپنیوں اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے درمیان چل رہا ہے وہ ایسا معصوم ہے کہ دنیا کا حلیہ بگاڑنے اور بین الاقوامی بحران پیدا کرنے میں اس کو کوئی دخل نہیں ہے۔

(۲) سود کی دوسری قباحت جس کی طرف قرآن شریف نے اشارہ فرمایا ہے۔ وہ ہے ''ظلم''۔

دنیا کے بحران نے نفع اندوزی کی خرابیوں سے ماہرین اقتصادیات کو آگاہ اور آشنا کردیا ہے۔ وہ نفع اندوزی کو ظلم سمجھتے ہیں۔ جس میں تناسب سے زیادہ نفع کما کر بازار کا بھاؤ بگاڑا جائے اور مارکیٹ کو ڈاؤن کیا جائے۔ لیکن اگر نفع اندوزی مذموم ہے تو سود اس سے پہلے قابل مذمت ہے۔ کیونکہ نفع اندوزی کی صورت میں نفع میں آپ کا ایک حق تو ضرور تھا اب آپ اپنے اس اصل حق میں بے جا اضافہ کررہے ہیں۔ مثلاً بیس فیصدی نفع کا آپ کو حق تھا آپ عوام کی ضرورت کو پس پشت ڈال کر یہ کوشش کررہے ہیں کہ سو فیصدی نفع آپ کو حاصل ہوجائے یہ نفع اندوزی ہے۔ مگر سود میں تو آپ کا کوئی بھی حق نہیں تھا۔ آپ ناحق سو روپیہ کے بجائے دو سو روپے لے رہے ہیں۔ یہی ظلم ہے۔ یعنی وضع **الشئی فی غیر محلہ**۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک بدترین مرض جس کا نام ''بخل'' ہے۔ انسانی طبیعتوں میں اس کا رنگ اتنا پختہ ہوچکا ہے کہ کسی قسم کی فراخ حوصلگی کو وہ برداشت نہیں کرتے۔ آج اقتصادیات کا پورا نظام اسی بخل اور خود غرضی، حرص اور طمع کی اینٹوں پر قائم ہے۔ چنانچہ سود۔ لاٹری اور سٹہ وغیرہ سب چیزوں کو پسند کیا جاتا ہے ان کو تہذیب کا جزء مانا جاتا ہے) اس کے برخلاف قرآن حکیم کی آیات مبارکہ وہ فضا پیدا کرنا چاہتی ہیں جس کی بنیاد عطار بخشش، دادودہش اور فراخ حوصلگی پر ہو۔ جس فضا میں حرص وطمع پر لعنت بھیجی جاتی ہو۔ خود غرضی سے نفرت ہو اور بخل کے متعلق عقیدہ یہ ہو **ای داء اوداُ من البخل** (حدیث) کونسا مرض بخل سے زیادہ سخت اور لاعلاج ہوسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کا یہ رکوع جس میں سود کی مذکورہ بالا حرمت بیان کی گئی ہے اس کا آغاز ان آیتوں سے ہوتا ہے۔

الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سراً وعلانیةً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون. ۳۹۳ سورہ بقرہ.

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات کو اور دن کو۔ پوشیدہ اور کھلے طور پر پس ان کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے یہاں۔ نہ خوف ہوگا ان پر نہ وہ غمگین ہوں گے۔

مدیر صاحب کے تصور باطل کی تردید قرآن شریف سے:

قرآن حکیم معجزہ ہے۔ اس کے اعجاز کی ایک شان یہ بھی ہے کہ سلسلہ کلام میں وہ چیزیں لے آتا ہے جو غلط تصورات دید کرتی ہیں۔ انڈین ویوز کا اعتراض خواہ کتنا ہی بے جان اور بے معنی ہو مگر آیات کلام کا یہ سلسلہ اور سباق اس اعتراض کو ختم کردیتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے حرمت ربوا کے سلسلہ کی آخری آیت یہ ہے۔

وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة O وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون (رکوع ۳۹ سورہ بقرہ)

اگر وہ (قرض دار) تنگی والا ہے (فقیر غریب ہے جس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے) تو اصل رقم کے ادا کرنے میں اس کو سہولت دو۔ جب تک اس کو سہولت میسر آ جائے۔ اور بہتر تو یہ ہے کہ اس تنگ دست کو اصل رقم خیرات کر دو۔

یہ آیت خود واضح کر رہی ہے کہ سود کا تختہ مشق دونوں ہو سکتے ہیں۔ امیر بھی اور غریب بھی۔ سود لینا دونوں سے حرام ہے اور جب کہ حرمت کا حکم نازل ہو چکا ہے تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ (۱) مقروض شخص امیر ہو یا غریب سود لینے والے کا فرض دونوں کے متعلق یہ ہے کہ جو سود بھی باقی ہے وہ چھوڑ دے۔ **ذروا ما بقی من الربوا**۔

(۲) راس المال۔ یعنی اصل رقم کے متعلق بے شک مالک کو حق ہے کہ اس کو وصول کرے مگر کلام اللہ شریف نے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے مالک رقم سے یہ سفارش کی ہے کہ اگر قرض دار شخص تنگی میں ہے تو اصل رقم کے وصول کرنے میں تنگی نہ کرو۔ اس غریب فقیر کو مہلت دو کہ وہ حسب سہولت ادا کر سکے۔ یعنی قرآن نے واضح کر دیا کہ جن سے سود لیا جائے وہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ غریب بھی اور امیر بھی۔

(۳) غریب کے لئے مزید سفارش یہ ہے کہ مطالبہ کی اصل رقم (راس المال) اس غریب کو صدقہ کر دو۔ یعنی معاف کر دو اور کچھ نہ لو تو یہ بہت ہی بہتر ہے۔

مقالہ نگار صاحب کی جدت:

یہاں صدقہ کا لفظ آ گیا ہے۔ تو بقول "دیوانہ راہوئے بس است" مقالہ نگار صاحب نے اسی لفظ کو لے کر یہ اجتہاد کر ڈالا کہ سود لینا مالداروں سے حرام نہیں ہے۔ صرف ان غریبوں سے سود لینا حرام ہے جو خود مستحق صدقہ ہوں۔

مقالہ نگار صاحب نے قرآن شریف کے ایک لفظ کو اختراعی اور مصنوعی معنی پہنا کر ان تمام آیتوں پر خط نسخ کھینچ دیا جو پہلے آ چکی ہیں۔ اگر مقالہ نگار صاحب کا یہی اجتہاد کار فرما رہا تو ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ مقالہ نگار صاحب نماز بھی غریبوں سے معاف کرا دیں گے کیونکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ الفاظ ہیں **اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ** (نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو) تو مقالہ نگار صاحب غالباً یہی فیصلہ کریں گے کہ نماز اس پر فرض ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور جس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اس پر نماز بھی فرض نہیں۔ پھر وہ شاید جوئے کو بھی جائز قرار دیں۔ بلکہ ممکن ہے فرض کہنے لگیں۔ کیونکہ بخاری شریف میں ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دوسرے سے کہے آؤ جوا کھیلیں تو اس پر ضروری ہے کہ وہ صدقہ کرے۔

مقالہ نگار صاحب کو کہہ دینا چاہئے کہ جوا اس کے لئے حرام ہے جو صدقہ کر سکے اور جو غریب صدقہ نہ کر سکے اس کے لئے جوا حرام نہیں (معاذ اللہ) اگر اسی کا نام تحقیق ہے تو پھر کسی لغت کی کتاب میں دیکھنا پڑے گا کہ (معاذ اللہ) قرآن پاک کی توہین اور آیات واحادیث سے استہزا کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ معاذ اللہ۔

جوار کے بدلہ باجر لینے کی شرط سے قرض لینا چہ حکم دارد:

(سوال ۲۸۲) ایک آدمی جوار قرض لیتا ہے اس شرط پر کہ موسم میں جوار کی بدلے باجرا دوں گا اور دونوں کی قیمت میں فرق ہے اس معاملہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) اس شرط پر قرض نہیں دے سکتے۔ اسی وقت واپس لینا ضروری ہے ورنہ سودی معاملہ ہو جائے گا۔ [1]. فقط واللہ اعلم بالصواب .

سودی رقم بطور زکوٰۃ دے کر حیلہ کرنا کیسا ہے:

(سوال ۲۸۳) ایک آدمی کے پاس سودی رقم ہے وہ زکوٰۃ کے حق دار کو یہ رقم بطور ہدیہ (بخشش) دیتا ہے۔ اس شرط سے کہ تو اس میں سے تھوڑی رقم بطور بخشش مجھے دے۔ اب اس غریب نے وہ رقم بلانیت ثواب قبول کر کے، اصل مالک کو بخشش دے دی۔ تو کیا اس طرح کا حیلہ صحیح ہے؟ اس مالک کا مقصد رقم کو اپنے استعمال میں لانا ہے۔

(الجواب) سودی رقم میں حیلہ صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اس طرح حیلہ کرنے سے سودی رقم غیر مستحق مالدار کے لئے حلال نہ ہوگی۔ [2] فقط واللہ اعلم بالصواب .

سرکاری قانون سے فروخت کی ہوئی زمین کی رقم کے سود کا حکم:

(سوال ۲۸۴) حکومت بمبئی کے ۱۹۵۷-۱۹۵۸ء کے کھیتی ٹیننسی دستور العمل کے دفعہ (23/G) کے مطابق کاشتکار زمین کے مالک بن گئے ہیں۔ زمین مالک نہیں بیچتے مگر حکومت اس دفعہ کی بناء پر بشرط ادائیگی دس برس میں (بطور قسط) معمولی قیمت سے یہ زمین کاشتکار کو دلواتی ہے۔ حکومت یہ رقم مع سود کاشتکار سے مالک زمین کو اس طرح دلواتی ہے۔

اصل قیمت	سود		تاریخ ادائیگی		
روپے	نئے پیسے	روپے		نئے پیسے	روپے
۱۳۴	۱۲	۶	مورخہ ۳۰۔ اپریل ۱۹۶۷ء	۱۲	۲۰۳
۱۲۸	۳۶	۶۳	مورخہ ۳۰۔ اپریل ۱۹۶۸ء	۳۶	۱۹۱
۱۲۸	۶۰	۵۷	مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۶۹ء	۶۰	۱۸۵

دس برس تک اسی طرح دلواتی ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سرکاری متعینہ قیمت کا جو سود ملتا ہے۔ وہ شرعاً سود ہے؟ کیا مالک اس کو استعمال کر سکتا ہے؟

---

(۱) هو عقد مخصوص ای بلفظ القرض ونحوه يرد علی دفع مال مثلی خرج القيمه لآخر ليرد مثله وصح القرض فی مثلی هو كل ما يضمن بالمثل عند الا ستهلاک لا فی غيره درمختار مع الشامی فصل فی القرض ج ۵ ص ۱۶۱

(۲) الحرمة تتعدد مع العلم بهاالا فی حق الوارث وقيده بان لا يعلم ارباب الا موال قال فی الشامية تحت الحرمة تتعدد الخ اما لو رأى المكاس مثلاً يأخذ من أحد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذلک الآخر فهو حرام . درمختار مع الشامی ، باب بيع الفاسد مطلب الحرمة تتعدد ج ۵ ص ۹۸ .

(الجواب) جب مالک نہیں بیچتا، اور حکومت کی متعینہ قیمت پر راضی نہیں ہے کہ یہ اصل قیمت سے کم ہے تو اس حالت میں حکومت کاشتکار کے پاس سے متعینہ قیمت کے ساتھ بطور سودی رقم کے جو دلواتی ہے وہ سود نہیں ہے۔ اصل قیمت تک زمین کی قیمت اور بدلہ ہے۔ لہذا یہ رقم زمین کا مالک اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کی سودی رقم سے تنخواہ دی جائے تو لینا کیسا ہے :

(سوال ۲۸۵) میں ایک مدرسہ میں ملازم ہوں۔ مجھے جو تنخواہ دی جاتی ہے۔ وہ بینک سودی رقم میں سے دی جاتی ہے۔ جو یہاں جہانگیر میاں نواب نے چار لاکھ روپے رکھ کر جاری کی تھی۔ (تنخواہ جہانگیر ٹرسٹ فنڈ سوسائٹی سے دی جاتی ہے) تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سودی رقم کو لوں یا بند کردوں؟ اس کی کیا شکل ہے؟

(الجواب) سودی رقم سے تنخواہ نہ لی جائے۔ جائز نہیں ہے۔ آپ کو تنخواہ دینے کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگ کسی سے قرض لے کر آپ کو تنخواہ دیں! اور قرض اس رقم سے ادا کیا جائی۔ گنجائش کی یہی شکل ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ٹریکٹر خریدنے پر سود کے ساتھ قیمت کی ادائیگی ہو تو کیسا ہے؟:

(سوال ۲۸۶) علماء دین مسئلہ ذیل میں کیا فرماتے ہیں:۔ میں کاشتکار ہوں ٹریکٹر خریدنا ہے۔ وقتاً فوقتاً اس کی ضرورت رہتی ہے۔ یہ بازار میں فروخت نہیں ہوتے، عالمی بینک سے خریدے جاتے ہیں۔ عالمی بینک خریدار کی آسانی کے لئے قسط وار ادائیگی کے ساتھ فروخت کرتی ہے۔ تو اس لون کی رقم قسطاً قسطاً دینا پڑتی ہے۔ ہر قسط کے ساتھ کچھ انٹریسٹ (سود) بھی ادا کرنا ضروری ہوتا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ عالمی بینک سے ٹریکٹر مذکورہ شکل کے ساتھ شرعاً خریدنا کیسا ہے؟

(الجواب) لون سود ہے اصل قیمت سے زائد رقم بعوض مہلت لی جاتی ہے۔ لہذا ٹریکٹر کے بغیر نبھائیں اور تھوڑی پیداوار پر قناعت کریں۔ اگر اس کو خریدنا ہی ہو تو یکمشت قیمت ادا کریں تا کہ لون دینا نہ پڑے۔ بلا اضطرار اور بدون شدید مجبوری کے لون دینا جائز نہیں ہے۔ دارالحرب کے مسئلہ میں بھی کافر حربی سے سود لینے کی اجازت ہے۔ دینے کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کا سود:

(سوال ۲۸۷) ہمارے دیار میں زمین و مکان اور جائیداد کی قیمت اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ اب جس شخص کے پاس دو تین ہزار پاؤنڈ ہوں وہ کسی قسم کی جائیداد زمین اور مکان خرید نہیں سکتا۔ اگر کسی کو کوئی زمین مل جائے تو اس کی کوئی آمدنی نہیں ہے۔ آج سے دس برس پہلے یہ حالت نہیں تھی۔ جس کے پاس تھوڑی رقم ہو۔ مثلاً تین ہزار پاؤنڈ سوسائٹی میں رکھ دیا جائے تو وہ دس فی صدی سالانہ شرح سود کے حساب سے تین سو پاؤنڈ دیتے ہیں۔ ایک بیوہ کا گذارہ ہوسکتا ہے۔ یہ بلڈنگ سوسائٹی کفار کی ہوتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اس کی گنجائش ہے؟

(۲) اسی طرح بینک میں جو رقم رکھی جاتی ہے اس پر جو سود ملتا ہے یہ، یا اسی طرح سرکاری ادارے پوسٹ آفس کی جمع شدہ رقم کا سود اپنے استعمال میں لانے کی، یا حکومت کے ٹیکس میں، یا موٹر کے انشورنس میں استعمال

کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

(الجواب) (۱) بلڈنگ سوسائٹی میں بغرض سود وصولیابی کے لئے رقم جمع کرانا درست نہیں ہے۔ یہ صورت اضطراری اور مجبوری کی نہیں۔ یہ رقم زمین، جائیداد، وغیرہ خریدنے کے لئے نا کافی ہو تو چھوٹی تجارت، یا مضارب کے لئے تو کافی ہے۔ دارالحرب میں بھی امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلثہ کا مذہب عدم جواز کا ہے اور علمائے محققین اور محتاط حضرات نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

سود کی وعید شدید ہے چھتیس ۳۶ زنا سے بدتر ہے۔ (مشکوٰۃ باب الربوا ص ۲۴۶) معاذ اللہ ماں سے زنا کرنے سے بھی اشد قرار دیا ہے۔ اس کا شمار مہلکات (ہلاک کرنے والی چیزوں) میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتنبوا السبع الموبقات مشکوٰۃ الکبائر و علامات النفاق ص ۱۷ منجملہ ان میں سے ایک سود بھی ہے۔ اسی لئے حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے۔ دعوا الربوا والریبة مشکوٰۃ باب الربوا ص ۲۴۶. ربوا اور شبہ ربوا کو بھی چھوڑو۔ اور فرمایا۔ وتر کنا تسعة اعشار الحلال خشية الربوا. یعنی: حلال کی دس حصوں میں سے محض ایک کو ہی لیتے ہیں۔ جس میں سود کا ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہو۔ اور جس میں ذرہ برابر بھی سود کا شائبہ ہوا اسے ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ لہٰذا حرام اور مشتبہ طریقہ کو رزق کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ قوله عليه السلام .من اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع فى الشبهات وقع فى الحرام . مشکوٰۃ باب الکسب وطلب الحلال ص ۲۴۱. یعنی جو کوئی مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنا دین اور اپنی آبرو بچا لیتا ہے اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑ جاتا ہے وہ بالآخر حرام میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۲) ڈاک خانہ اور بینک سے جو رقم سود کی ملی ہے۔ اسے اپنے ذاتی کام میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ حکومت جو ٹیکس عائد کرتی ہے۔ یا میونسپلٹی مکان پر جو ٹیکس لگاتی ہے۔ یا موٹر کا جو انشورنس حکومت کی طرف سے لازمی ہے۔ اس میں اس رقم کے ادا کرنے کی گنجائش ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں :

(سوال ۲۸۸) کارخانہ میں کاریگروں کو کام کرنے میں کسی قسم کی ایذاء یا نقصان ہو تو اس کا بیمہ کراتے ہیں۔ مالک کارخانہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں، کاریگر کو ایذاء یا نقصان پہنچے۔ اس کے ذمہ دار بیمہ کمپنی ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ مالک کارخانہ اس میں کچھ امداد کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) کمپنی جان مال کی کسی قسم کی حفاظت نہیں کر سکتی، جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ کمپنی کسی طرح بچاؤ اور حفاظت نہیں کر سکتی ہے بے شک وہ قانونی طور پر نقصان کی ذمہ داری لیتی ہے۔ یعنی جو کمپنی کی نظر میں نقصان ثابت ہو اس کو ادا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اسی ذمہ داری کے نام سے وہ آپ سے رقم وصول کرتی ہے۔ اس رقم سے وہ اپنا کاروبار چلاتی ہے جو سود بھی ہوتا ہے۔ بہر حال آپ کا تعلق اگر چہ صرف اتنا ہے۔ کہ آپ کو نقصان کا معاوضہ مل جائے اور فرض کیجئے کہ آپ کی نیت یہ ہو کہ آپ اپنے نقصان سے زیادہ نہیں لیں گے یا جو کچھ لیں گے وہ غریبوں کو تقسیم کر دیں گے۔ ان تمام باتوں کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک طرح کا سودی کاروبار ہے۔ جس میں جوئے کی نوعیت بھی ہے۔

اسلام کی مخصوص تعلیم یہ ہے کہ وہ جوا اور سود دونوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ لہذا اس میں شرکت جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر بیمہ کرنے والے ہنگامہ اور طوفان کے وقت آ کر مدافعت کرتے ہوں یا مدافعت کرنے کی ذمہ دار ہوں تو جواز کی گنجائش ہے۔ وہ بھی اس شرط پر کہ جو فاضل رقم ہے وہ اپنے پاس نہ رکھے۔ کسی حاجت مند کو دے دے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کے سود کے متعلق فتوے پر تنقید اس کا جواب اور اکابر علماء کی تائیدات

حضرت مفتی صاحب مدظلہ۔

بعد سلام مسنون! فتاوی رحیمیہ جلد ۲ کے صفحہ ۱۹۲ جدید ترتیب کے مطابق صفحہ ۲۷۹ پر بینک کے سود کے متعلق فتوی ہے کہ:۔

(الجواب) مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ غریب مسکین کو دینا اولی ہے۔ سڑک وغیرہ رفاہ عام کے کاموں میں لگانے کی گنجائش ہے مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ مسجد کے بیت الخلاء کی مرمت میں لگا سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اس پر ماہنامہ "تبلیغ" (گجراتی) میں مفتی اسمٰعیل کچھولوی صاحب نے سخت تنقید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ بینک کی سودی رقم رفاہ عام کے کاموں میں صرف کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ یہ لقطہ کے حکم میں ہے اور واجب التصدق ہے۔ اس میں زکوۃ کی طرح تملیک شرط اور رکن ہے لفظ صدقہ و تصدق جب مطلق بولا جاتا ہے تو عرف فقہاء میں وہ واجب التملیک ہوتا ہے۔ اور حوالہ " اشباع الکلام فی مصرف الصدقۃ من المال الحرام" کا دیا ہوا ہے۔ آپ کی طرف سے اس کا خلاصہ شائع ہونا ضروری ہے۔ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ فقط والسلام۔ (الحاج) احقر عمر جی منوبری۔ دارالعلوم کنتھاریہ (بھروچ)

(اس مسئلہ پر تفصیلی کلام احکام مساجد، مدارس میں کیا گیا ہے وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب)

غلاصہ:

۔بحمداللہ تعالیٰ وسبحانہ : فتاوی رحیمیہ کا مسئلہ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے دلیل ہے۔ لئے یہ عبارت کافی ہے۔ **وقال وما اوجف المسلمون علیہ من اموال اھل الحرب بغیر قتال یصرف فی مصالح المسلمین کما یصرف الخراج قالوا ھو مثل الا راضی (ھدایہ ص ۵۶۷ ج ۲ کتاب السیر)**

اس فتویٰ کی موافقت میں علمائے محققین ومفتیان شرع متین کے متعدد فتاوی پیش کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ کے فتاویٰ

(استفتاء ۱) منجانب مولوی عبدالحیٔ صاحب ناظم جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ ۱۹۲۶ء۔

اس زمانہ میں دیانت مفقود اور بھروسہ معدوم ہے۔ بارہا تجربہ ہوا کہ اس میں مرتکب خیانت ہوا الا ماشاء اللہ، پس اس فتنہ وفساد کے زمانہ میں کسی مسجد یا اوقاف کی آمدنی بغرض حفاظت بینک میں رکھی جائے تو جو رقم بنام سود بینک والے دیتے ہیں اگر نہ لی جائے تو اس کو عیسائیت کی اشاعت میں صرف کرتے ہیں، اور ہزاروں کو عیسائی بناتے ہیں۔

اگر سود کی رقم کو لے کر کسی کار خیر یا اشاعت اسلام میں خرچ کر دیا جائے جائز ہے یا نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ...... بینک کے پاس سودی رقم نہ چھوڑنی چاہئے، کیونکہ وہ مسیحی مشنری کو دی جاتی ہے اور تبلیغ مسیحیت میں خرچ ہوتی ہے اور جمع کرنے والے کا روپیہ اس کا سبب ہوتا ہے اور یہ بھی اس گناہ میں شریک ہوتا ہے۔ پس اس سود کی رقم کو لے کر تبلیغ و اشاعت دین میں خرچ کیا جائے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' (رسالہ عمدۃ الوسیلہ درجواز اخذ الربوا بالحیلہ ص ۳)۔

(استفتاء ۲) ......

(الجواب) زائد رقم کو رفاہ عام کے قومی کام میں دے دی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی۔ (الجمعیۃ نمبر ۱۶ ۵ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۲۷ء ص ۳)۔

(استفتاء ۳) ......

(الجواب) ...... جمع شدہ روپیہ کا سود بینک سے وصول کر کے کسی قومی رفاہ عام کے کام میں دے دیا جائے۔ الخ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی (الجمعیۃ نمبر ۱۷ ۹ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء ص ۳۔۴)

(استفتاء ۴) ......

(الجواب) ...... بینکوں کا سود رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے اور اپنے صرف میں لانے سے احتیاط کی جائے۔ الخ بندہ احمد سعید عفی عنہٗ مدرسہ امینیہ دہلی۔

الجواب صحیح محمد کفایت اللہ مدرسہ امینیہ دہلی (الجمعیۃ ج ۷۔ ۵۸ شعبان المعظم ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۲۸ء)

(استفتاء ۵) ......

(الجواب) یہ سود ہے مگر ڈاک خانہ سے وصول کر لینا چاہئے۔ وصول کر کے خود کسی قومی کام میں خرچ کر دینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی (الجمعیۃ دوشنبہ ۳ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ ۲۰ جولائی ۱۹۳۱ء کالم نمبر ۳۔۴)

(استفتاء ۶) ......

(الجواب) پوسٹ آفس کے سیونگ بینک اور سرکاری بینکوں سے سود لینا اس لئے جائز بتایا گیا ہے کہ نہ لینے کی صورت میں سود کی رقم مسیحی مشنریوں کو دے دی جاتی ہے۔ اور تبلیغ مسیحیت پر خرچ ہوتی ہے۔ مسلمان ڈاک خانہ کے سیونگ بینک اور سرکاری بینکوں سے وصول کر لیں۔ اور رفاہ عام کے قومی کاموں میں خرچ کر دیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی۔ (الجمعیۃ دہلی یوم یکشنبہ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ کالم نمبر ۳ ص ۳)۔

(استفتاء ۷) ......

(الجواب) ...... بینک سے وصول کر کے اس رقم کو قومی اور رفاہ عام کے کاموں میں بہ نیت رفع وبال خرچ کر دینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی۔ (۲۹ نمبر ۱۲۹ الجمعیۃ ۴ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

(استفتاء ۸) ......

(الجواب) جو روپیہ بینکوں میں جمع کیا جائے اس کا سود بینکوں سے وصول کر لیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے مسیحی مذہب کی تبلیغ اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کا گناہ نہ ہو۔ وصول کرنے کے بعد اس روپیہ کو امور خیر میں جو رفاہ عام سے تعلق

رکھتے ہوں۔ مثلاً یتامیٰ ومساکین اور طلبائے مدرسہ اسلامیہ کے وظائف اور امداد کتب وغیرہ میں خرچ کرنا یا مسافر خانہ یا کنواں، سڑکوں پر روشنی کرنا۔ یہ سب صورتیں جائز ہیں، البتہ مسجد پر خرچ نہ کیا جائے کہ یہ تقدس مسجد کے لئے مناسب ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ' اتم ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دھلی. (یہ فتویٰ جامعہ حسینیہ راندیر کے کتب خانہ میں محفوظ ہے)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمہ مفتیٔ اعظم مظاہر علوم کا فتویٰ

(استفتاء) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کے پاس بینک یا بیمہ کمپنی وغیرہ کا سود کا روپیہ ہو تو اسے کیا کرے؟ رفاہ عام کے کاموں میں سڑک اور کنواں مسجد کا بیت الخلاء وغیرہ بنانے میں صرف کیا جاسکتا ہے یا اس میں تملیک شرط ہے۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۱۸۷) فقراء کو دینا زیادہ بہتر ہے، مسجد کے علاوہ بیت الخلاء وغیرہ میں صرف کرنے کی بھی گنجائش ہے، یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۲۵-۱۲-۷

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا فتویٰ

پہلا فتویٰ:

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ہندوستان میں جو بینک قائم ہیں ان میں سے بعض اہل یورپ کے ہیں جو اسلام کے مخالف اور دشمن ہیں یہ لوگ سود کی رقمیں پادریوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ان کے تبلیغی مشن کو دیتے ہیں۔ جبکہ سود کی رقموں کا مطالبہ روپیہ جمع کرنے والے نہیں کرتے، اس لئے سود کی رقم نہ لینا، ایک بڑے فتنہ وفساد کا سبب ہے۔ لہٰذا ارباب فتاویٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ سود کی رقمیں ضرور لینا چاہئے۔ بلکہ سمندر میں پھینک دینا بینک میں چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۹ ج ۱)

دوسرا فتویٰ:

"سرکاری بینکوں میں اور ان بینکوں میں جن کے مالک غیر مسلم ہیں۔ روپیہ جمع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس روپیہ سے وہ کاروبار کر کے مالی استفادہ حاصل کرتے ہیں اور اسی کے منافع کو اسلام اور مسلمانوں کی تخریب پر صرف کیا جاتا ہے۔ لیکن جمع کرنے کے بعد اس کا سود نہ لینا اور اس کو بینکوں میں چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔ اس روپیہ کو جو بینکوں سے سود کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں صرف کر دینا چاہئے۔ عالمگیری میں ہے۔" وما او جف المسلمون علیہ من اموال الحرب بغیر قتال یصرف فی مصالح المسلمین. "الخ ج ۲ کتاب السیر ص ۲۱۱ تفصیل کے لئے ردالمحتار ج ۳ صفحہ ۲۴۷ اور شرح سیر الکبیر ج ۳ ص ۲۱۴۔۲۱۷۔۲۲۶۔۲۲۸۔۲۲۹۔ عالمگیری ص ۲۱۰ وغیرہ ملاحظہ فرمائیے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۶۷ ج ۲)

شعبۂ اشاعت و تبلیغ جامعہ عربیہ حیات العلوم مراد آباد کی طرف سے شائع شدہ پوسٹر بنام ''چند مسائل زندگی'' سے ماخوذ ایک مسئلہ

مسئلہ:

ڈاک خانوں اور بینکوں میں روپیہ جمع کر کے اس کا سود لینا حرام ہے لیکن وہاں چھوڑنے کی بجائے وصول کر کے سڑکوں، پیشاب خانوں، پاخانوں اور نالیوں کی تعمیر جیسے رفاہ عام کے کاموں میں لگا دینا چاہئے یا اس سے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں، مظلوموں اور مقروضوں کی امداد بھی درست ہے اور ان مظلوموں کی امداد بھی جائز ہے۔ جن کو ناحق مقدمہ میں ماخوذ کرلیا گیا ہو مگر ثواب کی نیت سے نہ ہو، کیونکہ حرام مال کسی کو دینے سے ثواب نہیں ملتا۔ (چند مسائل زندگی مسئلہ نمبر ۴)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہم کا فتویٰ:

(سوال) زید نے ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کیا اور قانون کے مطابق اس کو سود ملا وہ اس سود کو اپنے کام میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ (انوار الانصاری کانپوری)

(الجواب) بہتر یہ ہے کہ وہ غرباء پر صدقہ کردے۔ اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے وبال سے مجھے بچائے۔ بعض کے قول پر اس کو اپنے کام میں لانے کی بھی گنجائش ہے۔ (ماہنامہ ''نظام'' کانپور۔ بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ جنوری ۱۹۶۴ء)

رسالہ '' اشباع الکلام فی مصرف الصدقة من المال الحرام'' میں یہ تشریح بھی ہے کہ:۔

مال حرام اور...... خبیث کو صدقہ کرنے کا حکم ایک خاص اصل پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ جن اموال کے مالک معلوم نہ ہوں یا ان تک پہنچانا متعذر رہو وہ بحکم لقطہ ہو جاتے ہیں اور حکم لقطہ کا یہی ہے۔ کہ جب مالک کے ملنے سے مایوسی ہو جائے تو مالک کی طرف سے اس کا صدقہ کر دیا جائے۔ الخ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند. امداد المفتین ص ۱۰۷ ج ۸)۔

بینک کی رقم لقطہ کے حکم میں نہیں ہے۔ اس کے مالک نامعلوم اور لاپتہ بھی نہیں ہیں اور ان کو پہنچانا متعذر بھی نہیں ہے۔ اور یہ رقم واجب الرد بھی نہیں ہے۔ بلکہ واجب الاخذ ہے۔ بینک سے لے لینا ضروری ہے۔ لیکر غرباء کو دے دی جائے یا مصالح المسلمین پر صرف کر دی جائے۔ پھر لقطہ کیسے ہوا؟

بالیقین بینک میں روپیہ بعینہ محفوظ نہیں رہتا کاروبار میں لگا رہتا ہے۔ لہذا وہ امانت نہیں ہے بلکہ قرض ہو جاتا ہے۔ اور نفع کے وہ مالک ہو جاتے ہیں۔ لہذا یہ رقم بحکم لقطہ نہیں ہے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے۔

بینکوں میں جو رقم جمع کی جاتی ہے۔ اس کے قواعد میں یہ امر یقینی اور معروف ہے کہ وہاں بعینہ امانت نہیں

رکھی جاتی بلکہ ان سے کاروبار کیا جاتا ہے۔ اور بقاعدہ المعروف کالمشروط جمع کرنے والوں کی جانب سے اس کی اجازت کہا جائے گا۔ اور تصرف کا اذن دینا قرض ہے (ص ۵۰۲ ج ۲)

لفظ صدقہ اور تصدق جب مطلق بولا جائے تو وہ واجب التصدق اور واجب التملیک ہوتا ہے یہ کلیہ نہیں ہے۔ صدقہ اور تصدق عام ہے واجب اور نافلہ دونوں کو شامل ہے۔ دلیل اور قرینہ موقع اور محل سے متعین ہوگا۔ چنانچہ کتاب الا میں ہے۔ **فیصدق بجلدها** . وتصدق بثمنه (جوہرۃ۔ شرح وقایہ۔ درمختار وغیرہ) یعنی قربانی کا چمڑا صدقہ کیا جائے اور اگر اس کو فروخت کر دیا گیا۔ تو قیمت کو صدقہ کرنا ہوگا۔ جلد کا صدقہ مستحب ہے۔ خود بھی رکھ سکتا ہے۔ مالدار کو بھی دیا جا سکتا ہے بخلاف اس کی قیمت کے کہ اس کا صدقہ واجب ہے۔ خود نہیں رکھ سکتا۔ مالدار کو دینا بھی جائز نہیں۔ فیصدق اور تصدق مطلق ہے۔ لیکن ایک جگہ استحبابی حکم ہے۔ اور دوسری جگہ وجوبی۔ علی ہذا صدقہ واجب اور تصدق واجب میں بھی فرق کیا گیا ہے۔ دونوں کا ایک حکم نہیں ہے۔ الطرائف والظرائف میں ہے۔

نکتۂ فقہیہ:

فرق بين الصدقة الواجبة والتصدق الواجب فلا يعطى احد حكم الآخر فلا يلزم ان من لا يكون مصرف الاول لايكون مصرف الثاني كا للقطة يجوز صرفها الىٰ بنى هاشم مع عدم كونهم مصرف الصدقة الواجبة. (ص ۴۲ ج ۱)

اگر اس کو لقطہ بھی مان لیا جائے تاہم رفاہ عام کے کاموں میں صرف کرنے کی گنجائش نکلے گی۔ فقہاء رحمہم اللہ نے بیت المال کی چار قسمیں کی ہیں۔

(۱) الغنائم والكنوز والركاز (۲) بيت المال المتصدقين (۳) خراج الارضى وغيره۔ یونہی بیت المال کی ضوائع۔ یعنی لقطوں کا مصرف مانند ان اشیاء کے کہ نہ ہو ان کا کوئی وارث، یا ہو لیکن اس پر رد نہ ہو سکتا ہو۔ اس کا مصرف وہ صورتیں ہیں جن میں نفع تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ لیکن ہدایہ اور زیلعی میں ہے۔ کہ جو مصالح مسلمین میں صرف ہوتا ہے۔ وہ تیسری قسم کا ہے۔ یعنی خراج الاراضی وغیرہ اس سے معلوم ہوا کہ لقطوں کے مصرف میں اختلاف ہے۔ صاحب درمختار وغیرہ نے لقطوں کا مصرف مصالح مسلمین (رفاہ عام) قرار دیا ہے۔ اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے کہا ہے کہ جو مصالح مسلمین میں صرف ہوتا ہے وہ خراج الاراضی وغیرہ ہے۔ (درمختار شامی جلد نمبر ۴ غایۃ الاوطار جلد نمبر ۴)

شدید خطرے کی حالت میں مکان، دکان، فیکٹری کا بیمہ کرانا:

(سوال ۲۸۹) بعد سلام مسنون اس اہم مسئلہ کے ہر پہلو پر غور فرما کر جواب سے مشرف فرمائیں۔

ظاہر ہے کہ زندگی وغیرہ کے بیمہ کے سلسلے میں حضرات مفتیان کرام عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں مگر آج کل فتنہ وفساد کا زمانہ ہے، آئے دن فساد ہوتے رہتے ہیں اور مکانات، دوکانات، کارخانے اور فیکٹریوں کو ناقابل برداشت نقصان پہنچایا جاتا ہے اور یہ تجربہ ہے کہ جن مکانات دوکانات وغیرہ کا بیمہ ہوتا ہے ان کو نقصان نہیں پہنچایا جاتا، ان حالات میں اگر مذکورہ بالا اشیاء کا بیمہ کرایا جائے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (مرحوم منشی عیسیٰ بھائی بیکاوی صلح

بھروچ)

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، بیمہ کمپنی بذات خود مکان، دکان، کارخانہ فیکٹری اور انسان کی جان کی حفاظت اور نگرانی نہیں کرتی اس لئے اس معاملہ کو ''عقد اجارہ'' میں داخل کر کے اشتراط ضمان علی الاجیر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا یہ معاملہ سود اور قمار سے مرکب ہے بایں وجہ اس میں سود اور قمار دونوں قسم کے گناہ ہوتے ہیں اور گناہ بھی بڑے سنگین ہیں جن کو حلال سمجھنا کفر ہے مگر سوال میں جن خطرات کی نشاندہی کی گئی ہے وہ بھی واقعہ ہیں اور بیمہ کرالینے کی صورت میں فسادیوں کی نظر بد سے دکان وغیرہ کی بہ ظن غالب حفاظت ہوجاتی ہے اس لئے قانون فقہ ''الضرر یزال'' کے پیش نظر خطرے کی چیزوں کا بیمہ کرالینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس شرط کے ساتھ کہ بیمہ کمپنی میں جو رقم جمع کرائی ہے اس سے زیادہ جو رقم ملے وہ غرباء و محتاجوں میں بلا نیت ثواب تقسیم کردی جائے اپنے کام میں ہرگز نہ لی جائے ہاں اگر خدا نخواستہ خود ہی محتاج ہوجائے تو علماء کرام سے فتویٰ حاصل کر کے بقدر ضرورت اپنے استعمال میں لینے کی گنجائش ہے، فقہی قاعدہ ہے الضرورۃ تبیح المحظورات (ضرورت ناجائز اشیاء کو مباح کردیتی ہے) اور یہ نیت رکھی جائے کہ اقتصادی حالت درست ہوجانے پر یہ رقم غرباء کو دے دی جائے گی۔ سودی رقم کو انتہا درجہ کی مجبوری اور اضطراری حالت کے بغیر اپنے استعمال میں لانا ناجائز اور حرام ہے، دارالحرب میں بھی اپنے ہم وطنوں سے سودی معاملہ کرنا درست نہیں۔ دارالحرب میں اباحت مال کی وجہ اختلاف دار ہے اور وہ صورت یہاں (یعنی ہندوستان میں) پائی نہیں جاتی احادیث میں سود کی بہت ہی سخت مذمت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء (مسلم شریف ص ۲۷)(مشکوۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربواء)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے دینے والے، سودی معاملہ لکھنے والے، اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا گناہ میں وہ سب برابر ہیں۔

دوسری ایک حدیث میں ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا اجتنبوا السبع الموبقات سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا وما ھن یا رسول اللہ اے اللہ کے رسول وہ کون سی چیزیں ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے سات چیزیں شمار فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہے۔ اکل الربوا سود کھانا (بخاری، مسلم، بحوالہ مشکوۃ شریف ص ۱۷ باب الکبائر و علامات النفاق)

اور ایک حدیث میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربوا سبعون جزءً ایسرھا ان ینکح الرجل امہ (مشکوۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں جن میں ادنیٰ درجہ کا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھم ربوا یا کلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ

وثلثين زنية. (مشكوٰة شريف ص ۲۴۶ باب الربوا)

آنحضور ﷺ نے فرمایا سود کے ایک درہم (تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا) کا کھانا (اپنے استعمال میں لانا) جانتے ہوئے کہ یہ سود کا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں چھتیس مرتبہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے۔

مزید برآں یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی طرف سے سودی معاملہ کرنے والے کے لئے اعلان جنگ ہے، قرآن میں ہے فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله پھر اگر سودی معاملہ کرنے سے باز نہ آؤ گے تو اعلان سن لو جنگ کا اللہ اور رسول کی طرف سے۔ (سورۂ بقرہ)

خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ ان نصوص کے پیش نظر قطعاً ناجائز ہے مگر عارضی طور پر کچھ وقت کے لئے جب تک خطرے کے حالات ہوں دکان وغیرہ کو فسادیوں کی شرارت اور ظلم سے بچانے کے لئے مذکورہ بالا شرائط (زائد رقم غرباء کو دے دی جائے اور اگر بحالت اضطرار کچھ اپنے کام میں لینے پر مجبور ہو جائے تو خوشحال ہونے پر اسے بھی خیرات کر دے) کے ساتھ بیمہ کرا لینے کی گنجائش ہے عام اجازت نہیں۔ هذا ما سنح لي الآن. فقط الله اعلم بالصواب.

سودی رقم سے ٹیکس ادا کرنا:

(سوال ۲۹۰) حکومت کی جانب سے جو ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں جیسے ہاؤس ٹیکس انکم ٹیکس، کیا ان ٹیکسوں کی ادائیگی کے لئے بینک کی سودی رقم استعمال کی جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بینک کے سود کا اصل مصرف تو غرباء اور مساکین ہیں رفاہ عام کے کاموں میں بھی صرف کیا جا سکتا ہے، خود منتفع نہ ہو لیکن اگر حکومت کے ان ٹیکسوں کی بھرمار سے تنگ آ گیا ہو اور ان کی ادائیگی میں یہ رقم استعمال کرنے پر مجبور ہو تو گنجائش ہے بلا مجبوری استعمال نہ کرے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صورت مسئولہ میں لائف انشورنس کا کیا حکم ہے:

(سوال ۲۹۱) حکومت تاجروں کی آمدنی سے تین حصے بطور ٹیکس وصول کرتی ہے مگر لائف انشورنس (LIFE INSURANCE) (زندگی کا بیمہ) کی پالیسی اختیار کر لینے کی صورت میں دو حصے معاف کر دیتی ہے تو کیا ایسی صوت میں لائف انشورنس (زندگی کا بیمہ) کرایا جا سکتا ہے؟ بیمہ کرانے سے مقصود یہ ہے کہ حکومت ہماری جائز کمائی پر قبضہ نہ کر لے اور اگر لائف انشورنس کی پالیسی اختیار نہ کی جائے تو حکومت تجارتی آمدنی سے تین حصے لے لیتی ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) اپنی جائز کمائی کو بچانے کے لئے یہ ترکیب اختیار کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس معاملہ میں جو رقم زائد ملے اسے غرباء اور مساکین پر صرف کیا جائے اپنے ذاتی کاموں پر ہرگز ہرگز صرف نہ کی جائے تاہم زندگی کی بیمہ کا معاملہ تقویٰ اور احتیاط کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کے سود سے غریب کے گھر کا بیت الخلاء بنوانا:

(سوال ۲۹۲) سود کے روپیوں سے اگر غریب عزیز و اقارب کے گھر کا بیت الخلاء بنا دیں تو کیسا ہے؟ سودی رقم

لینے کی وجہ سے جو ذمہ داری ہے اس سے وہ سبکدوش ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں بنوا سکتے ہیں اور اس صورت میں آدمی سودی رقم کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سود لینے کی غرض سے غیر مسلم کمپنی میں رقم جمع کرنا:

(سوال ۲۹۳) ایک شخص اپنی رقم آسٹریلیا کی ایک غیر مسلم کمپنی میں جمع کر کے سود حاصل کرنا چاہتا ہے اور پھر اس سودی رقم کو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے استعمال کرنے کا ارادہ ہے تو یہ اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب اللہ تعالیٰ نے مال حلال نصیب فرمایا ہے تو اسے جائز ذریعہ سے بڑھانا چاہئے، اس مال سے تجارت کی جائے، تجارت کی ہمت نہ ہو تو مضاربت کا معاملہ کر لیا جائے، مکان خرید کر کرایہ حاصل کیا جائے اس کے حلال ہونے میں تردد نہیں، غیر مسلم کمپنی مسلمان کے مال سے ناجائز معاملہ کرے گی سودی لین دین میں لگائے گی جس کی ذمہ داری سے یہ شخص سبکدوش نہیں ہو سکتا سود لینے کی نیت سے رقم جمع کرنا بھی جائز نہیں اور اس کی آمدنی سے متمتع ہونا خود کھانا اپنے بال بچوں کو کھلانا شرعاً اس کی اجازت نہیں، یہ خالص سود ہے اور سود کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

سود کے پیسے انجمن میں خرچ کرنا:

(سوال ۲۹۴) انجمن کے پیسے ٹرسٹی (متولی) نے بینک میں رکھ دیئے ہیں، اور اس کا سود بھی ملتا ہے تو اس سود کو انجمن کے کام میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) انجمن کے متعلق بیت الخلاء غسل خانہ پیشاب خانہ بنانے اور اس کی مرمت کرنے میں اور راستہ درست کرنے میں خرچ کیا جائے اگر ضرورت نہ ہو تو غرباء کو دے دی جائے یا رفاہ عام کے کاموں میں صرف کی جائے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قرض دے کر نفع لینا:

(سوال ۲۹۵) ہماری ایک کلب ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ جب زیادہ روپے ہو جائیں تو اس وقت کہیں باہر تفریح کے لئے جائیں گے، ابھی ہمارے پاس تقریباً چار ہزار روپے جمع ہوئے ہیں وہ پیسے ہم نے ایک دوست کو بطور قرض دیئے ہیں وہ ہماری کلب کے ممبر نہیں ہیں اور وہ اس رقم سے تجارت کرتے ہیں اور ماہانہ تیس روپے دیتے ہیں تو یہ روپے سود شمار ہوں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ماہانہ تیس روپے لینا سود ہے، رقم قرض دے کر نفع حاصل کرنا سود ہے جو بنص قطعی حرام ہے۔ (۱) جواز کی صورت یہ ہے کہ یہ رقم دے کر عقد مضاربت کا معاملہ کر لیا جائے کہ اس رقم پر جو منافع ہو اس میں اتنا حصہ تمہارا، اور اتنا

---

(۱) وفی الاشباہ کل قرض جر نفعا حرام فکرہ للمرتھن سکنی المرھونۃ باذن الراھن، درمختار مع الشامی باب القرض ج۵ ص ۲۶

حصہ ہمارا، مثلاً آدھا حصہ تمہارا آدھا ہمارا، یا ایک حصہ ہمارا دو حصے تمہارے غرض یہ کہ منافع میں جانبین کے حصے مقرر ہو جائیں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سود کی رقم سے مقروض سید کا قرض ادا کرنا

(سوال ۲۹۶) ایک سید ہے جو مقروض اور پریشان حال ہے آمدنی ملازمت کی قلیل تنخواہ کے سواء کچھ نہیں ہے ایسے سید کا قرض بینک کے سود سے کوئی آدمی ادا کرنا چاہے تو ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اضطرار اور انتہائی مجبوری کی حالت ہو تو اس رقم سے اس کا قرض ادا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

جائز ملازمت چھوڑ کر بینک یا انشورنس کمپنی میں ملازمت کرنا:

(سوال ۲۹۷) ایک شخص دوائی کی کمپنی میں ملازمت کرتا ہے اسے اسٹیٹ بینک اور جنرل انشورنس کمپنی (بیمہ کمپنی) میں ملازمت مل رہی ہے، یہاں تنخواہ بھی زیادہ ہے اور عہدہ ''بی آفیسری'' کا ہے، تو یہ شخص اپنی موجودہ ملازمت چھوڑ کر اسٹیٹ بینک یا ریزرو بینک یا انشورنس کمپنی میں ملازمت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب اسٹیٹ بینک، ریزرو بینک اور انشورنس کمپنی میں سودی لین دین کا معاملہ ہوتا ہے تو پھر موجودہ ملازمت چھوڑ کر اس ملازمت کو قبول کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے **عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواء** مشکوٰۃ باب الربوا ص ۲۴۶۔

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے سود لینے اور دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا یہ سب اصل گناہ میں برابر کے شریک ہیں...... اس سے ثابت ہوا کہ گناہ کے کاموں میں امداد کرنا اور اس میں کسی قسم کا حصہ لینا جائز نہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں، **ولا تعاونوا علی الا ثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔**

ترجمہ:۔ گناہ اور ظلم (زیادتی) کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدا پاک سخت سزا دینے والا ہے (سورہ مائدہ)

انسان کی سعادت مندی یہی ہے کہ وہ رزق حلال کی طلب میں رہے حلال اور طیب روزی پیٹ میں جاتی ہے تو اس سے قلب منور ہوتا ہے، اعمال صالحہ کی توفیق ہوتی ہے، عبادات میں دل لگتا ہے اور جب حرام اور مشتبہ روزی پیٹ میں جاتی ہے تو قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے، عبادات میں دل نہیں لگتا، نیک کاموں کی توفیق نہیں ہوتی، نیز حلال رزق میں برکت ہوتی ہے اس لئے موجودہ ملازمت چھوڑ کر ایسی ملازمت اختیار نہ کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عازمین حج کا ''اختیاری بیمہ پالیسی'' پر عمل کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۹۸) اس سال یعنی ۱۹۸۲ء میں بمبئی کی حج کمیٹی نے عازمین حج کے لئے جان کے بیمہ کا ''اختیاری بیمہ

پالیسی'' کا اجراء کیا ہے، ہر عازم حج سے = /۸۸ روپے وصول کئے جاتے ہیں، اور ان کی شرائط کے مطابق اگر کوئی حاجی حادثہ کا شکار ہو جائے تو ان کی مقرر کردہ رقم جو پچاس ہزار سے لے کر ایک لاکھ روپے ہوتی ہے یہ رقم اس شخص کے ورثاء کو دیں گے اور اگر گھر واپس آ گیا تو وہ = /۸۸ روپے واپس نہیں ملیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ از روئے شرع یہ بیمہ پالیسی جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔ (بمبئی)

(الجواب) بیمہ کی حقیقت قمار اور سود سے مرکب ہے اور یہ دونوں حرام ہیں لہذا حجاج کرام کے لئے اس کا ارتکاب قطعاً ناجائز اور اور حرام ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مقروض کی مدد کرنے کی نیت سے فکس ڈپوزٹ میں رقم جمع کرنا کیسا ہے:

(سوال ۲۹۹) ایک شخص مقروض ہے اور قرض بھی بہت بڑا ہے اس کو قرض ادا کرنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے ایسے مقروض کو مدد کرنے کی نیت سے کسی شخص کا بینک میں ''فکس ڈپوزٹ'' میں رقم جمع کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں مقروض کی مدد کرنے کی نیت سے بھی فکس ڈپوزٹ میں رقم رکھنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی شخص نے جہل اور ناواقفیت کی وجہ سے فکس ڈپوزٹ میں رقم جمع کر دی ہو اور اس کا سود ملا تو ایسے ضرورت مند مقروض کو ثواب کی نیت کئے بغیر دیا جا سکتا ہے۔ (۱) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

سوال میں درج شدہ طریقۂ تجارت سود میں داخل ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۰۰) ایک طریقہ تجارت آج کل بہت چل رہا ہے، اس کی صورت یہ ہے، کوئی کمپنی یا پارٹی کسی تجارتی چیز کی اسکیم چلاتی ہے، مثلاً کوئی لونا (LUNA) موٹر سائیکل کی اسکیم چلاتا ہے اس کی قیمت پانچ ہزار روپے ہے، سو روپے ماہانہ کے) تین سو ممبر بنائے جاتے ہیں اور ایک ماہ میں ایک بار قرعہ اندازی کی جاتی ہے جس ممبر کا نام قرعہ میں نکل آتا ہے اس کو صرف سو روپے میں پانچ ہزار کی چیز مل جاتی ہے، ۴۵ مہینے کی اسکیم ہے اس میں کمپنی یا پارٹی جو اس اسکیم کو چلاتی ہے اس کا فائدہ تو یہ ہے کہ تیس ہزار روپے ماہانہ جمع ہو جاتے ہیں، اور صرف پانچ ہزار کی چیز جاتی ہے، اس طرح سے تجارت کے لئے اس کو پچیس ہزار روپے مل جاتے ہیں اور ۴۵ ماہ پورے ہونے کے بعد ہر ممبر کو لونا موٹر سائیکل یا پانچ ہزار روپے واپس مل جائیں گے۔ ممبر کا اس میں فائدہ یہ ہے کہ پہلے ماہ قرعہ میں نام نکلنے والے کو صرف سو (۱۰۰) روپے میں، دوسرے ماہ والے کو صرف دو سو روپے میں، تیسرے ماہ والے کو صرف تین سو روپے میں پانچ ہزار کی چیز مل جاتی ہیں، قرعہ میں نام نکلنے کے بعد اس ممبر کو پیسے نہیں بھرنے پڑتے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ تجارت قمار اور سود میں داخل ہے یا نہیں؟ اس اسکیم میں حصہ لینا یا یہ اسکیم چلانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) والحاصل ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه شامی باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالا حراما. ج.۵ ص ۹۹.

(الجواب) بلاشبہ مذکورہ اسکیم اور معاملہ سود اور قمار پر مشتمل ہے، لہذا حرام ہے یہ اسکیم چلانا یا اس میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فساد میں دوکان کے نقصان کی تلافی کے لئے کون سی صورت اختیار کرنا مناسب ہے؟:

(سوال ۳۰۱) زید ایک اچھا تاجر ہے فساد میں اس کا اسٹاک جل کر خاک ہوگیا، زیادہ سامان ادھار آیا ہوا تھا، کمپنیوں کا قرض ادا کرنے کے بعد ہی دوسرا مال ملنا ممکن ہے، دوکان کا بیمہ نہیں تھا، اب معاملہ دو حال سے خالی نہیں، اول یہ کہ بینک سے قرض لے کر روپیہ ادا کرے تاکہ آئندہ تجارتی سامان پھر انہیں اصولوں پر مل سکے، دوسری صورت یہ کہ جائیداد بیچ کر قرض ادا کیا جائے، اس صورت میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، اس حالات میں کیا بینک سے قرض لینے کی گنجائش ہے، بینوا توجروا، اندور، ایم پی۔

(الجواب) آج کل کے حالات کے پیش نظر کہ جہاں دشمنوں سے خطرہ ہو چند شرائط کے ساتھ مفتیان کرام نے دوکان کارخانہ فیکٹری کے بیمہ کی اجازت دی ہے (فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم ۱۳۲ تا ص ۱۳۵) (اسی باب میں، شدید خطرے کی حالت میں مکان، دوکان فیکٹری کا بیمہ کرانا، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) یہ فتویٰ تقریباً دو سال ہوئے شائع ہو چکا ہے اور مقامی گجراتی ماہنامہ ''حیات'' میں بھی یہ فتویٰ شائع ہوگیا ہے۔

صورت مسئولہ میں قرض ادا کرنے کا بندوبست نہ ہو سکے، کہیں سے غیر سودی قرض نہ ملتا ہو اور نہ کمپنی آئندہ مال ادھار دینے کے لئے تیار ہو تو اپنی ضرورت کے بقدر مکان وغیرہ رکھ کر ضرورت سے زائد اشیاء فروخت کر کے قرض ادا کرنے کی سبیل نکالی جائے، اگر اس سے بھی قرض ادا نہ ہو اور سودی قرض لئے بغیر چارہ ہی نہ ہو بالکل مجبور ہو جائے تو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔ یجوز للمحتاج الا ستقراض بالربح (الا شباہ و النظائر ص ۱۱۵) البحر الرائق ص ۱۲۶ ج ۶) (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۱ ج ۶) (جدید ترتیب کے مطابق، باب القرض میں کن حالات میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہے کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب، ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ۔

غرباء کی امداد کی نیت سے یونٹ ٹرسٹ کے شیئر خریدنا:

(سوال ۳۰۲) مزاج اقدس بخیر ہوگا، خدمت عالی میں گذارش ہے کہ حکومت ھند کی طرف سے منظور شدہ ایک عوامی ادارہ ہے، جس کا نام ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' یہ ادارہ عوام سے سرمایہ لے کر مختلف قسم کے کاروبار میں لگاتا ہے، پھر اس سے جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے ہر سال سرمایہ داروں کو ان کے سرمایہ پر کچھ فیصد نفع طے کر کے سالانہ نفع تقسیم کرتا ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ اس ادارہ کے منتظمین جمع شدہ سرمایہ عموماً سودی کاروبار میں لگاتے ہیں مثلاً کچھ سرمایہ کمپنیوں کے پریفرنس شیئرز اور ڈبنچر شیئرز میں لگاتے ہیں اور کچھ سرمایہ سرکاری بینکوں کی فکس ڈپوزٹ اور بونڈ میں

---

(۱) وشرعاً فضل ولو حکما فدخل بالنسیئة ...... خال عن عوض قال فی الشامیة تحت قوله ولو حکما ...... فضل مالا بالا عوض فی معاوضة مال بمال درمختار مع الشامی باب الربا ج ۵ ص ۱۶۸۔

لگاتے ہیں، اور کچھ سرمایہ سودی سرٹیفکٹ اور وکاس پتر میں لگاتے ہیں اور ان سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ شیئرز ہولڈروں کو دیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص غریبوں اور محتاجوں کی مدد کے لئے آمدنی کے ذرائع کھڑے کرنے کے ارادہ سے لوگوں سے چندہ کر کے سرمایہ جمع کرے اور اس چندہ کی رقم کو آمدنی حاصل کرنے کے لئے مذکورہ ادارہ ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' میں لگائے اور اس سے جو ڈیویڈنڈ (نفع) حاصل ہو وہ محتاجوں میں تقسیم کرے تو سوال یہ ہے کہ اس غرض سے چندہ کرنا پھر وہ رقم ''یونٹ ٹرسٹ'' میں لگا کر اس سے نفع حاصل کرنا اور وہ نفع غریبوں میں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امید کہ مذکورہ تفصیل کو سامنے رکھ کر جواب عنایت فرمائیں گے۔ (دارالعلوم کنتھاریہ، ضلع بھروچ)

(الجواب) اولاً یہ بات ملحوظ رہے کہ بینک میں جو رقم رکھی جاتی ہے، بعینہ وہ رقم بینک میں بطور امانت محفوظ نہیں رکھی جاتی، بینک والے اسے سودی کاروبار میں استعمال کرتے ہیں، لہذا بینک میں رقم رکھنا اعانت علی المعصیۃ ہے، قانونی مجبوری یا چوری کا خوف ہو تو حفاظت کی خاطر رقم رکھنے کی گنجائش ہے، حصول سود قطعاً مقصود نہ ہونا چاہئے اور رقم رکھنے کے بعد جو سود ملے اسے بینک میں چھوڑنا بھی نہ چاہئے، وہاں سے لے کر غریبوں اور محتاجوں کو بلانیت ثواب تقسیم کردیا جائے، رفاہ عام کے کاموں میں بھی خرچ کر سکتے ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص۱۹۲ ج۲) (جدید ترتیب کے مطابق سودی رقم رفاہ عام میں لگا سکتے ہیں کے عنوان سے، باب سودی رقم کا استعمال میں دیکھ لیا جائے، نیز اسی باب میں بینک کے سود کے متعلق فتوے پر تنقید الخ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب)

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ جب یہ بات واضح ہے کہ ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' کے منتظمین حاصل شدہ سرمایہ کو زیادہ تر سودی کاروبار میں لگاتے ہیں جیسا کہ آپ نے سوال میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے تو اس میں رقم لگانا اعانت علی المعصیت کی وجہ سے ناجائز ہی ہوگا، غریبوں اور محتاجوں کی نیت سے بھی رکھنا جائز نہ ہوگا، غرباء حاصل شدہ سود کے مصرف ضرور ہیں، لیکن ان کی امداد کے لئے ناجائز طریقہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں اگر کوئی شخص یا کوئی جماعت محض غرباء کی امداد کے لئے چوری کرے یا ڈاکہ ڈالے تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہوسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ امداد کی نیت سے بھی چوری کرنے یا ڈاکہ ڈالنے یا اور کوئی ناجائز طریقہ اختیار کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح سوال میں جو صورت درج ہے اس کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

غرباء کی امداد کے لئے چندہ کرنا اور پھر ان کی مدد کرنا، یا اللہ رقم جمع کر کے غرباء کی امداد کے لئے آمدنی کی کوئی جائز صورت اختیار کرنا یقیناً باعث اجر و ثواب ہے، لیکن اس نیک کام کے لئے جائز طریقہ ہی اختیار کرنا چاہئے۔ (فقط واللہ اعلم بالصواب۔)

جنوبی افریقہ میں کاروبار اور مکان کا انشورنس کروانا:

(سوال ۳۰۳) ہمارے ملک ساؤتھ (جنوبی) افریقہ میں اس وقت لوٹ مار اور قتل و غارت گری رات دن کا معمول بن گیا ہے۔ بے قصور اور بے گناہ لوگ ظلم و ستم کا شکار رہتے ہیں، صاحب مال اور دولت مند دیکھتے دیکھتے فقیر بن جاتے ہیں اور نان شبینہ کے محتاج ہوجاتے ہیں، ایسے حالات میں کاروبار، مکان کا انشورنس کی ہمارے دیار میں گنجائش ہے یا

نہیں؟ یہاں انشورنس کمپنیاں حکومت کی نہیں ہوتیں، بینوا توجروا۔
(الجواب) اپنی اشیاء کی حفاظت کی ذمہ داری خود اپنے اوپر ہے اور حکومت پر ہے اگر کوئی نقصان ہوتا ہے تو اسے قسمت اور تقدیر پر محمول کرنا چاہئے، جو صورت سوال میں درج ہے وہ انشورنس کرانے کی شرعی وجہ نہیں ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں انشورنس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، انشورنس کے بعد بیمہ کمپنی بذات خود مکان، دوکان وغیرہ کی حفاظت نہیں کرتی کہ اس معاملہ کو عقد اجارہ میں داخل کر کے اشتراط ضمان علی الاجیر کا حکم لگایا جائے، یہ معاملہ سود اور قمار سے مرکب ہے بایں وجہ اس میں سود اور قمار دونوں قسم کے گناہ ہوتے ہیں اور گناہ بھی بڑے سنگین ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم ص ۱۳۳ تا ص ۱۳۵) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں ،شدید خطرے کی حالت میں مکان، دوکان، فیکٹری کا بیمہ کرنا، کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب) اس باب میں ایک تفصیلی فتویٰ چھپا ہوا ہے، اس فتویٰ میں سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے، اس صورت میں چند شرائط بیمہ کی اجازت دی گئی ہے وہ صورت آپ کے یہاں نہیں ہے، لہذا آپ کے یہاں کی صورت کو فتاویٰ رحیمیہ میں درج شدہ صورت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور عام حالات میں بیمہ کرانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جنوبی افریقہ میں موٹر کار کا بیمہ کروانا:

(سوال ۳۰۴) آج کل موٹر ہمارے دیار (جنوبی افریقہ) میں ضرورت زندگی میں سے ہے، بس یا ریل سے سفر کرنا کسی صورت میں بھی خطرہ سے خالی نہیں اور پھر ہر وقت بس اور گاڑی کی سہولت میسر بھی نہیں اس لئے صاحب استطاعت کے لئے آسانی سے گاڑی خریدنے کا انتظام ہوجاتا ہے اور رات دن موٹروں کے ایکسیڈنٹ کے حادثات ہوتے رہتے ہیں جس موٹر سے ٹکر ہوئی ہے اس کو درست کرنے کے اخراجات قصوروار کے ذمہ ہوتے ہیں، کبھی وہ خرچ لاکھوں روپے تک ہوتا ہے قصوروار نے اگر انشورنس نہ نکلوایا ہو تو اس صورت میں اس کا کاروبار اور مکان تک بک جانے کا امکان ہوتا ہے، ایسے حالات میں ہمارے یہاں انشورنس کرانے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (مولانا عبدالحق عمرجی صاحب)
(الجواب) کار کا بیمہ (انشورنس) نہ کرائے کی صورت میں ایکسیڈنٹ ہونے پر ذاتی رقم سے نقصان ادا کرنا پڑے گا اور وہ نقصان بعض وقت اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ آدمی غریب ہوجاتا ہے، یہ بیمہ (انشورنس) کے جواز کے لئے شرعی عذر نہیں ہے لہذا محض اس وجہ سے انشورنس کی اجازت نہ ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وقف مکان آمدنی کے ارادہ سے بینک کو کرایہ پر دینا:

(سوال ۳۰۵) ایک خانگی ٹرسٹ ہے اس کی ایک ملکیت (جائیداد) ہے اس کا کچھ حصہ بینک کو کرایہ پر دینا چاہتے ہیں تو بینک کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینک کو کرایہ پر دینے کا اس وجہ سے ارادہ کیا ہے کہ ہر ماہ وقت پر کرایہ وصول ہوجائے گا، کرایہ دار مکان پر قبضہ کر لیتے ہیں، کورٹ مقدمہ ہونے پر کرایہ دار کی طرف داری کرتی ہے بینک کو کرایہ پر دینے سے یہ خطرہ نہ ہوگا اور بینک سے کرایہ بھی زیادہ ملتا ہے، آپ ہماری رہنمائی فرمائیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) قرآن وحدیث میں سودی لین دین اور سودی معاملہ اور کاروبار پر سخت وعیدیں آئی ہیں، ارشاد خداوندی

ہے۔

(۱)احل اللہ البیع وحرم الربوا.(سورہ بقرہ پ ۳)
اللہ نے بیع کوحلال کیا ہےاورربوا(سود) کوحرام کیا۔
(۲)یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات،(سورہ بقرہ پ ۳)
اللہ تعالیٰ سودکومٹا تا ہےاورصدقات کو بڑھاتا ہے۔
(۳)فان لم تفعلوا فاذ نوا بحرب من اللہ ورسولہ .(سورۂ بقرہ پ ۳)
اگرسودی معاملہ سے باز آ ؤ گےتو اللہ جل جلالہٗ اوراس کےرسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو۔
حدیث میں ہے:

(۱) عن جابر رضی اللہ عنہ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سوآء (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷)(مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے اورسودی معاملہ لکھنے اورسودی معاملہ کے گواہوں پرلعنت فرمائی ہےاورارشادفرمایا یہ سب برابر کے گنہگاراورملعون ہیں۔

(۲)عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربوا سبعون جزءً ا ایسرھا ان ینکح الرجل امہٗ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سودی معاملہ کرنے والے کوسترقسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں ان میں سے ادنیٰ درجہ کا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرے۔

(۳)قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھم ربوا یأ کلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلثین زینۃ .(مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا۔

حضوراکرم ﷺ نے ارشادفرمایاایک سودی درہم کا کھانا (یعنی اپنے استعمال میں لانا) جانتے ہوئے کہ یہ سود کا ہےاللہ کے یہاں چھتیس ۳۶ مرتبہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(۴)عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یارسول اللہ وما ھن قال الشرک باللہ والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الابالحق واکل الربوا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنت المؤمنات الغافلات(مشکوٰۃ شریف ص ۱۷ باب الکبائر.)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو، عرض کیا یارسول اللہ وہ سات چیزیں کون سی ہیں؟ فرمایا شرک کرنا، جادوکرنا، ناحق کسی کوقتل کرنا، سودی معاملہ کرنا یتیم کا مال ناحق کھانا، جہاد سے بھاگنا، پاک دامن خواتین پر زنا کی تہمت لگانا۔

ان کےعلاوہ دیگراحادیث بھی ہیں ازراہ اختصاران پراکتفاء کیا گیا۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ بینک میں عام طور پر سودی معاملہ ہوتا ہے اور سود ہی ان کی آمدنی کا ذریعہ ہے، بینک کو مکان کرایہ پر دینا سودی معاملات میں معاون بننا ہے اور قرآن کریم میں ہے و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو (قرآن مجید پارہ نمبر ۶ سورۂ مائدہ) لہذا بینک کو مکان کرایہ پر نہ دیا جائے اور وقف کی حفاظت کے جتنے ظاہری اور قانونی اسباب ہو سکتے ہوں انہیں اختیار کر کے کسی دوسرے ہی کو کرایہ پر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

موروثی مکان میں مقیم وارث کو مکان کی مرمت کے لئے سودی رقم دینا کیسا ہے :

(سوال ۳۰۶) ایک موروثی مکان ہے فی الحال اس مکان میں صرف دو فرد مقیم ہیں بقیہ وارث الگ الگ رہتے ہیں ،موروثی مکان بہت ہی بوسیدہ ہو گیا ہے بارش کے زمانہ میں ہر جگہ پانی ٹپکتا ہے اس مکان کے مرمت کی سخت ضرورت ہے جو وارث اس میں رہتے ہیں ان کی مالی حالت از حد کمزور ہے اور دوسرے وارث اس طرف بالکل توجہ نہیں دیتے ، اگر کوئی شخص سود کی رقم سے اس مکان کی مرمت کرادے تو کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں ،بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں موروثی مکان میں جو وارث رہتے ہیں مستحق زکوٰۃ ہوں تو اگر کوئی شخص زکوٰۃ یا سود کی رقم ان کو دے کر مالک بنادے اور وہ دونوں مالک بننے کے بعد اس رقم سے مکان کی مرمت کرالیں تو کرا سکتے ہیں۔ [1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غرباء کی مدد کی نیت سے بینک میں رقم رکھ کر سود حاصل کرنا:

(سوال ۳۰۷) ایک کمیٹی جو عام مسلمانوں کی خدمت کرتی ہے اس نے کچھ رقم بینک میں ''کرنٹ اکاؤنٹ'' میں جمع کی ہے جس میں سود نہیں ملتا مگر اب کمیٹی کے ممبران چاہتے ہیں کہ یہ رقم ''سیونگ اکاؤنٹ'' میں جمع کی جائے تاکہ اس کا سود ملے اور اسے مصیبت زدہ مسلمانوں پر خرچ کریں۔ کیا کمیٹی کا یہ اقدام ازروئے شرع شریف درست ہوگا؟ اور سود میں ملی ہوئی رقم مسلمانوں پر خرچ کرنا درست ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بینک میں حفاظت یا قانونی دشواریوں کی وجہ سے رقم رکھی جا سکتی ہے، سود حاصل کرنے کی نیت سے رقم رکھنا درست نہیں ہے، اگر چہ یہ نیت ہو کہ سود کی رقم محتاجوں کو دے دی جائے گی، کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم کی حفاظت ہو سکتی ہے اس کے باوجود اس میں سے رقم نکال کر ''سیونگ اکاؤنٹ'' میں رکھنے کا بظاہر مقصد یہی ہوگا کہ سود حاصل کرنے کے لئے یہ صورت اختیار کی جا رہی ہے، لہذا حفاظت کی خاطر جس طرح رقم رکھی گئی ہے اسی پر قائم رہنا چاہئے، سود حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

باقی یہ مسئلہ اپنی جگہ ہے کہ اگر کسی کے پاس سود کی رقم ہو تو وہ رقم غرباء اور محتاجوں کو بلا نیت ثواب دے دینا چاہئے، رفاہ عام کے کاموں میں بھی خرچ کرنے کی گنجائش ہے، مگر سود حاصل کرنے اور اسے غرباء پر خرچ کرنے کے ارادہ سے بینک میں رقم رکھنا جائز نہیں ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والحاصل ان علم ارباب الا موال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه ، شامی باب بیع الفاسد. مطلب فيمن ورثا مالا حراما فقیر مالک ہو جانے کے بعد اختیار رکھتا ہے کہ جہاں چاہے استعمال کرے۔

یونٹ ٹرسٹ کے شیئرز پر ملا ہوا ڈیویڈنڈ استعمال کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۰۸) یونٹ ٹرسٹ کے شیئرز خریدے ہیں اور اس پر ڈیویڈنڈ (منافع) کے نام سے سالانہ کچھ رقم ملتی ہے، یہ ڈیویڈنڈ استعمال کرنا کیسا ہے؟

یہ بات آپ کے خیال میں رہے کہ یونٹ ٹرسٹ کے منتظمین جمع شدہ سرمایہ زیادہ تر سودی کاروبار میں لگاتے ہیں اور گاہے دوسروں کو سود پر رقم دیتے ہیں اور اس میں جو آمدنی یا سود حاصل ہوتا ہے وہی شیئرز کے خریداروں کو ڈیویڈنڈ کے نام سے دیتے ہیں۔

(الجواب) ہمیں تحقیق کرنے پر معلوم ہوا ہے اور آپ نے بھی سوال میں لکھا ہے کہ ادارہ یونٹ ٹرسٹ جمع شدہ سرمایہ زیادہ تر سودی کاروبار میں لگاتا ہے اور اسی سے حاصل شدہ آمدنی ڈیویڈنڈ کے نام سے شیئر ہولڈروں کو دیتا ہے تو ایسی صورت میں یونٹ ٹرسٹ کے شیئر ہی نہ خریدے جائیں، اعانت علی المعصیت ہے اور اگر کسی نے خرید لئے ہیں تو اولین فرصت میں اسے ختم کر دینا چاہئے اور حاصل شدہ ڈیویڈنٹ غرباء و مساکین کو بلانیت ثواب دے دینا چاہئے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پراویڈنٹ فنڈ کے متعلق ایک ضروری مسئلہ:

(سوال ۳۰۹) ایک شخص ایک ''دودھ ڈیری'' میں ملازمت کرتا ہے اور اس کی تنخواہ بارہ سو روپے ہے ہر ماہ پرویڈنٹ فنڈ کے نام سے مذکورہ دودھ ڈیری والے ایک سوبیس روپے اس کی تنخواہ میں سے کاٹتے ہیں اور پھر دودھ ڈیری والے ایک سوبیس کا اضافہ کر کے دوسو چالیس روپے بینک میں جمع کروا دیتے ہیں، اور بینک اس پر سال میں دومرتبہ سود دیتی ہے اور اسی کے حساب میں شامل کر دیا جاتا ہے، ملازمت کرنے والا یہ رقم اپنی مرضی سے بینک میں سے نہیں لے سکتا اس کے بعد دودھ ڈیری والوں نے بینک میں جمع شدہ رقم مع سود اٹھا کر پوسٹ آفس میں رکھ دی چھ سال بعد پوسٹ آفس والے جمع شدہ رقم دوگنا کر کے دیں گے اور یہ پوری رقم ملازمت چھوٹنے پر یا انتقال ہونے پر ہی ملتی ہے اس سے پہلے نہیں ملتی۔

اس صورت میں جو اضافہ ڈیری والوں نے کیا اس کے متعلق جواب آپ کے فتاوی رحیمیہ ص ۱۴۷ ج ۵ (جدید ترتیب کی مطابق کتاب الزکوٰۃ میں پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ نہیں ہے ؟ الخ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ازمرتب) پر ہے کہ وہ انعام ہے اور وہ لینا جائز ہے مگر اس کے بعد بینک اور پوسٹ آفس کی طرف سے جو اضافہ ہوا ہے وہ اضافہ شدہ رقم لینا کیسا ہے؟ اس کی متعلق جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ سب کارروائی دودھ ڈیری والے از خود اپنی ذمہ داری پر کریں ملازم کی مرضی اور اختیار کو اس میں بالکل دخل نہ ہو تو بینک اور پوسٹ آفس کی طرف سے جو اضافہ شدہ رقم ہے اس کا لینا مباح ہے، سود کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی اور اگر دودھ ڈیری والی ملازم کی مرضی یا اجازت سے یہ کارروائی کریں تو بینک یا پوسٹ آفس کی طرف سے جو اضافہ ہوگا وہ سود کہلائے گا جس کا استعمال کرنا جائز نہ ہوگا، غرباء کو ثواب کی نیت کے بغیر دے دے، بلکہ اس صورت میں ہوگا۔ ملازم کی اجازت سے یہ کام ہوا ہے تو بینک یا پوسٹ آفس والے اس کے وکیل ہوں گے اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا

قبضہ شمار ہوتا ہے تو اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملازم اس رقم کا قابض شمار ہوگا، لہذا جب سے یہ رقم بینک یا پوسٹ آفس کی طرف منتقل ہوگی اس وقت سے اس پر زکوٰۃ کے احکام جاری ہوں گے، اور ہر سال کی زکوٰۃ ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی رہے گی، اگر زکوٰۃ نہ ادا کی ہو تو جتنے سالوں کی زکوٰۃ باقی ہو ان سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد رفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

مسئلہ ۱:۔ جبری پراویڈنٹ فنڈ میں ملازم کی تنخواہ سے جو رقم ماہ بماہ کاٹی جاتی ہے اور اس پر ہر ماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے کرتا ہے پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ بنام سود جمع کرتا ہے شرعاً ان تینوں رقموں کا حکم ایک ہے اور وہ یہ کہ یہ سب رقمیں درحقیقت تنخواہ ہی کا حصہ ہیں اگر چہ سود یا کسی اور نام سے دی جائیں، لہذا ملازم کو ان کا لینا اور اپنے استعمال میں لانا جائز ہے ان میں سے کوئی رقم بھی شرعاً سود نہیں البتہ پراویڈنٹ فنڈ میں اگر اپنے اختیار سے کٹوائی جائے تو اس پر جو رقم محکمہ بنام سود دے گا اس سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس میں تشبہ بالربا بھی ہے اور سود خوری کا ذریعہ بنا لینے کا خطرہ بھی اس لئے خواہ وصول ہی نہ کریں یا وصول کر کے صدقہ کردے۔

مسئلہ ۲:۔ جو حکم مسئلہ ۱ میں بیان کیا گیا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملازم نے اپنی طرف سے کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں نہ دلوائی ہو بلکہ محکمہ نے اپنے تصرف میں رکھی ہو یا اگر کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کو دی ہو تو اپنے طور سے اپنی ذمہ داری پر دی ہو اور اگر ملازم نے اپنی ذمہ پر یہ رقم کسی شخص یا بینک یا بیمہ کمپنی یا کسی اور مستقبل کمیٹی مثلاً ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیر کی تحویل میں دلوادی تو یہ ایسا ہے جیسے خود وصول کر کے اس کی تحویل میں دی ہو، اب اگر بینک یا کمپنی وغیرہ اس رقم پر کچھ سود دیں تو یہ شرعاً بھی سود ہوگا جس کا لینا ملازم کے لئے قطعاً حرام ہے، فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری۔ کتبہ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ خادم دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ نقل دستخط ارکان مجلس تحقیق مسائل حاضرہ۔

الجواب صحیح (مولانا) محمد یوسف بنوری۔ الجواب صحیح (مفتی) رشید احمد عفی عنہ۔
الجواب صحیح بندہ (مفتی) محمد شفیع۔ الجواب صحیح (مفتی) محمد تقی۔
الجواب صحیح (مولانا) محمد عاشق الٰہی۔ الجواب صحیح (مفتی) ولی حسن ٹونکی غفر لہٗ۔

(از جدید مسائل کے شرعی احکام۔ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ و سود کے مسائل ص ۹۶،۸۹،۸۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیمہ کے متعلق تفصیلی احکام (بارہ سوالات کے جوابات):

(سوال ۳۱۰) (۱) بیمہ کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس میں کمپنی بطور سود جو رقم دیتی ہے جس کا نام وہ اپنی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے، شریعت کا اصطلاحی ربوا ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً! بیمہ کی حقیقت ربوا اور قمار سے مرکب ہے۔ الربوا هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي شرط لا حد المتعاقدين في المعاوضة (درمختار باب الربوا ج ۲ ص ۱۶۸) هو فضل خال عن عوض شرط لا حد المتعاقدين في معاوضة مال بمال (ملتقى الا بحر ايضاً) فقط.

(سوال ۲) اگر سود مذکور شرعی اصطلاح میں ربوا ہے تو بیمہ کے جو مصالح بیان کئے جاتے ہیں ان کی پیش نظر بیمہ کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

(الجواب) ربوا اور قمار دونوں حرام قطعی اور کبیرہ گناہ ہیں، حرمت ان کی منصوص اور اجماعی ہے۔ **اجمع المسلمون علی تحریم الربوا فعلی انه من الکبائر** (عمدۃ القاری شرح بخاری)

آنحضرت ﷺ نے ربوا کو ہلاک کرنے والی چیزوں میں شمار کیا ہے۔ اجتنبوا السبع الموبقات، وجعل منهن اکل الربوا، مشکوٰۃ باب الکبائر وعلامات النفاق، لہٰذا اس کے ہزار منافع بیان کئے جائیں۔ بدلیل **قوله تعالیٰ: قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس واثمهما اکبر من نفعهما** سورۃ بقرۃ. منهی عنه اور غیر جائز الارتکاب ہی رہے گا۔ فقط۔

(سوال ۳) زندگی کے بیمہ، املاک کے بیمہ، اور ذمہ داری کے بیمہ کے درمیان شرعاً کوئی فرق ہوگا یا تینوں کا ایک حکم ہوگا؟

(الجواب) تینوں کا ایک ہی حکم ہے کہ ناجائز ہے اس لئے کہ تینوں قسمیں ربا اور سود پر مشتمل ہیں، اس میں ذمہ داری محض برائے نام ہے، بیمہ کمپنی جان اور مال کی حفاظت نہیں کرتی، البتہ ڈاک خانہ کے بیمہ کی صورت دوسری ہے اس لئے بعض علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے کہ: رہا بیمہ زیور وغیرہ کا جو ڈاک خانہ میں کرایا جاتا ہے اس کی حقیقت اور ہے، کیونکہ ڈاک خانہ والے اس چیز کو پہنچاتے ہیں اور اجرت لیتے ہیں پس یہ معاملہ عقد اجارہ ہے اور عملہ ڈاک اجیر ہیں اور بیمہ زیادت اجر ہے اور ان کی یہ ذمہ داری تاوان کی اشتراط ضمان علی الاجیر ہے۔ جس کو بعض فقہاء نے جائز رکھا ہے۔ بخلاف مذکورہ بیموں کے کہ کمپنی اس مال یا جان میں کوئی عمل نہیں کرتی، اس میں تاویل محتمل نہیں (ج ۳ ص ۱۲۰) فقط۔

(سوال ۴) معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شئی وقت معین سے پہلے تلف ہو جائے تو اتنی رقم ملے گی اور اس کے بعد تلف ہوئی تو اتنی، جب کہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے اس معاملہ کو قمار کی حدود میں تو داخل نہیں کر دیتی؟

(الجواب) ہاں یہ صورت قمار کی ہے اور حرام قطعی ہے۔ فقط۔

(سوال ۵) اگر یہ صورت قمار یا غذر کی ہے تو بیمہ کے مصالح کے پیش نظر جواب کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

(الجواب) اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر ۲ میں گذرا۔ فقط۔

(سوال ۶) اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے اور اپنی اصل رقم کی صرف واپسی چاہتا ہو تو کیا یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

(الجواب) یہ صورت بھی جواز کی نہیں ہے کہ اس میں اعانت علی المعصیۃ ہے البتہ اخذ الربا اور ارتکاب قمار کی صورت سے اخف ہے۔ فقط۔

(سوال ۷) جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے اسے ربا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت و امداد اور تبرع و احسان قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ :۔ بعض کمپنیوں کے ایجنٹ اس کا مقصد امداد ہی ظاہر کرتے ہیں۔

(الجواب) جی نہیں...... یہ ربا کی صورت ہے یا قمار کی۔ ایجنٹ کے لکھنے اور نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ شریعت کے احکام کا دارومدار حقیقت پر ہے نہ کہ نام پر، جب تک حقیقت نہیں بدلے گی حکم نہیں بدلے۔ وانه لا يتغير حكمه بتغير هيئته وتبديل اسمه (مرقاة المفاتيح) فقط۔

(سوال ۸) اگر مسلمان کسی دارالحرب کا باشندہ ہو (مستامن نہیں) اور کمپنی حربیوں ہی کی ہو تو کیا اس صورت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا؟

(الجواب) دارالحرب میں بھی جمہور ائمہ وعلماء محققین کے نزدیک ربوا و قمار کے متعلق وہی احکام ہیں جو دارالاسلام میں ہوتے ہیں، البتہ طرفین سے دارالحرب میں جواز کا قول منقول ہے، لیکن بعض علماء محققین نے امام صاحب کے قول کا ایسا مطلب بیان کیا ہے جو جمہور کے خلاف نہیں رہتا، چنانچہ لا ربوا بين المسلم والحربي في دار الحرب اس میں احتمال ہے کہ یہ نفی نہی کے لئے ہو جیسا کہ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج میں نہی کردی ہے۔ فلو هاجر الينا ثم عاد اليهم فلا ربوا اتفاقاً (درمختار) (قوله فلا ربوا اتفاقا) اى لا يجوز الربوا معه فهو نفي بمعنى النهي كما في قوله تعالىٰ فلا رفث ولا فسوق فافهم (شامی ج ۴ ص ۲۶۱ باب الربا)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں، تحقیق الہامی کے طور پر ایک بات لکھ لو وہ یہ کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ لاربوا بين المسلم والحربي في دار الحرب اس سے ربا کے جواز پر استدلال نہیں کر سکتے، کیونکہ اس قسم کی ترکیب کے دو معنی ہوا کرتے ہیں ایک تو یہ کہ لا مضائقة فيه دوسرے یہ کہ لايتحقق حقيقة ولا يترتب جميع احكامه مثلاً لاربوا کے اگر یہ معنی ہوں کہ ان میں ربا کی حقیقت ہی مرتب نہیں تو اس کا اثر غایت مافی الباب یہ ہوگا کہ اس پر جمیع احکام مرتب نہ ہوں گے، مثلاً وہ واجب الرد نہ ہو اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ربا کے دوسرے آثار بھی مرتب نہ ہوں، مثلاً گنہگار ہونا کہ اس کا تحقیق باوجود عدم تحقق حقیقت ربوا کے بھی ہوگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود فقہاء نے بھی لاربوا بين العبد وسيده میں عدم تحقق حقیقت مانا ہے، لیکن ارتکاب صورت ربوی سے دونوں گنہگار ہوں گے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ لا صلوة الا بطهور اس میں نفی کے معنی یہی ہیں کہ بدون وضو حقیقت صلوٰۃ متحقق نہ ہوگی لیکن باوجود اس کے اس طرح نماز کی ہیئت سے اس پر گناہ ہوگا۔ علىٰ هذا لا نكاح بين المحارم میں بھی یہی مراد ہے جس کا اثر یہ ہے کہ وجوب مہر ونفقہ نہ ہوگا۔ لیکن نفس اس فعل سے گناہ ضرور ہوگا، نیز لا صوم يوم عيد میں بھی یہ ہے، اور لا رضاع بعد الفطام میں بھی یہی معنی ہیں کہ حقیقت رضا کا تحقق نہ ہوگا، چنانچہ حرمت رضاع ثابت نہ ہوگی، لیکن بعد مدت رضاع کے دودھ پلانا گناہ ضرور ہوگا، پس جب حدیث لاربوا الخ اس معنی کو محتمل ہے اور خود حدیث شریف میں اس کے مؤیدات ونظائر اس قدر موجود ہیں تو اس حدیث سے حلت ربوا پر استدلال کافی نہ ہوگا (مقالات حکمت ص ۲۵۴)

البتہ بوجہ قوی ثابت ہے کہ دارالحرب میں مسلمانوں کے لئے حربیوں کا مال ہر اس طریق سے جس میں عذر نہ ہو مباح ہے تو سود لینا بھی مباح ہوگا، لیکن اباحت مال کی وجہ اختلاف دار ہے اور یہ علت ایک ہی دار کے باشندوں میں نہیں پائی جاتی، تو اس دلیل سے بھی ہندوستان میں رہنے والے غیر مسلموں کا مال ہمارے لئے مباح نہ ہوگا۔

و لان مالهم مباح فی دارهم فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیه عذر بخلاف المستأ من منهم لا ن ماله صار محظورا بعقد الا مان (هدایه ج۳ ص ۷۰ باب الربوا)

قال ابو حنیفة رحمه الله لو ان مسلما دخل ارض الحرب بامان فبا عهم الدرهم بالدرهمین لم یکن بذلک بأس لان احکام المسلمین لا تجری فبای وجه اخذ اموالهم برضائهم فهو جائز (الرد علی سیرالا وزاعی ص ۹۶)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں :اس میں شک نہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے،مگر حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کا خیال تھا کہ باشندگان بلاد اسلامیہ کے لئے جائز ہے کہ وہ ہندوستان میں داخل ہوکر سود اور جوے سے کفار کا مال لے سکتے ہیں،اس میں تراضی طرفین ہواور عہد شکنی نہ ہو،لیکن باشندگان ہند کے لئے جائز نہیں ہے،ان کا خیال تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے مسلمان بھی انگریزوں اور ہندوؤں سے سود لے سکتے ہیں،لیکن عوام کی مصلحت کالحاظ کر کے اس فتویٰ کو شائع نہیں کرتے تھے(مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۱۸)

البتہ ہندوؤں سے سود لینے میں اب تک تذبذب ہے(ج ا ص ۱۹)

ہندوستان کی بیمہ کمپنیوں سے معاملہ کرنے میں یہ قباحت ہے کہ مسلمان کا مسلمان سے سود لینا لازم آئے گا ،چنانچہ مفتیٔ اعظم حضرت مو مالانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

’’دارالحرب میں قمار یا سود کے ذریعہ کفار سے رقم حاصل کر لینے کی تو اباحت ہے مگر بیمہ کمپنیوں میں تو ہزاروں مسلمان بھی شریک ہوتے ہیں اوران کی رقم بھی شامل ہوتی ہے اوراس میں سے تمام شرکاء کوخواہ مسلم ہو یا کافر سود (INTAREST) دیا جاتا ہے تو گویا مسلمان سے بھی سود لیتا ہے،اس لئے دارالحرب کے مسئلہ سے بھی بیمہ کا جواز مشتبہ ہے۔محمد کفایت اللہ،کان اللہ لہٗ(از ولایت بمبئی)

(سوال ۹)اس صورت میں جب کہ انشورنس کا کاروبار خود حکومت کررہی ہواوراس صورت میں جب کہ یہ کاروبار نجی کمپنیاں کررہی ہوں،کوئی فرق ہے یا نہیں؟

(الجواب)دونو میں کوئی فرق نہیں ہے،اس لئے کہ سود لینے کے جواز کا مدار صرف اباحت پر ہےاور اباحت کی علت اختلاف دار ہے،وہ ان دونوں صورتوں میں مفقود ہے۔فقط۔

(سوال ۱۰)اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہوتو کیا اس بنیاد پر کہ خزانۂ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے،زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پا کر’’ربا‘‘ کی حدود سے خارج ہوسکتی ہے یا نہیں؟اور کیا اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہوسکتا ہے؟

(الجواب)اس کوحکومت کا عطیہ قرار نہیں دیا جاسکتا،اور یہ معاملہ اعانت علی المعصیۃ کی وجہ سے جائز نہیں۔فقط۔

(سوال ۱۱)فرض کیجئے کہ بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہےایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہےاور میعاد معین کے بعد اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن......

(الف)سود کی کل رقم بطور ٹیکس چندہ خود حکومت کو دے دیتا ہے۔

(ب)ایسی کاموں میں لگا دیتا ہے جن کا انجام دینا خود حکومت کے ذمہ ہوتا ہے مگر وہ لا پرواہی یا کسی دشواری

کی وجہ سے انہیں انجام نہیں دیتی، مثلاً کسی جگہ پل یا راستہ بنوانا، کسی تعلیمی ادارہ کو امداد دینا، کنواں کھدوانا نل لگوا دینا وغیرہ جہاں یہ امور قانوناً حکومت کے ذمہ ہوں۔

(ج) ایسے کاموں میں صرف کرتا ہے جو قانوناً حکومت کے ذمہ نہیں ہوئے مگر عام طور پر رعایا ان کے بارے میں حکومت کی امداد چاہتی ہے اور حکومت بھی ان کی اس خواہش کو مذموم نہیں سمجھتی بلکہ بعض اوقات امداد کرتی ہے مثلاً کسی جگہ کتب خانہ کھول دینا وغیرہ۔

تو کیا مذکورہ بالا صورتوں میں اس شخص کے لئے بیمہ پالیسی کی خریداری جائز ہوگی؟ اور اسے ربوا لینے کا گناہ تو نہ ہوگا؟

(الجواب) ان صورتوں میں بھی بلا اضطرار اور شدید مجبوری کے سودی معاملہ کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، جس طرح کہ خیرات کرنے کی نیت سے چوری کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اس میں اعانت علی المعصیت بھی ہے، ہاں اگر کسی نے پہلے سے معاملہ کر رکھا ہے تو وہ سودی رقم بطور ٹیکس و جبری چندہ حکومت کو دے سکتا ہے، اور بلا نیت ثواب رفاہ عام کے کاموں میں دے سکتا ہے؟ فقط۔

(سوال ۱۲) بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کے کسی دوسرے کو امداد کے طور پر دیتا ہے تو کیا اس صورت میں انشورنس کا معاملہ جائز ہوگا؟

اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح و حاجات کو سامنے رکھ کر۔

الف:۔ اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے جس میں مصالح مذکورہ موجود ہوں اور اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے، اگر ہو سکتا ہے تو کیا ہے؟ یا۔

ب:۔ انشورنس کی مروجہ شکل میں کیا کوئی ایسی ترمیم کی جا سکتی ہے جو اسے معصیت کے دائرہ سے خارج کر دے اور مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے، اگر ہو سکتی ہے تو کیا؟

(الجواب) اس کا بھی وہی حکم ہے، تمام مشکلات کا حل اور مصیبتوں کا واحد علاج شریعت کی پابندی اور شعائر اسلام کی حفاظت میں مضمر ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) یا یھا الذین امنوا ان تنصروا اللہ ینصر کم ویثبت اقدامکم (اے ایمان والو! اگر تم شریعت کی پیروی کرو گے) اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہارے قدموں کو ثابت رکھے گا۔ (قرآن حکیم)

(۲) ومن یتق اللہ یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب ،و من یتو کل علی اللہ فھو حسبه ان اللہ بالغ امرہ. یعنی اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے، اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے (قرآن حکیم)

فرمان نبوی ہے:

(۳) من حفظ سنتی اکرمه اللہ تعالیٰ باربع خصال المحبة فی قلوب البررة والھیبة فی

قلوب الفجرة والسعة فی الرزق والثقة فی الدین (شرح شرعة الاسلام لسید علی زادہ ص ۹)

یعنی جس نے میری سنت کا تحفظ کیا حق تعالیٰ چار باتوں سے اس کی تکریم فرمائے گا صالحین کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دے گا اور بدکاروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دے گا اور رزق فراخ کردیگا اور دین میں پختگی عطا فرمائے گا۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ ﷺ کے پیچھے تھا آپ ﷺ فرمانے لگے اے لڑکے! اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر! خدا بھی تیری حفاظت کرے گا، اور اللہ کے حقوق کو پیش نظر رکھ! تو خدا کو بھی اپنے پاس پائے گا، اللہ ہی سے مانگ، اللہ ہی سے مدد چاہ، اور یاد رکھ کر تمام زمین و آسمان کے لوگ اکٹھے ہو کر تجھ کو نفع پہنچانا چاہیں تو تقدیر سے زیادہ کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکیں گے، نہ تقدیر سے زیادہ نقصان پہنچ سکیں گے الخ (الحدیث)۔

(۵) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لو انکم تتوکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا رواہ الترمذی وابن ماجہ (مشکوٰۃ باب التوکل والصبر ص ۴۵۲)

یعنی حضرتؓ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر بے شک تم اللہ پر توکل (اعتماد) کرو حق توکل (خدا کو رزق کا ضامن یقین کرتے ہوئے حلت و حرمت کا لحاظ رکھ کر جائز طریقہ سے طلب رزق کرو) تو بے شک وہ تم کو روزی دے گا جیسے کہ پرندہ کو دیتا ہے کہ وہ نکلتے ہیں صبح کو بھوکے اور لوٹتے ہیں اپنے گھونسلوں میں شام کو سیر ہو کر (مشکوٰۃ)

ای کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خورداری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ بادشمناں نظر داری

لہٰذا مسلمانوں کو دینی مدارس، تبلیغی جماعت اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ صحیح معنی میں دیندار شریعت کے پابند شعائر اسلام کے محافظ بنانے کی پوری جدوجہد کی جائے اور غیر سودی بینک قائم کئے جائیں تا کہ مسلمان سودی بینک سے بے نیاز ہو جائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی رقم کا استعمال

بیمہ کی رقم وارث کس طرح استعمال کریں:

(سوال ۳۱۱) ایک آدمی نے مرنے سے چار برس قبل چند برسوں کے لئے چند ہزار کا اپنی زندگی کا بیمہ کیا تھا۔ چار برس میں چار ہزار روپے قسط بہ قسط ادا کر دیئے ہیں۔ اب کمپنی مرحوم کے ورثاء کو بیس ہزار روپیہ دے رہی ہے، یہ رقم لے سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) زندگی کا بیمہ کرانا جائز نہیں ہے۔ لیکن جب مرحوم نے بیمہ کرالیا ہے تو بیمہ کمپنی جو رقم دے رہی ہے، وہ لے لی جائے۔ اس رقم میں سے چار ہزار روپے جو مرحوم نے ادا کئے ہیں، مرحوم کے ترکہ میں شامل ہو کر ورثاء کو ملیں گے اور جو رقم زائد ہے وہ واجب التصدق ہے۔ غریب محتاجوں کو یا کسی رفاہ عام کے کاموں میں دے دی جائے۔ [1] زائد رقم ایک قسم کا سود ہے اس کو مرحوم کے ترکہ میں شامل نہیں کر سکتے اس کو کسی کار خیر میں بلا نیت ثواب خرچ کر دینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کی سودی رقم کہاں استعمال کرے:

(سوال ۳۱۲) ہماری سوسائٹی ہے۔ اس کی رقم بینک میں رکھی جاتی ہے۔ اور ہر سال اس کا سود ملتا ہے تو وہ سودی رقم کس کام میں خرچ کی جائے؟

(الجواب) بینک میں جو روپے رکھے جاتے ہیں وہ بطور امانت نہیں ہوتے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لہذا بینک میں رقم رکھنا اعانت علی المعصیۃ یعنی گناہ کے کام میں امداد کرنا ہے اگر ناواقفیت سے رکھے ہوں یا قانونی مجبوری اور ناچارگی کی بنا پر رکھے ہوں تو سود کی رقم لے کر غریب حاجت مند کو دے دی جائے خود استعمال نہ کرے۔ [2] لینے کا حکم بھی اس لئے ہے کہ اگر آپ نہ لیں گے تو یہ رقم غلط موقعوں پر استعمال کی جائی گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حق کے ساتھ ساتھ سودی رقم بھی ملتی ہے تو کیا کرے:

(سوال ۳۱۳) ایک شخص کے پاس میرے پانچ سو روپے ہیں (مجبوراً مجھے دعویٰ کرنا پڑا۔ کورٹ نے میرے حق کے ساتھ ساتھ کے پچاس روپے دینے پر ڈگری کردی ہے۔ وہ روپے لے سکتا ہوں یا نہیں؟

(الجواب) آپ صرف اپنا حق لیجئے۔ سود کی رقم نہیں لے سکتے۔ مدعا علیہ کو دے دیجئے یا دلا دیجئے خود لینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی رقم رفاہ عام میں لگا سکتے ہیں:

(سوال ۳۱۴) بینک و بیمہ کی سودی رقم سڑک وغیرہ پبلک کاموں میں لگا سکتے ہیں، یا نہیں۔ اس سے مسجد اور

---

(۱) والحاصل ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه . باب بيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما ج.۵ ص ۹۹.
(۲) حواله بالا.

بیت الخلا کی مرمت کی جاسکتی ہے؟ زکوٰۃ کی طرح اس میں مالک بنانا شرط ہے؟

(الجواب) مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ غریب مسکین کو دینا اولیٰ ہے۔ سڑک وغیرہ رفاہ عام کے کاموں میں لگانے کی گنجائش ہے۔ مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ مسجد کی بیت الخلا کی مرمت میں لگا سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(اس مسئلہ پر مفصل کلام احکام مساجد و مدارس میں ہو چکا ہے۔ از مرتب)

سودی رقم یتیم خانہ کی عمارت وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں :

(سوال ۳۱۵) بینک سے ملی ہوئی سودی رقم یتیم خانہ کی تعمیر میں اور رنگ و روغن کرنے میں اور پبلک قبرستان کے احاطہ بنانے میں خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہاں کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم کو سود کی رقم دینا:

(سوال ۳۱۶) بینک کے سود کا پیسہ غیر مسلم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسلمانوں میں ہی بے شمار محتاج اور غرباء ہیں، لہٰذا غریب محتاج مسلمانوں کو یہ رقم بلا نیت ثواب دے دی جائے یہی بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دواخانہ کی تعمیر میں سود یا زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا:

(سوال ۳۱۷) ہمارے یہاں ایک دواخانہ ہے بلا تفریق مذہب سب کو مناسب دام پر دوا دی جاتی ہے، اس دواخانہ کی ایک عمارت کی تعمیر کرنا ہے اس کی تعمیر میں زکوٰۃ اور سود کے پیسے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دواخانہ کی عمارت میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا درست نہیں، اگر استعمال کی جائے گی تو لوگوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، [1] اسی طرح سودی رقم بھی استعمال نہ کی جائے، البتہ اگر للہ رقم ملتی ہی نہ ہو کام رکا ہوا ہو تو اس تاویل سے کہ یہ بھی رفاہ عام کا کام ہے مسلمان ہندو ہر ایک اس کو استعمال کریں گے سودی رقم استعمال کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کا سود غیر مسلم کو دینا:

(سوال ۳۱۸) بینک سے جو سود ملتا ہے وہ کس کو دیا جائے؟ ایک غیر مسلم ضرورت مند ہے، اس کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا؟

(الجواب) یہ رقم غریب، مسکین محتاج کو دی جاسکتی ہے اور وہ اپنے کام میں لے سکتا ہے، غریب مسلمان کو فائدہ پہنچانا چاہئے وہ بہ نسبت غیر مسلم کے زیادہ حق دار ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة کما مر لایصرف الی بناء نحو مسجد قال فی الشامیة تحت قوله نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانهار وکل ما لا تملیک فیه شامی باب المصرف ج ۲ ص ۳۴۴.

سودی رقم سے مدرسہ کے لئے تپائی خریدنا:

(سوال ۳۱۹) سود کی رقم سے مدرسہ کے لئے تپائی (پاٹلے) خریدنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدرسہ کے لئے تپائی جس پر قرآن مجید اور دینی کتابیں رکھی جائیں گی ایسے مقدس اور بابرکت کام کے لئے سودی رقم استعمال کرنا بالکل ناجائز ہے، سودی رقم تو غرباء اور محتاج لوگوں کا حق ہے ایسے لوگوں کو ثواب کی نیت کے بغیر اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے دیدینا چاہئے، البتہ مدرسہ میں غریب بچے پڑھتے ہوں اور ان کے والد بھی غریب ومحتاج ہوں اور اضطراری حالت ہو تو سودی رقم سے ایسے بچوں کے لئے کپڑے بنوا دیئے جائیں یا اور کوئی ضرورت کی چیز ان کو دلوائی جائے تو ایسا کر سکتے ہیں۔ (۱) **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

اسکول کے ڈونیشن میں سودی رقم استعمال کرنا:

(سوال ۳۲۰) میں اپنے بیٹے کو ایک اسکول میں داخل کرنا چاہتا ہوں مگر اسکول والے (ڈونیشن) امداد کے نام سے کچھ رقم کا مطالبہ کررہے ہیں، میں اس ڈونیشن میں سودی رقم دے سکتا ہوں یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) داخلہ کے لئے اسکول والوں کا ڈونیشن کے نام سے رقم کا مطالبہ کرنا ہی صحیح نہیں ہے یہ ڈونیشن نہیں ہے رشوت ہے، آپ ان سے کہیں کہ ہم اپنی مرضی سے اپنی حیثیت کے مطابق تعاون کریں گے، ہمیں کسی مقدار کا پابند نہ بنایا جائے اور اس میں سودی رقم نہ دی جائے، اس میں سودی رقم دینا گویا اپنے بچہ کی تعلیم میں سود کی رقم استعمال کرنا ہے، اور سودی رقم اضطراری صورت کے بغیر استعمال کرنا درست نہیں ہے، لہذا جب آپ صاحب مال ہیں تو آپ یہ رقم اس کام میں استعمال نہیں کر سکتے۔ (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی رقم رفاہ عام میں خرچ کرنے کی گنجائش:

(سوال ۳۲۱) حضرت مفتی صاحب مدت فیوضہم بعد سلام مسنون فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم ص ۱۳۸ پر مسئلہ ہے جس میں آپ نے سود کی رقم کے متعلق تحریر فرمایا ہے، "یا رفاہ عام کے کاموں میں صرف کی جائے۔" اس کے لئے اپنی معلومات اب تک یہی ہیں کہ ایسی رقم واجب التصدق ہوتی ہے، اس لئے بعض اکابر نے بیت الخلاء میں بھی اس کی استعمال کی اجازت نہیں دی ہے، امید ہے کہ آپ اس پر غور فرمائیں گے۔ فقط۔

(الجواب) محترم ومکرم، دامت برکاتہم، بعد سلام مسنون عرض ہے کہ اس اشکال کا جواب تفصیل سے فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم ص ۲۶۰ تا ص ۲۶۷ (جدید ترتیب کے مطابق باب الربوا میں بینک کے سود کے متعلق فتوے پر تنقید الخ کے عنوان سے دیکھئے۔ از مرتب) میں طبع ہو چکا ہے، اس جواب میں سودی رقم رفاہ عام کے کام میں خرچ کرنے کے متعلق حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے چند فتاویٰ بھی موجود ہیں، ان میں سے تین فتاویٰ درج ذیل ہیں۔

(الجواب)...... جمع شدہ روپیہ کا سود بینک سے وصول کر کے کسی قومی رفاہ عام کے کام میں دے دیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی۔ (الجمعیۃ نمبر ۱۷، ۹ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(۱-۲) والحاصل ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. شامی باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما ج ۵ ص ۹۹.

(الجواب) پوسٹ آفس کے سیونگ بینک اور سرکاری بینکوں سے سود لینا اس لئے جائز بتایا گیا ہے کہ نہ لینے کی صورت میں سود کی رقم مسیحی مشنریوں کو دے دی جاتی ہے اور تبلیغ مسیحیت پر خرچ ہوتی ہے مسلمان ڈاک خانہ کی سیونگ بینک اور سرکاری بینکوں سے وصول کرلیں اور رفاہ عام کے قومی کاموں میں خرچ کریں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی۔ (الجمعیۃ دہلی یوم یکشنبہ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ۔)

(الجواب)...... بینک سے وصول کر کے اس رقم کو قومی اور رفاہ عام کے کاموں میں بہ نیت رفع وبال خرچ کردینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی (الجمعیۃ نمبر ۲۹۔ ۴ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

ماہنامہ ''الرشاد'' میں فقہ اسلامی سیمینار'' کے چند اہم فیصلے'' اس عنوان کے تحت ذیلی عنوان'' سود سے متعلق مسائل'' میں یہ تجویز بھی ہے۔

بینک انٹرسٹ کے سود لینے پر شرکائے سیمنار کا اتفاق ہے، انٹرسٹ کی رقم بینک سے نکالی جائے یا چھوڑی جائے؟ نکال لی جائے تو کس مصرف میں خرچ کی جائے؟ اس سلسلہ میں درج ذیل امور طے پائے۔

(۱) بینکوں سے ملنے والی سود کی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہئے۔

(۲) بینک کے سود کی رقم کو بلا نیت ثواب فقراء ومساکین پر خرچ کردیا جائے، اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے

(۳) سود کی رقم کو مساجد اور اس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

(۴) اکثر شرکاء سیمنار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء ومساکین تک محدود رکھنا چاہئے۔ (ماہنامہ جامعۃ ''الرشاد'' جنوری ۱۹۹۰ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ، جلد نمبر ۱۸، شمارہ نمبر ۲۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء میں استعمال کرنا کب درست ہے :

(سوال ۲۲۲) ہمارے پاس بینک کا سود ہے، یہ سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء پیشاب خانہ میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر مسجد کی رقم بینک میں رکھی ہو اور اس پر سود ملا ہو تو چونکہ مسجد کی رقم کا حساب حکومت کو دکھانا پڑتا ہے، حساب دینے کی آسانی کے لئے حاصل شدہ سود کو مسجد کے بیت الخلاء پیشاب خانے میں استعمال کرلیا جائے تو استعمال کرنے کی گنجائش ہے اور اگر مسجد کی رقم کا سود نہ ہو بلکہ دوسروں کی رقم کا سود ہو تو اس صورت میں بلا مجبوری استعمال نہ کرنا جائے ثواب کی نیت کے بغیر غرباء کو دے دیا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ:

فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۹۲ ج ۲ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں سودی رقم رفاہ عام میں لگا سکتے ہیں؟ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے ص ۲۷۹ از مرتب) والے جواب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلقاً سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء و پیشاب خانہ میں استعمال کی جاسکتی ہے، وہ سوال و جواب ملاحظہ ہوں۔

(سوال) بینک و بیمہ کی سودی رقم سڑک وغیرہ پبلک کاموں میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، اس سے مسجد اور بیت الخلاء کی مرمت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ کی طرح اس میں مالک بنانا شرط ہے؟

(الجواب) مسئلہ مختلف فیہ ہے، غریب مسکین کو دینا اولیٰ ہے، سڑک وغیرہ رفاہ عام کے کاموں میں لگانے کی گنجائش ہے، مسجد میں نہیں لگا سکتے مسجد کے بیت الخلاء کی مرمت میں لگا سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

یہ جواب کاتب یا ناقل کی غلط فہمی کی وجہ سے عام ہو گیا ہے ورنہ یہ جواب مسجد کی رقم کے سود کے ساتھ مقید ہے، لہٰذا اس کا خیال رکھا جائے، فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم طبع ہو کر جب آئی اور مذکورہ جواب پر نظر پڑی تو احقر نے مظاہر العلوم سہارنپور کے مفتی اعظم مولانا مفتی سعید احمدؒ کی خدمت میں یہ جواب بھیج کر تحقیق چاہی، مفتی سعید احمد صاحبؒ نے تحریر فرمایا کہ جواب میں اصلاح کی ضرورت نہیں، مفتی صاحب کا جواب فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم ص ۲۶۳ ص ۲۶۴ پر چھپا ہوا ہے بغرض افادہ یہاں نقل کر دیا جاتا ہے۔ جدید ترتیب کے مطابق اسی جلد میں ص ۲۵۸ پر)

(استفتاء) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کے پاس بینک یا بیمہ کمپنی وغیرہ کا سود کا روپیہ ہو تو اسے کیا کرے؟ رفاہ عام کے کاموں میں سڑک اور کنواں مسجد کا بیت الخلاء، وغیرہ بنانے میں صرف کیا جا سکتا ہے یا اس میں تملیک شرط ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فقراء کو دینا زیادہ بہتر ہے، مسجد کے علاوہ بیت الخلاء وغیرہ میں صرف کرنے کی بھی گنجائش ہے، یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، سعید احمد غفرلہٗ مفتی مظاہر علوم سہارنپور، (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۵۸ ج ۹ ۱۲؍ ۲۵۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس جواب کی بعد فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۹۲ ج ۲ والے جواب میں اصلاح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور وہ جواب باقی رکھا گیا۔ لہٰذا اس صورت کے اختیار کرنے کی بھی گنجائش سمجھتا ہوں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تنخواہ میں سودی رقم کا استعمال اور اس کا حساب کتاب دیگر قوم سے الگ رکھنا:

(سوال ۳۲۲) ایک مسلم رفاہی ادارہ ہے جو اسکول، مدرسہ چلانے کے علاوہ دیگر رفاہی وامدادی کام کرتا ہے، اس کی جمع شدہ رقم لاکھوں کی تعداد میں بینک میں ہے جس کا سود ہر سال ادارہ کو بلا ناغہ ملتا ہے تو اس سودی رقم کا استعمال ادارہ کیسے کرے؟

(۲) معلمین (ٹیچر) یا کارکن حضرات کو اس سودی رقم سے تنخواہ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) جواب نفی میں ہو تو غیر مسلم ٹیچر یا کارکن کی تنخواہ میں وہ رقم دینا کیسا ہے؟

(۴) ادارہ اپنی دیگر رقوم کے ساتھ سودی رقم کو مخلوط کر کے روز مرہ کے مصارف میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) سود کا حساب کتاب الگ سے رکھا جاوے یا پھر ادارہ کی غیر سودی رقم کے ساتھ سودی رقم کی آمیزش کی جاوے؟

(الجواب) بسم اللہ الرحمن الرحیم: (از ۱ تا ۵) سودی رقم کے واقعی حق دار انتہائی مفلوک الحال غربت زدہ نادار

لوگ ہیں، سودی رقم انہیں حصول ثواب کی نیت کے بغیر (اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے) دے دی جاوے (حوالہ گذر گیا ہے۔ از مرتب) مسلم یا غیر مسلم، معلمین یا کارکن حضرات کی تنخواہ میں سودی رقم کا استعمال جائز نہیں، البتہ اسکول و مدرسہ کے متعلمین، معلمین، کارکن حضرات میں سے جو کوئی مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق محتاج و نادار ہوں انہیں سودی رقم بطور امداد دی جاسکتی ہے۔

مسلمانوں میں غرباء وفقراء کی کمی نہیں ہے، لہذا مسلمان ہی کو ایسی رقم دی جائے سودی رقوم کا حساب کتاب علیحدہ رکھا جاوے، ادارہ کی دیگر رقوم کے ساتھ اس کی آمیزش نہ کی جائے خوش حال لوگ (جن کا گذارہ بآسانی ہو جاتا ہو وہ) اوران کی نابالغ اولاد سودی رقم کی حق دار نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۷ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ۔

کتاب الاجارة

کرایہ دار مکان نہ چھوڑے:

(سوال ۳۲۴) ایک آدمی مسجد کے مکان میں کئی برس سے تیرہ روپے کرایہ دے کر رہتا ہے فی الحال اس مکان کا تیس روپیہ کرایہ مل سکتا ہے اور دوسرے کرایہ دار دیتے ہیں اس شخص کو جماعت والوں نے برس ہوا کہا تھا کہ دوسرے کرایہ دار جو دے ویں تم بھی دو! جواب میں کہا کہ میرا اپنا مکان تیار ہو رہا ہے تیار ہونے پر اس گھر کو چھوڑ دوں گا۔ اب اس کا مکان تیار ہو گیا تب بھی نہیں چھوڑتا اور ذاتی مکان کو ستر پچھتر روپے کرایہ پر دے دیا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں پرانا کرایہ دار ہوں۔ سرکاری قانون سے تم مجھے نہ نکال سکتے ہو اور نہ زائد کرایہ لے سکتے ہو! اب دریافت طلب یہ ہے کہ سرکاری قانون کیسا بھی ہو شرعاً ایسا کرنا مناسب ہے؟ خود غرضی کے لئے خدا کے گھر کو نقصان پہنچانا زیبا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس کرایہ دار کے پاس جب اپنا ذاتی مکان قابل رہائش ہے تو اسے لازم ہے کہ حسب وعدہ مسجد کے مکان کو خالی کر دے۔ یا دوسرے کرایہ دار جو کرایہ دیتے ہیں اتنا کرایہ یہ بھی دے۔ ذاتی مکان کو زیادہ کرایہ کی طمع سے دوسروں کو دینا اور جماعت والوں سے عہد و پیان کے بعد بھی خالی نہ کرنا اور زیادہ کرایہ بھی نہ دینا بداخلاقی بے انصافی اور وعدہ خلافی ہے اور مسجد کو نقصان پہنچانا ہے۔ خدا سے ڈرنا چاہئے۔ (۱)

مالک مکان اور کرایہ اور پگڑی کے مسائل:

(سوال ۳۲۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مالک مکان نے اپنے مکان کا ایک حصہ ایک شخص کو چند سال پہلے کرایہ پر دیا تھا۔ اور وہ کرایہ دار وہاں رہتا تھا۔ اب کرایہ دار کو اس حصہ مکان کی ضرورت نہیں ہے۔ اور مالک مکان کو ضرورت ہے۔

(۱) مگر کرایہ دار مالک کو قبضہ دینے کے لئے لیت ولعل کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس سے کوئی رقم وصول کرے۔

(۲) یا کسی اور شخص سے رقم سے وصول کر کے اس کو ہی مکان کا قبضہ دے دے۔

(۳) یا اپنے کسی خویش کو قبضہ دے اور مالک کو نہ دے۔

(۴) آج کل کرایہ دار مالک مکان کو قبضہ دینے سے پیشتر مالک سے کافی رقوم وصول کرتے ہیں۔ اور پھر مالک کو قبضہ دیتے ہیں۔ مالک مکان بمجبوری ومعذوری بادل ناخواستہ پیش کرتا ہے کیا اس طرح سے رقم وصول کرنا جائز ہے؟

(الجواب) (۱) کرایہ دار کی ضرورت اس مکان پر موقوف نہ ہو اس کے بغیر بھی اس کی رہائش کی ضرورت پوری ہو جاتی ہو تو اسے لازم ہے کہ مکان حوالہ کر دے۔ بلا عذر تاخیر کرنا اور ٹال مٹول کرنا ظلم اور معصیت ہے۔ حدیث میں ہے۔ مطل الغنی ظلم. یعنی مقدور ہوتے ہوئے حق ادا کرنے میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔ (ابو داؤد ص ۱۱۹ ج ۲ کتاب البیوع باب فی المطل وحسن القضآء والصرف)

---

(۱) ویؤجر بأجر المثل فلا یجوز بالاقل ولو هو المستحق قارئ الهداية الا بنقصان یسر درمختار مع الشامی کتاب الوقف ج ۴ ص ۴۰۲.

دوسری حدیث میں ہے۔ ''نقصان اٹھانا اور دوسروں کو نقصان پہنچانا اسلام کا طریقہ نہیں ہے۔ (الاشباہ والنظائر ص ۱۰۷ القاعدہ الرابعۃ المشقۃ تجلب التیسیر)

اور مکان خالی کرنے کے بدلے میں رقم مانگنا جائز نہیں ہے ظلم اور معصیت ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''ملعون من ضار مؤمنا او مکر بہ'' یعنی جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا دھوکا دے وہ ملعون ہے۔ یعنی خدا کی رحمت سے دور ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۸۔ باب ما ینھی منہ من التھاجروا التقاطع و اتباع الصورات)

(۲) مالک مکان کی اجازت کے بغیر دوسرے کو مکان دینے کا اس کو حق نہیں ہے۔ دے گا تو سخت گنہگار ہوگا۔ اور مکان سونپنے کے بدلے میں رقم لینا جائز نہیں ہے۔ رشوت شمار ہوگی جو اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

(۳) یہ بھی جائز نہیں سخت گناہ کا کام ہے۔

(۴) ہرگز جائز نہیں۔ شدید ظلم اور معصیت کا ارتکاب ہوگا۔ مالک کو مکان سونپ دینا ضروری ہے۔

مالک مکان اور کرایہ دار کے لئے شرعی ہدایات

غلہ وغیرہ کھانے پینے کی اشیاء نیز کپڑے وغیرہ کا نرخ معین کرنے کا اختیار مالک کو ہے واگر چہ غیر مناسب نفع ممنوع ہے۔ حکومت کو اس میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔ اگر حکومت نرخ معین کرے گی۔ تو ایک قسم کا ظلم ہوگا۔ لیکن اگر تاجروں کو نفع کی حرص بڑھ جائے اور بلیک مارکیٹ کر کے نفع خوری میں حد سے زیادہ تجاوز کرتے ہوں اور عوام سخت پریشانی میں مبتلا ہوں۔ تو عوام کی پریشانی دور کرنے کے لئے اور ضرر عامہ کے پیش نظر شرح مقرر کر دینا جائز ہوگا۔ اور اس نرخ پر خرید و فروخت جائز ہو جائے گا۔ چنانچہ مالا بدمنہ میں ہے۔ ''بادشاہ و حاکم را نرخ مقرر کردن مکروہ است مگر وقت یہ کہ بقالاں اور گرانی غلہ بسیار تعدی نمائند دراں صورت بہ مشورت دانایان نرخ کند'' (ص ۱۲۳) یعنی حاکم اور بادشاہ کے لئے کسی چیز کا نرخ معین کرنا مکروہ ہے۔ لیکن جبکہ کھانے پینے کی چیزوں کی قیمت حد سے تجاوز کر جائے اور لوگوں کو پریشانی میں مبتلا کر دے تو تجربہ کار اور نیک لوگوں کے مشورہ سے نرخ معین کر سکتے ہیں۔

اسی طرح مالک مکان کو اختیار ہے کہ میعاد ختم ہونے پر جب چاہے کرایہ دار سے مکان خالی کرا لے۔ لیکن اس وقت مکانوں کی بڑی قلت اور تنگی ہے۔ کرایہ حد سے زیادہ کر دیا گیا ہے۔ اس سے بھی شکم سیری نہیں ہوئی تو پگڑی کی لعنت جاری کر دی گئی۔ ایسے حالات میں ضرر عامہ کا لحاظ کرتے ہوئے حکومت نے قانون بنا دیا ہے تاکہ مالک مکان کرایہ دار کو پریشان نہ کرے۔ اس صورت میں اگر واقعی کرایہ دار مجبور ہے۔ مکان خالی کر دینے میں اہل وعیال پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہوں۔ تو اپنی حیثیت کے مطابق دوسرا مکان نہ ملے۔ اس وقت تک قانون سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے۔ ''الضرورات تبیح المحظورات'' یعنی حاجت ناجائز چیزوں کو جائز کر دیتی ہے۔ ایسے عاجز آدمی کو مکان خالی کرنے پر مجبور کرنا اور اسے اور اس کے بچوں کو ناقابل برداشت مصیبت میں مبتلا کرنا جائز نہیں اسے مہلت دی جائے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص عاجز اور مفلس کو مہلت دے یا معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کی سختی سے نجات دے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی

مسلمان کی دنیوی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ (اس کے بدلے میں) قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اسے نجات دے گا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

حاجت مند مسلمانوں کی روٹی کپڑے اور رہنے کے لئے مکان کا خیال ہر ذی مقدور اور باحیثیت مسلمان کے ذمہ ضروری ہے۔ اگر مالداروں کو اس بات کا احساس نہیں ہے) تو حاجت مند پریشان کو اپنی واقعی ضرورت پوری کرنے کے لئے زبردستی کرنے کی شرعاً اجازت ہو جاتی ہے۔

فرمان نبوی (ﷺ) ہے کہ اگر تم میں سے کوئی ضرورت مند دودھ کے جانوروں کے پاس سے گذرے اور اس کا مالک وہاں موجود ہو تو اس کی اجازت سے دودھ پی لے۔ اگر مالک موجود نہ ہو تو تین مرتبہ آواز دے۔ جواب ملے تو اجازت لے کر دودھ پئے۔ جواب نہ ملے تو دودھ نکال کر اپنی ضرورت پوری کر لے ساتھ نہ لے جائے۔ (ابوداؤد)

علامہ ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں۔ "**من القوت الذی لا بد منه وهن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلک ومسكن يكفيهم من المطر والصيف والشمس.**" یعنی مالدار کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بستی کے حاجت مند لوگوں کی ضرورت کو پورا کرے۔ یعنی خوراک اور گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے مناسب سامان اور لباس اور بارش اور سردی اور دھوپ سے بچنے کے لئے مکان کا انتظام کرے۔ (محلی شرح مؤطا ص ۱۵۶ ج ۶)

اللہ تعالیٰ نے تمام اہل اسلام کو **رحماء بينهم** (آپس میں رحم کرنے والے) اور **بنیان مرصوص** (سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار) قرار دیا۔ اور رسول اکرم ﷺ نے مومنوں کو ایک جسم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ "**مثل المؤمنين فی توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد اذا اشتكى له عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى.**" یعنی مومنوں کی مثال آپس کی محبت اور رحمت اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی۔ اگر اس کے ایک عضو میں شکایت پیدا ہوتی ہے۔ تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (الحدیث) اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف تمام مسلمانوں کی تکلیف ہے۔ سب کو مل کر اس کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

انصار نے مہاجرین کی خدمت کی۔ ان کو سہارا دیا، مکان دیئے ہمارا بھی فرض ہے۔ کہ حسب استطاعت اور اپنی حیثیت کے مطابق تکلیف زدہ مسلمان کی تکلیف کو دور کرنے اور ضرورت پوری کرنے میں مدد کریں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تاخیر سے تنخواہ دینا:

(سوال ۳۲۶) اہل مدرسہ کا کسی مصلحت سے ہر مدرس کی تنخواہ دس یوم تاخیر سے دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر مدرس سے اس بات کی پہلے سے صفائی ہوگئی ہو تو ایسا عمل قابل اعتراض نہ ہوگا ورنہ ہر پہلی تاریخ کو تنخواہ دینی چاہئے بلا وجہ شرعی تاخیر کرنا مذموم اور قابل شکایت ہے۔[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

---

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ. مشکوٰۃ باب الربعاۃ ص ۲۵۸.

مدرس کو وقت مقررہ کے علاوہ دوسرے وقت آنے پر مجبور کرنا:

(سوال ۳۲۷) ایک مدرسہ میں ایک مدرس کا "صبح" ڈھائی گھنٹہ پڑھانے کے لئے تقرر ہوا، ظہر بعد وہ دوسری جگہ کام کرتا ہے، اب جس دن اسکول میں پڑھنے والے بچے صبح کے وقت نہ آویں تو اس مدرس کو ظہر کے بعد آنے کے لئے مجبور کرنا کیسا ہے؟ جب کہ تقرر کے وقت ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی کہ اگر صبح کے وقت بچے کم آویں تو آپ کو ظہر کے بعد آنا ہوگا، اس کے باوجود مجبور کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) "اسکول کے اوقات کی تبدیلی کی وجہ سے ظہر بعد آنا ہوگا" ایسا کوئی عہد اور قول وقرار نہ ہوا ہو تو مجبور کرنا ناانصافی اور زیادتی ہے، (۱) بجائے صبح کے دوپہر کو حاضری دینے میں کوئی قباحت اور نقصان لازم نہ آتا ہو تو مدرس کو مروۃ اور تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر پس وپیش نہ کرنا چاہئے، البتہ مدرس اس کا قانوناً پابند نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کرایہ کا مکان خالی کرنے پر مالک مکان سے رقم لینا:

(سوال ۳۲۸) میں نے ایک مکان آٹھ سال سے کرایہ پر لیا ہے اور میں اسی میں رہتا ہوں، مالک مکان خالی کرنے کے لئے کہہ رہا ہے اور اپنا قبضہ کرنا چاہتا ہے، اور مکان کا قبضہ لینے کے عوض کچھ رقم دینا چاہتا ہے تو میں مکان خالی کرنے پر کچھ رقم لے سکتا ہوں؟ میں نے مکان کی مرمت کرنے کے لئے کچھ خرچ کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) کرایہ کا مکان خالی کرنے کے عوض مالک مکان سے کوئی رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر مالک مکان نے آپ سے پگڑی لے کر مکان کرایہ پر دیا ہو تو جتنی رقم آپ نے مالک مکان کو دی ہے اتنی رقم اس سے لے سکتے ہیں ورنہ لینا درست نہیں ہے، آپ نے مکان میں اپنی راحت اور آرام کے لئے کچھ تعمیر کرایا ہے وہ خرچ اگر مالک مکان خوشی سے دیتا ہے تو لینا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۱ محرام الحرام ۱۳۹۷ھ۔

مسجد کے مکان کا زیادہ مستحق کون ہے؟ امام یا منتظم؟:

(سوال ۳۲۹) مسجد کا ایک مکان خالی تھا اور مسجد کے متولی اس کو کرایہ پر دینا چاہتے ہیں، بہت سے لوگ مکان لینے کے خواہش مند ہیں، امام صاحب نے بھی خواہش ظاہر کی اور مسجد کے ایک منتظم نے بھی مکان طلب کیا لیکن مینیجنگ ٹرسٹی نے ان کو مکان کرایہ پر دینے سے انکار کر دیا (کہ یہ اصول کے بھی خلاف ہے) اور امام کو دینے کے لئے تیار ہو گئے، اس پر وہ منتظم امام صاحب کے خلاف ہو گیا، دوسرے متولیان اور اہل محلہ امام صاحب کو مکان کرایہ پر دینے کے لئے خوش ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مکان کو کرایہ پر لینے کا کون زیادہ حق دار ہے؟ امام صاحب یا منتظم، بینوا توجروا۔

(الجواب) چونکہ امام صاحب کا مکان نہیں ہے اور دوسرا مکان ملنا بھی اس زمانہ میں مشکل ہے اس لئے منتظم کے مقابلہ میں امام زیادہ حاجت مند ضرورت مند اور زیادہ حق دار ہے، ویسے بھی متولی اور ٹرسٹی صاحبان اور مقتدیوں پر لازم

---

(۱) والثانی وهو الاجیر الخاص ویسمی اجیر وحد وهو من یعمل لواحد عملا مؤقتا بالتخصیص ویستحق الأجر بتسلیم نفسه فی المدة درمختار مع الشامی کتاب الاجارة مبحث الاجیر الخاص ج.٦ ص ٦٩

ہے کہ امام صاحب اور ان کے اہل وعیال کے لئے مکان کا انتظام کریں ۔ واللہ اعلم ۔

کرایہ دار سے مکان خالی کرانے کا شرعی حکم:

(سوال ۳۳۰) مکان مالک کو اپنے بچوں کی شادی کرانا ہے اس لئے مکان کی ضرورت ہے لیکن کرایہ دار مکان خالی کرنے سے انکار کرتا ہے حالانکہ وہ مسلمان ہے تو شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کرایہ دار کی ضرورت اس مکان پر موقوف نہ ہو اس کے بغیر بھی رہائش کی ضرورت پوری ہو جاتی ہو یا حیثیت اور ضرورت کے مطابق مکان مل سکتا ہو تو اسے لازم ہے کہ مکان خالی کردے بلا مجبوری تاخیر کرنا اور ٹال مٹول کرتے رہنا ظلم اور معصیت ہے، مکان مالک کو بھی لازم ہے کہ کرایہ دار کو پریشان نہ کرے، مکان ملنے تک مہلت دے دے، مجبور آدمی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے ۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ جلد سوم ص ۲۵۶ تا ص ۲۵۹) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، مالک مکان اور کرایہ دار اور پگڑی کے مسائل، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے ۔ از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

اپنا مکان خالی کرانے کے لئے مجبوراً پگڑی دینا:

(سوال ۳۳۱) میں نے اپنا مکان ایک شخص کو کرایہ پر دیا ہے، مجھے اپنے لڑکے کی شادی کرنا ہے اس لئے مجھے مکان کی سخت ضرورت ہے، ہم لوگ جس مکان میں سکونت پذیر ہیں وہ چھوٹا ہے، اس میں گنجائش نہیں ہے، کرایہ دار مکان خالی کرنے کے لئے پندرہ سو روپے طلب کرتا ہے، کیا ایسی مجبوری کی حالت میں مکان خالی کرانے کے لئے پگڑی دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مکان آپ کا ہے اور آپ کو اس کی ضرورت بھی ہے لہذا اپنا حق حاصل کرنے کے لئے مجبوراً پگڑی دے کر مکان حاصل کر سکتے ہیں ۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

---

(۱) مگر کرایہ دار کے لئے اس رقم کا لینا جائز نہیں، (دیکھئے سوال نمبر ۳۲۸)

باب مایجوز من الاجارۃ وما لایجوز

بینک میں نوکری کرنا کیسا ہے

(سوال ۳۳۲) میں بی۔کوم (B.COM) ہوں۔اور مجھے بینک میں ملازمت مل رہی ہے۔آپ جانتے ہیں کہ بینک کا سارا معاملہ سودی لین دین کا ہے تو یہ ملازمت قبول کرنا کیسا ہے؟

(الف) بعض کہتے ہیں کہ اپنے کوتو محنت کر کے عوض (تنخواہ) لینا ہے۔سود سے کیا نسبت ہے۔

(ب) حقیقت یہ ہے کہ آج کل جہاں بھی دیکھو وہاں سودی معاملہ ہوتا ہے۔کسی دوسری کمپنی میں بھی نوکری ملے۔لیکن وہ بھی روپے بینک میں رکھ کر سود کھاتی ہے۔لہذا اس کی کل انکم (آمدنی) میں سود کا بھی شمار ہوتا ہے جس میں سے تنخواہ دی جاتی ہے، تنخواہ دینے سے دوروز قبل رقم لے کر تنخواہ دی جاتی ہے تو پھر کیا کیا جائے بینوا توجروا۔

(الجواب) جب بینک میں تمام معاملہ سودی لین دین کا ہے تو پھر ملازمت کو قبول کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء.(مشکوۃ شریف ص ۲۴۴ مجتبائی باب الربوا) (یعنی۔) رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے سود لینے اور دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا: کہ یہ سب لوگ (اصل گناہ میں برابر کے شریک ہیں) اس سے ثابت ہوا کہ گناہوں کے کام میں امداد کرنا اور اس میں کسی قسم کا حصہ لینا جائز نہیں گناہ ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان. ترجمہ۔اور گناہ اور ظلم (زیادتی) کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدائے پاک سخت سزا دینے والا ہے۔(سورۂ مائدہ)

(الف) لہذا جن کا یہ خیال ہے کہ کام کر کے عوض لینا ہے سود سے کیا نسبت؟ ان کا یہ خیال غلط ہے۔اور اس زمانہ میں ایسے خیالات کا ہونا تعجب کی بات نہیں۔آنحضرت ﷺ کی پیشینگوئی ہے یاتی علی الناس زمان لا یبالی المرء ماخذ منہ امن الحلال ام من الحرام. رواہ البخاری عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ(مشکوۃ شریف ص ۲۴۱ باب الکسب وطلب الحلال) کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی مال حاصل کرنے میں حرام وحلال کی پرواہ نہ کرے گا۔(بخاری شریف)

(ب) جہاں تک ممکن ہو آدمی بچنے کی کوشش کرے تنخواہ سودی رقم سے دی جاتی ہے اس کا یقین ہو تو ایسی نوکری نہ کرے یقین نہ ہو تو شک وشبہ کی ضرورت نہیں۔مگر اس کا کیا یقین کہ یہ زائد رقم یعنی سودی کی رقم ہی تنخواہ میں ملی ہے۔روپے بینک میں رکھنے سے سودی نہیں بن جاتے ہاں جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود ہے۔لہذا جب تک تحقیق نہ ہو شک وشبہ نہ کرنا چاہئے اگر دیں گے تو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

(ج) یہ شیطانی دھوکہ ہے کہ اس زمانہ میں حلال کی روزی نہیں مل سکتی۔خدائے پاک کا فرمان ہے۔ وما

من دابة فی الارض الا علی الله رزقها، یعنی! اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کا رزق خدا کے ذمہ نہ ہو۔

اس فرمان میں خدائے تعالیٰ نے روزی پہنچانے کا جو وعدہ کیا ہے وہ حلال اور پاک روزی کے لئے ہے نہ کہ حرام روزی کے لئے۔ جس کی نیت رزق حلال کی ہو خدائے پاک اس کو ایسی ہی روزی دے گا۔ خدا کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ تم بینک کی نوکری چھوڑ کر جائز نوکری اختیار کرو۔ تجارت کرلو یہ بہتر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ دس حصوں میں سے نو حصے روزی کے تجارت میں ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آٹا پسائی کی اجرت میں پیسے دینا اور جلن کے بدلہ کچھ آٹا کٹوانا:

(سوال ۳۳۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:۔

زید آٹے کی چکی والا ہے جس کا اصول یہ ہے کہ فی کوئنٹل پانچ روپے پسائی کے ساتھ جگن دوکلو فی کوئنٹل کاٹی جائے گی، ایسی صورت میں اس کی یہاں غلہ پسانا اور اس کا پیسنا شرعاً کیسا ہے؟ اگر فتویٰ عدم جواز کا ہے تو شامی جلد پنجم ص ۳۶ کی اس عبارت کا مطلب واضح فرمائیں (قوله والحیلة ان یفرز الا جر اولا) ای ویسلمه ای لاجیر فلو خلطه بعد وطحن الکل ثم افرز وردالباقی جاز ولا یکون فی معنی قفیز الطحان اذلم یستاجره ان یطحن بجزء منه او بقفیز منه کما فی المنح عن جواهر الفتاویٰ قال الرملی وبه علم بالا ولیٰ جواز ما یفعل فی دیارنا من اخذالا جرة من الحنطة والدراهم معا ولا شک فی جوازه۔(شامی باب الاجارة الفاسدة ج۵ ص ۳۶)

اور اگر فتویٰ جواز کا ہو تو قفیز الطحان کی کیا صورت ہوگی؟ نیز قفیز الطحان والی صورت بھی مرقوم فرمائیں۔ فقط بینوا توجروا۔ (اعظم گڈھ)

(الجواب) وهو الموفق للصواب۔ صورت مذکورہ فی السوال قفیز الطحان میں داخل نہیں ہے، اجرت میں پیسے دیئے جاتے ہیں آٹا نہیں دیا جاتا، قفیز الطحان کی صورت یہ ہے صورة قفیز الطحان ان یستاجر الرجل من آخر ثورا لیطحن بها الحنطة حلی ان یکون لصا حبها قفیز من دقیقها او ثلاثة او ما اشبه ذلک فذلک فاسد (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۲۷۱ کتاب الا جارة الفصل الثالث فی قفیز الطحان وما هو فی معناه)

ہمارے یہاں اجرت میں پیسے دیئے جاتے ہیں جس کے ادا کرنے میں عندالعقد مستاجر عاجز نہیں ہوتا جو عدم جواز کی وجہ ہے والمعنی فیه ان المستاجر عاجز عن تسلیم الا جر (هدایه اخیرین ص ۲۸۹ باب الا جارة الفاسدة) صحت اجارہ کی شرط یہ قرار دی گئی کہ عقد سے پہلے مستاجر تسلیم اجرت پر قادر ہو والقدرة علی التسلم شرط وهو لا یقدر بنفسه (شامی ج ۵ ص ۴۸ کتاب الاجارة) لہذا یہ اجارہ صحیح ہے فاسد نہیں ہے۔ رہی جلن کی کٹائی تو وہ مزدوری سے الگ چیز ہے اندازہ کے مطابق آٹا کاٹا جاتا ہے جس پر مستاجر اور اجیر دونوں رضامند ہیں ہر ایک مستاجر کے گیہوں اور آٹے کا وزن کرنا اور جلن کی صحیح مقدار نکالنا مشقت اور تکلیف مالا یطاق ہے اس لئے ایسی جہالت مرتفع ہونی چاہئے (او المشقة تجلب التیسیر ۔الضرورات تبیح المحظورات) بہتر صورت یہ

ہے کہ اجرت میں اضافہ کردیا جائے اور آٹا پورا دے دیا جائے، قفیز طحان والی حدیث کے متعلق " نصب الرایہ لاحادیث الهدایہ" میں ہے الحديث السابع قال المصنف ، وقد نهى النبى صلى الله عليه وسلم عنه يعنى قفيز الطحان قلت . اخرج الدار قطنى ثم البيهقى فى سننهما فى كتاب البيوع عن عبيد الله بن موسى ثنا سفيان عن هشام ابى كليب عن عبدالرحمن بن ابى نعم البجلى عن ابى سعيد الخدرى قال : نهى عن عسب الفحل وعن قفيز الطحان، انتهى واخرجه ابو يعلىٰ الموصلى فى " مسنده" عن ابن المبارك ثنا سفيان به ، وذكره عبدالحق فى " احكامه" من جهة الدار قطنى وقال فيه نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ (نصب الرايه ج ۴ ص ۱۴۰ كتاب الاجارة)فقط والله اعلم بالصواب .

مدرسہ کا مکان بینک کو کرایہ پر دینا:

(سوال ۳۳۴) ہمارے یہاں ایک مدرسہ بنام "تعلیم الاسلام" ہے اس مدرسہ کے چند مکانات ہیں ان میں سے ایک مکان خالی ہے یہ مکان بینک کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ مکان کسی اور کو کرایہ پر دیا جائے تو کرایہ کم آئے گا اور بینک والے بہت معقول کرایہ دینے کے لئے تیار ہیں مدرسہ کی مالی حالت بھی کمزور ہے ان حالات میں بینک کو مکان کرایہ پر دینا ناجائز تو نہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدرسہ کا مکان بینک کو کرایہ پر نہ دیا جائے اعانت علی المعصیت کی وجہ سے ممنوع ہے، سود کی برائی اور وعیدوں کے پیش نظر مدرسہ کا مکان بینک کو کرایہ پر دینے کی جرأت نہ کی جائے اگر چہ کرایہ زیادہ ملتا ہو ارشاد خداوندی ہے قل لا يستوى الخبيث والطيب ولو اعجبك كثرة الخبيث فاتقوا الله يا اولى الالباب لعلكم تفلحون. آپ (ﷺ) فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو تجھ کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو، پس خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو۔ (سورۂ مائدہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہندوؤں کی مردہ نعش کو اجرت لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا:

(سوال ۳۳۵) یہاں کافروں کی مردہ نعش کو مسلم اداروں کی موٹریں ہسپتال سے لے کر ان کے مکان تک پہنچاتی ہیں اور یہ کام اجرت پر ہوتا ہے تو اس طرح اجرت لے کر کافروں کی نعش کو مسلم ادارے کی موٹر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس میں کوئی قباحت نہیں، نعش کو اٹھانے اور ہاتھ لگانے سے احتراز کیا جائے۔(۱) فقط والله اعلم بالصواب .

فلمی کام کرنے والوں کو ہوٹل کے کمرے کرایہ پر دینا:

(سوال ۳۳۶) میرے دوست کا ایک ہوٹل ہے اور اس کے ساتھ گیسٹ ہاؤس بھی ہے اس میں مسافر آکر کرایہ

---

(۱) ولو استاجر المشركون مسلما ليحمل ميتا منهم الى موضع يدفن فيه ان ستأ جروه لينقله الى مقبرة البلدة جاز عند الكل فتاوىٰ عالمگیری كتاب الاجارة الباب السادس عشر فى مسائل الشيوع فى الاجارة الخ

پر رہتے ہیں، ان مسافروں میں کبھی چند مسافر ایسے بھی ہوتے ہیں جو فلمی کام کرنے والے یا قوال ہوتے ہیں ان کے ساتھ اجنبی عورتیں بھی ہوتی ہیں اور وہ مخلوط رہتے ہیں اور اپنا پروگرام بناتے ہیں ایسے لوگوں کو کمرے کرایہ پر دینا کیسا ہے ۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جانتے ہوئے ایسے بدکاروں کو کمرہ کرایہ پر دینا اعانت علی المعصیت کی وجہ سے درست نہیں ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) امامت کی تنخواہ اور اس کا معیار (۲) معقول مشاہرہ کے لئے ائمہ مساجد کا تنظیم بنانا اور حکومت سے تعاون حاصل کرنا۔ (۳) اسلام میں مساجد کی اہمیت (۴) اور اس کا صحیح نظام، خداترس امام، صالح مؤذن اور اہل متولی پر ہے۔ (۵) رزاق اللہ تعالیٰ ہیں۔

(سوال ۲۴۷) امام مسجد کے لئے امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر لینا جائز ہو تو اس کا معیار کیا ہونا چاہئے؟ آج کل ائمہ مساجد کو تنخواہ بہت کم دی جاتی ہے، مساجد کے متولی اور ذمہ داروں کو اس پر توجہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ ائمہ مساجد کا معقول مشاہرہ کے مطالبہ کے لئے تنظیم بنا کر تحریک چلانا اور اس سلسلہ میں حکومت سے تعاون حاصل کرنا کیسا ہے؟ شرعاً اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اسلام میں منصب امامت کی بڑی اہمیت ہے، یہ ایک باعزت باوقار اور باعظمت اہم دینی شعبہ ہے، یہ مصلّی رسول اللہ ﷺ کا مصلّی ہے، امام نائب رسول ہوتا ہے اور امام اللہ رب العزت اور مقتدیوں کے درمیان قاصد اور ایلچی ہوتا ہے اس لئے جو سب سے بہتر ہو اسے امام بنانا چاہئے، حدیث میں ہے: اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نماز درجہ مقبولیت کو پہنچے تو تم میں جو بہتر اور نیک ہو وہ تمہاری امامت کرے کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان قاصد ہے **ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤ مکم علماء کم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم، رواہ الطبرانی وفی روایۃ الحاکم فلیؤ مکم خیارکم وسکت عنہ** (شرح نقایہ ۱/۸۶ **والاولی بالامامۃ الخ**) دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں جو سب سے بہتر ہو اس کو امام بناؤ کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان ایلچی ہے (حوالۂ بالا)

فقہ کی مشہور کتاب نورالایضاح میں ہے **فالا علم احق بالا مامۃ ثم الا قرأ ثم الاورع ثم الا سن ثم الا حسن خلقاً ثم الا حسن وجھا ثم للاشراف نسباً ثم الا حسن صوتا ثم الا نظف ثوباً** (۸۳، ۸۴ باب الامامۃ) امامت کا زیادہ حق دار وہ ہے جو دین کے امور کا زیادہ جاننے والا ہو (خصوصاً نماز سے متعلق مسائل سے سب سے زیادہ واقف ہو) پھر وہ شخص جو تجوید سے پڑھنے میں زیادہ ماہر ہو، پھر جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو، پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو، پھر وہ جو اچھے اخلاق والا ہو، پھر وہ جو خوبصورت اور باوجاہت ہو، پھر وہ جو نسباً زیادہ شریف ہو پھر وہ جس کی آواز اچھی ہو پھر وہ جو زیادہ پاکیزہ کپڑے پہنتا ہو۔

اصلاً تو امامت پر اجرت اور تنخواہ (مشاہرہ) لینا جائز نہیں ہے کہ یہ طاعت ہے اور طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے مگر متاخرین فقہاء نے ضرورت کے پیش نظر اجرت اور مشاہرہ لینے اور دینے کو جائز قرار دیا ہے، درمختار میں

ہے ولا لا جل الطاعات مثل الا ذان والحج والا مامة وتعليم القرآن والفقه ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والا مامة والاذان. (درمختار مع رد المحتار ۵/۴۶ باب الاجارۃ الفاسدۃ)

خادمان مساجد (امام وغیرہ) و مدارس کو ان کی حاجت، علمی قابلیت اور تقویٰ وصلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے مشاہرہ دینا چاہئے، مسجد سے متعلق وقف کی آمدنی میں گنجائش ہو تو اس میں سے، اور اگر گنجائش نہ ہو تو مسلمانوں سے چندہ کر کے ان کی ضرورت کے مطابق مشاہرہ کا انتظام کرنا چاہئے۔

درمختار میں ہے ويعطى بقدر الحاجة والفقه والفضل فان قصر كان الله عليه حسيباً. زيلعي. وفى الحاوى المراد بالحافظ فى حديث لحافظ القرآن مائتادرهم هو المفتى اليوم. ردالمحتار میں ہے (قوله ويعطى بقدر الحاجة الذى فى الزيلعى هكذا ويجب على الامام ان يتقى الله تعالىٰ ويصرف الىٰ كل مستحق قدر حاجته من غير زيادة فان قصر فى ذلك كان الله عليه حسيباً اهـ وفى البحر عن القنية كان ابو بكر رضى الله تعالىٰ عنه يسوى فى العطاء من بيت المال وكان عمر رضى الله عنه يعطيهم على قدر بالحاجة والفقه والفضل والا خذ بهذا فى زماننا احسن فتعتبر الا مور الثلاثة اهاى فله ان يعطى الا حوج اكثر من غير الا حوج وكذا الا فقه والا فضل اكثر من غيرهما وظاهره انه لا تراعى الحاجة فى الا فقه والا فضل والا فلا فائدة فى ذكرهما ويوئده ان عمر رضى الله تعالىٰ عنه كان يعطى من كان له زيادة فضيلة من علم او نسب او نحو ذلك اكثر من غيره وفى البحر ايضا عن المحيط والرأى الى الا مام من تفضيل وتسوية من غير ان يميل فى ذلك الى هوى وفيه عن القنية وللامام الخيار فى المنع والا عطاء فى الحكم اه (درمختار ورد المحتار ۳/۳۸۹، مطلب فى مصارف بيت المال قبيل باب المرتد)

فی زماننایہ ذمہ داری متولیان مساجد اور محلہ وبستی کے بااثر لوگوں کی ہے، ان کو اس اہم مسئلہ پر توجہ دینا بہت ضروری ہے، ائمہ مساجد کے ساتھ اعزاز واحترام کا معاملہ کریں، ان کو اپنا مذہبی پیشوا اور سردار سمجھیں، ان کو دیگر ملازمین اور نوکروں کی طرح سمجھنا منصب امامت کی سخت توہین ہے، یہ بہت ہی اہم دینی منصب ہے، پیشہ ور ملازمتوں کی طرح کوئی ملازمت نہیں ہے، جانبین سے اس عظیم منصب کے احترام، وقار، عزت اور عظمت کی حفاظت ضروری ہے۔

متولی اور مہتمم کا عالم باعمل ہونا ضروری ہے، اگر ایسا میسر نہ ہو سکے تو صوم وصلوۃ کا پابند، امانت دار، مسائل وقف سے واقف کار، خوش اخلاق، رحم دل، منصف مزاج علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ اوصاف زیادہ ہو اسی کو متولی اور مہتمم بنانا چاہئے، ان اوصاف کے حامل اگر متولی ہوں گے تو اچھے اور قابل اماموں کا انتخاب کریں گے اور مساجد کا نظام بھی بہتر سے بہتر ہوگا، آج کل نااہل متولیوں کی وجہ سے نااہل اماموں کی بھرمار نظر آرہی ہے اور مساجد میں بدنظمی ظاہر ہورہی ہے۔

امام مسجد اگر حقیقتاً ضرورت مند اور معقول مشاہرہ کے بغیر اس کا گذر بسر مشکل ہو رہا ہو تو مناسب انداز سے متولیان مسجد اور محلّہ کے بااثر لوگوں کے سامنے اپنا مطالبہ بھی پیش کر سکتا ہے اور ذمہ داران مساجد اور بااثر لوگوں پر ہمدردی اور شفقت کے ساتھ اس طرف توجہ دینا بھی ضروری ہے، اس صورت میں اماموں کو ایسا طریقہ اختیار کرنا جس

سے منصب امامت کی توہین لازم آتی ہو ہرگز جائز نہ ہوگا، امام منصب امامت کے وقار عظمت اور قدر و قیمت کا محافظ اور امین ہے، ایسا طریقہ جس سے منصب امامت کی تذلیل تنقیص لازم آتی ہو ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

لہٰذا معقول مشاہرہ کی درخواست کے لئے اپنا معاملہ عدالت اور حکومت کے حوالہ کر دینا اور اس مقصد کے لئے مساجد کی تنظیم (یونین) بنانا اور اس کا ممبر بننا کسی حال میں قابل مدح نہیں بلکہ قابل مذمت اور لائق ترک ہے، اس سے دور رس غلط نتائج پیدا ہونے کے شدید خطرات ہیں اور بہت سی خرابیوں کا دروازہ کھلے گا، اماموں کے تقرر کے سلسلہ میں ہمیں پابند ہو جانا پڑے گا اور ائمہ کے تقرر کے سلسلہ میں جو شرائط اور معیار ہے اس کی پابندی نہ ہو سکے گی وغیرہ وغیرہ۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے مسجد میں غیروں کا چندہ لینے کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے وہ لائق عمل ہے، فرماتے ہیں "یہ حکم تو نفس اعطاء کا ہے لیکن نظراً الی بعض العوارض الخارجية كالا ستنان على اهل الا سلام من اهل الكفر، قبول کرنا مناسب نہیں فان الا سلام يعلو و لا يعلى و اليد العليا المعطية و السفلى السائلة هذا ما عندى و الله تعالى عنده علم الصواب..... (امداد الفتاوى ب ۲ / ۶۹۳ مطبوعه ديو بند) اسی اصول کو اس وقت بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

نیز یہ عبارت بھی پیش نظر رہے، درمختار باب العاشر میں ہے (هو اى العاشر حر مسلم) بهذا يعلم حرمة تولية اليهود على الا عمال. ردالمختار میں ہے (قوله هو حر مسلم) ولا يصح ان يكون كافراً لانه لا يلى على المسلم بالاية بحرو المراد بالا ية قوله تعالى و لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا (درمختار و رد المختار ۲ / ۵۱ باب العاشر)

لہٰذا از خود اپنا معاملہ ان کے حوالہ کر کے دخل دینے کا موقع ہرگز فراہم نہ کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔ احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری غفرلہٗ ۱۴ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ۔

(۱) ماقاله المجيب المحقق المحترم فهو الحق و الصواب و انا اتفق بهذا الفتيا كل الا تفاق احقر اسمعيل و ادى و الا غفرله خادم التدريس و الا فتاء جامعه حسينيه راندير ۱۴ شوال المكرم ۱۴۱۵ھ (مفتی جامعه حسينيه راندير)

بندہ اس جواب سے مکمل اتفاق کرتا ہے، ائمہ کی تنخواہوں کے معیار میں اضافہ کا کام مسلمانوں کی تنظیموں اور جماعتوں کے ذریعہ انجام دیا جائے یہی مناسب ہے حکومت کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنے سے اس کو دیگر خالص دینی اور مذہبی امور میں دخل کا موقع اور جرأت ہوگی جس کا ضرر اظهر من الشمس ہے۔ العبد احمد عفی عنہ کانپوری، ۱۸ شوال ۱۴۱۵ھ مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع بلساڑ (گجرات) هذا هو الحق و الصواب (مفتی) عارف حسن عثمانی ۲۱ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ۔ فقط۔

اضافہ

اس فتویٰ کا اہم پہلو یہ ہے کہ ائمہ مساجد کی تنخواہ کے اضافہ کے سلسلہ میں حکومت سے تعاون حاصل کیا

جا سکتا ہے یا نہیں؟ دوراندیشی اور غلط نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ بالا فتویٰ لکھا گیا ہے، اور یہ بلا دلیل نہیں ہے قرآن مجید میں ہے انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ فعسیٰ اولئک ان یکونوا من المھتدین. ترجمہ:۔ اللہ کی مسجدوں کو صرف وہ آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں تو امید ہے کہ یہ لوگ (فلاح و کامیابی کی) راہ پانے والے ہوں گے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں ''نیز یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ خدا پاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں، یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہو سکتا، کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی، بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں (وہ یہ کہ) مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور۔ (ترجمان القرآن، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۵ جلد سوم) (جدید ترتیب کے مطابق احکام مساجد و مدارس میں متولی مسجد کیسے ہوں کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ مرتب)

جب فاسق و فاجر مسلمان تولیت کا اہل نہیں تو غیروں کی تولیت اور مساجد پر ان کی بالادستی کا عدم جواز ظاہر ہے۔

امام کیسا ہونا چاہئے اس کے متعلق بھی جو لکھا گیا ہے یہ پہلو بھی بہت زیادہ قابل توجہ اور لائق اصلاح ہے، اس سلسلہ میں احقر کے برادر خورد مولوی سید عبدالاحد مرحوم نے اپنی مشہور کتاب ''مسلمان کی ڈائری'' میں اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

مسجد کا امام عالم باعمل بزرگ ہونا چاہئے، اگر ایسا نہ ملے تو جسے قرآن زیادہ یاد ہو، اور اچھا پڑھتا ہو ایسا امام رکھا جائے، آج کل ایسے امام ملنا چنداں مشکل نہیں، لیکن اب ایسے امام کی تلاش زیادہ ہے جو متولی کے اشاروں پر چلے اور متولی ایسے ہوتے ہیں جو کسی طرح مسجد کے اہتمام کے اہل نہیں۔

آخر یہ کیا بات ہے کہ ہمیں اپنے معمولی سے کام کے لئے ملازم کی تلاش ہوتی ہے تو ہم بڑی احتیاط برتتے ہیں اور ہر طرح دیکھ بھال کر اپنی پسند کا ملازم رکھتے ہیں لیکن جب مسجد کے لئے امام کی ضرورت و تلاش ہوتی ہے تب ہم مسجد کے لائق نہیں بلکہ اپنے مطلب کا امام ڈھونڈتے ہیں، اس وقت نہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ امام سند یافتہ عالم نہ سہی ضروری مسائل سے واقف بھی ہے یا نہیں، قاری اور حافظ نہ سہی لیکن کم از کم قرآن بھی صحیح پڑھتا ہے یا نہیں کس عقیدہ کا پیرو ہے اور کون سے مسلک کا حامی ہے، مقلد بھی ہے یا شتر بے مہار، نہ تحقیق ہے نہ تفتیش، نتیجہ یہ کہ جو مؤذن بنانے کا اہل نہیں ہے امام بن جاتا ہے اور جو دنیا میں کسی مصرف کا نہ ہو وہ مؤذن بنتا ہے۔

جب متولی مسجد کی ذمہ داری اٹھانے کا اہل نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی کا نااہل امام ہی تلاش کرے گا، گھوم پھر کر دیکھ لیجئے تو نااہل متولی اور نااہل امام کی جوڑی آپ کو اکثر جگہ نظر آئے گی۔ (مسلمان کی ڈائری ص ۱۵۲)

اسلام میں مساجد کی بہت ہی اہمیت اور بہت ہی عظیم حیثیت ہے، مساجد مراکز اسلام اور شعائر اسلام ہیں، مساجد روئے زمین پر سب سے مقدس، سب سے پاکیزہ اور سب سے بہترین جگہ ہے، اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ

محبوب ہے، دنیا میں جنت کے باغ ہیں، اسلام کے قلعے اور اہل اسلام کے اجتماعی نظام کی لئے مرکز ہیں، لہذا مساجد کا نظام جس قدر بہتر ہوگا مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر اس کے نہایت خوشنما اثرات مرتب ہوں گے، مسلمانوں کا معاشرہ پاکیزہ بنے گا اور اسلام کی روح ان کی زندگیوں میں جلوہ گر نظر آئے گی۔

مساجد کا نظام اور آبادی صرف اس کی ظاہری تعمیر و تزئین، اس کے نقش و نگار اور اس کے فلک بوس میناروں سے نہیں ہے، اس کی صحیح آبادی عبادت الٰہی اور ذکر الٰہی اور اعمال مساجد سے ہے، ان امور کے پیش نظر مساجد کا صحیح نظام خدا ترس امام، صالح مؤذن، اور باصلاحیت واہل متولیوں پر ہے۔

امام حقیقت میں پورے محلہ پوری بستی اور پوری قوم کا پیشوا ہوتا ہے، لہذا امام بہترین عالم باعمل، مسائل احکام نماز سے خوب واقف، قرآن مجید با تجوید اور صحیح پڑھنے والا، خوش الحان سب سے زیادہ متقی، پرہیز گار، خدا ترس، خوش اخلاق اور ملنسار ہونا چاہئے، امام ایسا ہو کہ اس کے اندر دین کا درد اور امت کا غم ہو اپنی اور قوم کی اصلاح کی فکر ہو اور اپنے دل سوز بیانات، مواعظ حسنہ اور تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ مسلمانوں میں دین کا شوق، خوف خدا انابت الی اللہ، عبادت کا ذوق و شوق اور عبادت صحیح و سنت طریقہ کے مطابق ادا کرنے کا جذبہ دنیا کی بے ثباتی اور فکر آخرت، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی فکر پیدا کردے بلا خوف لومۃ لائم معروف (نیکی) کا حکم کرے اور نواہی و منکرات پر نکیر کرے، غمی کا موقع ہو یا خوشی کی تقریبات ہر موقع پر قوم کی صحیح رہنمائی اور اسلامی تعلیمات سے واقف کرے بدعات اور رسومات کی نشاندہی اور برملا ان پر روک ٹوک کرے، خود بھی اسلامی احکامات اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک اور نورانی سنتوں پر سختی سے عمل کرے اور مسلمانوں کو بھی عمل کرنے کا عادی بنائے، مسلمانوں اور لوگوں کے ساتھ ایسی ہمدردی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے کہ چھوٹے بڑے، مرد عورتیں، اپنے اور پرائے سب اس کے دلدادہ اور دل و جان سے اس پر قربان ہو جائیں، حتیٰ کہ اپنے نجی معاملات میں بھی اس سے مشورہ اور رہنمائی حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کرنے لگیں، اپنے اعمال واقوال سے لوگوں میں اسلام کی محبت اور دین کی ایسی عظمت پیدا کردے کہ ان کو اپنی اور اپنے اہل وعیال اور مسلمانوں کے اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے، خود بھی دینی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی فکر کریں اور اپنی اولاد کو بھی دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ و پیراستہ کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہو جائے اور قوم کے بچے بچیوں کی بھی دینی تعلیم کی فکر پیدا ہو اور اس کا انتظام کریں، خواتین میں بھی دین پر عمل کرنے، نماز، قرآن کی تلاوت اور عبادت کا شوق اور پردہ کی اہمیت پیدا ہو جائے اور ہر مسلمان اپنے گھر سے برائیوں ناچ گانے، ٹی وی اور وی سی آر کی نحوست کو ختم اور دور کرنے کی فکر اور کوشش کرنے لگے، غرض کہ امام کو اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہئے اور اپنی ذمہ داری سمجھ کر محض رضائے الٰہی کے لئے (نہ کہ دنیا کے بے حیثیت چند ٹکوں کے لئے) ان تمام خدمات کو انجام دے۔ (۱) ہر مسجد میں اگر ایسے امام ہوں گے تو انشاء اللہ مسلمانوں کو معاشرہ میں اس کے بہترین

---

(۱) فقہاء کرام رحمہم اللہ نے ضرورت کی وجہ سے امامت وغیرہ پر اجرت (تنخواہ) لینے کے جواز کا اگرچہ فتویٰ دیا ہے مگر اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ اجرت اور تنخواہ کو ہرگز مقصود نہ بنا ئیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مقصود ہو، اور حضور اقدس ﷺ کی سیرت طیبہ اور سلف صالحین کے طرز عمل کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں اور ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا کا مصداق نہ بنیں۔ حق تعالیٰ رزاق ہیں اسی پر توکل اور اعتماد، اور اسی کے خزانوں پر نظر رکھیں اور ارشادات ربانی و فرمودات نبوی (ﷺ) کو اپنا حرز جان بنائیں، قرآن مجید میں ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ ترجمہ: جو اللہ سے ڈرتا ہے (اس کی نافرمانی اور گناہ کے کام نہیں کرتا) تو حق تعالیٰ اس کے لئے (مشکلات سے) نجات کی راہ نکالتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اثرات آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اسی طرح مؤذن دیندار اور صالح ہونا چاہئے، جو شخص پابند شرع نہ ہو فاسق ہو، اس کو مؤذن بنانا درست نہیں ہے، خدا کے گھر کا موذن دیندار، تعلیم یافتہ، احکام دینیہ خصوصاً اذان ونماز کے مسائل سے واقف، اوقات نماز، صبح کاذب، صبح صادق، زوال، سایۂ اصلی، ایک مثل دو مثل، شفق احمر وابیض وغیرہ کا جاننے والا، بلند آواز، خوش الحان، اذان کے کلمات صحیح ادا کرنے والا ہونا چاہئے، حدیث شریف میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا (قرآن مجید، سورۂ طلاق پ ۲۸) نیز قرآن مجید میں ہے وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها. ترجمہ: اور کوئی (رزق کھانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ (سورۂ ہود پ ۱۲) نیز قران مجید میں ہے وکاین من دابة لاتحمل رزقها اللہ یرزقها وایاکم وهو السمیع العلیم، ترجمہ: اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی، اللہ روزی دیتا ہے ان کو اور تم کو بھی اور وہی ہے سننے والا اور جاننے والا (سورۂ عنکبوت پ ۱۹) فوائد عثمانی میں ہے: یہ روزی کی طرف سے خاطر جمع کر دی کہ اکثر جانوروں کے گھر میں اگلے دن کا قوت نہیں ہوتا، نیا دن اور نئی روزی (موضح) پھر جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا، خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا اور دلوں کے اخلاص کو جانتا ہے ہر ایک کا ظاہر و باطن اس کے سامنے ہے، کسی کی محنت وہاں رائیگاں نہیں ہو سکتی، جو لوگ اس کے راستہ میں وطن چھوڑ کر نکلے ہیں انہیں ضایع نہیں کرے گا، سامان معیشت ساتھ لے جانے کی فکر نہ کریں، کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی کمر پر لادے نہیں پھرتے پھر بھی رزاق حقیقی ان کو ہر روز رزق پہنچاتا ہے (سورۂ عنکبوت) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان اللہ هو الرزاق ذو القوة المتین: ترجمہ اللہ خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا قوت والا، نہایت قوت والا ہے (سورۂ والذاریات، پ ۲۷)

حدیث میں ہے عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول لو انکم تتوکلون علی اللہ حق توکله لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا. ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل کرو جیسا توکل کرنا چاہئے تو تم کو اس طرح روزی عطا کرے گا جس طرح پرندوں کو روزی دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے پیٹ جاتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ (اپنے گھونسلوں میں) واپس ہوتے ہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۲ باب التوکل والصبر)...... شیخ سعدی علیہ الرحمہ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر وترسا وظیفہ خورداری
دوستاں راکجا کنی محروم
توکہ بادشمناں نظر داری

اے خدا! آپ ایسے کریم ہیں کہ یہود ونصاریٰ، آتش پرست اور بت پرستوں (وغیرہ) کو اپنے خزانۂ غیب سے روزی پہنچاتے ہیں، دشمنوں پر جب ایسی نظر کرم ہے تو اپنے دوستوں کو (جو تیرے عبادت گذار ہیں) کیسے محروم رکھیں گے؟ (مقدمۂ گلستاں)

منقول ہے کہ کوے کا بچہ انڈے سے نکلتا ہے اس وقت اس کے بال و پر سفید ہوتے ہیں، نر و مادہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا بچہ نہیں ہے اگر ہمارا ہوتا تو ہم جیسا سیاہ ہوتا اس لئے وہ کھلانے سے گریز کرتے ہیں، بال و پر جب سیاہ ہونے لگتے ہیں تب اسے اپنا بچہ سمجھتے ہیں، اور پھر کھلانا پلانا شروع کرتے ہیں، اس عمر تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اسے اس طرح روزی پہنچاتے ہیں کہ بچہ جب اپنی چونچ بار بار کھولتا ہے تو اس وقت حشرات الارض اور جراثیم ہوا کے ذریعہ اس کے منہ میں پہنچ کر اس کی خوراک بنتے ہیں (ابن کثیر و مظاہر حق) اللہ پاک کوے کے بچہ کو اس طرح روزی پہنچاتے ہیں، تو کیا وہ رحیم و کریم ذات اپنے وفا شعار بندوں کو روزی نہیں پہنچائے گا؟ اس ذات وحدہ لاشریک لہ پر توکل کرو اور روزی کی بہت فکر مت کرو۔ بقول شاعر۔

غم روزی مخور برہم مزن اوراق دفتر را
کہ پیش از طفل ایزد پر کند پستان مادر را

فکر معاش میں حیران و پریشان مت ہو، اللہ پاک ایسی قدرت اور رحمت والے ہیں کہ بچہ کے دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے پستان مادر میں دودھ مہیا کر دیتے ہیں، تقدیر میں جو رزق ہے اس کا ملنا ایسا ہی یقینی ہے جس طرح موت آنا یقینی ہے، جو رزق مقدر میں ہے اس کے مکمل ہونے سے پہلے انسان کو موت نہیں آسکتی مومن کو اس پر ایمان رکھنا چاہئے، حدیث میں ہے وفی روایة وان روح الاقدس نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقها الا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب ولایحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوه بمعاصی اللہ فانه لایدرک ماعنداللہ الا بطاعته، یعنی حضرت جرائیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی (یعنی بذریعہ وحی بتلایا کہ) کسی نفس کو موت نہیں آسکتی جب تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کر لے، لہذا اللہ سے ڈرو اعتدال اور صحیح طریقہ سے رزق طلب کرو اور دیر سے رزق ملنا تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے رزق تلاش کرنے لگو اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں ہے وہ اللہ کی طاعت ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۲ باب التوکل والصبر) ایک اور حدیث میں ہے عن ابی الدرداء رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان الرزق لیطلب العبد کمایطلبه اجله۔ یعنی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک رزق بندے کو اس طرح تلاش کرتا ہے جس طرح اس کی موت اسے تلاش کرتی ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۴) اور بھی بے شمار قرآن مجید کی آیات اور احادیث ہیں جن میں غور و تدبر سے ثابت ہوتا ہے کہ رزق کا تعلق اللہ رب العزت سے ہے لہذا اسی ذات وحدہ لاشریک لہ پر کامل اعتماد اور توکل کرنا چاہئے، ان آیات اور احادیث پر اگر انسان کی نظر رہے تو پھر ان شاء اللہ ادھر ادھر حیران و سرگردان نہ پھرے گا۔

" لیؤ ذن لکم خیار کم " یعنی تم میں جو صالح ہو وہ اذان کہے (ابو دائود شریف ص ۹۴ ج ۱ باب من أحق بالا مامة)

اورفتاوی عالمگیری میں ہے وینبغی ان یکون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقیاً عالماً بالسنة . یعنی مؤذن عاقل سمجھدار نیک اور متقی، طریقہ سنت سے واقف ہونا چاہئے (ص ۵۳ ج ۱ الفصل الاول فی صفته واحوال المؤذن) اورکبیری میں ہے وافاد هذا ان الا ولیٰ ان یتولی العلماء الا ذان لا نه من باب الجماعة والدعاء الیها فلا یفوض الیٰ غیر هم علی ما مرو فی الخلاصة عن واقعات الا وزجندی المؤذن اذا لم یکن عالما بالا وقات لا یستحق ثواب المؤذنین انتهی (کبیری ص ۳۶۲ باب الاذان)(نور الا یضاح ج ۴۵ باب الاذان

فی زمانناموٴذنوں میں یہ اوصاف مفقود ہیں، ارزاں اور کم سے کم تنخواہ والا موٴذن تلاش کیا جاتا ہے، خواہ اذان صحیح نہ پڑھ سکتا ہو، اذان کے کلمات کہیں دراز اور کہیں مختصر کر کے اذان کی روح ہی کو فنا کر دیتا ہو جس کی وجہ سے اعادہ ضروری ہو جاتا ہو، مثلاً اشهد کو اشد، حی علی الصلوٰۃ کو حی للصلوٰۃ ،یاحیا للصلوٰۃ ۔حی علی الفلاح کو حی للفلاح یاحیا للفلاح ، اللہ کی جگہ آللہ۔ اکبر کی جگہ آکبر اور اکبار اوراسی طرح حی میں بڑی ح کی جگہ چھوٹی پڑھا جاتا ہے، اسی طرح اور بھی بہت سی غلطیاں کی جاتی ہیں، امام وغیرہ جاننے والے حضرات بھی اصلاح نہیں کرتے، اماموں پر اس کی بڑی ذمہ داری ہے اذان صرف اعلان ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اذان عبادت بھی ہے، مہتم بالشان اسلامی شعار بھی ہے اس کو اسی کے شایان شان طریقہ سے ادا کیا جائے کہ اسلامی شان معلوم ہو اور سامعین کے قلوب متأثر اور متوجہ ہوں اور اس کی برکتیں ظاہر ہوں، ان الا ذآن شعار الا سلام (فتح الباری ج ۱ ص ۶۱ کتاب الاذان) اور فتح القدیر میں ہے لان الا ذان عن اعلام الدین ج ۲ س ۹۳ باب الا ذان) اذان دین کی علامتوں میں سے ہے، حق تعالیٰ متولیوں کو توفیق دے کہ اس کی اہمیت کو سمجھیں۔

مساجد کا نظام صحیح اور بہتر سے بہتر ہونے کا زیادہ تر دارو مدار عام طور پر متولیوں پر ہوتا ہے اس لئے متولی بہت ہی باصلاحیت ہونا چاہئے اور اس کے لئے سب سے بہتر عالم باعمل شخص ہے اگر ایسا متولی میسر نہ ہو سکے تو کم از کم دیندار، صوم وصلوٰۃ کا پابند، امانت دار مسائل وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق، منصف مزاج، علم دوست اہل علم کی تعظیم و تکریم اور ان سے مشورہ کر کے کام کرنے والا، دین اور اہل دین سے محبت اور دین کی فکر رکھنے والا ہونا چاہئے۔ اگر ایسا متولی ہوگا تو مندرجہ بالا اوصاف سے متصف امام وموٴذن تلاش کر کے ان کا تقرر کرے گا اور پھر ان کی صحیح قدر اور ان کو خدمت کرنے کا موقع فراہم کرے گا اور دینی کاموں کی انجام دہی میں ان کا معین ومددگار رہے گا۔ (مزید تفصیل فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۱۶۴ تا ۱۶۹ ج ۲۔ جدید ترتیب کے مطابق احکام مساجد ومدارس میں، مسجد اور مدرسہ کا متولی و مہتمم پابند شرع دیانت دار ہونا چاہئے الخ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ ازمرتب)

مندرجہ بالا اضافہ کا مضمون احقر کے درد دل کی آواز ہے اور دیرینہ تمنا ہے اور یہ صرف پڑھنے پڑھانے کے لئے نہیں ہے بلکہ عمل کے لئے ہے اگر عمل کیا گیا تو انشاء اللہ اس کی نورانیت اور اس کے برکات آپ خود دیکھیں گے، اللہ تعالیٰ ہماری مساجد کا نظام بہتر سے بہتر بنادے اور ہر مسجد میں ایسے امام، موٴذن اور متولیوں کا تقرر ہو کہ جن سے

مساجد کا نظام صحیح اور بہتر سے بہتر ہو اور مساجد سے مسلمانوں کو صحیح رہنمائی مل سکے۔ وما ذلک علی الله بعزیز، اللهم آمین بحرمة النبی صلی الله علیه وآله وصحبه وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

دلالی کی اجرت:

(سوال ۳۳۸) میں مکان اور زمین کی دلالی کا کام کرتا ہوں یعنی کوئی شخص اپنا مکان یا زمین بیچتا ہو تو اس کو گاہک (خریدار) لا کر دیتا ہوں، یا کسی کو مکان یا زمین خریدنے کی ضرورت ہو تو اسے مکان یا زمین خرید وا دیتا ہوں، اور اس پر اپنا حق المحنت لیتا ہوں، گاہے ایک پارٹی سے اور گاہے دونوں پارٹیوں سے دلالی کی اجرت لیتا ہوں، تو میں دلالی کی اجرت لے سکتا ہوں یا نہیں؟ بعض لوگ ناجائز کہتے ہیں، اور دلالی کا پیشہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ پیشہ مباح ہے اور اپنی محنت اور کام کے موافق پہلے سے مناسب اجرت طے کر دی جائے تو طے کردہ اجرت لے سکتا ہے اور اجرت ایک فریق (پارٹی) سے بھی لے سکتا ہے اور دونوں فریق سے بھی لے سکتا ہے البتہ اجرت طے اور متعین ہونا چاہئے، معاملہ مبہم نہ رہنا چاہئے، شامی میں ہے (تتمہ) قال فی التاتار خانیة وفی الدلال والسمسار یجب اجر المثل وما تواضعوا علیه ان فی کل عشرة دنانیر کذا فذاک حرام علیهم وفی الحاوی سئل محمدبن سلمة عن اجرة السمسار فقال ارجو انه لا بأس به وان کان فی الاصل فاسداً لکثرة التعامل وکثیر من هذا غیر جائز فجوزوا لحاجة الناس الیه .الخ (شامی ص ۵۳ ج ۵، کتاب الاجارة قبل فصل فی ضمان الاجیر)

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے: الجواب، دلال کی اجرت کام اور محنت کے موافق لینا اور دینا جائز ہے بشرطیکہ ظاہر کر کے رضا سے لیا جائے اور جو خفیہ طرفین سے لیا جاتا ہے وہ جائز نہیں:۔ فی الشامی، کتاب الاجارة ج ۵ ص ۴۳، قال فی التتار خانیة فذاک حرام علیهم اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو روپیہ وغیرہ خفیہ لیتے ہیں وہ حرام ہے۔ فقط بندہ محمد شفیع غفرلہٗ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۱۱۹ ج ۷، ۸)

کفایت المفتی میں ہے:۔

(سوال) دلال کے یہاں کھانا کیسا ہے؟ شریعت کی رو سے یہ پیشہ جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) دلال کی دعوت کھانا مباح ہے اور دلالی کا پیشہ کرنا مباح ہے۔ (کفایت المفتی ص ۳۷۷ ج ۷)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: دلالی یہ ہے کہ بائع و مشتری کے درمیان معاملہ کرایا جائے، اس میں بائع و مشتری دونوں کو ثمن (قیمت) معلوم ہوتی ہے اور دلال کو اس ثمن کے علاوہ اجرت ملتی ہے خواہ وہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت میں متعین ہو خواہ اس طرح کہ فی صد دس روپے یا فی روپیہ ایک آنہ اجرت مقرر کی جائے وہ اجرت درست ہے جس قدر بھی ہو، فقط واللہ سبحانہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۰ ج ۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

موقع محل کے اعتبار سے کرایہ میں اضافہ کا مطالبہ صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۳۳۹) ایک مسجد کی چند دکانیں بہت مدت سے کرایہ پر دی ہوئی ہیں، کرایہ دار بہت معمولی کرایہ دیتے ہیں ان کو اضافہ کرنے کے لئے کہتے ہیں تو انکار کرتے ہیں اور سرکاری قانون کا سہارا لیتے ہیں، حالانکہ دو دکانیں بہت اچھی

موقع پر ہیں، شرعی طور پر مسجد کی کمیٹی کو دوکان خالی کرانے یا کرایہ میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) اگر کرایہ پر دیتے وقت کچھ مدت اور ماہانہ کرایہ کا تعین کیا گیا ہو مثلاً یہ معاہدہ (اگریمنٹ) ہوا ہو کہ یہ دکان ایک سال کے لئے ماہانہ ایک سو روپے کرایہ پر دی جارہی ہے تو اس مدت متعینہ میں نہ کرایہ میں اضافہ جائز ہے اور نہ اس سے قبل خالی کرانا جائز ہے اور اگر ایسا کوئی معاہدہ نہ ہوا ہو تو اس صورت میں چونکہ ہر ماہ گویا نیا اجارہ ہوتا ہے اس لئے شرعی طور پر ماہ کے شروع ہونے سے قبل کرایہ میں اضافہ کرنے اور دکان خالی کرانے کا اختیار ہوتا ہے، ہدایہ آخرین کی مندرجہ ذیل عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے: **ومن استاجر داراً کل شهر در هم فالعقد صحيح فی شهر واحد فاسد فی بقية الشهور الا ان يسمی جملة الشهور ، فان سکن ساعة من الشهر الثانی صح العقد فيه وليس للمواجر ان يخرجه الی ان ينقضی و کذلک کل شهر سکن فی اوله (هدايه اخرين ص ۳۸۲ باب الا جارة الفاسدة)**

صورت مسئولہ میں اگر کسی مدت کے معاہدہ کے بغیر دوکان کرایہ پر دی گئی ہو تو شرعی طور پر مسجد کی کمیٹی کو مہینہ شروع ہونے سے قبل کرایہ میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے جو قدیم کرایہ دار ہیں ان کو چاہئے کہ ماحول، موقع اور محل کے اعتبار سے خود ہی کرایہ میں اضافہ کریں مسجد کا تعاون بھی ہوگا، جب ہر چیز میں گرانی برداشت کررہے ہیں تو مسجد کی خاطر کرایہ میں بھی اضافہ کو بطیب خاطر برداشت کرنا چاہئے، ایک مسلمان کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ سرکاری قانون کا سہارا لے کر مسجد کا نقصان کرے ایسا طریقہ اختیار کرنے میں برکتوں سے محرومی ہوتی ہے، جتنا ہوسکے مسجد کا تعاون کرنا چاہئے اس کے بجائے مسجد کی دوکان سے منفعت حاصل کرنا کرایہ کم دینا اور سرکاری قانون کا سہارا لینا ایمانی غیرت کے بالکل منافی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایام رخصت کی تنخواہ:

(سوال ۳۴۰) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں: کہ بندہ ایک ادارہ میں دینی خدمت انجام دے رہا ہے، مدرسہ کا قانون ہے کہ رخصت لینے کے لئے پہلے سے رخصت کی درخواست دی جائے، بندہ نے رخصت مطلوبہ سے ایک یوم قبل درخواست دی کہ بندہ کو نصف یوم کی رخصت درکار ہے وجہ معلوم کرنے کے بعد صدر محترم نے جواب دیا کہ "اگر گنجائش نکل سکتی ہو تو چار بجے شام سے سفر کرلیں، حالانکہ انتظامیہ اور صدر کو یہ بات معلوم ہے کہ اس جگہ جانے کے لئے ۳½ بجے شام کے بعد سے آٹھ بجے رات تک کوئی سواری نہیں ہے، بندہ نے صدر محترم کے اس گنجائش والے جملہ سے سفر کرلیا، اب اس صورت میں بندہ نصف یوم کے مشاہرہ کا مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) اس سوال کا تعلق اہل چندہ سے ہے، جیسا کہ امداد الفتاویٰ کے جواب سے ظاہر ہوگا، مذکورہ صورت میں آپ کے مدرسہ کا جو قانون مدون، مروج اور مشہور ہو اس کے مطابق عمل ہوگا، بعض مدرسوں میں کیجویل (رخصت اتفاقی) کا قانون ہوتا ہے سالانہ کچھ ایام رخصت کے منجانب مدرسہ متعین ہوتے ہیں ان ایام کے بقدر رخصت لینے پر تنخواہ نہیں کاٹی جاتی، اگر آپ کے مدرسہ میں بھی کیجویل کا قانون ہو اور کیجویل کی مد میں آپ کی رخصت میں گنجائش ہو تو اس صورت میں اہل مدرسہ کا تنخواہ کاٹنا درست نہ ہوگا، اگر کیجویل کے مد میں رخصت کی گنجائش نہ ہو مگر مدرسہ کا

قانون یہ ہو کہ کسی شدید ضرورت کی بناء پر کوئی مدرس ایک دن قبل رخصت کی درخواست دے اور اہل مدرسہ اس درخواست کو منظور کر لیں تو مشاہرہ میں سے کچھ نہ کٹے گا، تو ایسی صورت میں جب کہ آپ نے مدرسہ کے قانون کے مطابق ایک دن قبل رخصت کی درخواست دی، اور ذمہ داران مدرسہ کے جواب میں سفر کرنے کی گنجائش تھی آپ نے اسے اجازت سمجھ کر سفر کیا تو آپ مشاہرہ کے حق دار ہیں، اس صورت میں تنخواہ کاٹنا درست نہ ہوگا اگر انتظامیہ کو رخصت منظور نہ کرنا تھی تو صاف صاف نامنظوری میں جواب دے دینا چاہئے تھا۔ اور اگر مدرسہ کا قانون یہ ہو کہ کیجویل کے علاوہ کسی ضرورت کی وجہ سے بھی جو رخصت لی جائے گی اس کی تنخواہ کٹے گی تو قانون کے مطابق تنخواہ کاٹنا درست ہوگا۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:۔

(سوال ۲۸۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو طلبہ اور مدرس مدرسہ اسلامیہ کے بیمار ہو جائیں ان کو ایام بیماری کی تنخواہ یا وظیفہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ظاہراً یہ سوال متعلق چندہ کے ہے سو اصل یہ ہے کہ ایسے اموال میں کسی تصرف کا جواز و عدم جواز معطین اموال کی اذن و رضا پر موقوف ہے اور مہتمم مدرسہ ان معطین کا وکیل ہوتا ہے، پس وکیل کو جس تصرف کا اذن دیا گیا ہے وہ تصرف اس وکیل کو جائز ہے، سو جس مہتمم نے مدرسین کو مقرر کیا ہے اگر اس مہتمم کو معطین نے اس صورت کے متعلق کچھ اختیارات دیئے ہیں اور مہتمم نے ان مدرسین سے اس اختیار کے موافق کچھ شرائط کر لئے ہیں تب تو ان شرائط کے موافق تنخواہ لینا جائز ہے، اسی طرح جو اختیارات وظیفہ کے متعلق مہتمم کو دیئے گئے ہیں ان کے موافق اس کا لینا دینا بھی جائز ہوگا، اور اگر تصریحاً اختیارات و شرائط نہیں مقرر ہوئے ،لیکن مدرسہ کے قواعد مدون و معروف ہیں تو وہ بھی مثل شروط کے ہوں گے، اور اگر نہ مصرح ہیں اور نہ معروف ہیں تو دوسرے مدارس اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کا اتباع کیا جاوے گا، اور اگر یہ آمدنی کسی جائیداد کی ہے تو اس کا حکم دوسرا ہے۔ فقط۔

دوسرا فتوی:۔

(سوال ۲۸۱) مدرس بیمار ہو گیا، ایام مرض کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ اگر ہے اور اس نے نہیں لی تو لے سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر قالاً یا حالاً اہل چندہ کی رضا سمجھی جاوے تو یہ شرط ٹھیرانا درست ہے کہ ایام مرض کی تنخواہ دی جاوے گی ورنہ درست نہیں، پھر اگر شرط نہ ٹھیری تب تو استحقاق نہیں ہے اور اگر شرط ٹھیر گئی تو وہ مستحق ہے، پھر اگر اہل چندہ کی رضا معلوم ہو تو چندہ سے دینا درست ہے ورنہ جس نے مدرس رکھا ہے وہ اپنے گھر سے دے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۲۸۹ ج ۳، کتاب الاجارہ، مطبوعہ کراچی)

عطر ہدایہ میں ہے:۔

ایام تعطیل و رخصت اگر مشروط و معروف ہوں تو تابع ہیں ایام خدمت کے ورنہ تبرع و انعام پس جب ایام خدمت پورے ہوں گے تعطیل پوری ملے گی ورنہ حساب سے کم ہو جائے گی۔ الخ (عطر ہدایہ ص ۱۳۶)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:۔

(سوال) ملازم وقف دو دن کی رخصت لے کر گیا اور چھ روز میں آیا دریافت یہ ہے کہ ملازم کو اس چار دن کی تنخواہ

لینی کیسی ہے اور متولی کو دینا چاہئے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً: اگر ملازمت کی شرائط میں یہ ہے کہ بلاتحصیل رخصت غیر حاضری پر تنخواہ وضع ہوگی تو صورت مسئولہ میں تنخواہ وضع کی جائے گی اگر شرائط میں کچھ مدت بلاتحصیل رخصت چھٹی پر رہنے اور حاضر نہ ہونے کی بھی موجود ہے تو اس مدت کی تنخواہ وضع نہ ہوگی زائد کی وضع ہوگی، غرض حسب شرائط عمل کیا جائے جب کہ وہ موافق شرع ہوں، فقط واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ ص ۳۱۱ ج ۶، باب الاجارہ)

مدرس تعطیلات کے ایام کی تنخواہ کا مستحق کب ہوگا؟:

(سوال ۳۴۱) ایک دینی درس گاہ میں ماہ شعبان المعظم میں چار مدرسین کو علیحدہ کردیا، شوال المکرم میں ان کو واپس درس وتدریس کے لئے لانا نہیں تو سالانہ تعطیلات (شعبان ورمضان کے دو ماہ کی تنخواہ) کے از روئے شرع مستحق ہیں یا نہیں؟

(الجواب) سالانہ تعطیلات کا زمانہ ایام عمل کے تابع ہے کہ استراحت کے بعد آئندہ شوال میں کام کے لئے مستعد ہوجائیں لہذا اگر تعطیلات کے بعد اسی ادارہ میں خدمت کرے تب تو ایام تعطیلات کے ایام، ایام عمل کے ساتھ ملحق ہو کر مشاہرہ کا استحقاق ہوسکتا ہے اور جب کسی مدرس کو مدرسہ کے قانون کے مطابق علیحدہ کردیا ہو تو وہ تعطیلات کی مشاہرہ کا مستحق نہیں۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:۔

(سوال ۲۸۲) عربی مدارس میں رمضان شریف کی تعطیل ہوتی ہے تو اس کی تنخواہ کا بلا معاوضہ کام ہونا تو ظاہر ہے، باقی وقت بھی مدرس اپنا وقت مدرسہ میں محبوس نہیں رکھتا کہ اس کی وجہ سے لے سکے، اب لینا اس کو کیسے درست ہے اگر مدرسہ کے مہتمم کسی مدرس کو شعبان کی ۲۹ تاریخ کو مدرسہ کی ملازمت سے علیحدہ کردے تو یہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟ مدرس مدرسہ میں بحال رہتے ہوئے رمضان کی تنخواہ کا کب مستحق ہوگا، جب سب رمضان ختم ہوجائے یا ختم شعبان پر؟

(الجواب) تنخواہ تو ایام عمل ہی کی ہے مگر تعطیل کا زمانہ تبعاً ایام عمل کے ساتھ ملحق ہے تاکہ استراحت کرکے ایام عمل میں عمل کرسکے، اس سے سب اجزاء کا جواب نکل آیا، اول کا یہ کہ حکماً بلا معاوضہ کام کے نہیں دوسرے کا یہ کہ شعبان کے ختم پر معزول ہوجانے سے تنخواہ نہ ملے گی اور عدم عزل میں رمضان کے ختم پر تنخواہ ملے گی بشرطیکہ شوال میں بھی کام کیا ہو۔ امداد الفتاویٰ ص ۲۸۹، ص ۲۹۰ ج ۳، کتاب الاجارہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کمیشن پر چندہ:

(سوال ۳۴۲) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام وعلماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں۔

ہمارے یہاں مدرسوں میں کمیشن پر چندہ عام ہوچکا ہے مثلاً ایک ہزار چندہ ملا تو ۶۰٪ کی شکل میں سو روپے سفیر خود رکھ لیتا ہے باقی چار سو روپے مہتمم کے حوالے کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ۵۰، یا ۶۰ فیصد چندہ کرنے والا لازماً لیتا ہے کیا سفیر اور مدرسہ والوں کا ایسا معاملہ کرنا جائز ہے؟

دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، بینوتوجروا۔

(الجواب) کمیشن پر چندہ ناجائز ہے، یہ اجارہ فاسدہ ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اجارہ میں اجرت متعین ہونا ضروری ہے اور مذکورہ صورت میں اجرت مجہول ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اجرت عمل اجیر سے حاصل ہوتی ہو تو بجائے خود یہ ناجائز ہے، اور یہ صورت قفیز طحان میں داخل ہے جس سے حدیث میں منع فرمایا گیا ہے، نیز مذکورہ صورت میں جن لوگوں نے چندہ میں زکوٰۃ کی رقم دی ہے ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی مشتبہ رہے گی، زکوٰۃ کی جتنی رقم سفیر وصول کرے گا اتنی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے بلاعوض مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا ضروری ہے اور مذکورہ صورت میں سفیر کو اس کی محنت کے عوض زکوٰۃ کی رقم دی جائے گی۔

ہدایہ اخیرین میں ہے: ولا یصح حتی تکون المنافع معلومة والاجرة معلومة لما روینا ولان الجهالة فی المعقود علیه وفی بدله تفضی الی المنازعة کجهالة الثمن والثمن فی البیع (هدایه اخیرین ص ۲۷۷ کتاب الاجارة)

نیز ہدایہ اخیرین میں ہے:۔ ومن دفع الی حائک غزلاً لینسجه بالنصف فله اجر مثله وکذا اذا استاجر حمارا یحمل علیه طعاما بقفیز منه فالاجارة فاسدة لانه جعل الاجر بعض ما یخرج من عمله فیصیر فی معنی قفیز الطحان وقد نهی النبی علیه السلام عنه وهو ان یستاجر ثورا لیطحن له حنطة بقفیز من دقیقه وهذا اصل کبیر یعوف به فساد کثیر من الاجارات لا سیما فی دیار نا الخ (هدایه آخرین ص ۲۸۹، ص ۲۹۰ باب الاجارة الفاسدة)

درمختار میں ہے:۔ وشرطها کون الاجرة والمنفعة معلومتین لان جهالتهما تفضی درمختار مع رد المختار ص ۴ ج۵)

نیز درمختار میں ہے:۔ (ولو دفع غزلاً لآخر لینسجه له بنصفه) ای بنصف الغزل (أو استاجر بغلا لیحمل طعامه ببعضه او ثوراً لیطحن بره ببعض دقیقه) فسدت فی الکل لانه استاجره بجزء من عمله والاصل فی ذلک نهیه صلی الله علیه وسلم عن قفیز الطحان الخ (درمختار مع رد المختار ص ۴۸ ج۵)فقط والله اعلم بالصواب .

(۱) کمیشن پر سفراء مقرر کرنا (۲) بیرون ملک چندہ کے لئے جانے والے مہتمم کا چندہ میں سے ایک بڑی رقم بطور اجرت لینا:

(سوال ۳۴۴) آجکل مدارس دینیہ میں جن سفراء کو چندہ کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اکثر و بیشتر سفراء کو مہتممین حضرات کمیشن پر مقرر کرتے ہیں مثلاً یہ کہ پورے چندہ کا نصف تمہارا اور اسی میں تم خرچ کرو، سفر خرچ وغیرہ سب تمہارے ذمہ یا ایک تہائی مقرر کرتے ہیں اور مدرسہ کا فائدہ اسی میں زیادہ ہے، سفراء پوری توجہ اور محنت سے چندہ کرتے ہیں، مدرسہ کا اس میں زیادہ فائدہ ہے، حالانکہ ہم نے سنا ہے اور فتویٰ بھی دیکھا ہے کمیشن پر سفراء کو رکھنا جائز نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ شکل جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسا نہیں کرتے ہیں تو مدارس کو نقصان ہوتا ہے۔

(۲) ایک مدرسہ کے چندہ کے سلسلے میں ایک صاحب باہر ملک جانا چاہتے ہیں جو مدرسہ کے مہتمم ہیں اور کئی سال سے خالصاً لوجہ اللہ مدرسہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں اطراف واکناف میں چندہ بھی کرتے ہیں، مدرسہ کا پورا خیال رکھتے ہیں مگر مدرسہ میں پڑھاتے نہیں ہیں پوری نگرانی کرتے ہیں اور ان کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں ہے، اور آج تک ایک پیسہ بھی مدرسہ سے نہیں لیا، اب اگر یہ مدرسہ کے چندہ کے لئے جائیں تو کیا کیا جائے، دو ماہ کے لئے جائیں اور ان کی تنخواہ مقرر کی جائے تو ان کو بہت کم پڑتی ہے مثلاً تین ہزار ماہانہ دیں یا یہ کہ وہ اس میں سے بڑی رقم لیں مثلاً چوتھائی لیں، کیا شکل اختیار کی جائے۔

(۳) دوسری شکل یہ ہے کہ ایک مہتمم ایسے ہیں کہ ان کی تنخواہ مقرر ہے اور وہ مدرسہ کے تمام کاموں کے ذمہ دار ہیں اور چندہ بھی خود ہی کرتے رہتے ہیں، ان کی تنخواہ پندرہ سو روپے ہے۔ اب اگر وہ بیرون ملک جائیں اور مقررہ تنخواہ کے علاوہ رقم لینا چاہیں تو ان کو کتنی رقم دی جائے، وہ کہتے ہیں کہ محنت بہت زیادہ ہے، میں جاؤں بشرطیکہ محنت کے اعتبار سے رقم دی جائے مثلاً دو تین لاکھ روپے چندہ کروں تو کم از کم مجھ کو پچاس ہزار روپے دیئے جائیں، نیز یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ اس معاملہ کو عوام اور ٹرسٹیوں سے مخفی رکھا جائے، صحیح رہبری فرمائیں، ممنون کرم ہوں گا، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً (۱۔۲) کمیشن پر چندہ جائز نہیں ارسال کردہ سوال وجواب ملاحظہ فرمائیں[1]، مدرسہ کے مفاد کے لئے مہتمم صاحب برائے چندہ سفر کریں تو ارباب شوریٰ (ٹرسٹیوں) کے مشورہ سے مناسب تنخواہ مقرر کرلی جائے اور وہ تنخواہ دی جائے یا پھر ارباب شوریٰ سے مناسب انعام دے دیا جائے (دوسری صورت میں الغرض کمیشن کی صورت سے بچتے ہوئے اصحاب شوریٰ کے مشورہ کے مطابق عمل کیا جائے معاملہ مخفی رکھنا بالکل مناسب نہیں اس میں ارباب شوریٰ نیز عوام کو انگلی اٹھانے کا موقع ملے گا اور اس میں مہتمم کی بدنامی بھی ہے اور مہتمم کا اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کرنا بھی تعجب خیز معلوم ہوتا ہے اور اصحاب شوریٰ کو بھی مدرسہ کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب فیصلہ کرنا ہوگا اتنی بڑی رقم قبول کرنے کا ان کو بھی اختیار نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری، راندیر، ۲۳ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ۔

سونے چاندی کے زیورات دھونے اور پالش کرنے کی اجرت کے طور پر اس میں سے کچھ سونا نکال لینا:

(سوال ۳۴۵) زید سونے چاندی کے زیور دھونے اور پالش کرنے کا کام کرتا ہے، یعنی سنار سونے کا زیور بنا کر زید کے حوالے کرتا ہے اور زید اس کو گرم کر کے پالش وغیرہ کر کے اس کے اندر چمک اور صفائی پیدا کرتا ہے لیکن اجرت میں روپیہ یا پیسہ نہیں لیتا بلکہ اسی سونے کے زیور میں سے کچھ سونا نکال کر لیتا ہے، اور یہ سنار طے کرتا ہے کہ اتنا سونا نکال لینا، مثلاً سو ۱۰۰ گرم کا زیور سنار لے کر آیا اور کہا کہ اس کو دھو دو، زید نے کہا کہ ایک گرام سونا اس کی دھلائی ہوگی لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گرم کرتے وقت یا کسی اور طریقہ سے زید کو سونا ایک گرام نہیں ملتا ہے بلکہ کچھ تو ضائع ہو جاتا ہے، کچھ ہی ملتا ہے یعنی اگر زید کی تقدیر نے ساتھ دیا تو ایک گرام مل جاتا ہے ورنہ آدھا پونا گرام ملتا ہے، یعنی کچھ نہ کچھ ہاتھ لگ جاتا ہے، تو اس طرح سے دھونا اور اجرت لینا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر جائز ہے تو ٹھیک ورنہ جواز کی کوئی صورت ہو تو اس کو بھی تحریر فرمائیں، اگر بحوالہ کتب ہو تو بہت احسان ہوگا۔ بینوا توجروا۔

---

[1] یہ سوال وجواب اس فتویٰ سے پہلے جس کا سوال ۳۴۴ ہے دہ ملاحظہ فرمائیے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! اجارہ صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اجرت متعین ہو مجہول نہ ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عند العقد مستاجر اجرت کی ادائیگی پر قادر ہو، ہدایہ اخریں میں ہے۔

والمعنی فیہ ان المستاجر عاجز عن تسلیم الاجر (ہدایہ اخیرین ص ۲۸۹ باب الاجارۃ الفاسدۃ)

شامی میں ہے: والقدرۃ علی التسلیم شرط وھو لا یقدر بنفسہ (شامی ج۵ ص ۴۸ ایضاً)

اسی بناء پر حدیث میں قفیز طحان سے منع کیا گیا ہے، قفیز طحان یہ ہے کہ کسی کو گندم پیسنے کے لئے دیئے جائیں اور اجرت یہ طے کی جائے کہ اسی گندم کے آٹے میں سے ایک قفیز (مثلاً ایک کلو) آٹا تم کو ملے گا، قفیز طحان کی حدیث میں ممانعت ہے۔

فیصیر فی قفیز الطحان وقد نھی النبی علیہ السلام عنہ وھو ان یستأجر ثوراً لیطحن لہ حنطۃ بقفیر من دقیقہ۔ (ہدایہ اخیرین ص ۲۸۹ ایضاً)

لہذا صورت مسئولہ میں اجارہ صحیح نہ ہوگا، صحیح ہونے کی صورت یہ ہے کہ اجرت میں روپیہ متعین کرے، اور اگر سونا ہی متعین کرنا ہو تو مطلقاً سونا متعین کرے، اور جتنا متعین کیا ہے وہ پورا ادا کیا جائے۔ قاضی خاں میں ہے۔

فلو استاجر طحانا لیطحن لہ ھذہ الحنطۃ بقفیز من الدقیق ولم یقل بقفیز من ذلک الدقیق جازلہ لانہ لم یجعل الا جرمن دقیق ھذہ الحنطۃ والقفیز معلوم . یعنی آٹا پیسنے والے کو گندم پیسنے کے لئے دیئے اور اجرت یہ طے کی کہ تم کو ایک قفیز آٹا دیں گے، یہ نہیں کہا کہ اس آٹے میں سے جو تم پیسوں گے اس میں سے دیں گے تو یہ صورت جائز ہے اس لئے کہ مستاجر نے اسی گندم کے آٹے کو (جو اس کے عمل کے نتیجہ میں موجود ہونے والا ہے) اجرت میں متعین نہیں کیا ہے بلکہ مطلقاً ایک قفیز آٹا متعین کیا ہے اور قفیز کا وزن معلوم ہے (لہذا اجرت مجہول نہیں ہوئی) اس لئے یہ صحیح ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں ص ۲۲ ج ۳ باب الاجارۃ الفاسدۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۴۰۶ھ۔

کاتب نے آدھی کتابت کی وہ بھی بہت تاخیر سے تو مالک نے کام واپس لے لیا، اور آدھے کام کی جو اجرت کاتب کو دے چکا تھا وہ واپس طلب کی۔ اس کا حکم:......

(سوال ۳۴۶) زید نے تقریباً تین سال سے عمر کو ایک کتاب لکھنے کا کام سپرد کیا تھا، اس کام کی اجرت (فی صفحہ دس روپے) طے ہونے کے بعد عمر نے اس کتاب کے نصف سے زائد صفحات لکھ کر زید کو سپرد کر دیئے ہیں اور اس کتاب کے سو صفحات کی اجرت بھی لے لی ہے، نیز عمر سے کام میں بہت تاخیر ہوئی اور وعدہ پر وعدہ خلافی ہوتی رہی، اور اس درمیان عمر اپنی پریشانی کی وجہ سے زید سے ملے جلے بغیر دوسری جگہ منتقل ہو گیا، اب زید نے عمر سے کام پورا کرنے کا تقاضہ کیا ،کام پورا نہ ہو سکا تو زید نے کتاب کا بقیہ کام واپس لے لیا ہے، اور عمر نے کام کے جو صفحات زید کو دیئے ہیں اور اس کی اجرت بھی وصول کر لی ہے وہ پیسے زید زبردستی طلب کر رہا ہے، عمر پیسے واپس دینے سے انکار کر رہا ہے، اس صورت حال میں عمر زید سے جس کام کی اجرت لے چکا ہے اس پیسے کو زید واپس طلب کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداًومصلیاًومسلماً! کاتب نے جتنے حصے کی کتابت کی ہے اس کی اجرت کا وہ حق دار ہے اور جس حصہ کی وہ کتابت نہیں کرسکتا ہے اس کی اجرت کا وہ مستحق نہیں ہے۔

نوٹ:۔عمر نے وقت پر کام نہیں کیا اور وعدہ خلافی کرتا رہا یہ بہت قابل مذمت ہے مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اس لئے عمر کو وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، عمر کو چاہئے کہ زید سے معافی مانگے اور اس کو راضی کرے ۔واللہ اعلم۔

جانور کو جفتی کرانے کی اجرت لینا دینا حرام ہے:

(سوال ۳۴۷) ہم بکری پالتے ہیں اور اسے گیا بھن کراتے ہیں بلکہ گیا بھن کرانا پڑتا ہے۔لیکن جب بکرے والے سے اسے گابھن کراتے ہیں تو وہ دس روپے اس کا معاوضہ لیتا ہے، معاوضہ دینا یا اگر بکرا ہمارا ہو تو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداًومصلیاًومسلماً! گیا بھن کرانے کے اجرت لینا جائز نہیں اگر مجبوراً دینا پڑے تو گناہ نہیں۔ہدایہ آخرین میں ہے۔

ولا یجوز اخذ اجرۃ عسب التیس وھو ان یواجر فحلاً لینزو علی اناث لقولہ علیہ السلام ان من السحت عسب التیس والمراد اخذ الاجرۃ علیہ .

یعنی نر کو مادہ پر چڑھانے (جفتی کرانے کی اجرت) لینا جائز نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا جفتی کرانے کی اجرت خبیث ہے یعنی حرام ہے۔(ہدایہ اخیرین ، باب الاجارۃ الفاسد۔ص ۲۸۷) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔۱۳ صفر ۱۴۰۵ھ۔

(۱) مطالبہ پر فوراً خالی کرنے کے وعدہ سے مکان کرایہ پر لیا اب ان کی اولاد خالی نہیں کررہی ہے (۲) کرایہ میں اضافہ کرنے کا مسئلہ:

(سوال ۳۴۸) ہمارا ایک مکان بچوں کے استعمال کے لئے بند رکھا ہوا تھا، اس دوران ایک صاحب ہمارے والد کے پاس آئے اور اپنا عذر بتایا اور کہا کہ کچھ وقت کے لئے آپ اپنا وہ مکان جو بند ہے مجھے استعمال کے لئے کرایہ پر دیجئے، والد صاحب نے کہا کہ یہ مکان بچوں کے لئے رکھا ہے مجھے نہیں دینا ہے، لیکن انہوں نے اپنی مجبوریاں اور والد صاحب کو تنگ کرکے مکان کرایہ پر لیا اور کہا کہ جب آپ کہیں گے میں اپنا بندوبست کرکے آپ کا مکان آپ کو سپرد کردوں گا، جب آپ کے بچوں کے کام آئے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا، وہ صاحب گذر گئے، ابھی ان کے بچے ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارے والد نے یہ بند مکان مذکورہ بالا حقیقت کے مطابق کچھ وقت کے لئے رکھا تھا لیکن وہ مکان خالی نہ کرنے کے لئے یہ عذر بتاتے ہیں کہ پیسے نہیں ہیں تو ہم کہاں جائیں؟ حالانکہ ہمیں مکان کی سخت ضرورت ہے، بار بار ان سے کہا گیا مگر وہ انکار کرتے ہیں، تو اس حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(۲) دیگر ہمارے اور بھی کرایہ دار ہیں، جو پرانے کرایہ سے رہتے ہیں، اس وقت مہنگائی آسمان پر پہنچ گئی ہے، تو ہم ان سے زیادہ کرایہ مانگنے کے حق دار ہیں یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! صورت مسئولہ میں آپ کے والد صاحب نے جن صاحب کو ان کی ضرورت کی وجہ سے مکان کرایہ پر دیا اور انہوں نے مکان کرایہ پر لیتے وقت یہ کہا تھا، آپ جب کہیں گے میں اپنا بندوبست کر کے آپ کا مکان آپ کو سپرد کر دوں گا جو آپ کے بچوں کے کام آئے گا، اس معاہدہ کی رو سے جب آپ کے والد صاحب کو اس مکان کی سخت ضرورت ہے اور وہ (یا ان کے وارث) اس ضرورت کی وجہ سے یہ مکان خالی کرانا چاہتے ہیں تو ان صاحب کے بچوں کو مکان خالی کر دینا چاہئے) اور اپنا دوسرا بندوبست کرنا چاہئے، خاص کر جب ان صاحب کا انتقال بھی ہوگیا ہے، کرایہ دار یا مالک مکان ان میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے (اور کرایہ دار نے مکان اپنے لئے کرایہ پر لیا ہے) تو شرعاً عقد اجارہ فسخ ہو جاتا ہے، اس لئے واثوں کو لازم ہے کہ مکان مالک مکان کو سپرد کر دیں اور اپنا دوسرا انتظام کریں۔ اگر فوراً انتظام کرنا مشکل ہو تو ان کو کچھ مدت کے لئے مہلت دی جائے، ہدایہ اخیرین میں ہے۔

ومن استاجر داراً كل شهر بدرهم فالعقد صحيح في شهر واحد فاسد في بقية الشهور الا ان يسمى جملة الشهور فان سكن ساعة من الشهر الثاني صح العقد فيه وليس للمواجران يخرجه الى ان ينقضي وكذلك كل شهر سكن في اوله (هدايه اخيرين ص ٢٨٦ ج٣ باب الاجارة الفاسدة)

نیز ہدایہ میں ہے: **واذا مات احد المتعاقدين وقد عقد الا جارة لنفسه انفسخت الا جارة (هدايه اخيرين ص ٢٩٩ ج٣ باب فسخ الا جارة)**

مالک مکان اور کرایہ دار کے لئے شرعی ہدایات کیا ہیں؟ اس کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ اردو جلد نمبر۳، ص ۲۵۷ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں مالک مکان اور کرایہ دار اور پگڑی کے مسائل کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے، ۔ از مرتب) گجرات ص ۲۵۲، ص ۲۵۳، ص ۲۵۴، ص ۲۵۵، جلد نمبر۳۔

(۲) اگر کچھ خاص مدت کے لئے کرایہ پر دیا ہے، مثلاً تین سال یا پانچ سال، تو اتنی مدت تک جو کرایہ متعین کیا ہے اتنا لینا جائز ہے اس میں اضافہ کرنا صحیح نہیں، البتہ اگر کوئی مدت متعین نہیں کی صرف ماہواری کرایہ متعین ہے تو اس صورت میں ہر ماہ چونکہ حکماً نیا اجارہ ہوتا ہے لہذا اگر مہنگائی کی وجہ سے مہینہ کے شروع میں کرایہ میں مناسب اضافہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے (ہدایہ اخیرین ص ۲۸۶ والی عبارت سے یہ مسئلہ مستنبط ہے) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

كتاب المزارعة

بٹائی پر زمین دینے کا جواز اور اس کے شرائط:

(سوال ۳۴۹) زید نے عمر کو اپنی زمین اس شرط پر دی کہ زمین زید کی اور عمر بیج پانی وغیرہ لگائے گا اور محنت بھی کرے گا، اور جب فصل تیار ہو جائے تو تقسیم سے پہلے عمر نے جتنا خرچ کیا ہے وہ وصول کر لے گا اور اس کے بعد جو غلہ بچے گا وہ آپس میں برابر تقسیم کریں گے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ یا جو شکل جواز کی ہو بتائیں، اور جو کوئی بھی شرط ہو تفصیل سے تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔ (اکل کوا، مہاراشٹر)

(الجواب) جتنی بھی پیداوار ہو اس میں عمر اور زید دونوں شریک رہیں گے، عمر کے لئے یہ شرط لگانا کہ فصل تیار ہونے پر وہ اپنا لگایا ہوا بیج وغیرہ کا خرچ پہلے وصول کر لے گا اور پھر بقیہ پیداوار برابر تقسیم ہوگی، یہ صورت جائز نہیں ممکن ہے کہ اتنی ہی پیداوار ہو جو عمر کے لئے شرط لگائی گئی ہے۔ ہدایہ اخیرین میں ہے۔ وكذا (اى لا تصح المزارعة) اذا شرط ان يرفع صاحب البذر بذره ويكون الباقى بينهما بنصفين لانه يودى الىٰ قطع الشركة فى بعض معين اوفى جميعه بان لم يخرج الاقدر الذر (هدايه اخيرين ص ۴۱۰، كتاب المزارعة)

مزارعت (بٹائی پر زمین دینا) کے صحیح ہونے کی آٹھ شرطیں ہیں، پہلی شرط۔ زمین کا قابل کاشت ہونا، زمین دار بنجر زمین دے کر یہ کہے کہ تم اسے قابل کاشت بناؤ اور پھر اس میں کھیتی کرو جو پیداوار ہوگی بانٹ لیں گے تو یہ صحیح نہیں، ثم المزارعة لصحتها على قول من يجيزها شروط. احدها كون الارض صالحة للزراعة لانه لا يحصل دونه (هدايه اخيرين ص ۴۰۹ ج ۴) (ويشترط فيها) اى فى المزارعة عند من يجوزها (صلاحية الارض للزرع) لان المقصود وهو الربح لا يحصل بدون كونها صالحة للزراعة (مجمع الانهر ج ۲ ص ۴۹۹ كتاب المزارعة)

دوسری شرط:۔ دونوں کا اہل عقد میں سے ہونا، یعنی عاقل ہونا۔ والثانى ان يكون رب الارض والمزارع من اهل العقد وهو لا يختص به لان عقد اما لا يصح الا من الا هل (هدايه اخيرين ص ۴۰۹ ايضاً) (مجمع الانهر ص ۴۹۹ ج ۲ كتاب المزارعة

تیسری شرط:۔ زمین دئیے جانے کی مدت کا متعین ہونا کہ اتنے مہینے یا اتنے سالوں کے لئے دی جائیں گی والثالث بيان المدة لانه عقد على منافع الارض او منافع العامل والمدة هى المعيار لها لتعلم (المنافع) بها (اى بالمدة) (هدايه اخيرين ص ۴۰۹) ويشترط تعيين المدة لتصير المنافع معلومة كسنة او اكثر فان ذكر وقت لايتمكن فيه من الزراعة فهى فاسدة (مجمع الانهر ص ۴۹۹ ج ۲ ايضاً)

چوتھی شرط:۔ بیل بیج کون دے گا یہ متعین ہونا چاہئے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں بعض جائز بعض ناجائز مثلاً (۱) زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور ہل، بیل اور محنت دوسرے آدمی کی ہو، یہ صورت جائز ہے: وهى عندهما على اربعة اوجه، ان كانت الارض والبذر لو احد والبقرو العمل لو احد جازت المزارعة (هدايه

آخرین کتاب المزارعۃ

(۲) زمین ایک شخص کی ہو اور تمام چیزیں یعنی ہل بیل بیج اور محنت دوسرے آدمی کی ہو یہ صورت بھی جائز ہے. وان کانت الارض لواحد والعمل والبقر والبذر لو احد جازت (ھدایہ اخیرین)

(۳) زمین ہل بیل اور بیج سب ایک کی ہو اور محنت دوسرے کی ہو یہ صورت بھی جائز ہے اور یہ بمنزلہ اس کے ہے کہ دوسرے شخص کو اپنے یہاں ملازم رکھا وان کانت الارض والبذر والبقر لواجد والعمل من الاخر جازت لانہ استاجرہ للعمل بآلۃ المستاجر فصار کما استاجر خیاطاً لیخیط ثوبہ بابرتہ اوطیانا لیطین بمرۃ (ھدایہ اخیرین) مجمع الانہر میں ہے (واذا کان البذروالارض لا حد ھما والعمل والبقر للاخر . او الارض لاحد ھما والبقیۃ للاخر، اوالعمل لاحد ھما والبقیۃ للاخر صحت) فی ھذہ الصور الثلاثۃ (مجمع الا نھر ص ۵۰۱ ج ۲ کتاب المزارعۃ)

(۴) زمین، بیل ایک کا ہو، بیج اور محنت دوسرے کی ہو، ظاہری روایت کے مطابق یہ صورت ناجائز ہے۔ وان کانت الارض والبقر لواحد والبذر والعمل لا خر فھی باطلۃ ھذا الذی ذکرہ ظاھر الروایۃ (ھدایہ اخیرین)(وان کانت الارض والبقر لاحدھما والبذر والعمل للاخر بطلت) (مجمع الانھر ص ۵۰۱ ج ۲ ایضاً)

(۵) بیج ایک آدمی کا ہو اور زمین، بیل اور محنت دوسری کی ہو، یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

(۶) بیج اور بیل ایک کا ہو محنت اور زمین دوسرے کی ہو یہ صورت بھی باطل اور ناجائز ہے وھھنا وجھان اخران لم یذکرھما، احدھما ان یکون البذر لا حد ھما والارض والبقر والعمل لآخر وانہ لا یجوز لانہ یتم شرکۃ بین البذر والعمل ولم یردبہ الشرع، والثانی ان یجمع بین البذر والبقر (بان یکون البذروالبقر لا حد ھماوالباقی للاخر) وانہ لا یجوز ایضاً (ھدایہ اخیرین ص ۴۱۰ ایضاً)(وکذا) تبطل (لو کان البذر والبقر لاحدھما والارض والعمل للاخر اوا لبذر) اوالبقر (لا حدھما والباقی للاخر)(مجمع الانھر ص ۵۰۱ ج ۲ ایضاً)

صحت مزارعت کی پانچویں شرط: جس کا بیج نہ ہو اس کا حصہ متعین کر دیا جائے والخامس بیان نصیب من لا بذر من قبلہ لانہ یستحقہ عوضا بالشرط فلا بد ان یکون معلوماً وما لا یعلم لا یستحق شرطاً (ھدایہ اخیرین ص ۴۰۹ ایضاً)

چھٹی شرط: زمین کاشتکار کے حوالہ کر دی جائے، خود ساتھ رہ کر کام کرنے کی شرط نہ لگائے۔ والسادس ان یخلی رب الارض بینھما (الارض) وبین العامل حتی لو شرط عمل رب الا رض یفسد العقد لفوات التخلیۃ (ھدایہ اخیرین ص ۴۰۹) (و) یشترط (التخلیۃ بین الارض والعامل) لانہ بذلک یتمکن من العمل فصار نظیر المضاربۃ لا تصح حتی یسلم المال الیہ حتی اذا شرط فی العقد مایفوت بہ التخلیۃ وھو عمل رب الارض مع العامل لا یصح (مجمع الانھر ص ۴۹۹ ایضاً ج ۲)

ساتویں شرط: پیداوار کی تقسیم حصہ کی اعتبار سے طے ہو، وزن کے اعتبار سے طے نہ ہو، اسی طرح کسی خاص

جگہ کی پیداوار کسی ایک کے لئے متعین نہ ہو یعنی دونوں میں سے کوئی یہ متعین نہ کرے کہ اتنے من پیداوار میری ہوگی اور باقی جو کچھ بچے گا وہ تمہارا ہوگا بلکہ اس طرح طے کیا جائے کہ دونوں کو نصف نصف ملے گا، یا ایک کو ایک تہائی (۱/۳ اور دوسرے کو دو تہائی ۲/۳) والسابع الشركة فى الخارج بعد حصوله لانه ينعقد شركة وفى الا نتهاء فما يقطع هذه الشركة كان مفسداً للعقد (هدايه اخيرين ص ۴۰۹ کتاب المزارعۃ نیز اسی میں ہے۔وان يكون الخارج شائعاً بينما تحقيقاً لمعنى الشركة فان شرطا لا حد هما قفزاناً مسماة فهى باطلة لان به تنقطع الشركة لان الارض عساها لا تخرج الآهذا القدر، وصار كاشتراط دراهم معدودة لاحدهما فى المضاربة(هدايه اخيرين ص ۴۱۰ ايضاً)(والشركة فى الخارج)عند حصوله (فتفسد ان شرط لا حد هما قفزان معينة او ما يخرج من موضع معين ...... لانه وقت لا يخرج الا ذلك (مجمع الا نهر ص ۴۹۸،ص ۵۰۰ ج ۲ ايضاً)

آٹھویں شرط: جو چیز بونا ہو وہ متعین کردے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زمین کا مالک کسی چیز کی کاشت کو اپنی زمین میں پسند نہ کرتا ہو اور پھر بعد میں اختلاف ہو،البتہ اگر مالک زمین مطلقاً اجازت دے دے کہ تم جو چاہو کاشت کرو تو پھر اس کو اختیار ہے کہ جو چیز چاہے بوئے۔والثامن بيان جنس البذر ليصير الاجر معلوماً (هدايه اخيرين ص ۴۰۹)(عين الهدايه ص ۱۰۹ ج ۴) مندرجہ بالا شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے مزارعۃ کا معاملہ کیا جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الھبۃ

زندگی میں مال کی تقسیم عطیہ ہے نہ کہ میراث:

(سوال ۳۵۰) میری اولاد میں ایک لڑکا اور چار لڑکیاں ہیں۔زندگی میں مال تقسیم کرنا ہے۔شرعاً کس قدر دوں؟اگر بعد وفات تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو کس قدر دیا جائے گا؟

(الجواب) وفات کے وقت مذکورہ ورثاء حیات ہوں تو مال کے چھ حصے ہوں گے۔دو حصے لڑکے کو۔اور ہر ایک لڑکی کو ایک ہی حصہ ملے گا۔اگر زندگی ہی میں مال تقسیم کرنے کا ارادہ ہو تو مال کے پانچ حصے کئے جاویں اور لڑکے اور لڑکی کو ایک ایک حصہ برابر دے کر مالک ومختار بنا دیا جائے اور قبضہ کرا دیا جائے۔(حوالہ آگے آرہا ہے۔ازمرتب)

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باپ اپنی حیات میں بیٹے ،بیٹی کو جائیداد ہبہ کرے مگر قبضہ خود کا رکھے تو یہ صحیح ہے؟:

(سوال ۳۵۱) علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ جائیداد،مکان وغیرہ اپنے ورثاء میں اپنے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کو(دونوں بالغ ہیں)با قاعدہ دستاویز کے ساتھ ہبہ کر دیا ہے۔لیکن مرتے دم تک قبضہ و تصرف اسی کا رہا ہے۔مرنے کے بعد دونوں بیٹا،بیٹی جائیداد کی آمدنی اور پیداوار لیتے رہیں۔مگر دوسرے ورثاء جو افریقہ میں ہیں۔کہتے ہیں کہ یہ ہبہ صحیح نہیں ہے۔اور اس میں ہمارا حق ہے۔لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ ہبہ صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہبہ تام اور صحیح ہونے کے لئے قبضہ کامل شرط ہے۔''درمختار''میں ہے''وشرائط صحتها في الموهوب ان يكون مقبوضاً غير مشاع مميزاً غير مشغول (الیٰ) وتتم الهبة.'' (ص ۷۰۰ . ۷۰۲ ج. ۴ کتاب الھبۃ)

لھذا جب کہ مرحوم تاحین وفات جائیداد پر خود ہی قابض ومتصرف رہا ہے۔اور اس کی زندگی میں لڑکا اور لڑکی،کا مالکانہ قبضہ اور تصرف ثابت نہیں ہے۔تو یہ ہبہ معتبر نہیں ہے۔جملہ ورثاء وارث ہیں وہ اپنے حصے لے سکتے ہیں ۔''فتاویٰ مہدویہ''میں ہے۔'' اذا مات الواهب قبل قبض الموهوب له الهبة بطلت . وتكون ميراثا من الواهب كما في متروكاته'' (ص ۵۷۳ ج. ۴)

آپ کے پاس کتاب بہشتی زیور ہوگی۔اس کے کتاب الھبہ میں یہ عبارت ملاحظہ کیجئے۔''اس کی کئی شرطیں ہیں (۱) ایک اس کے حوالے کر دینا اور اس کا قبضہ کر لینا۔اگر تم نے کہا کہ یہ چیزیں میں نے تم کو دے دی۔اس نے کہا ہم نے لے لی۔لیکن ابھی تم نے اس کے حوالے نہیں کیا تو یہ دینا صحیح نہیں ہوا۔ابھی وہ چیزیں تمہاری ہی ملک میں ہیں۔ البتہ اگر اس چیز پر قبضہ کر لیا تو اب قبضہ کرنے کے بعد اس کی ملک بنی،اسی طرح اگر کسی نے ایک مکان دیا تو اپنا سارا مال واسباب نکال کر کے خود بھی اس گھر سے نکل کے دینا چاہئے۔''(ص ۵۱۔۵۲ ج ۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زندگی میں مال کی تقسیم عطیہ ہے نہ کہ میراث:

(سوال ۳۵۲) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنی زندگی اور تندرستی کی حالت میں اپنی جائیداد وغیرہ اپنے ورثہ میں شرعی طور پر تقسیم کر کے ان کو مالک بنانا چاہتی ہے اور اس کام سے زندگی ہی میں سبکدوش ہونا چاہتی ہے، ورثہ میں شوہر، چار لڑکے، اور چار لڑکیاں ہیں صورت مسئولہ میں جائیداد وغیرہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ ہر وارث کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) میراث کی تقسیم کا مسئلہ بعد انتقال جاری ہوتا ہے زندگی میں مال کی تقسیم میراث کی تقسیم نہیں ہے بلکہ ہبہ ہے اور ہبہ (بخشش) کا قاعدہ یہ ہے کہ اولاد کو لڑکا ہو یا لڑکی از روئے حدیث وفقہ سب کو برابر دیا جائے قوله علیه الصلوٰة والسلام فاتقوا الله واعدلوا بین اولادکم (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۱ باب العطایا) اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے رجل له ابن وبنت اراد ان یھب لھما شیئاً فلا فضل ان یجعل للذکر مثل حظ الا نثیین عند محمد وعند ابی یوسف رحمه الله بینھما سواء ھو المختار لو رود الآثار (خلاصة الفتاویٰ ج۴ ص ۴۰۰) درمختار میں ہے وفی الخانیة لا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانھا عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد به الاضرار وان قصده یسوی بینھم یعطی البنت کالا بن عند الثانی وعلیه الفتویٰ (قوله وعلیه الفتویٰ) ای علی قول ابی یوسفؒ من ان التنصیف بین الذکر والا نثیٰ افضل من التثلیث الذی ھو قول محمدؒ (درمختار مع رد المحتار ج۴ ص ۷۰۷ کتاب الھبه)

لہٰذا صورت مسئولہ میں شوہر کو اس کا ربع حصہ (چار آنہ) دے کر باقی مال کے آٹھ حصے ہوں گے اور ہر ایک کو ایک ایک حصہ دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (۱)۔

تاحیات ہبہ کرنے کا حکم:

(سوال ۳۵۳) شادی کے وقت بیوی کو مکان یا کھیت اس طرح ہبہ کر دے کہ تاحیات میرا گھر تیرا یا میرے وارثوں کا، اتفاق سے شوہر کا انتقال ہو گیا اور عورت اپنی پوری زندگی اس سے متمتع ہوتی رہی اگر عورت کا بھی انتقال ہو جائے تو اس مکان یا کھیت کا وارث کون ہوگا؟ شوہر کے ورثاء یا عورت کے ورثاء، بینوا توجروا۔

(الجواب) مکان یا زمین یا کھیت وغیرہ عمر بھر کے لئے زوجہ کو ہبہ کر دینا عمریٰ ہے اور یہ جائز ہے اور واپسی کی شرط باطل ہے لہٰذا تاحیات عورت متمتع ہوگی اور بعد میں اس کے ورثاء مستحق ہوں گے، زوج کے ورثاء واپس نہیں لے سکتے، درمختار میں ہے (جاز العمریٰ) للمعمر له ولو رثته بعده لبطلان الشرط (درمختار مع الشامی ج۴ ص ۷۱۶. کتاب الھبه فصل فی مسائل متفرقة)

---

(۱) حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا فتویٰ صحیح اور مدلل ہے لیکن احقر کے ناقص خیال میں صاحبین کی اقوال میں تطبیق کی ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں موت کی تصور سے پہلے اولاد کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول راجح ہے لان منشاء الحدیث ھو ھذا اور اگر قبیل موت اولاد کو ترکہ کے جھگڑوں سے بچانے کے لئے جائیداد وغیرہ ہبہ کرے تو اس صورت میں امام محمد رحمہ اللہ کا قول راجح ہے، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے بھی شوہر کے معاملہ میں اصول ترکہ کا لحاظ فرمایا ہے۔ واللہ اعلم سعید احمد پالن پوری۔

غایۃ الاوطار میں ہے جاز العمری للمعرلہ ولو رثتہ بعدہ لبطلان الشرط ہبہ بطریق عمری جائز ہے اور موہوب (بخشش کی ہوئی چیز) اس کا مملوک ہے (الی قولہ) عمری بضم اول یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً اپنا گھر دوسرے کو دے کہ

وہ عمر بھر اس میں رہے پھر جب موہوب لہ مرجائے تو واہب یا اسکا وارث اس کو پھیر لے سو اس طرح کے دینے سے موہوب لہ اور اس کے ورثہ مالک ہوجاتے ہیں اور پھر لینے کی شرط باطل ہے (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ج ۳ ص ۵۰۸ کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبۃ)

ملتقی الابحر میں ہے (والعمریٰ جائزۃ) تکون (للمعمر حال حیاته ولو رثته بعده) ای بعد مماته (وهی) العمریٰ (ان یجعل داریٰ) مثلاً (له) ای للمعمر (مدة عمره فاذا مات ردت الیه) ای الی الواهب هکذا فعلوا فی الجاهلیة فابطل الشرع شرط الرد لما قررنا فتبقی لورثة الموهوب له . اور مجمع الانہر میں ہے (والعمری جائزة للمعمر) بفتح المیم الثانیة وهو الموهوب (حال حیاته ولورثته بعده) ای بعد وفاته لقوله علیه الصلوة والسلام من اعمر عمری فهو للمعمرله ولو رثته لان المفهوم منه بطلان الشرط لانه قال علیه الصلوة والسلام ولو رثته کما بیناه فی اول الکتاب (مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر ج ۲ ص ۳۶۶ کتاب الهبة) فقط والله اعلم بالصواب .

کسی لڑکے کو کم اور کسی کو زیادہ دیا اس کا حکم:

(سوال ۳۵۴) ایک شخص ہے اس نے شادی کی اس عورت سے ایک لڑکا ہوا پھر عورت کا انتقال ہوگیا اس کے بعد اس شخص نے مرحومہ کی بہن سے نکاح کیا اس سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، دوسری اہلیہ کا بھی انتقال ہوگیا ہے، پہلی بیوی سے جو لڑکا ہے وہ شادی شدہ ہے اور دوسری بیوی کے سات لڑکے ہیں ان میں سے دو کی شادی ہوچکی ہے اور تین لڑکیوں میں سے دو کی شادی ہوچکی ہے، تمام بھائی مشترکہ طور پر تجارت کرتے ہیں، اس شخص نے اپنے تمام لڑکوں کے رہن سہن کے لئے مکان بنوائے ہیں ان میں کوئی مکان کم قیمت کا ہے اور کوئی زائد قیمت کا، شریعت اس بارے میں کیا حکم دیتی ہے اس طرح کم وبیش قیمت کے مکان دینا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جن بچوں کی شادی نہیں ہوئی ہے ان کو شادی کا خرچ دیا جائے اور جن بچوں کے مکانات کم قیمت کے ہیں ان کو اس کا بدلہ دے دیا جائے اور اگلی بیوی کے لڑکے کو اور دوسری بیوی سے جو لڑکے لڑکیاں ہیں سب کو اپنی ملک میں سے برابر سرابر دیا جائے زندگی کی تقسیم بخشش ہے اور بخشش میں سب اولاد برابر کی مستحق ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باپ کی زندگی میں بعض بچے اپنے حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں:

(سوال ۳۵۵) میرے سات لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں جن میں سے تین لڑکے اور دو لڑکیوں کی شادی ہوچکی ہے اور ان کی شادی کا خرچ میں نے اٹھایا ہے چار لڑکے اور دو لڑکیوں کی شادی باقی ہے، شادی شدہ لڑکوں میں سے دو لڑکے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم کو ہمارا حق دے دو وہ الگ ہونا چاہتے ہیں تو کیا مجھے ان دونوں کا حق ادا کر دینا چاہئے؟ اگر ادا کرنا

ضروری ہے تو کس طرح ادا کروں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جن چار لڑکے اور دو لڑکیوں کی شادی کرنا باقی ہے اگلے بچوں کی شادی کے وقت جتنا خرچ ہوا تھا ان کو اس قدر بطور بخشش دے کر مالک ومختار بنا دیا جائے تا کہ وہ اپنی شادی کی وقت اس کو استعمال کریں، اس کے بعد جو باقی بچے اس کے آپ مالک ہیں جن بچوں کو الگ ہونا ہو وہ الگ ہو سکتے ہیں ان کو آپ سے زبردستی مطالبہ کا حق نہیں ہے اگر آپ ان کو کچھ دیتے ہیں تو سب کو برابر سرابر دیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باپ اپنا حصہ اگر صرف ایک بیٹے کو دے دے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۳۵۶) ایک ہسپتال ہے جس میں باپ اور اس کا ایک بیٹا شریک ہیں، ہسپتال میں جو کچھ خرچہ ہوا ہے وہ لڑکے نے کیا ہے، لڑکا ڈاکٹر ہے اور وہی ہسپتال چلاتا ہے، دس بارہ سال سے لڑکا ہی اپنے والدین اور اپنی دو بہنوں کا خرچہ اٹھا رہا ہے باپ اپنا حصہ اپنی مرضی سے اپنے اس لڑکے کو بطور بخشش دے دینا چاہتا ہے جب کہ اس کے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں اور ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ باپ اپنی دوسری اولاد کو چھوڑ کر صرف ایک لڑکے کو اپنا حصہ دے دے تو یہ فعل جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) باپ اگر اپنا حصہ صرف اپنے اس ایک لڑکے کو جو ڈاکٹر ہے دے گا تو دوسرے پانچ لڑکوں اور دو لڑکیوں اور بیوی کو نقصان پہنچے گا، ان کی حق تلفی ہوگی اس بنا پر وہ گنہگار ہوگا، اپنی تمام اولاد کو ایک نظر سے دیکھنا چاہئے، اور سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا چاہئے اور اپنی بیوی کی حق کا بھی خیال رکھے۔ ایک صحیح حدیث شریف کا مضمون ہے کہ بعض لوگ تمام عمر اطاعت خداوندی میں مشغول رہتے ہیں لیکن موت کے وقت میراث میں وارثوں کو ضرر پہنچاتے ہیں (یعنی بلا وجہ شرعی کسی حصے سے محروم کر دیتے ہیں یا حصہ کم کر دیتے ہیں) ایسے شخصوں کو اللہ تعالیٰ سیدھا دوزخ میں پہنچا دیتا ہے۔ عن ابی هريرة رضى الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الرجل ليعمل والمرأة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضرهما الموت فيضارّان فى الوصية فتجب لهما النار (مفيد الوارثين ص ۱۲) مشكوة شريف ص ۲۶۵ باب الوصايا) دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم فرما دیں گے۔ عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيمة (مفيد الوارثين ص ۸۲) (مشكوة شريف ص ۲۶۶ ايضاً) فقط والله اعلم بالصواب .

اولاد میں ایک بچی غریب گھر میں ہے تو صرف اس کی مدد کرنا کیسا ہے :

(سوال ۳۵۷) زندگی میں جو چیز بچوں کو دی وہ ہبہ ہے اور ہبہ میں برابر کرنا چاہئے ایک شخص نے اپنی ایک لڑکی غریب گھرانہ میں دی اس کے نام چھوٹا سا مکان کر دیں یا مدد کے طور پر کوئی رقم اسے دیتے رہیں تو کیا اولاد میں ناانصافی اور دوسروں کا حق مارا جانا تو نہیں ہوگا؟ دوسرے بچے بچیاں ماشاء اللہ خوش حال ہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) الاعمال بالنیات جب کہ واقعی اس کی نیت دوسرے ورثاء کا حق مارنے اور کم دینے کی نہیں ہے غریب بچی کی مدد کرنا مقصود ہے اور وہ محتاج ہے تو انشاء اللہ گنہگار نہ ہوگا، اور دوسرے ورثاء مانع نہ ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم

بالصواب۔

بچوں کا مال ماں باپ کسی کو نہیں دے سکتے:

(سوال ۳۵۸) ہمارے یہاں (یعنی انگلینڈ، برطانیہ) میں حکومت کی طرف سے چھوٹے بچوں کو وظیفہ دیا جاتا ہے ،اور حکومت کا مقصد ہی بچوں کو دینا ہوتا ہے. بچہ کا باپ اس پر قبضہ کرتا ہے اور موقع بموقع ان پر خرچ کرتا ہے، بچہ کی والدہ اس جمع شدہ رقم سے اپنے کسی عزیز کو امداد کے طور پر دینا چاہتی ہے، بچہ کا باپ اس پر راضی نہیں ہے تو وہ دے سکتی ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا ۔

(الجواب) جب حکومت کا مقصد بچوں ہی کو مال دینا ہو تو وہ مال بچوں کا ہے اور ماں باپ کے پاس امانت ہے وہ مال بچوں ہی کے کام میں استعمال کرنا چاہئے کسی کو دینا جائز نہیں ہے، بچوں کے مال میں ایسا تصرف کرنا جس میں بچوں کا نقصان ہو جائز نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو ان کا مال دے دینے میں بچوں کا نقصان ہے لہذا ماں کو شرعاً یہ حق حاصل نہ ہوگا۔ **ولا یجوز ان یھب شیئاً من مال طفله ولو بعوض (درمختار مع رد المحتار ج۴ ص ۷۰۷، کتاب الھبة ، قبیل باب الرجوع فی الھبة)**

بہشتی زیور آپ کے پاس ہوگی اس میں یہ مسئلہ درج ہے، ملاحظہ فرمالیں۔

مسئلہ۳:۔ جو چیز نابالغ کی ملک ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اسی بچہ ہی کے کام میں لگانا چاہئے کسی کو اپنے کام میں لانا جائز نہیں خود ماں باپ بھی اپنے کام میں نہ لاویں نہ کسی اور بچہ کے کام میں لاویں (بہشتی زیور ص۵۴ ج۵)

مسئلہ۷:۔ جس طرح خود بچہ اپنی چیز کسی کو دے نہیں سکتا اسی طرح باپ کو بھی نابالغ اولاد کی چیز دینے کا اختیار نہیں اگر ماں باپ اس کی چیز کسی کو بالکل دے دیں یا ذرا دیر یا کچھ دن کے لئے اور مانگی دیویں تو اس کا لینا درست نہیں ،البتہ اگر ماں باپ کو نہوت کی وجہ سے نہایت ضرورت ہے وہ چیز کہیں اور سے ان کو نہ مل سکے تو مجبوری اور لاچاری کے وقت اپنی اولاد کی چیز لے لینا درست ہے۔ (بہشتی زیور)

مسئلہ:۔ ماں باپ وغیرہ کو بچہ کا مال کسی کو قرض دینا بھی صحیح نہیں بلکہ خود قرض لینا بھی صحیح نہیں خوب یاد رکھو (بہشتی زیور ص۵۵ پانچواں حصہ، بچوں کو دینے کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مصلحتاً بیٹے کے نام پر مکان خریدنے سے بیٹا اس مکان کا مالک شمار ہوگا یا نہیں :

(سوال ۳۵۹) عبدالقادر نے اپنے پیسوں سے ایک مکان خریدا اور سرکاری قانون سے بچنے کے لئے اس مکان کا دستاویز اپنے ایک بیٹے عبدالرزاق کے نام کا بنوایا، نہ بخشش کرنا مقصود تھا اور نہ خریدنے کے بعد وہ مکان عبدالرزاق کو حوالہ کیا زندگی بھر عبدالقادر ہی اس مکان پر قابض رہے اور وہی اس کا انتظام کرتے رہے اور اس کی آمدنی وہی استعمال کرتے رہے، عبدالقادر کا انتقال ہو گیا وفات کے بعد ان کا بیٹا عبدالرزاق اس مکان پر قابض ہو گیا اور خود کو اس کا مالک بتاتا ہے اور دیگر ورثاء کو اس میں سے حصہ دینے کے لئے صاف انکار کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ مکان میرا ہے، کیا عبدالرزاق کی بات صحیح ہے؟ کسی مصلحت سے باپ اپنے کسی بیٹے کے نام سے جائیداد خریدے تو بیٹا تنہا اس کا مالک بن سکتا ہے؟ یا وہ باپ ہی کی ملک ہو کر تمام وارثوں میں تقسیم ہوگی؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) والد اگر کسی مصلحت سے اپنے کسی بیٹے کے نام سے مکان خرید ے تو وہ بیٹا محض اس کے نام پر خرید نے کی وجہ سے شرعی طور پر اس مکان کا مالک شمار نہ ہوگا۔

امداد الفتاویٰ میں ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین رحمہم اللہ اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اگر اپنے بیٹے عمرو کے نام کسی مصلحت سے بعوض اپنے مال کے کوئی معاش خرید کی جیسا کہ فی زمانا اکثر رائج اور عرف میں بنام اسم فرضی مشہور ہے تو آیا وہ معاش زید کی ملک ہوگی یا عمرو کی اور زید کو اس میں اختیار نقل وتصرف مثل بیع وہبہ وغیرہ کا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رکن بیع کا ایجاب وقبول ہے جن کے درمیان ایجاب وقبول ہوا مبیع اسی کی ملک ہوگی، پس زید نے اگر چہ بمصلحت اپنے بیٹے کے نام سے معاش خرید کی زید ہی کی ملک ہوگی نظیر اس کی بیع تلجیہ ہے کہ دو شخص کسی وجہ سے بیع ظاہر کریں اور مقصود بیع نہ ہو، سو وہ مفید ملک نہیں ہوتی تو جس کے ساتھ ایجاب وقبول تک نہ ہوا اور نہ اس کے ہاتھ بیچنے کا مقصد ہے نہ اس کے لئے مشتری کا خرید نے کا قصد ہے اس کی ملک کیونکر ہو سکتی ہے؟ **فی الدر المختار وبیع التلجیة وهو ان یظهر اعقداً وهما لا یرید انه...... لخوف عدو وهو لیس ببیع فی الحقیقة بل کالهزل** ...... پس مشتری ہی کی ملک ہوگی اور اس کو تصرفات مالکانہ جائز ہوں گے تا وقتیکہ کوئی سبب صحیح موجب انتقال ملک جس سے عمر کی ملک ہو جائے نہ پایا جاوے...... الخ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۷، کتاب البیوع، مطبوعہ پاکستان)

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر عبدالرزاق انتقال ملک کا کوئی صحیح سبب شرعی ثبوت کے ساتھ پیش نہ کر سکے تو محض اس کے نام پر مکان خرید نے کی وجہ سے عبدالرزاق تنہا اس مکان کا مالک نہیں بن سکتا، یہ مکان مرحوم عبدالقادر ہی کا ہوگا اور ان کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام ورثاء میں شریعت کے مطابق تقسیم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

والدہ نے بڑے بیٹے کو کھلی زمین دی تو کیا حکم ہے:

(سوال ۳۶۰) ایک خاتون اپنے سات بیٹوں کے ساتھ ایک مکان میں رہتی تھیں بیٹے جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے مکان میں تنگی ہونے لگی، شادی کے بعد اور بھی تنگی ہوگئی تو والدہ نے تنگی کی وجہ سے اپنے بڑے بیٹے کو اپنی ذاتی ایک کھلی زمین دی، بڑے بیٹے نے اس جگہ قابل رہائش مکان بنایا اور وہیں سکونت اختیار کرلی، والدہ کا ابھی ابھی انتقال ہو گیا ہے والدہ نے اپنے بڑے بیٹے کو جو زمین دی تھی اس میں دوسرے وارثوں کا حق لگے گا یا نہیں؟ نیز والدہ کا اپنا جو ذاتی مکان ہے اس میں بڑے بیٹے کا وراثۃً حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) والدہ نے اپنے بڑے بیٹے کو کھلی زمین بطور ہبہ (بخشش) دی تھی یا عاریۃً یعنی صرف استعمال کے لئے دی تھی، سوال میں اس کی وضاحت نہیں ہے، اگر شرعی طریقہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ والدہ نے اپنے بڑے بیٹے کو کھلی زمین ہبہ (بخشش) کی طور پر دی تھی اور اس زمین پر بڑے بیٹے کا مکمل قبضہ بھی کرا دیا تھا تو ہبہ تام ہوگا اور اس زمین کا مالک بڑا بیٹا ہوگا اور اس صورت میں دوسرے وارثوں کا اس میں حصہ نہ لگے گا، اگر زمین ہبہ (بخشش) کے طور پر دی ہو تو والدہ کے لئے مناسب یہ تھا کہ اپنی تمام اولاد میں برابری کا معاملہ کرتے ہوئے دیگر بچوں کو بھی اسی طرح زمیں

بخشش کرتیں (فتاوی رحیمیہ ص ۱۴۵ ج ۶) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں زندگی میں مال، کی تقسیم عطیہ ہے نہ کہ یہ میراث الخ کے عنوان سے دیکھئے۔ از مرتب) مگر اب تو والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اس لئے دوسرے بیٹوں (وارثوں) کو چاہئے کہ والدہ نے جو کچھ کیا ہے اس پر راضی رہیں۔

اور اگر یہ بات ثابت ہو کہ والدہ نے کھلی زمین عاریۃً دی تھی، مالک بنا کر نہیں دی تھی تو اس صورت میں بڑا بیٹا تنہا مالک نہ ہوگا دیگر وارثوں کا بھی اس میں حق لگے گا۔

والدہ مرحوم کا جو پرانا ذاتی مکان ہے اس میں سب وارثوں کا حق ہے بڑا بیٹا بھی حق دار ہے، اگر زمین ہبہ (بخشش) کے طور پر دی ہو تب بھی وہ حق دار ہے اس بخشش کی وجہ سے بڑے بیٹے کا حق وارثت ختم نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قابل تقسیم مکان میں سے قبل از تقسیم اپنا حصہ ہبہ کرنا

(سوال ۱۳۶۱) واضح ہو کہ دو مکان ہیں ان دونوں مکانوں میں دو بھائی اور دو بہن ورثۃً حق دار ہیں، دونوں بہنوں نے دونوں مکانوں کا اپنا اپنا حصہ دونوں بھائیوں کو ہبہ کیا، ہبہ کے کچھ مدت کے بعد ایک مکان کو دونوں بھائیوں نے آدھا آدھا تقسیم کر کے ہر بھائی نے اپنے اپنے حصہ پر قبضہ کرلیا اور ہر ایک نے اپنی ضرورت کے مطابق اس میں کچھ تعمیری کام کیا ہے۔ دوسرا مکان بڑا ہے مگر اس میں باقاعدہ حصے تقسیم نہیں ہوئے اور ابھی تک وہ مکان غیر منقسم ہے، ہبہ کئے ہوئے دس بارہ سال کا عرصہ گذر گیا ہے آج عرصۂ دراز کے بعد دونوں بہنوں نے اپنا اپنا وہ حصہ جو ہم دونوں بھائیوں کو ہبہ کیا تھا میری لاعلمی میں صرف ایک بھائی کے نام کر دیا، اس سے مجھے بہت قلبی تکلیف پہنچی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں ہبہ کر کے واپس لینا کیسا ہے؟ ہبہ نام باقاعدہ رجسٹرڈ ہے امید ہے کہ مدلل جواب مرحمت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) جو چیز مشترک ہو اور قابل تقسیم ہو (یعنی تقسیم کے بعد قابل انتفاع رہتی ہو) اس میں کوئی حصہ دار اپنا حصہ کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو وہ ہبہ اس وقت تام ہوتا ہے جب وہ مشترک چیز تقسیم کر کے اپنا حصہ الگ کر لے اور وہ حصہ موہوب لہ کے قبضہ میں دے دے اگر مشترک چیز کو تقسیم کئے بغیر کسی نے اپنا حصہ ہبہ کیا اور واہب کے انتقال تک وہ مشترک ہی رہا تو وہ ہبہ تام نہ ہوگا اور موہوب لہٗ اس حصہ کا مالک نہ ہوگا خواہ اپنے شریک ہی کو ہبہ کیا ہو وہ چیز واہب ہی کی ملک میں رہے گی، یہی ظاہر الروایۃ ہے۔

ہدایہ آخرین میں ہے۔ **ولا یجوز فیما یقسم الا محوذة مقسومة وھبة المشاع فیما لا یقسم جائز. الیٰ قوله. ولنا ان القبض منصوص علیه فی الھبة فیشترط کما له والمشاع لا یقبله الی. ولھذا امتنع جوازه قبل القبض کیلا یلزمه التسلیم ...... ولو وھب من شریکه لا یجوز لان الحکم یدار علی نفس الشیوع قال ومن وھب شقصاً مشاعاً فالھبة فاسدة لما ذکرنا فان قسمه وسلمه جاز لان تمامه بالقبض وعند القبض لا شیوع(ھدایه اخیرین ص ۲۶۹ کتاب الھبة)**

بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ:۔ اگر کسی کو آدھی یا تہائی یا چوتھائی چیز دو، پوری چیز نہ دو تو اس کا حکم یہ ہے کہ

دیکھو وہ کس قسم کی چیز ہے آدھی بانٹ دینے کے بعد بھی کام کی رہے گی یا نہ رہے گی، اگر بانٹ دینے کے بعد اس کام کی نہ رہے جیسے چکی کہ اگر بیچوں بیچ سے توڑ کے دے دو تو پسنے کے کام کی نہ رہے گی، اور جیسے چوکی پلنگ، لوٹا، کٹورہ، پیالہ، صندوق، جانور وغیرہ ایسی چیزوں کو بغیر تقسیم کئے بھی آدھی تہائی جو کچھ دینا منظور ہو دینا جائز ہے اگر وہ قبضہ کرے تو جتنا حصہ تم نے دیا ہے اس کی مالک بن گئی اور وہ چیز ساجھے میں ہوگئی، اور اگر وہ چیز ایسی ہے کہ تقسیم کرنے کے بعد بھی کام کی رہے گی جیسے زمین، گھر، کپڑے کا تھان، جلانے کی لکڑی، اناج غلہ، دودھ، دہی وغیرہ تو بغیر تقسیم کئے ان کا دینا صحیح نہیں ہے، اگر تم نے کسی سے کہا: ہم نے اس برتن کا آدھا گھی تم کو دے دیا وہ کہے کہ ہم نے لے لیا تو یہ دینا صحیح نہیں ہوا بلکہ اگر وہ برتن پر قبضہ بھی کر لے تب بھی اس کی مالک نہیں ہوئی ابھی سارا گھی تمہارا ہی ہے ہاں اس کے بعد اگر اس میں کا آدھا گھی الگ کر کے اس کے حوالہ کر دو تو اب البتہ اس کی مالک ہو جائے گی، (بہشتی زیور ص ۵۲، ۵۳ پانچواں حصہ، ہبہ کا بیان)

صورت مسئولہ میں دونوں بہنوں کا دونوں مکانوں میں جو حصہ تھا مکانوں کی تقسیم اور حصوں کی تعیین کے بغیر انہوں نے اپنا اپنا حصہ اپنے دونوں بھائیوں کو ہبہ کیا اور اس کے بعد ایک مکان کو دونوں بھائیوں نے آپس میں تقسیم کر کے اپنے اپنے حصہ پر قبضہ کر لیا اگر یہ تقسیم اور قبضہ بہنوں کی اجازت سے ہوا ہو تو اس مکان میں ہبہ تام ہو جائے گا اور دونوں بھائی اپنے اپنے حصے کے مالک شمار ہوں گے، بہنوں کا رجوع اس مکان میں صحیح نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے (لا) تتم بالقبض (فیما یقسم ولو) وھبہ (لشریکہ) اولا جنبی لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب ...... (فان قسمہ' وسلمہ' صح) لزوال المانع۔ شامی میں ہے (قولہ فان قسمہ') ای الواھب بنفسہ او نائبہ او امر الموھوب لہ بان یقسم مع شریکہ کل ذلک تتم بہ الھبۃ کما ھو ظاھر لمن عندہ ادنی فقہ (درمختار و شامی ص ۷۰۳ ج۴، کتاب الھبہ) شامی میں ایک موقع پر تحریر فرمایا ہے۔ کما وقع الا ختلاف فی ھبۃ المشاع المحتمل للقسمۃ ھل ھی فاسدۃ او غیر تامۃ والا صح کما فی البنایۃ انھا غیر تامۃ (شامی ص ۷۰۲ ج۴ ایضاً، تحت قولہ منع تمامھا)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ھبۃ المشاع فیما یحتمل القسمۃ من رجلین او من جماعۃ صحیحۃ عندھما وفاسدۃ عند الامام ولیست بباطلۃ حتی تفید الملک بالقبض کذا فی جواھر الاخلاطی۔ ذکر الصدر الشھید اذا وھب من رجلین ما یحتمل القسمۃ حتی فسدت الھبۃ عندہ ثم قبضھا یثبت الملک ملکاً فاسداً قال وبہ یفتی کذا فی الفتاویٰ العتابیۃ، لا یثبت الملک للموھوب لہ الا با لقبض ھو المختار ھکذآ فی الفصول العمادیۃ (فتاویٰ عالمگیریہ ص ۳۰ ۲ ج۵، کتاب الھبۃ)

درر المنتقی میں ہے:۔ (وتتم بالقبض ...... الکامل) ...... فان قبض فی المجلس بالا ذن صح وبعدہ لا بد من الاذن) والحاصل انہ اذا اذن بالقبض صریحاً صح قبضہ فی المجلس وبعدہ ولو نھاہ لم یصح قبضہ لا فی المجلس ولا بعدہ' لان الصریح اقویٰ من الدلا لۃ، ولو لم یأذن ولم ینہ صح

قبضہ فی المجلس لابعدہ' (درمختار المنتقی ، شرح الملتقیٰ علی ھامش مجمع الانھر ص ۳۵۳،ص ۳۵۴ ایضاً جلد دوم)(امداد الفتاویٰ ص ۳۹۸ ج۳)(کفایت المفتی ص ۲۷ ا ج۸)

دوسرا مکان جو ابھی تک مشترک ہے حصوں کی تقسیم نہیں ہوئی اور تقسیم سے پہلے بہنوں نے ہبہ سے رجوع کر کے اپنا حصہ صرف ایک بھائی کو ہبہ کیا چونکہ اس مکان میں بوجہ شیوعی (تقسیم نہ ہونے کے سبب) ہبہ تام نہ ہوا تھا،لہذا وہ حصہ بھائی کی ملک میں داخل ہی نہ ہوا بہنوں ہی کی ملک میں تھا،لہذا اگر بہنیں ہبہ سے رجوع کر کے اپنا اپنا حصہ صرف ایک بھائی کو ہبہ کردیں تو ان کو اس بات کا اختیار ہے وہ رجوع کر سکتی ہیں،البتہ اگر وہ اپنے وعدے پر قائم رہتیں اور ہبہ تام کے مطابق عمل کرتیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا،صلہ رحمی بھی ہوتی،لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ بہنوں کا صرف ایک بھائی کو اپنا اپنا حصہ ہبہ کرنا اسی وقت تام ہوگا جب کہ تمام وارثوں کے حصے تقسیم ہو جائیں اور پھر دونوں بہنیں اپنا اپنا حصہ جس بھائی کو دینا چاہیں دیں اور بھائی کا قبضہ بھی کرادیں۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ لا تصح ھبة المشاع الذی یحتمل القسمة کالدار والارض..... وکمالا تصح ھبته من الا جنبی لا تصح من الشریک کما فی اغلب الکتب ولا عبرة بمن شذ بمخالفتھم ولا تفید الملک فی ظاھر الروایة قال الزیلعی ولو سلمه شائعاً لا یملکه حتی لا ینفذ تصرفه فیه فیکون مضموماً علیه وینفذ فه تصرف الواھب ذکرہ الطحاوی وقاضی خان وروی ابن رستم مثله ، وذکر عصام انھا تفید الملک وبه اخذ بعض المشائخ انتھی ومع افادتھا للملک عند ھذا البعض اجمع الکل علیٰ ان للواھب استردادھا ومن الموھوب له ولو کان ذارحم محرم من الواھب ..... الخ (فتاویٰ خیریه ص ۱۱۲ ج ۲ کتاب الھبة)(شامی ص ۷۰۳،ص ۷۰۴ ج ۴ تحت قوله ولو سلمه شائعاً) فقط واللہ اعلم بالصواب .

غیر منقسم مکان میں سے چچا نے اپنا حصہ بھتیجہ کو ہبہ کیا،اس کا حکم:

(سوال ۳۶۲)ہمارے مرحوم چچا کی شادی نہیں ہوئی تھی،ہمارے مرحوم دادا کا ایک بڑا مکان تھا ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں ہمارے مرحوم دادا کا مکان ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوا تھا،اس مشترکہ مکان میں ہمارے چچا کو جو حصہ تھا وہ حصہ انہوں نے مجھے ہبہ کر دیا تھا،ہمارے چچا کا انتقال ہو گیا ہے مکان ابھی تک وارثوں میں تقسیم نہیں ہوا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مرحوم چچا نے اپنا حصہ بخشش کیا ہے یہ بخشش صحیح ہے یا نہیں، میں تنہا ان کے حصہ کا حق دار ہوں؟ یا ان کے سب وارثوں کا اس میں حق ہے؟ ان کے وارثوں میں تین بھتیجے چار بھتیجیاں اور بھانجے بھانجیاں ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب)صورت مسئولہ میں آپ کے مرحوم چچا نے غیر منقسم مکان میں سے اپنا حصہ آپ کو ہبہ کیا ہے وہ ہبہ صحیح نہیں ہے،آپ تنہا اس کے مالک نہیں ہیں۔

جو چیز مشترک ہو اور قابل تقسیم ہو اس میں کوئی حصہ دار اپنا حصہ کسی کو ہبہ (بخشش) کرے تو ہبہ اس وقت تام ہوتا ہے جب کہ وہ چیز تقسیم کر کے اپنا حصہ الگ کر لے اور پھر قبضہ کے ساتھ ہبہ کر دے۔ ہدایہ اخیرین میں ہے۔ولا

یجوز فیما یقسم الا محوذۃ مقسومۃ .الی قولہ. ومن وھب شقصاً مشاعاً فالھبۃ فاسدۃ لما ذکرنا فان قسمہ' وسلمہ' جاز لان تمامہ بالقبض وعند القبض لا شیوع(ہدایہ اخیرین ص ۲۶۹ کتاب الھبیۃ)(درمختار ورد المحتار ص ۷۰۳ ج۴، کتاب الھبۃ)(بہشتی زیور ص ۵۲،ص ۵۳ حصہ پنجم)

فتاویٰ ''خیریہ'' میں ہے: لا تصح ھبۃ المشاع الذی یحتمل القسمۃ کالدار والارض . الی قولہ . ولا تفید الملک فی ظاھرا لروایۃ قال الزیلعی ولو سلمہ' شائعاً لا یملکہ حتی لا ینفذ تصریفہ فیہ فیکون مضموناً علیہ وینفذ فیہ تصرف الواھب ، ذکرہ الطحاوی وقاضی خان (فتاویٰ خیریہ ص ۱۱۲ ج ۲ کتب الھبۃ)

صورت مسئولہ میں آپ کے چچا کا انتقال ہوگیا ہے،اب اس کے تام ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے،لہذا اس کے تمام شرعی وارثوں میں تقسیم ہوگا، وارثوں میں تین بھتیجے، چار بھتیجیاں، بھانجے، بھانجیاں ہیں ان کے حصہ کے تین سہام ہوکر ہر بھتیجہ کو ایک ایک حصہ ملیگا بھتیجیاں بھانجے بھانجیاں محروم ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا فقط واللہ اعلم بالصواب۔

والد نے ایک بیٹے کو مشین دوسرے کو رکشہ دلوایا ان دونوں کی آمدنی کا مالک کون ہوگا :

(سوال ۳۱۳) میرے والد نے مجھے کپڑے سینے کی ایک مشین دلوائی اور کہا کہ تم اس کے مالک ہو اب تم جانو اور تمہارا کام جانے، مجھ سے جتنا ہوسکتا ہے کر دیا، اب چاہے تم اس سے اپنا مستقبل بناؤ یا بگاڑو، اسی طرح میرے بھائی کو ایک رکشہ دلوادیا اور اس سے بھی اسی طرح کہا ہم دونوں اپنی اپنی چیز کے ذریعہ کام کرتے رہے اور ماہانہ خرچ ہم دونوں بھائی گھر میں دیتے تھے،بقیہ پیسے ہر ایک اپنے پاس رکھتا،اللہ نے میرے کام میں بہت برکت دی ،اس کی آمدنی سے میں نے اپنی شادی کا خرچہ کیا اور اسی میں سے میں سعودیہ عربیہ گیا،اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے بہت برکت دی ہے،اس درمیان ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، میں نے جو کچھ کمایا ہے اس میں میرے والد صاحب کے وارثوں یعنی میری والدہ اور میرے بھائی بہن کا حق لگے گا یا نہیں؟ یا وہ آمدنی صرف میری ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)صورت مسئولہ میں آپ کے والد نے مشین آپ کو تملیکاً دے دی،اوراس کے قرائن بھی موجود ہیں،اسی طرح انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے کو رکشہ دلوادیا اوراس کو بھی مالک بنادیا اور آپ دونوں بھائی اپنی اپنی آمدنی اپنے پاس رکھتے تھے صرف ماہانہ خرچ دیتے تھے تو اس صورت میں آپ نے اور آپ کے بھائی نے جو کچھ آمدنی حاصل کی اس کے آپ اور آپ کے بھائی مالک ہیں،آپ کی آمدنی میں دوسروں کا حق نہیں البتہ والدین کی خدمت اور وہ نادار ہوں تو ان کا نفقہ آپ دونوں پر لازم ہے ان کا پورا خیال رکھیں۔

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے۔

(سوال)ایک شخص نے اپنی ذاتی رقم سے اپنے لڑکوں کو تجارت کا سلسلہ شروع کرادیا اور چند سال کے بعد اس شخص نے وہ کل رقم واسطے ضروریات شادی ان ہی لڑکوں کے ان سے واپس لے کر ان کی شادی میں صرف کر دی اور رقم کا منافع انہیں لڑکوں کے پاس واسطے قائم رکھنے تجارت کے چھوڑ دیا، وہ لڑکے آج تک اسی منافع کی رقم سے معقول

کاروبار کر رہے ہیں اور اس وقت تجارت عمدہ پیمانہ پر ہے تو اس شخص کو اس تجارت میں کوئی حق پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور وہ شخص تجارت میں عند اللہ شریک سمجھا جاوے گا یا نہیں؟ اور اگر وہ شخص تجارت میں سے کچھ طلب کرے تو اس کا یہ مطالبہ شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) والد نے جو مال اپنے لڑکوں کو دیا تھا اگر صراحۃً ان کی ملک کر دیا تھا، یا اس کے قرائن موجود تھے کہ بطور تملیک دیا ہے تب تو وہ مال ان لڑکوں کی ملک ہے اور اس کا سارا نفع بھی انہیں کی ملک ہے اصل رأس المال جو واپس لیا گیا ہے وہ بھی ان کا تبرع تھا باپ کو بحیثیت شرکت ان سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں ہوسکتا، البتہ باعتبار اولاد ہونے کے ان کے ذمہ واجب ہے کہ اگر والدین محتاج ہوں تو ان کے خرچ کا تکفل کرے اور اس حیثیت سے والدین کو بھی بوقت حاجت جبر کرنے کا حق حاصل نہیں...... الیٰ قولہ. والدلیل ماقلنا اولا ما فی الشامی من کتاب الھبۃ ص ۷۰۸ ج ۴، ولو دفع الیٰ ابنہ مالاً فتصرف فیہ الا بن یکون للابن اذا دلت دلالۃ علی التملیک الخ.

کتبہ (مولانا مفتی) محمد شفیع عفا اللہ عنہ.

الجواب صحیح: بندہ (مولانا محدث) اصغر حسین عفا اللہ عنہ (فتاویٰ دار العلوم قدیم ص ۲۲۹، ص ۲۳۰ ج ۵، ۶) فقط واللہ اعلم بالصواب.

تمام ورثاء متفق ہوکر پورا موروثی مکان ایک وارث کو ہبہ کردیں تو ہبہ صحیح ہوگا یا نہیں :

(سوال ۳۶۴) ہمارے مرحوم نانا کا ایک مکان ہے ان کے وارثوں میں صرف ان کی دو بیٹیاں ہیں، دونوں صاحب اولاد ہیں اور وہ سب ماشاء اللہ صاحب مال ہیں مرحوم کی دونوں بیٹیوں کا بھی انتقال ہوگیا اب ان کی اولاد ہمارے نانا کے مکان کے وارث ہیں، ان کے وارثوں نے یعنی میری خالہ زاد بھائی بہنوں اور میرے حقیقی بھائی بہنوں نے متفقہ طور پر اپنا اپنا وراثتی حق جو اس مکان میں ہے مجھے بخشش کر دیا اور اس مکان پر میں نے قبضہ بھی کر لیا ہے، البتہ انہوں نے ہبہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ تم یہ مکان نہ کسی کو بیچ سکتے ہو نہ کسی کو رہن کے طور پر دے سکتے ہو تو مذکورہ شرط کی وجہ سے یہ ہبہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ہبہ صحیح ہے مکان پر آپ کا قبضہ بھی کرا دیا ہے لہذا آپ شرعاً اس مکان کے مالک ہیں۔

ہدایہ اخیرین میں ہے: واذا وھب اثنان من واحد داراً جاز لانھما سلما ھا جملۃً وھو قد قبضھا جملۃً فلا شیوع (ہدایہ اخیرین ص ۲۷۲ کتاب الھبۃ)

آپ کے نانا کے وارثوں نے ہبہ میں یہ شرط لگائی ہے اس کی وجہ سے ہبہ فاسد نہ ہوگا، ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔

ہدایہ اخیرین میں ہے: والھبۃ لا تبطل بالشروط الفاسدۃ وھذا ھو الحکم فی النکاح والخلع والصلح عن دم العمدۃ لانھا لا تبطل بالشروط الفاسدۃ بخلاف البیع والاجارۃ والرھن لانھا تبطل بھا (ہدایہ اخیرین ص ۲۷۵ کتاب الھبۃ)

نیز ہدایہ میں ہے: الہبة والصدقة والنکاح والخلع والصلح عن دم العمد لا تبطل باستثناء الحمل بل یبطل الا ستثناء لان هذه العقود لا تبطل بالشروط الفاسدة (هدایه اخیرین ص ۴۴ باب البیع الفاسد) فقط والله اعلم بالصواب .

مشترک تجارت میں سے دس فیصد حصہ بیٹے کو ہبہ کرنے سے ہبہ صحیح ہوگا یا نہیں :

(سوال ۳۶۵) ایک مشترکہ کاروبار ہے اس میں محمد اقبال کا پچیس فیصد حصہ ہے، ۱۰ جولائی ۱۹۸۳ء کے روز محمد اقبال کا انتقال ہوگیا، مرحوم نے اپنی زندگی میں کاروبار کے اپنے پچیس فیصد حصہ میں دس فیصد حصہ تھا، مرحوم کے انتقال کے بعد پندرہ فیصد حصہ ان کی اہلیہ کے نام مصلحتاً کردیا گیا، مرحوم کے وارثوں میں ان کی اہلیہ ایک بیٹا محمد عثمان اور چھ بیٹیاں ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ۔

(۱) مرحوم نے اپنے ۲۵٪ حصہ میں سے جو ۱۰٪ حصہ اپنے بیٹے محمد عثمان کو ہبہ کیا، اس میں مرحوم کے دوسرے وارثوں کا حق ہے یا نہیں؟ یا تنہا محمد عثمان اس ۱۰٪ حصہ کے حق دار ہیں؟

(۲) مرحوم کا ۱۵٪ حصہ ان کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ کے نام کیا گیا، اس میں مرحوم کے بیٹے محمد عثمان اور بیٹیوں کا حق ہے یا نہیں؟

مرحوم کا ترکہ ان کے وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) والد اگر اپنی زندگی میں اپنی کسی اولاد کو کوئی چیز ہبہ کریں اور اپنی دوسری اولاد کو کچھ نہ دیں تو یہ عمل نامناسب ہے، حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اولاد ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہیں، لہٰذا اگر بخشش کرنا ہو تو اپنے بچوں کو بیٹے ہوں یا بیٹیاں سب کو برابر دیا جائے بلاوجہ شرعی کمی بیشی نہ کی جائے۔

حدیث میں ہے: عن النعمان بن بشیر ان اباه اتی به الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال انی نحلت ابنی هذا غلاماً فقال اکل ولدک نحلت مثله قال لا قال فارجعه ...... وفی روایة ...... قال اعطیت سائر ولدک مثل هذا قال لا قال فاتقوا الله واعد لوا بین اولادکم قال فرجع فرد عطیته الخ (مشکوة شریف ص ۲۶۰، ص ۲۶۱ تحت باب العطایا)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد ان کو حضور ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنی ہر اولاد کو ایسا ہی دیا ہے؟ جواب دیا نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس سے رجوع کرلو۔ اور ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو اسی طرح دیا ہے؟ عرض کیا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں برابری کرو۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت بشیرؓ واپس آئے اور جو بخشش کیا تھا وہ واپس لے لیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بعض اولاد کو دینا اور بعض کو نہ دینا پسندیدہ نہیں ہے۔

التعلیق الصبیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ہے: قال النووی فیه استحباب التسویة بین الا ولاد فی الهبة فلا یفضل بعضهم دون بعض ، فمذهب الشافعیؒ ومالک وابی حنیفة رحمهم الله تعالیٰ انه

مکروہ ولیس بحرام والھبۃ صحیحۃ .الی قولہ. وفی شرح السنۃ فی الحدیث استحباب السویۃ بین الا ولاد فی النحل وفی غیر ھا من انواع البر حتی فی القبلۃ ولو فعل خلاف ذلک نفذ وقد فضل ابوبکر عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما با حد وعشرین وسقاً نحلھا ایاھا دون سائر اولادہ وفضل عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصماً فی عطائہ وفضل عبد الرحمن بن عوف ولدام کلثوم قال القاضی رحمہ اللہ تعالیٰ وقرر ذلک ولم ینکر علیھم فیکون اجماعاً (التعلیق الصبیح ص ۳۸۰ ج ۳)

صورت مسئولہ میں مرحوم محمد اقبال نے اپنے بیٹے محمد عثمان کو اپنے ۲۵٪ حصے میں سے ۱۰٪ حصہ ہبہ کیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ حقیقۃً ہبہ کرنا تھا یا صرف ظاہراً، اگر انکم ٹیکس سے بچنے یا کسی اور مصلحت سے ہبہ کیا، حقیقت میں ہبہ کرنے کا ارادہ نہیں تھا اور تمام ورثہ اس پر متفق ہوں تو ایسی صورت میں ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر ہبہ اور بخشش ہی کے ارادہ سے دیا ہو تو یہ "ھبۃ مشاع فیما یقسم" ہے یعنی ایسی چیز کا ہبہ ہے جو مشترک اور قابل تقسیم ہے اور ہبہ مشاع فیما یقسم اس وقت تام اور مکمل ہوتا ہے جب اس کو تقسیم کر کے شئی موہوب کو علیحدہ کر لیا جائے اور موہوب لہٗ کے قبضہ میں دے دی جائے، اگر تقسیم کئے بغیر ہبہ کر دیا اور بعد میں بھی تقسیم کر کے قبضہ نہیں کرایا تو وہ ہبہ تام نہیں ہوگا او موہوب لہ اس چیز کا مالک نہیں بنے گا بلکہ واہب ہی اس کا مالک رہے گا، ہدایہ اخیرین میں ہے: ولا یجوز فیما یقسم الا محوذۃً مقسومۃ...... قال ومن وھب شقصاً مشاعاً فالھبۃ فاسدۃ لما ذکرنا فان قسمہ وسلمہ جاز لان تمامہ بالقبض وعند القبض لا شیوع (ھدایہ اخیرین ص ۲۶۹ کتاب الھبۃ) فتاویٰ خیریہ میں ہے: لا تصح ھبۃ المشاع الذی یحتمل القسمۃ کالدار والارض ...... ولا تفید الملک فی ظاھر الروایۃ، قال الزیلعی ولو سلمہ شائعاً لایملکہ حتی لا ینفذ تصرفہ فیہ فیکون مضمونا علیہ وینفذ تصرف الواھب ذکرہ الطحاوی وقاضی خان (فتاویٰ خیریہ ج ۲ ص ۱۱۲ کتاب الھبۃ) (بھشتی زیور ص ۵۲، ۵۳ پانچواں حصہ، ھبہ کا بیان) (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۹۸ مطبوعہ کراچی) (کفایت المفتی ج ۸ ص ۱۷۳، نیز ج ۸ ص ۱۷۴) (فتاویٰ محمودیہ ج ۵ ص ۳۳، ج ۵ ص ۴۳)

بنابریں صورت مسئولہ میں اگر مرحوم نے ہبہ ہی کے ارادہ ۲۵٪ حصہ میں سے ۱۰٪ حصہ اپنے بیٹے محمد عثمان کو ہبہ کیا اگر مندرجہ بالا طریقہ کے مطابق حصہ علیحدہ کر کے محمد عثمان کے قبضہ میں دے دیا ہو تو ہبہ صحیح ہوگا۔ اور اگر ۱۰٪ حصہ الگ کر کے اس پر محمد عثمان کا قبضہ نہیں کرایا صرف کاغذ یا اسٹیمپ پر لکھ دیا کہ میں اپنے ۲۵ حصہ میں سے ۱۰٪ حصہ اپنے بیٹے محمد عثمان کو بخشش (ہبہ) کرتا ہوں اور بعد میں بھی ۱۰٪ علیحدہ کر کے اس کے قبضہ میں نہیں دیا تو اس صورت میں ہبہ تام نہ ہوگا اور اس حصہ کے مالک مرحوم محمد اقبال ہی رہیں گے اور مرحوم کے تمام وارثوں کا اس میں حق ہوگا، البتہ اگر مرحوم کے تمام ورثہ بالغ اور موجود ہوں اور وہ اپنی مرضی سے ۱۰٪ حصہ محمد عثمان کو دینے کے لئے تیار ہوں تو دے سکتے ہیں

مرحوم محمد اقبال کے انتقال کے بعد ان کا جو حصہ ان کی اہلیہ کے نام کیا گیا ان کی اہلیہ تنہا اس حصہ کی مالک نہیں ہوں گی مرحوم محمد اقبال کے سب بیٹے بیٹیوں کا بھی اس میں حق ہے۔

حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد مرحوم محمد اقبال کے ترکہ کے ۶۴ سہام ہونگے اس میں ان کی اہلیہ کو ۸ سہام ان کے بیٹے محمد عثمان کو ۱۴ سہام، اور چھ بیٹیوں میں سے ہر بیٹی کو ۷، ۷ سہام ملیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

ہدیہ میں دی ہوئی چیز ہدیہ دینے والے کے پاس واپس آئے تو کیا کرے :

(سوال ۳۶۶) ایک شخص نے دوسرے کو تحفۃً کچھ رقم دی کچھ عرصہ کے بعد یہ شخص کسی مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا، اب اس کے ورثاء میں بھی کوئی شخص نہیں اس لئے تحفے کی وہ رقم تحفہ دینے والے شخص کے پاس واپس آئی تو یہ شخص اس رقم کو خود اپنے حج بدل میں جانے والے کو اس حج بدل کے سلسلہ میں خرچ کرنے کے لئے دے سکتا ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

(الجواب) جب کہ تحفہ کی رقم پر مرحوم کا قبضہ ہو گیا تھا تو وہ اس کی ملک میں داخل ہو گئی، اب اس کے بعد تجہیز و تکفین اور اداء دین و وصیت سے بچ جائے تو اس کے حق دار مرحوم کے ورثاء ہیں اگر ورثاء میں بھی کوئی نہ ہو تو اس کے ایصال ثواب کے لئے غرباء کو دے دی جائے، اگر تحفہ میں دی ہوئی چیز جائز طریقہ سے واپس آئے تو اسے کام میں لیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب، ۲۰ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ۔

چھوٹے موروثی مکان میں اپنا حصہ دوسرے ورثاء کو ہبہ کرنا:

(سوال ۳۶۷) خالد اور حامد دو بھائی ہیں، دونوں صاحب اولاد ہیں اور دونوں کی اولاد عاقل اور شادی شدہ ہیں، ان دونوں بھائیوں کو ایک چھوٹا سا مکان اپنے والد مرحوم سے ترکہ میں ملا تھا وہ دونوں اس مکان میں رہتے تھے بعد میں حامد الگ رہنے لگے، فی الحال خالد اور حامد دونوں کا انتقال ہو چکا ہے اس موروثی مکان میں اب دونوں بھائیوں کی اولاد کا حق ہے حامد کے تمام بچے پوری خوش دلی سے اس مکان کا اپنا وراثتی حصہ خالد کے تمام بچوں کو ہبہ (بخشش) کرنا چاہتے ہیں تو یہ بخشش صحیح ہوگی یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں جزاکم اللہ۔ بینوا توجرا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں حامد کے تمام ورثہ عاقل بالغ ہیں اور وہ سب اپنی مرضی اور خوش دلی سے نا قابل تقسیم موروثی مکان میں سے اپنا مجموعی حصہ اپنے چچا خالد کے سب بچوں کو مجموعی طور پر ہبہ کرنا چاہتے ہیں، تو مجموعی طور پر اپنا حصہ ہبہ (بخشش) کر سکتے ہیں، ہبہ کریں گے تو ہبہ صحیح شمار ہوگا، درمختار میں ہے۔ (وھب اثنان داراً لو احد صح) لعدم الشیوع (وبقلبه) لکبیرین (لا) عنده للشیوع فیما یحتمل القسمة . اما مالا یحتمل القسمة کالبیت فیصح اتفاقاً (درمختار) شامی میں ہے : (قوله داراً) المراد بها مایقسم (قوله وبقلبه) وهو هبة واحد من اثنین (درمختار ورد المحتار ج ۴ ص ۷۰۷ کتاب الهبة) فقط واللہ اعلم بالصواب .

بے اولاد آدمی کا اپنی زندگی میں مال تقسیم کرنا:

(سوال ۳۶۸) میں بے اولاد ہوں تین بھائی اور چار بہنیں اور میری بیوی اور والدہ ہیں، اپنی زندگی میں اپنا مال ان میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں تو کس طرح تقسیم کروں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ اپنے لئے جتنا مال رکھنا چاہیں رکھ لیں بلکہ رکھ لینا بہتر ہے، اس کے بعد جتنا تقسیم کرنا ہو اس کا چوتھائی حصہ بیوی کو اور چھٹا حصہ والدہ کو اور اس کے بعد جتنا بچے اس کے سات حصے کر کے تین بھائی اور چار بہنوں میں سے ہر ایک کو برابر سرابر دے دیں، جس کو جو چیز دینا ہو قبضہ کرا کر مکمل طور پر مالک بنا دیں تو ہبہ تام ہوگا، قابل تقسیم چیز

ہوتو تقسیم کر کے ہر ایک کو اس کے حصہ پر قابض کرا دیں۔

حدیث میں ہے:عن النعمان بن بشیر...... قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فاتقوا الله واعدلوا بین اولادکم ...... الخ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل یعنی برابری کرو (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۱ باب العطایا) لہذا جس طرح اولاد کے درمیان مساوات کا حکم ہے تو اولاد نہ ہونے کی صورت میں بھائی بہن میں بھی مساواۃ کرنا چاہئے، للذکر مثل حظ الا نثیین کا حکم ترکہ کا ہے ہبہ کا نہیں، لہذا بلا وجہ شرعی بھائی بہنوں کو ہبہ کرنے میں بھی کمی زیادتی نہ کی جائے ورنہ قابل اعتراض بھی ہوسکتا ہے، اور موجب دل شکنی بھی ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر کا بیوی سے بخشش کی ہوئی چیزیں واپس لینا:

(سوال ۳۶۹) شوہر نے اپنی کچھ چیزیں بطور بخشش اپنی بیوی کو دے دی ہیں، اور اس کا قبضہ بھی کرادیا ہے، اب اگر یہ شوہر بخشش کردہ چیزیں واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! بیوی کو ہبہ کی ہوئی چیزیں واپس نہیں لی جاسکتیں۔ وکذلک ما هب احد الزوجین للاخر لان المقصود فیها الصلة کما فی القرابة (هدایه ج نمبر ۳، ص ۲۷۴ باب ما یصح رجوعة وما لا یصح) فقط والله اعلم بالصواب.

مرحوم نے اپنی زندگی میں ایک زمین لڑکیوں کو دی تھی:

(سوال ۳۷۰) محمد نے اپنی زندگی کے دوران پونے چار بیگھ زمین اپنی چار لڑکیوں کو دی تھی تو کیا یہ زمین ترکہ میں شمار ہوگی؟

(الجواب) زمین بٹوارہ کے قابل شئی ہے، جو شئی بٹوارہ کے قابل ہو اس کے ہبہ کی درستگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ واہب شئی موہوب کے حصہ کرے، جس کو جتنا دینا ہے اتنا حصہ الگ کر کے مکمل قبضہ سمیت ہبہ کرے، یا ہبہ کرنے کے بعد خود واہب یا اس کی اجازت سے موہوب لھم میں سے ہر ایک اپنا حصہ الگ کر کے اس پر قابض ہو جاویں تو بھی ہبہ معتبر ہے)، اگر ہر ایک کا حصہ الگ نہیں کیا گیا اور واہب کی موت تک مشاع (مشترکہ غیر منقسم) رہا تو ہبہ درست نہیں اگر چہ حالت مشاع میں قبضہ بھی سپرد کر دیا ہو، اس قبضہ کا بھی اعتبار نہیں، ایسی شئی موہوب واہب کی (ملکیت) جائیداد سمجھی جائے گی اور ترکہ شمار ہوگی۔ درمختار میں ہے (لا) تتم بالقبض (فیما یقسم) ولو وهبه لشریکه) اولا جنبی لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامة الکتب فکان هو المذهب......(فان قسمه وسلمه، صح) لزوال المانع.

شامی میں ہے (قوله فان قسمه، وسلمه، صح) امالواهب بنفسه او نائبه اوامر الموهوب له بان یقسم مع شریکه کل ذلک تتم به الهبة کما هو ظاهر لمن عنده ادنی فقه (درمختار و شامی ص ۷۰۳ ج ۴، کتاب الهبة)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:هبة المشاع فیما یحتمل القسمة من رجلین اومن جماعة

صحیحۃ عند ھما و فا سدۃ عند الا مام ولیست بباطلۃ حتی تفید الملک بالقبض کذا فی جو اھر الا خلا طی . ذکر الصدر الشھید اذا وھب من رجلین ما یحتمل القسمۃ حتی فسدت الھبۃ عندہ ، ثم قبضھا یثبت الملک ملکاًفاسداً . قال وبہ یفتی کذا فی الفتاویٰ العتابیۃ لا یثبت الملک للموھوب لہ الا بالقبض ھو المختار کذا فی الفصول الخما دیۃ۔

(فتاوی عالمگیریہ ۵/ ۲۳۰، کتاب الھبۃ)(ھدایہ اخیرین ص ۲۶۹) (فتاویٰ خیریہ ۲/۱۱۲)(امداد الفتاویٰ ۳/۳۹۸)بھشتی زیور ۵/۵۲،۵۳)(امداد الفتاویٰ ۳/۳۹۷، کراچی)(فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۴۷۴) (کفایت المفتی ۸/۱۷۶)فقط واللہ اعلم بالصواب .

بیوی اور اولاد کے ہوتے ہوئے اپنا تمام مال بھتیجہ کو ہبہ کردینا:

(سوال ۳۷۱)ایک مسلم شخص جس کی عمر تقریباً ۸۵ سال ہے، وہ زندگی میں اپنی تمام جائیداد اپنے بھتیجہ کو ہبہ کرنا چاہتا ہے حالانکہ اس کی بیوی تین لڑکے دولڑکیاں ہیں جس میں ایک لڑکی غیر شادی شدہ ہے۔اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداًومصلیاًومسلما! ورثہ کو محروم کرنا سخت گناہ کا کام ہے اس سلسلہ میں احادیث شریفہ میں سخت وعیدیں آئی ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ بعض لوگ تمام عمر خدا کی فرمانبرداری میں گذارتے ہیں لیکن موت کے وقت وارثوں کو محروم کرجاتے ہیں، ایسے لوگوں کو حق تعالیٰ دوزخ میں ڈال دے گا۔ عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الرجل لیعمل والمرأۃ بطاعۃ اللہ ستین سنۃ ثم یحضرھما الموت فیضار ان فی الوصیۃ فتجب لھما النار (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۵ باب الوصایا) دوسری حدیث میں ہے: جوشخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کردے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم کردے گا۔ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیمۃ (ایضاً ص ۲۶۶ ایضاً) لہذا ورثاء کو محروم کرکے ساری جائیداد بھتیجہ کو بخش دینا موجب گناہ ہے ایسا ہرگز نہ کیا جائے، اگر تعلق کی وجہ سے بھتیجہ کو دینا ہی ہو اور ضرورت شرعیہ پائی جاتی ہو تو زیادہ سے زیادہ ثلث مال (اپنے مال کا تہائی حصہ) دے کر مدد کرسکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ (۴/۱۱/۹۴ء)